

# جدید فقہی مباحث

☆ اسلام کا نظام عشر و خراج ☆  
واراضی ہند کی شرعی حیثیت

جلد دوم

ترتیب

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

جلد ۹۔

ناشر:

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

.....جملہ حقوق محفوظ ہیں.....

**Islamic Fiqh Academy (India)**

**مجمع الفقہ الاسلامی (الہند)**

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، نعیم اشرف نور سلمیم اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہائے عافیت دارین اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی و دنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔  
اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت و طباعت و تقسیم کے لیے آپ کے ادارے ”ادارۃ القرآن والعلوم  
الاسلامیہ“ کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا سلام  
کے ساتھ پہنچاؤں۔  
والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام..... نعیم اشرف نور

ناشر..... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت..... ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ ادارۃ اسلامیات ۹۰ اتارکلی لاہور 042-37353255

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت العلوم ٹائمر روڈ پرانی اتارکلی لاہور 042-37352483

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کوہنگی 021-35032020

☆ مکتبہ رشیدیہ ہمرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ مکتبہ معارف القرآن دارالعلوم 021-35031565-6

☆ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، H-8/1 اسلام آباد

## فہرست مضامین

- ابتدائیہ ————— حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ۶
- مورچہ ہارم۔ دارالکفر میں عشر و خراج اور ہندوستان ————— مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی صاحب ۸
- احکام عشر و خراج ————— مولانا عبد الجلیل صاحب قاسمی ۳۳
- بوامع قرآنہ سمرامغربی چمپان
- اسلام کا نظام عشر و خراج ————— مولانا نور الحق صاحب رحمانی فاضل دیوبند ۵۹
- رفیق اسلامک فیکٹری انڈیا
- اسلام کا نظام عشر و خراج اور اراضی ہند کا شرعی حکم ————— مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی ۸۲
- مدرسہ اشرف العلوم سیتا مری
- عشر و خراج کی حقیقت ————— مولانا محمد ممتاز عالم صاحب مصباحی ۹۲
- دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی بسو
- اسلام کا نظام عشر و خراج (محمد اول تا ہجرت) ————— حکیم فضل الرحمان صاحب ۱۰۷
- سنبری مسجد چاندنی چوک دہلی
- عشر و خراج کی حقیقت ————— مولانا غفیل احمد صاحب قاسمی ۱۲۵
- جامعہ اسلامیہ گلزار سید قصبہ برہنہ برہنہ
- عشر و خراج کے مباحث و مسائل ————— مولانا ابوالحسن صاحب ۱۳۸
- دارالعلوم مائلی والا مسجد پٹنہ گجرات
- اسلام کا نظام عشر و خراج ————— مولانا ابوسفیان صاحب مفتاحی ۱۵۹
- جامعہ عربیہ مفتاح العلوم ممبئی
- اسلام کا نظام عشر و خراج ————— مفتی افضل حسین صاحب دارالعلوم اسلامیہ ممبئی ۱۷۹

- عشر وخراج کی حقیقت ————— مفتی فغیل الرحمن صاحب ہلال عثمانی ————— ۱۹۵  
جامعہ دارالسلام مالیر کوٹلہ۔ پنجاب
- اسلام کا نظام عشر وخراج ————— مولانا ابوالخیر صاحب ————— ۲۰۶  
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپورہ۔ اعظم گڑھ
- عشر وخراج ————— مفتی محبوب علی وجہی صاحب ————— ۲۲۵  
مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ رام پور
- ہندوستان کی زمینوں میں عشر وخراج کا مسئلہ ————— مولانا شامین جمالی صاحب قاسمی ————— ۲۳۳  
شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ
- عشر وخراج ————— مفتی عبداللہ صاحب ————— ۲۵۵  
مدرسہ عزیزیر بہار شریف تالندہ
- جوابات ————— مفتی انور علی صاحب الاعظمی ————— ۲۵۸  
دارالعلوم سکو۔ یوپی
- عشر کے کچھ احکام و مسائل ————— مولانا رفیق الممتان صاحب ————— ۲۶۳  
جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ
- عشر وخراج کی حقیقت ————— مولانا محمد ارشد صاحب قاسمی ————— ۲۹۳
- اسلام کا نظام عشر وخراج ————— مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی ————— ۳۳۵  
دارالعلوم مہدی آباد
- عشر وخراج کی حقیقت ————— مفتی عزیز الرحمن صاحب چیمپارنی ————— ۳۷۲  
دارالافتاء توتیہ پری
- عشر کے بعض احکام ————— مفتی جمیل احمد صاحب ندیری ————— ۴۰۷  
جامعہ عربیہ عین الاسلام نواہہ مبارک پور۔ اعظم گڑھ



○ اسلام کا نظام عشر و خراج ————— مولانا محمد عبد القیوم صاحب ————— ۴۲۶

مدیر عربیہ اصلاح المسلمین مدد شاہی، بستی پورہ

○ اسلام کا نظام عشر و خراج ————— مفتی محمد اسماعیل صاحب مجدد کوردی ————— ۴۳۷

دارالعلوم عربیہ کنستاریہ گجرات

○ عشر و خراج کا شرعی ضابطہ ————— مولانا محمد شعیب اللہ صاحب منقاسی ————— ۴۴۴

مدرسہ شیخ العلوم بنگلور

○ عشر و خراج سے متعلق سوالات کے جوابات ————— مولانا عبد الرحمن صاحب قاسمی ————— ۴۵۳

شعبہ افتاء دارالعلوم چچاپی، گجرات

○ اسلام کا نظام عشر و خراج ————— مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی ————— ۴۶۰

دارالعلوم اعظم گڑھ

○ فقہی سوالات کے جوابات ————— مفتی عبد الواحد صاحب ————— ۴۶۵

مدرسہ دارالعلوم مغربی بنگال

○ احکام عشر و خراج ————— مولانا محمد مکی الدین صاحب قاسمی ————— ۴۶۸

شعبہ افتاء دارالعلوم خراج داریں ترکیسر، سورت، گجرات

○ اسلام کا نظام عشر و خراج سے متعلق جوابات ————— ڈاکٹر عبد العظیم صاحب اصلاحی ————— ۵۰۶

○ عشر و خراج سے متعلق سوالوں کے جوابات ————— مولانا نعیم الدین صاحب ————— ۵۱۱

جامعہ اسلامیہ بدر پور، آسام

○ مقالة سريعة فی تعیین العشر و الخراج ————— مفتی عبد الرحمن صاحب ————— ۵۳۳

فی الأراضی الهندیة مرکز الفکر الاسلامی ڈاکہ - بنجلادیش

○ تجاویز ————— ۵۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ مجلہ فقہ اسلامی کی چھٹی جلد کا دوسرا حصہ ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ چھٹے فقہی سمینار کے مقالات پر مشتمل یہ دستاویزی مجموعہ اسلام کے نظام عشر و خراج کے موضوع پر اس دور کا جامع ترین تحقیقی کام ہے جس میں مختلف علماء و اصحاب اقطار نے موضوع کے مختلف گوشوں پر غیر معمولی تحقیقی کام انجام دیا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے پچھلے چند برسوں میں جو تحقیق و مطالعہ کا نیا رجحان پیدا کیا ہے اور ہمارے علماء نے جس طرح قدیم ذخیروں کو کھنگالنے اور نئے حالات پر شرع اسلامی کی تطبیق کا کارنامہ انجام دیا ہے نہ صرف یہ کہ قانون کا رشتہ زندگی سے جوڑتا ہے بلکہ شرع اسلامی کی سرکیت (DYNAMISM) کا بہترین ثبوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قانون وہی زندہ رہ سکتا ہے جس کا زین سے رشتہ ہو اور جو زندگی کے مسائل کو چھوٹا ہو۔ قانون اپنے اصول و کلیات کے اعتبار سے دائمی اور پائیدار حیثیت رکھتا ہے جبکہ اسکی جزئیات اور مختلف زمان و مکان میں اس کی تطبیق (APPLICATION) وقت اور مقام کی گرد و غبار سے مترا نہیں ہوتا۔ فقہ کا اصل مقام یہی ہے کہ وہ غور کرے کہ کون سے احکام مخصوص احوال عرف اور کسی خاص جغرافیائی مقام کے تقاضوں پر مبنی ہیں اور حالات عرف اور زمان و مکان کی تبدیلی کا اصل احکام پر کیا اثر پڑے گا اور پھر قواعد و کلیات مصالح و مقاصد شرع اور پائیدار اصول و ضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے نئے حالات پر احکام کی تطبیق کرے۔

اراضی کی حیثیت کسی ملک کی فتح کے وقت اس ملک کی اراضی کے ساتھ فاتحین کے برتاؤ پھر

ملک کے حالات کی سیاسی تبدیلیاں حقوق ملکیت کے سلسلہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے مختلف قوانین کے اثرات اور عسروں کو جیسے مسائل میں شریعت کے بنیادی احکام اس مسئلہ کو بلاشبہ بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کا موضوع بنانے کی ضرورت پر دلیل ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے علماء نے مسئلہ کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور اپنے مقالہ میں نازک دھنساں مسائل کو چھیڑا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلے مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی مستقبل میں حوالہ کا کام دے گا۔

سورہ سے متعلق ایک ڈی کے فیصلوں کا شریعہ اپیل کورٹ پاکستان نے اپنے معروف فیصلہ میں حوالہ دیا ہے اور ابھی جب اعضاء کی پیوند کاری کے موضوع پر اسلام آباد میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا تو جلد فقہ اسلامی بحث و نظر اور ہمارے سمیناروں میں کئے گئے فیصلوں سے بطور حوالہ استشہاد کیا گیا۔

اب ساتویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ کی روداد ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آئے گی۔ رفقاء سے دعا ہے کہ درخواست ہے۔

مجاہد الاسلام قاسمی

۲۶ ستمبر ۱۹۵۷ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# دارالکفر میں عشر و خراج اور ہندوستان

## محور چہکام

محمد عبید اللہ الاسعدی ————— الجامعة العربیہ بمقوراء، باندہ

اس محور کے تحت مذکورہ سوالات کے اصل جواب سے پہلے بطور تمہید و بنیاد چند امور کا ذکر کرنا مفید و ضروری معلوم ہوتا ہے۔

### (الف) ہندوستان دارالکفر ہے

ہندوستان موجودہ حالات میں "دارالاسلام" نہیں بلکہ "دارالکفر" یا معروف تعبیر کے مطابق "دارالحرہ" ہے۔

اگرچہ فقہ اکیڈمی میں مسئلہ ابھی زیر غور و تحقیق ہے، اور اکیڈمی کی طرف سے اس بابت کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے مگر دوسرے سیمینار سے متعلق اپنے مقالے میں اور بالخصوص اپنی ایک تالیف "الربا" میں احقر نے وضاحت کے ساتھ اس کو ذکر و ثابت کیا ہے۔

ہندوستان سے متعلق یہ رجحان دو صدیوں سے زائد عرصہ سے پایا جا رہا ہے اور ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی سے برابر علماء و محققین کی طرف سے اس کا اظہار کیا جاتا رہا ہے بلکہ فتاویٰ صادر ہوتے رہے اور ہوتے ہوتے کم از کم ہمارے ہاں بدولت کے درمیان ایک درجہ یہ اتفاقی امر ہو گیا۔

۱۸۵۷ء سے پہلے کے عہد میں بالخصوص شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا اس بابت فتویٰ معروف ہے، جو کہ شاہ صاحب کے مجموعہ فتاویٰ میں بھی محفوظ ہے اور بظاہر ان کا یہ فتویٰ



ان کے حلقہ کا اتفاقی فتویٰ تھا جیسا کہ ان کے اختلاف و حلقہ کے اقدامات سے پتہ چلتا ہے۔  
 ۱۸۵۷ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیان جب کہ اس ملک پر انگریزوں کا مکمل تسلط و قبضہ ہو گیا  
 اور رہا تو اس عہد میں بالخصوص اس فتویٰ کی شہرت ہوئی اور اس پر بحث رہی اور اکابر علماء  
 دیوبند نے برابر اس کا اظہار کیا،

معارف السنن میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی یہی تحقیق نقل کی گئی ہے اور  
 معارف میں ہی مولانا بنوری نے ذکر کیا ہے کہ جمعیتہ علماء کے اجلاس مشاور میں علامہ انور شاہ صاحب  
 کشمیری نے مستحقین اس کو ثابت فرمایا تھا کہ مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی نے اپنے ایک  
 فتویٰ میں ذکر فرمایا ہے — یہی علماء محققین کی بھی رائے ہے۔ ۳۰

مفتی محمد شفیع صاحب اپنی گرانقدر تالیف "اسلام کے نظام اراضی" میں جو کہ تقسیم  
 و آزادی کے بعد تالیف کی گئی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط اور اسلامی حکومت کے  
 آثار کا عدم ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک  
 محقق ہو چکا تھا، فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کا مستقل رسالہ  
 اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو انقلاب آیا اس  
 میں بھی وہ حصہ جو تقسیم غیروں کے اقتدار میں رہا اس کے احکام انگریزی عہد  
 سے کچھ مختلف نہیں ہو سکتے، اس لئے موجودہ حصہ کی صورت حال بھی شرعاً  
 واضح ہے۔ ۳۱

ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ دارالکفر و دارالحرب کی دو اقسام ہیں۔ ۱۔ دارالکفر اعلیٰ :-  
 کفار کے استبداد و اقتدار کا ایسا ملک ہے کہ جس پر کبھی مسلمانوں کا تسلط و اقتدار قائم نہیں ہوا  
 اور دارالکفر طاری :- ایسا ملک جس پر مسلمانوں کی حکومت اور ان کا تسلط و اقتدار تھا جس کو



کفار نے ان سے چھین لیا۔ ہندوستان اسی دوسری قسم کا دارالکفر و دارالحرب ہے۔  
**(ب) دارالکفر اور عشر و خراج**

(۱) دارالکفر میں عشر و خراج معاف ہے

دارالکفر و دارالحرب کی زمین پر کوئی شرعی وظیفہ عائد نہیں ہوتا یعنی وہ عشر یا خراج کی تنفیذ و الزام (لازم کرنے) کا محل نہیں ہے، اس لئے کہ اسلامی احکام اور بالخصوص وہ احکام جو کہ مالیات سے متعلق ہیں اور جن کی تنفیذ و اجرا حکومت کے واسطے سے ہے، ایسے احکام کا محل وقوع دارالاسلام ہے نہ کہ دارالکفر، کم از کم فقہ حنفی میں اور امام ابوحنیفہ کے ایسے کئی مسائل موجود ہیں۔

اس بابت کوئی نص تو علم میں نہیں آسکی اور نہ ہی کوئی باقاعدہ صریح و استقلالی جزئیہ تاہم فقہاء کی بعض عبارات کی بنا پر ہمارے علمائے یعنی اکابر علماء ہند یا علماء دیوبند اس مسئلہ کو ذکر کرتے رہے ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس پر متفق ہیں اگرچہ ان میں سے بیشتر کے اور اکثر فتاویٰ عشر و خراج کی ذکر و تفصیل پر مبنی ہیں، بلکہ فقہاء احناف کا بھی اتفاق معلوم ہوتا ہے۔

جن حضرات نے اس کی تصریح کی ہے یا ان سے اس کی صراحت و فتویٰ منقول ہے ان میں سے چند اہم حسب ذیل حضرات علماء ہیں :

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبند، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند، علامہ انور شاہ صاحب کشمیری، مفتی عزیز الرحمن صاحب نے وجوب عشر و خراج کے قول سے رجوع کر کے اس کو اختیار کیا تھا، اور سب سے زیادہ انہوں نے ہی اور بار بار اس کا ذکر فرمایا ہے،

۱۰ ملاحظہ ہو تاتارخانیہ ج ۵ کتاب السیر

۱۱ فتاویٰ دارالعلوم جدید ۶ باب عشر

۱۲ جواہر الفقہ

۱۳ فتاویٰ دارالعلوم جدید ج ۶ ص ۱۳۳-۱۳۴

۱۴ ایضاً ص ۲۶ ملخصاً

۱۵ معارف السنن ج ۵ ص ۲۱۸

۱۶ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۵-۴۸

۱۷ معارف السنن ج ۵ ص ۲۱۸

”اب چند مدت ہوتی ہے کہ شامی جلد ثانی باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراٹنی دار الحرب نہ عشری ہیں نہ خراجی، یہ مسئلہ اب بوجہ تصریح فقہاء ہندوستان کی اراٹنی سے عشر کی نفی لکھنی پڑی۔ اور اس کے خلاف اب تک کہیں دیکھا نہیں کہ اراٹنی حرب میں وجوب عشر کی تصریح کی ہو، لہذا پہلے جو فتویٰ حسب قواعد عامہ وجوب عشر کا دیا جاتا تھا اب اس کو چھوڑنا پڑا: ۱۴۵

ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں :

”پھر کچھ زمانے کے بعد الابد منہ میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اور تصریح نظر پڑی کہ ہم نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہو گا کیونکہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ کے ہم عصر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں، باہم کوئی خلاف نہیں ہے، ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہو گا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں، پھر اس کے ساتھ ٹوٹا یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا، اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی، کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے ٹوٹا یہ متردک ہو گیا ہے، وہ حضرات ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے کیوں کہ ہندوستان کو وہ حضرات دار الحرب سمجھتے تھے: ۱۴۶

رہ گئی یہ بات کہ اس کے باوجود کم از کم علماء دیوبند حضرت گنگوہی وغیرہ بار بار وجوب عشر کو کیوں ذکر فرماتے رہے، تو مفتی صاحب موصوف نے اس اشکال کو ذکر کر کے اور اس کے



کچھ مقتضیات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

”حضرت اقدس (گلگاہی) رحمۃ اللہ علیہ کا قول و فعل احتیاط پر مبنی کہا جاوے۔“  
 اور خود مفتی صاحب نے رجوع کے بعد اداس کو مدلل و مبہن کر کے ذکر کرنے کے بعد بار بار یہی تحریر  
 فرمایا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عشر نکاح لا جائز ہے اور خود بھی اسی پر عامل تھے۔  
 حضرت تھانوی نے جو عموماً وجوب عشر و خراج کو ذکر فرمایا ہے، فتاویٰ میں بھی اور دیگر مواقع  
 میں بھی تو احقر سمجھتا ہے کہ اس کی بنیاد بھی یہی ہے، اس لئے کہ حضرت سے اس قسم کے فتاویٰ واقف  
 کے موجود ہوتے ہوتے صراحتاً اور تائیداً بالتعین یہ بات ذکر فرماتی ہے کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب  
 ہے لہذا یہاں کی زمین نہ تو مشری ہے اور نہ خراجی۔ اور ایسے فتویٰ کے بعد اداس کے ساتھ بھی  
 احتمال و تشقیق یا احتیاط کی بنیاد پر عشر و خراج کی ادائیگی کو ذکر کیا گیا ہے۔ ایک فتویٰ میں مفتی عزیز الرحمن  
 صاحب کے فتویٰ کی تصدیق و توثیق کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”ہاں صحیح ہے لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ دارالاسلام ہو تو یہ حکم ہوگا۔“

ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:

”اگر بعض حضرات کی رائے کے مطابق کہ دارالحرب کی زمین نہ مشری ہے نہ خراجی، کوئی

عمل کرے تو ابتداء کی حالت میں گنجائش ہے۔“

ایک فتویٰ میں ہے:

”اگر ہندوستان..... غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ مشری ہے نہ خراجی۔“

امداد الاحکام کے ایک فتویٰ میں ہے:

”اس ملک کے دارالحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اس لئے احتیاط اسی میں

۱۰ ایضاً ۱۱ ۱۲ ایضاً البتہ شاہ عبدالعزیز صاحب نیز قاضی صاحب وغیرہ کے نزدیک بنیاد

کچھ اور معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فتاویٰ غریزیہ و معارف السنن سے معلوم ہوتا ہے۔ آگے اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

انشاء اللہ۔ ۱۳ امداد الفتاویٰ ج ۲ ۱۴-۱۵، امداد الاحکام ج ۲ ۱۶-۱۷

۱۸ امداد الفتاویٰ ج ۲ ۱۹ ایضاً ۲۰ ایضاً ۲۱ ایضاً ۲۲

ہے کہ عشر دیا جائے ۵۔ ۱۰

بہر حال مجموعی طور پر فتاویٰ سے احتیاطاً اس حکم پر عمل کا علم ہوتا ہے۔ اور بعض فتاویٰ کی صحت کے مطابق اس احتیاط کی بنیاد ہندوستان کی شرعی حیثیت کی بابت علماء کا اختلاف ہے نہ کہ وجوب عشر کا حکم اور اس کے دلائل، البتہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دارالحرب میں عشر و خراج کے سقوط کا حکم حضرت نے بطور رجوع اختیار کیا یا یہ کہ ابتداء سے ہی راتے رہی، فتاویٰ کے مجموعہ میں تو ۱۳۳ھ سے اس قسم کے فتاویٰ کا سلسلہ ملتا ہے۔ اس سے تو بظاہر رجوع سمجھ میں آتا ہے اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملی۔

## (۲) ایک اختلاف

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ علماء دیوبند اس پر متفق معلوم ہوتے ہیں کہ دارالحرب میں عشر و خراج کا حکم نہیں ہے۔ لیکن ایک اختلاف یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ حکم ہر دارالحرب کا ہے یا یہ کہ صرف اس دارالکفر و دارالحرب کا جو کہ اصلی ہے۔ اور ہندوستان یا اس جیسے ملک کا جو پہلے دارالاسلام تھا یہ حکم نہیں ہے۔

اس بابت عام رجحان تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرق نہیں اس لئے کہ اکابر کے جو فتاویٰ محفوظ ہیں وہ سب ہندوستان کی بابت ہیں، مفتی محمد شفیع صاحب نے اس بابت اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ حکم اصلی دارالحرب و دارالکفر کا ہے، ہندوستان جیسے ملکوں کا نہیں، جیسا کہ شرح السیر الکبیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، شرح السیر میں صاف صاف یہ عبارت موجود ہے :

” ان العشر و الخراج انما یجب فی اراضی المسلمین و ہذا

اراضی اہل الحرب لیست بعشریۃ ولاخراجیۃ ” ۱۰

۱۰ امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۸۸ امداد الاحکام حضرت تھانوی کی خانقاہ و دارالافتاد سے صادر

ہونے والے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو کہ حضرت کی حیات میں اور ان کی زیر سرپرستی تحریر کئے گئے اور

ان کے علم میں لائے جلتے رہے۔ ۱۰ جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶۵

۱۰ شرح السیر الکبیر ج ۲ ص ۲۱۶



مفتی صاحب نے حضرت تھانوی کے ایک فتویٰ کی بھی یہی توجیہ کی ہے۔ اگرچہ دوسرے فتاویٰ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، ویسے بعض قرائن سے عام رجحان کی تائید ہوتی ہے مثلاً یہ کہ ایسے علاقے جو کہ دارالطرب ہو گئے ہوں وہاں کے مسلمانوں کے لئے جو احکام فقہانے ذکر کئے ہیں جن میں کسی کو قاضی تجویز کرنے کی بات بھی آتی ہے ان احکام میں عشر و خراج کی ادائیگی وصول کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ جہاں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کا کوئی والی و حاکم تجویز کیا جائے یا مسلمان بنالیں اور ملے کر لیں تو اس کے وظائف میں ضرور اس کا تذکرہ آیا ہے ۱۷

اہم قرینہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے زیر قبضہ وزیر اقتدار جو علاقے ہوں خواہ وہ اس لئے کہ وہاں کے عام باشندے مسلمان ہوں اور ان کی باقاعدہ حکومت ہو یا یہ کہ باشندے غیر مسلم ہوں اور ان کی حکومت ہو مگر مسلمانوں سے ان کا باقاعدہ عہد ہو چکا ہو اور وہ ان کے پابند ہوں اگر ایسے علاقے سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو جائے اور کفار کی حکومت قائم ہو جائے تو کتب فتاویٰ میں طرہٴ یہ مذکور ہے — اور امام محمد سے نقل کیا گیا ہے کہ ایسے علاقوں کا حکم ان کے سابق حال کے مطابق ہو جائے گا اس اعتبار سے کہ اگر دوبارہ مسلمان اس کو فتح کرتے ہیں اور ان کا اقتدار قائم ہوتا ہے تو زمینوں اور غیر مسلم باشندوں کے ساتھ حسب سابق معاملہ کیا جائے گا، صرف اتنا فرق ہو گا کہ مسلمانوں کی جو املاک تھیں اگر مالکان حاضر ہو کر ثبوت پیش کر دیں تو سابقہ شرعی وظائف کے ساتھ ان کی زمینیں ان کو ہی واپس کر دی جائیں گی، یہ بھی اس وقت جب کہ وفتح و اقتدار جاریہ کے بعد زمینوں وغیرہ کی نئی تقسیم و تنظیم سے پہلے پہلے رابطہ کر کے حاصل کر لیں در نہ نیا نظام جو نافذ ہو چکا اس کے مطابق ہی ان کو زمینیں مل سکیں گی ۱۸

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی اس سلسلہ کے ایک فتویٰ میں اس قسم کی عبارت سے استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں :

۱۷ ملاحظہ ہو جواہر الفقہ ج ۲ ۲۶۶-۲۶۹ ۱۸ تاتاریخانیہ ج ۵ ۳۲۶

۱۹ عالمگیریہ ج ۲ ۲۳۳، تاتاریخانیہ ج ۵ ۳۲۲-۳۲۳، کتاب الاصل ج ۲ ۱۴۶-۱۵۰



”وفى العالم كيريه — ثم هذه الدار اذا هارت دار الحرب لو  
افتتحها الامام ثم جاء اهلها قبل القسمة اخذوها بفيل شمس  
وبعد القسمة بالقيمة ولو افتتحها الامام هادت الى الحكم الاول  
الخراجي يعبر خراجيا والعشري يعبر مشريا“  
اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

”قلت فيه دلالة على ان ارض الاسلام اذا هارت دار الحرب لا تتبع  
خراجية ولا مشرية، دل عليها قوله هادت الى الحكم الاول“  
میں کہتا ہوں کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دارالاسلام جب کہ دارالحرب ہو جاتا ہے  
تو اس کی زمینیں نہ عشری رہ جاتی ہے اور نہ خراجی۔ هادت الى الحكم الاول کے الفاظ  
اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

### (۳) استدلال و دلائل

دارالکفر و دارالحرب میں عشر و خراج کے واجب و لازم ہونے کی بابت استدلال و دلائل  
کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے متعلق کسی نص کا علم نہیں ہو سکا اور نہ ہی استقلالاً و باقاعدہ کسی کلیہ یا جزئیہ کا۔  
علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :

”اهلم أن اراضى بلاد الهند ليست بعشرية لأنها أصبحت

من دار الحرب — وهكذا اتحقق عندى من كتب انفقته“

ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کی وجہ سے اب یہاں کی زمینیں مشری نہیں  
رہ گئی ہیں، میرے نزدیک کتب فقہ سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن شاہ صاحب کے بیان اور معارف السنن کی تفصیل و توضیح میں دلائل کی بابت کچھ زیادہ وضاحت  
نہیں ہے۔ ایسے تمام حضرات کے استدلال میں شامی کی ایک عبارت ہی ملتی ہے، بعض حضرات نے

شرح سیر کبیر کی بھی ایک عبارت ذکر کی ہے اور شامی کی مذکورہ عبارت بھی تبعاً آتی ہے اور اصل متوقع بحث یعنی عشر و خراج سے متعلق بحث میں نہیں بلکہ ایک دوسری بحث اور باب میں ہے عبارت یہ ہے :

ان أرضها (أى أرض الحرب أو أرض دار الحرب) ليست أرض

خراج أو عشر

یہ عبارت کہاں اور کس سیاق میں آئی ہے پوری تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔ کتب فقہ میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ کسی شخص کو اگر کوئی خزانہ کسی زمین میں ملتا ہے تو اس کے کیا احکام ہوں گے، اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ عبارت آتی ہے :

"مسلم أو ذمی بعد معدن ذهب أو فقهه أو حدید اور خاص أو نحاس

فی أرض عشر و خراج" ۱۰

یہ عبارت فقہ حنفی کی مشہور متن ملتقى الابحر کی ہے، اور معمولی فرق و اختلاف کے ساتھ فقہ حنفی کے تمام متنوں و شروح میں موجود ہے، بحث یہ ہوتی کہ فقہائے نے یہ قید کیوں لگائی کہ عشری و خراجی زمینوں کے خزانہ کا یہ حکم ہے؟ عام طور سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر رہائشی مکانوں کے اندر خزانہ ملتا ہے تو یہ حکم نہیں ہوگا۔ علامہ شامی نے یہ ذکر کیا ہے کہ مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دار الحرب کی زمین نہ ہو، اس لئے کہ دار الحرب کی زمین اور اس کے خزانے کے احکام دوسرے ہیں پھر اپنے اس خیال کی تائید میں ایک عبارت نقل کی ہے۔ اس عبارت کی ابتداء میں وہ کرا و جملاً آیا ہے جو کہ اس مسئلہ میں محل استدلال بن گیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

"ثم رأيت عين ماقلت في شرح الشيخ اسماعيل حيث

قال — ويحتمل ان يكون احترازهما وجد في دار الحرب فان

أرضها ليست أرض خراج أو عشر" ۱۱

۱۰ جواہر الفقہ، ۲، ص ۱۷۱

۱۱ الملتنقى لأبجر مع شرحه الدر المنقى على هامش مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۷۱

۱۲ الدر المنقى مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۷۱، البحر الرائق مع الكنز ج ۲ ص ۱۷۱، فتح القدير

مع الهداية ج ۲ ص ۱۷۱، الدر المختار مع الرد ج ۲ ص ۱۷۱ ۱۳ شامی ج ۲ ص ۱۷۱



یعنی ہمارے فقہائے جو یہ کہتا ہے کہ ”عشری و خراجی زمین کا خزانہ نہ ہو“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالحرب کی زمین سے اس کو نہ حاصل کیا گیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہاں کی زمین ہی ایسی ہوتی ہے کہ جس میں عشر و خراج کا حکم نہیں ہوتا۔

بظاہر اس عبارت کے علاوہ کوئی دوسری عبارت ان حضرات کے استدلال میں نہیں آتی ہے کہ جس میں دارالحرب کی زمین سے متعلق اس قسم کے حکم کا ذکر کیا گیا ہو، سارے ہی حضرات نے علامہ شامی کی نقل کردہ اس عبارت کی اس صراحت پر اعتماد کرتے ہوئے ہی یہ استدلال کیا ہے۔

### (۴۱) استدلال کا جائزہ

ظاہر ہے کہ دارالکفر و دارالحرب سے متعلق مذکورہ حکم پر ہمارے اکابر متفق یا متفق سے ہیں اور استدلال پر مطمئن بھی، اور اتفاق سے ان حضرات کی تحریرات میں اس استدلال پر کوئی باقاعدہ بحث یا تفصیل بھی نہیں مل سکی اس لئے مجھ جیسے کو زیرب تو نہیں دیتا۔ مگر علمی مسئلہ ہے اور بعض حضرات کی بحث و تحقیق سے تقویت بھی ملتی ہے اس لئے جسارت کرتا ہوں کہ کچھ عرض کروں۔

شرح السیر الکبیر کی جس عبارت سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر تو نقد و تبصرہ مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب نے بھی کیا ہے، البتہ مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا ہے کہ اس میں ”دارالکفر اصلی“ کے حکم کا بیان ہے نہ کہ ”دارالکفر طاری“ کا لہذا اور مفتی رشید صاحب کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اس میں اس کا تذکرہ ہے کہ دارالکفر کے کافر باشندوں کی زمین پر کوئی وظیفہ نہیں ہے مسلمانوں کی زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سیر کبیر اور شرح السیر الکبیر میں یہ عبارت جس سیاق و تفصیل کے ساتھ آئی ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کا تعلق دارالکفر و دارالحرب کے باشندگان کی زمین سے ہے نہ کہ وہاں کے مسلمان باشندوں کی زمین سے۔ اس لئے اس سے تو مفتی رشید احمد صاحب کی ہی تائید ہوتی ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے سیر کبیر میں ایک مسئلہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی فوج یا

ان کا دستہ اپنی طاقت و زور کی بنیاد پر دارالحرب کے کسی حصہ میں کچھ عرصہ کو مقیم ہو جائے اور اس عرصہ میں کاشت کرے تو اگر بیج وہ دارالاسلام سے ساتھ لے گئے تھے تو ساری کھیتی جن لوگوں کا بیج ہو ان کی ہوگی اور اگر کسی طرح دارالحرب سے بیج حاصل کیا ہو تو بیج کی بقدر پیداوار کی حیثیت مال غنیمت کی ہوگی اور بقیہ کاشت کرنے والوں کا، اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے پہلی شق یعنی جب کہ بیج دارالاسلام سے لے جایا گیا ہو — کے متعلق یہ فرماتے ہوتے کہ کاشت سب کی سب ان کی ہوگی، امام محمد نے فرمایا ہے ”عشر ولا خراج“ امام محمد کی اس عبارت کی شرح میں امام خسی فرماتے ہیں :

”لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين وهذه

أراضي أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية“ —

عشر و خراج اس کھیتی میں اس لئے واجب نہیں ہے کہ ان کا وجوب ان زمینوں میں ہوتا ہے جو کہ مسلمانوں کی ہوں (یعنی ان کی ملک اور ان کے زیر اقتدار) اور یہ تو اہل حرب کی زمینیں ہیں جو کہ عشری و خراجی نہیں ہوتیں۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس میں مسلمانوں کی ملوک و زیر دست و تصرف زمین کا حکم بیان ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جیسے کہ اس کا اصلاً وجوب عشر و خراج کے مسئلہ و موضوع سے اور اس کے موقع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

رہ گئی شامی میں آنے والی عبارت و جزئیہ تو اس کی بھی اسی انداز کی تونیج مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے اپنی کتاب ”کتاب العشر والزمکاۃ“ میں کی ہے اور مفتی رشید احمد صاحبؒ بھی اور مولانا رحمانی نے تو اس عبارت نیز استدلال اور استدلالین سب پر سخت تبصرہ بھی فرمایا ہے مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں :

”بعض حضرات کو شامیہ باب الرکاز کی عبارت ”فإن أرضها أي دار الحرب

ليست أرض خراج أو عشر“ سے مغالطہ لگا ہے کہ یہ دار الحرب میں رہنے والے

مسلمانوں کی اراضی کا حکم ہے کہ ان پر نہ عشر ہے نہ خراج، حالانکہ مقصد یہ ہے کہ  
اہل حرب کی اراضی پر عشر یا خراج نہیں کیوں کہ وہ احکام شرع کے مکلف نہیں چنانچہ  
شمس الائمہ غفری کی عبارت اس مراد کی وضاحت کرتی ہے "ونصفه — ان  
العشر والخراج انما يجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی  
اهل الحرب لیست بعشریة ولاخراجیة (شرح السیر الکبیر ص ۳۳۹)

یعنی اس عبارت میں جو عشر و خراج کی لفی کا تعلق ہے، وہ اس زمین سے ہے جو کہ دارالحرب کی  
اور اہل حرب کی ہو، مسلمانوں کی زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں خواہ ان کی زمین دارالحرب میں  
کیوں نہ ہو جب کہ وہ دارالحرب میں سکونت پذیر ہوں۔ مولانا رحمائی صاحب نے بھی اس عبارت کا  
محمل یہی ذکر فرمایا ہے ۛ

شامی کی عبارت کی مذکورہ توجیہ کی تائید باب الرکاز میں آنے والے مسائل اور تفصیل  
سے نیز السیر الکبیر اور اس کی شرح کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ یہ مذکورہ قید اسی  
زمین کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے کہ جو دارالحرب کی ہو اور وہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملک  
اور ان کے زیر اقتدار وزیر تصرف ہو۔

### (۵۱) شامی کی عبارت کی حیثیت

اس توجیہ و تفصیل کے بعد پھر ان عبارات یا مذکورہ عبارت سے اس استدلال کی کوئی  
گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پھر یہ استدلال اصولی طور پر بھی محل نظر ہے، اس لئے مولانا عبدالصمد صاحب  
رحمائی نے تحت الفاظ میں اس پر تبصرہ فرمایا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ شامی کی یہ عبارت :  
"محل — بلا سند — غیر منسوب الی امام — ہے، نہ دلیل، نہ دوسری کتاب میں۔"

اس لئے لائق اعتبار، نہ قابل استناد، نہ لائق فتویٰ ۛ



اس کے بعد انھوں نے اس عبارت کا وہ محل تجویز فرمایا ہے جس کو صحیح ذکر کیا گیا ہے مولانا نے اس عبارت پر جو تبصرہ و نقد فرمایا ہے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر وہ لائق توجہ ہے، ایک طرف تو عشر کی شرعی حیثیت اور اس کے وجوب کے دافر قطعی و قوی دلائل جن میں کوئی استثناء و تفصیل کہیں نہیں ہے دوسری طرف صرف ایک یہ عبارت، نہ تو بطور قاعدہ و کلیہ اس قسم کی کوئی بات کسی کتاب میں، اور نہ ہی بحیثیت جزئیہ کوئی صاف صریح چیز اپنے موقع پر کسی جگہ، نہ ائمہ مذاہب یا متقدمین و متاخرین اہل تحقیق کی کوئی صراحت و وضاحت، نہ ہی ایسی کسی دلیل کا تذکرہ اور اس پر روشنی کی جس سے اس فرق کی وضاحت ہوتی ہو اور پھر مذکورہ عبارت میں بھی یہ صاف صاف نہیں کہ دار الحرب کی کوئی زمین بھی عشری و خراجی نہیں ہوتی اگرچہ مسلمانوں کے زیر تصرف کیوں نہ ہو۔

رہ گیا تا تاریخانیہ وغیرہ کا جزئیہ اور یہ مسئلہ کہ دارالاسلام دارالکفر بن جانے تو سابق حیثیت ختم۔ تو خود ان جزئیات میں یہ صراحت موجود ہے کہ سابق مسلمان مالکان جو اپنی اراضی حاصل کریں گے ان کی سابق عشری یا خراجی حیثیت ہی برقرار رہے گی، اور ساتھ ہی یہ کہ جن اراضی کے متعلق ثبوت فراہم کر کے حاصل نہ کیا جاسکا ان کے ساتھ حکومت وہی معاملہ کریگی جو کہ اس ملک و علاقہ کو پہلی مرتبہ فتح کرنے کے موقع پر کیا گیا، یعنی جو زمینیں سابق مسلمان مالکان نے حاصل کر لیں۔

بقیہ سب حکومت کے زیر تصرف اور ان کی سابق جو بھی حیثیت رہی ہو یا جس کی ملک بھی رہی ہوں وہ سب ختم اب نئے سرے سے جس کو ملیں گی، حسب ضابطہ احکام ہوں گے۔ تو یہ تو دارالاسلام میں بھی بعض زمینوں کے متعلق ہوتا رہتا ہے، ہمارے فقہائے بار بار ذکر کیا ہے کہ دارالاسلام میں جو زمینیں مالکان کے لاوارث فوت ہونے یا لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے حکومت کے زیر تصرف آجائیں ان کا حکم اب سابق حکم سے مختلف ہوگا یعنی حکومتیں نیا تصرف و معاملہ جس قسم کا کریں گی اس کے مطابق کرایہ و اجارہ کے طور پر عوام سے کاشت کرالیں یا حسب صوابدید خارجی طور پر یا مستقل کسی کو دے دیں یا کوئی ان سے بالعوض حاصل کر لے سب کے الگ الگ احکام ہوں گے۔ حتیٰ کہ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ایسی جو زمینیں بالعوض حکومت سے حاصل

کی جائیں گی ان میں نہ تو عشر ہوگا اور نہ خراج ۱۰

پھر یہ کہ تاتار خانہ وغیرہ میں یہ حکم صرف زمین و جائداد کی حد تک ہے، البقیہ املاک و اموال کے تو مسلمان ہی مالک رہیں گے۔ اس صورت میں بھی جب کہ مسلمان باشندے ہوں وہاں کے اور اس صورت میں بھی جب کہ دارالاسلام کا کوئی مسلمان وہاں جا کر کچھ جائداد بنالے۔ البتہ امام ابو یوسف دوسرے فقہاء کی طرح یہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ کسی مسلمان کے مالکانہ تصرفات میں ہو وہ سب کا سب اس کا ہوگا ۱۱ اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(ج) مسئلہ کا دوسرا رخ

### زمینوں کا شرعی وظیفہ ہر جگہ

دارالحرب کے مسلمانوں کی زمینوں پر شرعی وظیفہ کے عائد ہونے کا ایک رخ تو یہ ہے جس کی تفصیل مع استدلال پیش کی گئی، اور دوسرا رخ یہ ہے کہ

### (۱) دار الکفر بھی محل حکم ہے

(الف) کسی ملک کے دار الکفر و دار الحرب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شرعی طور پر آزادی کی جگہ ہے اور وہاں کے مسلمانوں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں اور ان پر کوئی حکم عائد نہیں ہوتا۔ بس خاص بات یہ ہوتی ہے کہ جن احکام کی ادائیگی کے لئے حاکم و حکومت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے متعلق نہیں ہوتے، اس لئے کہ مسلم حکمرانوں کا ایسے ملکوں کے اندر اثر و رسوخ نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ذریعہ دار الکفر کے مسلمان باشندوں کا مواخذہ و گرفت کریں اور خود وہاں کوئی نظم قائم ہو جائے خواہ مسلمان خود کر لیں یا یہ کہ ان کی کافر حکومت اس کا نظم کر دے اور اس کو قبول کر لے تو پھر تمام احکام جاری ہوتے ہیں اور ہوں گے، تاتار خانہ میں ہے :

۱۰ رد المحتار ج ۵۰ ناقل عن صاحب البحر

۱۱ اعلام السنن ج ۱۲ ص ۱۳۸ تا ص ۱۵۲ و ص ۲۲ وغیرہ



”وکل مصرفیہ وال مسلم من جہتہم یجوز فیہ اقامۃ  
الجمعة والاعیاد وأخذ الخراج وتقلید القضاۃ وتزویج الایتام  
لاستیلاء المسلم علیہم“ ۱۹

کفار کے ملک کے جس شہر و علاقہ میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان حاکم تجویز ہو تو اس  
میں جمعہ و عیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قضاۃ کی تعیین اور یتیموں کی شادی  
(وغیرہ جیسے) تمام امور جائز ہیں اس لئے کہ مسلمانوں کا حاکم مسلمان ہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مؤاخذہ و گرفت کے احکام ان کے لئے نہیں ہوتے ورنہ تو وہ مسلمان  
ہونے کی وجہ سے اور مسلمان ہونے کے ساتھ اسلامی زندگی و شرعی احکام کے پابند ہوتے  
ہیں، نماز و روزہ کی ادائیگی ان پر فرض ہوتی ہے، اسی طرح اور دیگر حلال و حرام حقوق اللہ و حقوق العباد  
کا ان کو خیال رکھنا ہوتا ہے، کتاب و سنت کی نصوص اور فقہاء کی تصریحات سب سے یہ واضح ہے۔  
مدینہ منورہ کی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ کی زندگی سب سے بڑی واضح دلیل ہے، نماز مکہ مکرمہ  
میں فرض ہوتی اور وہیں سے اس کا مطالبہ رہا۔ اس لئے علمائے اس کی صراحت کی ہے جیسے کہ  
دیگر احکام سے متعلق خود ہمارے ائمہ کی بھی صراحت ملتی ہے حتیٰ کہ دار الحرب میں کئے جانے والے  
معاملات سے متعلق بھی اور قتل وغیرہ سے متعلق بھی۔ کوئی مسلمان، خواہ دارالاسلام کا باشندہ ہو جو  
کسی طرح دار الکفر و دار الحرب میں پہنچ گیا ہو یا وہیں اسلام لایا ہو اور وہیں رہتا ہو۔ اگر دار الکفر کے  
اور کوئی ایسا مالی معاملہ کسی مسلمان کے ساتھ کرتا ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے تو امام صاحب کے  
یہاں تو کچھ گنجائش ہے باقی جہور حتیٰ کہ صاحبین بھی منع کرتے ہیں۔

اسی طرح دار الکفر و دار الحرب کے اندر اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ذریعہ قتل  
ہو جائے۔ تو کم از کم کفارہ کے وجوب پر تو ہمارے ائمہ متفق ہیں اور امام ابو یوسف ہر صورت میں  
اس کے ساتھ دیت کو بھی واجب قرار دیتے ہیں اگرچہ استحساناً ہو، بعض صورتوں میں امام صاحب  
بھی موافق ہیں اور امام محمد اکثر مواقع میں موافقت کرتے ہیں۔ ۲۰

دار الحرب کا مسلمان اگر ناواقفیت کی وجہ سے نماز و روزہ چھوڑتا رہے۔ اور دارالاسلام جانے یا منتقل ہونے پر اس کو علم ہو تو امام ابو یوسف اور عام فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو نماز و روزہ کی قضا کرنی ہوگی لہ

السیر الکبیر اور اس کی شرح میں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ دار الحرب میں رہتے ہوئے اموال پر زکوٰۃ بھی واجب ہے بس یہ کہ فیما بینہ و بین اللہ ادا کرے گا، امام المسلمین نہیں لے گا۔ یعنی مواخذہ نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کا عمل و دخل نہیں ہے۔ اور اگر زکوٰۃ نہ ادا کی، سالہا سال گزر گئے تو عام فقہاء کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو دیا یہ کہ اس کو علم ہو، یا دارالاسلام منتقل ہو تو سالہا لے گذشتہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا لہ بظاہر ہمارے فقہاء اور بالخصوص امام صاحب زکوٰۃ کی قضا کو بھی واجب نہیں کرتے۔

بہر حال ایسا نہیں کہ دار الکفر و دار الحرب میں مسلمان پر شرعی احکام و مطالبات نہیں ہیں۔ بیشک ہیں اور بالاتفاق ہیں البتہ نوعیت کا فرق ہے۔

## (۲) نصوص عشر کا عموم اور اس کا تقاضا

(ب) پھر یہ کہ وجوب عشر کی نصوص عام و مطلق ہیں جن کا تقاضا ہر مسلمان کی زمین پر اس وظیفہ کے عائد ہونے کا ہے۔ خراج کا مطالبہ و وجوب تو اس کو ساقط کر دیا کرتا ہے (کم از کم عند الاحناف) ورنہ اس کا وجوب مسلمانوں کی زمینوں پر اسی طرح سمجھ میں آتا ہے جیسے کہ زکوٰۃ کا وجوب املاک میں سب ہی مانتے ہیں، نصوص کے اس تقاضے کا تذکرہ مفتی عزیز الرحمن صاحب نے بھی کیا ہے اور کفایت المفتی کے ایک مبسوط فتویٰ میں جو کہ بعض اکابر دیوبند کا تصدیق کردہ ہے۔ (اگرچہ مفتی کفایت اللہ صاحب کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ ان کا نوٹ ہے) اس میں بھی اس کا ذکر ہے۔ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بھی اس پہلو سے کافی گفتگو فرمائی ہے لہ اور مفتی عزیز الرحمن صاحب

لہ ایضاً ۱۳۳۳ھ، المغنی ۶/۴۸۸ لہ السیر الکبیر مع شرح ۲۱۳۵-۲۱۳۶ لہ المغنی ۶/۴۸۸

لہ فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۴۶/۴ لہ کفایت المفتی ۲۹۹ تا ۳۰۳ لہ ملاحظہ ہو کتاب العشر والزکوٰۃ



نے تو اسی بنیاد پر احتیاطاً ہی وجوب عشر کو ذکر فرمایا ہے لیکن مولانا رحمانی صاحب وغیرہ نے وجوبی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب بھی بظاہر دارالکفر و دارالحرب میں مطلقاً وجوب کے قائل ہیں اس لئے کہ انھوں نے شامی کے جزیئہ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس کا تعلق دارالحرب کے غیر مسلم باشندوں کی زمین سے ہے نہ کہ مسلم باشندوں کی زمین سے بلکہ

(ج) پھر یہ کہ ہمارے فقہاء عشر کے وجوب کو پیداوار کی ملک سے متعلق کرتے ہیں۔ اور سقوط عشر کے استدلال کی کیا حیثیت ہے تفصیل آچکی ہے۔ اس سب کا تقاضا دارالکفر میں بھی ادائیگی عشر کا ہے۔

### (۳) مولانا ظفر احمد صاحب کا محققانہ فیصلہ

#### شرح وظیفہ مسلمانان کفر مدین پتر

یہ بحث مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی اس سلسلہ کی فیصلہ کن و محققانہ رائے پر ختم کی جاتی ہے۔ مولانا نے اعلا السنن میں ایک عنوان قائم کیا ہے: ”حکم ارض الحرب اشتراھا مسلم أو أسلم علیھا هل هی خراجیة أو عشریة“ اس کے تحت شامی کا گذشتہ جز ثانی اور سیر کبیر و شرح السیر کی عبارت نیز بعض دوسری عبارات نقل فرماتی ہیں۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں:

”یہ جو کہا جاتا ہے کہ دارالکفر و دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی تو اس کا مبنی بظاہر یہ ہے کہ زمین و جائداد جو کسی کے تصرف میں ہوتی ہے، اس پر متصرف کا قبضہ حقیقی نہیں ہوتا بلکہ حقیقی قبضہ تو اس علاقہ کے حاکم و حکومت کا ہوتا ہے، لہذا اہل حرب (دارالحرب کے باشندوں) کی زمین میں عشر نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ ان کے حاکم کے قبضہ میں ہوتی ہے اور (مسلمان اگر حملہ آور ہوئے تو) ان کا حاکم (گرفتار ہو کر) مسلمانوں کا مملوک (اور ان کے لئے غنیمت) شمار ہوگا تو جو کچھ اس کے قبضہ میں وہ بھی مسلمانوں کی ملکیت و غنیمت کھڑے گا۔ اور عشر صرف اس زمین پر ہوتا ہے جو کہ



مسلمانوں کے قبضہ (اور مکمل ملک) میں ہوا اور اس زمین پر خراج اس لئے نہیں ہوگا کہ خراج کا وجوب صرف دارالاسلام کے اندر ہے کیونکہ یہ اسلام کے ان مخصوص احکام میں سے ہے جو کہ صرف دارالاسلام میں رہنے والوں پر جاری ہوتے ہیں۔  
 البتہ امام ابو یوسف کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ دارالحرب کے مسلم باشندوں کی زمین پر عشر واجب ہو، اس لئے کہ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے تو وہاں کے مسلم باشندوں کی جملہ املاک مسلمانوں کی ہی رہیں گی وہ غنیمت میں شامل و شمار نہ کی جائیں گی، اور عشر زمین کی زکوٰۃ ہے، جیسے کہ اموال کی زکوٰۃ ہوا کرتی ہے وہ اس پر واجب ہوگی اسی طرح عشر بھی اس پر واجب ہوگا۔

اور پیچھے ایک باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ قوۃ دلیل کی بنا پر امام ابو یوسف کا قول ہی ہمارے نزدیک راجح و صحیح ہے اور اس میں عامۃ الناس کی رعایت بھی زیادہ ہے، اس لئے دارالحرب کا جو باشندہ اسلام لائے اس کی زمین پر عشر کا وجوب ہی راجح ہے۔ اور جب اس کی زمین پر عشر واجب ہے تو جو لوگ وہاں کے رہنے والے ہیں اور پستہ پست سے مسلمان ہیں جن لوگوں نے اس علاقے کو فتح کیا تھا ان کی اولاد ہیں یا یہ کہ ان کے باپ و دادا اسلام لائے تھے اور پورا علاقہ دارالاسلام تھا، پھر کافروں کا تسلط و اقتدار ہو گیا اور کفار حکمرانوں نے ان کی ملک سے کوئی تعرض نہ کیا۔ تو اگرچہ مجاہد کو صراحتہ کوئی چیز نہیں ملی لیکن چون کہ امام ابو یوسف کا قول ہمارے نزدیک راجح ہے۔ اس کا تقاضہ یہی ہے کہ ایسے لوگوں کی زمین پر بھی عشر واجب ہو۔

چند سطروں کے بعد مولانا فرماتے ہیں :

”ہمارے علمائے صراحت کی ہے کہ چون کہ امام ابو یوسف کا قضا سے تعلق رہا اور خوب تجربہ رہا۔ لہذا قضا و اوقاف کے باب میں ان کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، اسی طرح زمین سے متعلق احکام، عشر و خراج میں بھی ان کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے اس لئے کہ عشر و خراج کا زمین سے اسی طرح کا تعلق ہے جیسا کہ اوقاف کا ہے“۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے نیز مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بھی اپنے استدلال میں ایک عبارت کو بھی ذکر کیا ہے جس میں اس بابت ایک اصولی مسئلہ ذکر کیا گیا ہے، یہ عبارت مؤید امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" میں بھی ہے اور امام محمد کی کتاب الاصل میں بھی کتاب الاصل کی عبارت نقل کی جاتی ہے :

”قلت : ارأيت قوما من اهل الحرب أسلموا فسد ارضهم أليكون  
أرضهم من أرض العشرة قال : نعم قلت : لم ؟ قال : لأنهم  
أسلموا عليها ولم يفتح المسلمون بلادهم فليكون  
فيها أرضهم من أرض العشرة“

امام محمد سے دریافت کیا گیا کہ جو اہل حرب اپنے ملک میں رہتے ہوئے مسلمان ہو جائیں تو کیا ان کی زمینیں عشری ہوں گی ؟ فرمایا ہاں ! اس پر دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے ؟ تو فرمایا اس لئے کہ وہ خود سے اسلام لائے ہیں مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو زیر نہیں کیا ہے اس لئے ان کی زمین فنی قرار پا کر عشری زمین ہو گئی۔ اس کے بعد نظیر میں حجاز و یمن وغیرہ کے علاقوں کا حال اور ان کا حکم ذکر کیا گیا ہے لے

البتہ احقر کے خیال میں ان حضرات کا یہ فرمان اس صورت کے لئے ہے جب کہ پورا علاقہ اور پورا ملک اسلام لے آئے، جیسا کہ مذکورہ علاقوں میں ہوا تھا نہ یہ کہ بعض افراد، تاہم اس ضمن میں بعض افراد بھی آہی جاتے ہیں۔

### (۵) دار الکفر کی زمین کا شرعی وظیفہ

#### صرف عشر یا عشر و خراج دونوں

یہ طے ہو جانے کے بعد کہ دار الکفر کے مسلمانوں کی زمین پر بھی شرعی وظیفہ ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ وظیفہ کیا ہوگا ؟ صرف عشر یا حسب منابطہ خراج بھی۔ یہ سوال خصوصیت



بعض حضرات کی بحث اور تفصیل و تحقیق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اور یوں بھی تعین و توضیح کی ضرورت ہے۔

عام فتاویٰ میں تو جہاں شرعی وظیفہ کی ادائیگی کی بات آئی ہے، عشر و خراج دونوں کی بات آئی ہے اور جن حضرات نے تحقیقی طور پر کچھ لکھا ہے مثلاً مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب و مفتی نظام الدین صاحب ان حضرات نے بھی حسب ضابطہ دونوں کے لزوم و ادائیگی کو ذکر کیا ہے لیکن بعض حضرات کا رجحان یہ ہے یا معلوم ہوتا ہے کہ صرف عشر ہی ہو گا خراج نہیں۔

کفایت المفتی میں مفتی جمیل الرحمن صاحب کا جو مبسوط فتویٰ ہے، جو کہ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب نیز مفتی مسعود احمد صاحب (مفتیان دارالعلوم دیوبند) کا تصدیق کردہ بھی ہے اس میں مدلل طور پر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عشر ہی دینا ہو گا۔ اس سے کہ عشر اصل وظیفہ ہے اور خراج دارالاسلام ہے، اور ملک دارالاسلام رہا نہیں، مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض حضرات اطلاقاً عشر کو فرماتے ہیں مگر مولانا طفر احمد صاحب کی جو تحریر و رائے پیچھے نقل کی گئی اس سے بھی کچھ ایسا ہی مترشح ہوتا ہے اس لئے کہ مولانا نے اس بحث کی تمہید میں جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں سیر کبیر کی یہ عبارت بھی آئی ہے :

”ان خراج الأرض لا یجب إلا علی من هو من اهل دار الاسلام

لأنه حکم من احکام المسلمین و حکم المسلمین لا یجری

إلا علی من هو من اهل دار الاسلام“ لکھ

یعنی زمین کا خراج اسی پر واجب ہوتا ہے جو کہ دارالاسلام کے رہنے والوں میں سے ہو۔ اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے احکام میں سے ہے۔ اور مسلمانوں کے احکام انہیں لوگوں پر جاری ہوتے ہیں جو کہ دارالاسلام میں رہتے ہوں۔

۱۔ جواہر الفقہ جلد دوم رسالہ عشر و خراج، احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۶۸-۳۶۲، نظام الفتاویٰ ۳۵۷/۱

۲۔ کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۹۹-۳۰۲ لکھ جواہر الفقہ ۲۶۵/۲

۳۔ اعلام السنن ۲۱/۱۲ - بحوالہ السیر الکبیر ۳۵۳/۳



ان عبارات کے بعد کی گفتگو میں مولانا نے "لاخراجیہ" کی تفسیر و تشریح میں ہی فرمایا ہے کہ خراج اس لئے نہیں کہ خراج دار الاسلام میں ہوتا ہے لہ "امداد الاحکام" کے ایک فتویٰ میں بھی اسی انداز کا مضمون آیا ہے ۱۰

امام سرخسی اور علامہ عینی وغیرہ نے خراج کے لئے دار الاسلام کے مخصوص احکام میں ہونے کا یا جزیہ کے تابع ہونے کا تذکرہ آیا ہے اور جزیہ بالاتفاق دار الاسلام میں لازم و نافذ ہوتا ہے ۱۱

خلاصہ یہ کہ اس دوسری رائے و تحقیق کے مطابق ہندوستان جیسے ملکوں میں صرف عشر ہی لازم ہوگا، اگر ہوگا۔ خراج نہیں، اس لئے کہ خراج دار الاسلام کے خواص میں سے ہے۔ اور اس کے مخصوص مصارف ہیں جو کہ دار الاسلام میں ہی پائے جاتے ہیں۔ مفتی شفیع صاحب نے اس رائے پر یہ نقد فرمایا ہے کہ :

"اس تحقیق میں یہ خاص ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بناء پر اراضی دار الحرب کے خراج کے ارتقاء کو ثابت کیا گیا ہے انہیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہائے کس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے؟

لیکن مفتی صاحب کا یہ نقد شامی کے مشہور جزیئہ یا سیر کبیر کی عبارت "لا عشر ولا خراج" کی حد تک تو صحیح معلوم ہوتا ہے، مفتی جمیل الرحمن صاحب نے جو امور ذکر کئے ہیں نیز مولانا طغرائی صاحب نے بھی جن کا کچھ تذکرہ پیچھے آچکا ہے ان کی نسبت سے یہ نقد محل نظر ہے، اس لئے کہ وہ خصوصیت سے خراج کے سقوط و نفی کے الگ اور مستقل دلائل ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ دار الکفر و دار الحرب کی زمین سے عشر کے سقوط و معافی کے دلائل سے زیادہ قوی دلائل ہیں۔ فقہاء نے بڑی صراحت کے ساتھ اور بطور اصول دار الاسلام کے ساتھ خراج کا اختصاص ذکر کیا ہے اور عشر کے لئے اس قسم کی صراحت ہم کو نہیں ملتی۔

اس بحث کے شروع میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عموماً لوگوں نے اس طرح کا کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ جن حضرات کے سامنے ہندوستان کا دارالکفر و دارالحرب ہونا ہے اور اس کے باوجود انہوں نے احتیاطاً یا تحقیقاً و تعیناً ہندوستان کی زمیوں میں شرعی وظیفہ کی ادائیگی کا فتویٰ دیا ہے وہ عموماً عشر و خراج دونوں ہی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ "امداد الاحکام" جو کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے فتاویٰ پر بھی مشتمل ہے اس میں بھی دارالحرب سے سقوط وظیفہ کے بعد عشر و خراج دونوں کی ادائیگی کا تذکرہ ایک فتویٰ میں آیا ہے لہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہاء نے جس صراحت کے ساتھ خراج کے دارالاسلام کے ساتھ اختصاص کا تذکرہ کیا ہے عشر کے لئے نہیں کیا ہے اور فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ عشر میں تو عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے جب کہ خراج میں یہ پہلو نہیں ہے اس لئے اس کا مطالبہ کافر سے ہوتا ہے لہ اور مسلمان دارالکفر میں انہیں امور کا مکلف ہوگا جو کہ عبادت کے قبیل کے ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کم از کم فقہاء احناف کے یہاں ایک مسلمان بھی خراج کی ادائیگی کا مکلف ہوتا ہے اور صرف خراج کا۔ اور بقائے ہی نہیں یعنی محض اس صورت میں ہی نہیں کہ ایک کافر کی زمین پر خراج لازم و نافذ تھا اور پھر کسی مسلمان نے اس زمین کو اس سے خرید لیا تو اب مسلمان کو اس زمین کا سابق وظیفہ جو کہ خراج تھا وہی ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ہماری کتابوں میں معروف ہے، بلکہ اس کے ساتھ ہماری کتابوں میں یہ بھی معروف ہے کہ "نو آباد زمینیں" جنہیں مسلمان ہی آباد کریں ان میں حسب موقع و ضابطہ عشر کے بجائے خراج بھی واجب و لازم ہوگا لہ اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب ابتداءً ہوتا ہے یعنی نو آباد زمین پر پہلا وظیفہ شرعی ہوتا ہے اور بعنوان خراج اور بصورت خراج۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ صورتوں میں مسلمانوں پر خراج کیوں عائد ہوا؟ جب کہ وہ عبادت کے پہلو سے خالی ہے۔ بالخصوص دوسری صورت میں جب کہ زمین پر پہلا وظیفہ عائد

ہو رہا ہے اور ایک مسلمان ہی پہلی مرتبہ اس کو ادا کر رہا ہے، پہلی صورت کے متعلق تو یہ ضابطہ ذکر کیا جاتا ہے :

”جو وظیفہ عشر یا خراج کا کہ زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے مبتدل نہ ہوگا“ ۱۵

لیکن یہ ضابطہ کلیہ نہیں ہے، چنانچہ جب کوئی ذمی کسی مسلمان کی عشری زمین خریدتا ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ وظیفہ عشر خراج سے بدل جاتا ہے۔ اسی لئے مفتی محمد شفیع صاحب پچھلی عبارت کے بعد اس بابت فقہائے جو کچھ فرمایا ہے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”اس لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کوئی مسلمان خریدے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا، اس کا مقتضایہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کہ مسلمان کی عشری زمین کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر بھی عشر ہی واجب رہے۔ لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں، اس لئے تہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جاتے تو اس کا فریضہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا“ ۱۶

اور صاحب بدائع اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :

”وَلَوْ اشْتَرَى مُسْلِمٌ مِنْ ذِمِّي أَرْضًا خَرَجِيَّةً فَضَمَّهَا إِلَى خَرَجِهِ وَلَا تَقْلِبُ عَشْرِيَّةً لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّهُ هُوَ ثَلَاثَةُ الْأَرْضِ لَا تَغْيِيرُ بِتَبْدُلِ الْمَالِكِ وَلَا لِقُضْرَةِ وَضْعِ عَقْدِ الذِّمِّي إِذَا اشْتَرَى مِنْ مُسْلِمٍ أَرْضَ عَشْرٍ فَضْرُورَةً لِأَنَّ الطَّائِفَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ وَجُوبِ الْعَشْرِ وَاعْمَا الْمُسْلِمِ لِمَنْ أَهْلُ وَجُوبِ الْخَرَاجِ فَفِي الْجَمْلَةِ فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى التَّغْيِيرِ بِتَبْدُلِ الْمَالِكِ“ ۱۷

یعنی کوئی مسلمان اگر کسی ذمی سے خراجی زمین خریدتا ہے تو اس میں خراج ہوگا اور نہ عشری نہیں بنے گی اس لئے کہ عشر اصل میں زمین کی اجرت نہیں ہے جو کہ مالک کے بدلنے



سے کوئی اہم ضرورت ہی تو بدلتا ہے ورنہ نہیں بدلتا۔ اور جب کوئی ذمی کسی مسلمان سے عشری زمین خریدتا ہے تو ایسی ہی ضرورت پائی جاتی ہے اس لئے کہ کافر عشر کے وجوب کا اہل نہیں ہے اور مسلمان فی الجملہ خراج کے وجوب کی اہلیت رکھتا ہے، اس لئے (مسلمان نے کسی ذمی سے جو زمین خریدی اس میں) مالک کے بدلنے کی وجہ سے تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

”فی الجملہ وجوب کی اہلیت“ سے بظاہر یہی مراد ہے کہ کبھی اس پر ابتداءً کبھی خراج واجب ہوتا ہے یا یہ کہ زمین کے شرعی وظیفہ میں خواہ وہ عشر ہو یا خراج ”مؤنت“ یعنی ٹیکس کا پہلو عشر خراج دونوں میں پایا جاتا ہے پھر عشر کو یہ امتیاز ہے کہ اس میں اس کے ساتھ عبادت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے جو کہ اس کو مسلمان کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اس لئے کہ عبادت کا اہل و مکلف ہی ہے۔ اس قسم کے مسائل سے متعلق تفصیلات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ”وظیفہ میں تبدیلی نہ ہونے“ کا قاعدہ جیسے کلی نہیں ہے، اتفاقاً بھی نہیں ہے۔ امام محمد کے یہاں مطلقاً تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور امام ابو یوسف کے یہاں بعض صورتوں میں ہو بھی جاتی ہے۔ صاحب بحر کے ایک۔ تجزیہ کے مطابق مسلمان جو زمین خریدے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسروں کی خریداری میں ہوتی ہے۔ مگر مسلمان کی خریداری میں بھی بعض صورتوں میں امام ابو یوسف تبدیلی کے قائل ہیں۔

اور یہ ساری تفصیلات ہمارے یہاں یعنی فقہ حنفی میں ہیں، دوسرے حضرات کے یہاں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں اگرچہ دوسرے انداز میں۔ جن میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی سے اس کی خراجی زمین کو خریدتا ہے تو اس کو اس زمین پر لاگو سابق خراج بھی ادا کرنا پڑتا ہے، اور مسلمان ہونے کی وجہ سے عشر بھی اس پر لازم ہوتا ہے، ایسے ہی اگر ذمی اسلام لے آئے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کی عشری زمین خریدتا ہے تو اس سے شرعی وظیفہ ساقط ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر خراج میں اصلاً عبادت کا پہلو نہیں ہے اور اصلاً اس کا مکلف دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ ہوتا ہے، مگر ایک مسلمان سے بھی اس کو وصول کیا جاتا ہے اور اس پر بھی بعض صورتوں میں لاکھ ہوتا ہے۔ اور فی الجملہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یا یوں کہتے کہ مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اصلاً اس میں عبادت کا پہلو نہیں ہے، لیکن جیسے دونوں کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے کہ دونوں ہی ”موئنة الارض“ یعنی زیر تصرف زمین اور اس سے انتفاع کا ٹیکس اور معاوضہ ہیں، اسی طرح یہ بات بھی مشترک ہے کہ دونوں ہی زمین پر عائد ہونے والے شرعی وظائف ہیں اور شریعت نے دونوں کے الگ الگ اور جدا گانہ مصارف تجویز کئے ہیں جو کہ مسلمانوں اور دارالاسلام سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عشرتیں عبادت کا پہلو اسی جہت سے ہے کہ شریعت نے ایک مسلمان کو اس کا مکلف بنایا ہے تو جب معاملہ شریعت کی تجویز کا ہے تو خراج کے اندر بھی یہ بات پائی ہی جاتی ہے کہ وہ بھی عشر کی طرح زمین کا ایک شرعی وظیفہ اور شریعت کی طرف عائد کردہ ہے، لہذا فی الجملہ اس کے اندر بھی وہ بات پائی جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے ایک مسلمان سے عشر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس طرح خراج کے اندر بھی ایک درجہ عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ایک مسلمان پر بھی ابتداءً اس کی تنفیذ ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں اس سے صرف خراج ہی بطور شرعی وظیفہ کے وصول کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ صاحب بدائع نے شاید فی الجملہ کے لفظ سے اسی انداز کی تفصیل و توجیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان دارالکفر میں جیسے عشر کا مکلف ہوتا ہے، اسی طرح خراج سے متعلق تفصیلات کے پائے جانے پر وہ بطور شرعی وظیفہ کے خراج بھی ادا کرنے کا مکلف ہے اور جیسے اس کا ادا کردہ عشر عبادت کا پہلو لئے ہوئے ہو گا اسی طرح اس کا ادا کردہ خراج بھی عبادت کی حیثیت رکھے گا۔

### (۵) غیر شرعی وظائف اور عشر و خراج

دارالاسلام کے باشندے، حسب اصول و ضابطہ عشر و خراج کے، سے اپنی



زمینوں کے وظائف نکالتے اور حکومت کو سپرد کرتے ہیں جو کہ مصارف میں صرف کرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومتیں اپنی طرف سے جو وظائف متعین اور لازم دلاگو کرتی ہیں، ایک مسلمان کے لئے ان کی ادائیگی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ بالخصوص وہ وظائف جو کہ خراجی زمینوں پر عائد ہوں تو کیا وہ شرعی خراج سے بری قرار دیں گے؟

اس بحث کے تحت دو صورتیں آتی ہیں، ایک عشری زمین پر سرکاری وغیرہ شرعی وظائف کا مسئلہ اور دوسرے خراجی زمینوں پر عائد اس قسم کا وظیفہ۔

تو پہلی صورت میں یعنی عشری زمینوں پر عشر کے بجائے کسی دوسرے انداز کے وظیفہ و ٹیکس کے مطالبہ و ادائیگی کی وجہ سے "عشر" کے اپنی جگہ برقرار رہنے اور اس کے مطالبہ کے ختم نہ ہونے پر ہمارے ارباب افتاء تقریباً متفق ہیں اور وہ اس لئے کہ عشر ایک شرعی وظیفہ ہے، عبادت کی حیثیت رکھتا ہے، زکوٰۃ کی طرح اس کے مصارف بھی خاص متعین ہیں۔ اور دوسرے وظائف جن کی تجویز حکومتیں اپنی مصلحتوں کی بناء پر کرتی ہیں ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی وہ وظائف عشر کے مصارف میں صرف کئے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب کے ایک فتویٰ میں سرکاری وظیفہ و محصول کی وجہ سے عشر کے ساقط ہونے کی بات آئی ہے اور مفتی عزیز الرحمن صاحب کے بعض فتاویٰ سے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے بلکہ بعض میں اس قسم کی صراحت ہے کہ اور دلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ ہمارے فقہائے قاعدہ ذکر کیا ہے لا یجتمع العشر والخراج لہ امداد الفتاویٰ کے استفتاء میں قاری عبد الرحمن صاحب محدث پانی پتی اور مولانا محمد علی صاحب تھانوی کی طرف بھی اس کی نسبت کی گئی ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک فتویٰ میں ہندوستان کی اراضی سے متعلق تحریر فرمایا — "اراضی خراجیہ میں عشر واجب نہیں ہے"۔ ۵۶

۱۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ واحسن الفتاویٰ ورشیدیہ وغیرہ (محمودیہ) ۸۵/۳

۲۔ مجموعۃ الفتاویٰ ۲۵۶/۳ لکھ فتاویٰ دارالعلوم ۱۴۲/۶ و ۱۸۳

۳۔ سید اشع ۵۴/۲ لکھ امداد الفتاویٰ ۶۲/۲

۴۔ فتاویٰ عزیززیہ ص ۵۷ طبع پاک اردو



مگر حضرت تھانوی وغیرہ نے جواب میں اسی انداز کی بات ذکر فرمائی ہے جو کہ پیچھے ذکر کی گئی کہ یہ محصول دو وظیفہ غیر شرعی ہے، اور عشر ایک شرعی چیز اور عبادت ہے جس کا مصرف بھی خاص ہے، ان حضرات کی تائید ہمارے فقہاء کی ذکر کردہ اس تفصیل سے بھی ہوتی ہے جو کہ کتب فقہ میں اس مسئلہ کے تحت آئی ہے کہ اگر کسی دارالاسلام میں مسلمانوں کی ہی کوئی باغی حکومت قائم ہو جائے اور وہ عشر و خراج بھی وصول کرے تو اس کا حکم ہوگا اس میں یہ صراحت بھی آئی ہے کہ اگر باغی عشر و زکوٰۃ کو وصول کریں اور پھر مصارف میں خرچ نہ کریں تو زکوٰۃ و عشر دوبارہ ادا کرنا ہوگا کم از کم دیانتہ اور فیما بینہ و بین اللہ لہ

رہ گیا مسئلہ عشر و خراج کے جمع نہ ہونے کا، اور ایک ہوگا تو دوسرا نہ ہوگا۔ اس کا تو اس کے متعلق خود مفتی عزیز الرحمن صاحب نے جن کے اکثر فتاویٰ میں صراحت یہ بات آئی ہے کہ سرکاری محصول سے عشر کا مطالبہ ساقط نہیں ہوتا۔ مولانا عبدالحق صاحب کے فتویٰ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خراجی زمین سے عشر اور عشری زمین سے خراج نہیں لیا جائے گا۔ اس کا اس سے تعلق نہیں ہے کہ عشری سے اگر خراج لیا تو عشر ساقط ہوگا یا نہیں لگے اور مولانا عبد الصمد صاحب رحمائی نے یہ فرمایا ہے کہ اس عبارت میں "خراج" سے "شرعی خراج" مراد ہے، کسی حکومت کی طرف سے عائد کردہ اور سرکاری محصول نہیں لگے دوسرے حضرات کا موقف بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ دارالکفر میں عشری زمینوں پر سرکاری وظائف و محصول شرعی مطالبہ کو ساقط و ختم نہیں کرتے۔

رہ گئی دوسری صورت یعنی خراجی زمین پر کسی نام و عنوان سے، نیز کسی مقدار و حساب میں کسی وظیفہ کی ادائیگی اور اس کی وجہ سے شرعی مطالبہ اور شرعی خراج کا سقوط اور اس کی

عدم ادائیگی کا حکم — تو اس میں بعض اکابر کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی زمینوں پر کسی بھی وظیفہ کی ادائیگی سے آدمی شرعی مطالبہ و وظیفہ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے جس کا مبینی بظاہر یہ ہے کہ خسراج ایک ٹیکس ہے عبادت نہیں ہے۔ لہذا کسی بھی حکومت نے لیا خواہ مسلم باغی حکومت ہو یا غیر مسلم آدمی نے خود کو بری و عہدہ برا کر لیا۔ جواہر الفقہ میں آیا ہے :

”خراج چوں کہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے، اس لئے خراجی زمینوں کا خسراج

موجودہ حکومت کی سرکاری مال گزاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔“

لیکن بعض دوسرے حضرات کی رائے میں اس مسئلہ کے اندر تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر مسلمان وصول کرنے والے اور لاگو کرنے والے ہوں تب تو کافی ہوگا۔ اور اگر غیر مسلم ہوں تو نہیں۔ اس لئے کہ خراج صرف ٹیکس نہیں ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر اس کا بھی مصرف متعین ہے۔ اگرچہ عشر کے مقابلہ میں کچھ توسع ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب نے تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے۔

حضرت تھانوی ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں :

”عشر و خراج از حقوق شرعیہ است چنانچہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہم چنین محصول

سرکاری مسقط این حقوق بنامند“

عشر و خراج شرعی حقوق ہیں تو جیسے انکم ٹیکس زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا اسی طرح سرکاری

محصول ان حقوق کو ختم نہیں کرے گا۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ ”سراج الہند فی خراج الہند“

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ مسئلہ ۱۱۸۲/۶، دارالعلوم ۱۱۸۲/۶، محمودیہ ۳۹/۳

۲۔ جواہر الفقہ ۲۷۶/۳ میں نے مفتی صاحب کی یہ عبارت صرف اس کے الفاظ کی حد تک استدلال میں نقل

کی ہے، اس لئے کہ الفاظ مذکورہ موقف کی ترجمانی کرتے ہیں اگرچہ مفتی صاحب کی اس عبارت کا سیاق یہ نہیں ہے۔

۳۔ احسن الفتاویٰ ۳۳۹/۳ — ۳۴۱

۴۔ امداد الفتاویٰ ۴۸/۲

کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے :

” جس شخص پر بھی خراج لازم ہو اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ خراج کو اس کے ان مصارف میں صرف کرے جو کہ کتب فقہ میں بیان کئے گئے ہیں تاکہ عند اللہ اس کی ذمہ داری سے بری ہو سکے اور قیامت میں ماخوذ نہ ہو اور عیسائی حکام جو کچھ لے رہے ہیں وہ خراج کی ادائیگی میں شمار نہیں ہوگا اس لئے کہ کفار کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں ہے، اور نہ ہی وہ خراج کا مصرف ہیں۔ لہذا اگر مسلمان ان کو خراج دیتے ہیں تو وہ خراج کی ذمہ داری و مطالبہ کے نہیں نکلیں گے، اس لئے کہ یہ کفار نہ اہل حرب سے جنگ کرتے ہیں اور نہ مسلمانوں اور ان کے ملک کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔“ ۱

باغیوں کی طرف سے عشر و زکوٰۃ کی وصولیابی سے متعلق ہمارے فقہائے جو تفصیل کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ انھوں نے لکھا ہے کہ اگر باغی خراج وصول کریں تو اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ اس وجہ سے کہ باغی بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے — (ضرورت پر) مسلمانوں اور ان کے ملک پر حملہ آور کفار سے جنگ کرتے ہیں اور خراج مسلمان مجاہدین کا حق ہے ۲ لہذا کوئی بھی مسلم حکومت اگر اس کو وصول کرتی ہے تو خراج اپنے مصرف میں ہی پہنچتا ہے اس لئے کہ ہر ملک و حکومت میں فوجیں اور آج کل ان کے گراں قدر اخراجات ہیں ۳

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں خراجی زمینوں کا وظیفہ مسلمانوں کو اسی طرح اپنے طوڑ نکالنا ہوگا جیسے وہ عشر کے نکالنے کے مکلف ہیں اور سرکاری وظیفہ اور محصول شرعی خراج کی طرف سے کفایت نہ کرے گا ۴

۱۔ جواہر الفقہ ۲/۲۷۸ و ۲۸۳ حاشیہ

۲۔ رد المحتار ۲/۲۳

۳۔ جواہر الفقہ ۲/۲۸۳

۴۔ ایضاً ص ۲۸۳، احسن الفتاویٰ ۴/۳۴۲ و ۳۳۸



## اراضی سلطانیہ اور عشر و خراج

### تکْرِیفِ حُکْم

”اراضی سلطانیہ“ کا مصداق وہ زمینیں قرار دی جاتی ہیں جو کسی بھی حکومت کے قبضہ و ملک میں رہتی ہیں۔ اراضی سلطانیہ ”کو اراضی الخوز“ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

خواہ اس کی شکل یہ بنی ہو کہ حکومت نے اپنے تسلط و اقتدار کی ابتداء اور روز اول سے کسی زمین کو اپنے لئے خاص کر لیا ہو یا یہ کہ بعد میں کوئی صورت بنی ہو مثلاً کسی مالک کے لاوارث مر جانے کی وجہ سے یا حکومت کی طرف سے کسی زمین کے ضبط کر لینے اور مالکان سے کسی طرح حاصل کر لینے اور قبضہ میں لے لینے کی وجہ سے ہوتی ہو۔

ایسی زمینوں کا حکم یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت نے ملک کے کسی باشندے کو مالکانہ حیثیت سے دے دیا تو حسب ضابطہ و قواعد اس میں عشر یا خراج لازم و نافذ ہو گا۔ اور اگر کسی کو بس کاشت و انتفاع کی حد تک دیا تو اس پر عشر و خراج نہ ہو گا بلکہ حکومت نے جو معاملہ کیا ہو اس کے مطابق ادائیگی ہوگی جو کہ بقول صاحب فتح القدیر اجرت کی حیثیت رکھے گی۔

### ہندوستان اور اراضی سلطانیہ

موضوع سے متعلق اکابر کی تحریرات و تحقیقات جو علم میں آئیں ان کے مطابق علماء ہند نے تین بنیادوں پر یکے بعد دیگرے یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان کی زمینیں اراضی سلطانیہ کا حکم رکھتی ہیں لہذا ان میں عشر و خراج نہیں ہے۔

پہلا مرحلہ ۱۸۵۷ء سے پہلے جب کہ مولانا محمد علی صاحب تھانوی وغیرہ نے یہ فتویٰ دیا اور اس بنیاد پر کہ ہندوستان کی عام زمینیں خراجی بھتیں اور صدیاں گزر گئیں مالکان کا پتہ نہیں، لہذا اب یہ اراضی سلطانیہ ہیں جیسے کہ صاحب فتح القدیر نے مصر و شام کی زمینوں کے متعلق فرمایا ہے اور بعد کے

محققین نے اس پر اعتماد کیا ہے بظاہر قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے فتویٰ کی بنیاد بھی یہی ہے اس لئے کہ فتاویٰ عزیز میں کچھ اسی قسم کی بات آتی ہے ۱۰

دوسرے مرحلہ میں یہ فتویٰ انگریزوں کے تسلط کے بعد اس بنیاد پر دیا گیا کہ انھوں نے ملک کی تمام اراضی کو ضبط کر لیا اور تمام مالکان کے مالکانہ قبضہ کو ختم کر دیا اور پھر حسب صوابدید تصرف کیا، کسی کو دیا اور محصول وغیرہ لگایا۔

تیسرا مرحلہ اس وقت آیا جب کہ زمیندارہ بل پاس ہوا اور ۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد کم از کم یوپی میں حکومت نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ ساری زمینیں اپنی قرار دیں۔

پہلی بنیاد کا تذکرہ فتاویٰ عزیز اور امداد الفتاویٰ وغیرہ میں ۱۱ اور دوسری کا فتاویٰ رشیدیہ و امداد الفتاویٰ و فتاویٰ دارالعلوم ۱۲ میں اور تیسری کا فتاویٰ محمودیہ اور نظام الفتاویٰ میں ۱۳ یا ہے ۱۴ پہلی دو بنیادوں کو کم از کم عام علماء دیوبند نے قبول نہیں کیا، اس لئے انھوں نے براہِ بشر و خراج کے وجوب کا فتویٰ دیا اور اگر انکار کیا تو دارالکفر و دارالحرب ہونے کی وجہ سے، نہ کہ اس بنیاد پر، بلکہ حضرت تھانوی اور بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب مفتی رشید احمد صاحب نے اس پر نقد کیا اور مؤخر الذکر دونوں حضرات نے تحقیق اراضی ہند کا عشری و خراجی ہونا اور حالیہ قبضہ رکھنے والوں کے لئے ملکیت کو ثابت کیا ہے ۱۵ جیسے کہ علامہ شامی نے صاحب فتح القدر کے اس نظریہ کا رد کیا ہے اور اس کو ذکر و ثابت کیا ہے کہ جن لوگوں کا قبضہ چلا آ رہا ہے وہی مالک ہیں ۱۶

اور خصوصیت سے دوسری بنیاد پر مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت تھانوی نے نقد کیا ۱۷ اور حضرت گنگوہی نے بھی اور جو لوگ متصرف و قابض ہیں ان کے لئے مالکانہ قبضہ کا اعتبار کیا ہے ۱۸

۱۰ فتاویٰ عزیز ۵۷۱ ۱۱ ایضاً، امداد الفتاویٰ ۲/۵۶، معارف السنن ۵/۳۱۸

۱۲ فتاویٰ رشیدیہ مثلاً، امداد الفتاویٰ ۲/۶۷، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۹

۱۳ فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۶، نظام الفتاویٰ ۱/۲۵۶

۱۴ امداد الفتاویٰ ۲/۶۷، جواہر الفقہ ۲/۲۴، احسن الفتاویٰ ۳/۳۰۷

۱۵ رد المحتار ۲/۲۵۶-۲۵۷

۱۶ مراجع مذکورہ در حاشیہ ۲

اور رہی تیسری بنیاد تو مفتی نظام الدین صاحب نے اس کو ذکر کرنے کے ساتھ تفصیل کی ہے اور بعض قانون دانوں سے جوابات معلوم ہوئی اور دوسرے بعض حضرات سے بھی، تو بات وہی سمجھ میں آئی جو کہ حضرت تھانوی وغیرہ نے انگریزوں کے قبضہ سے متعلق تحریر فرمائی ہے۔

حضرت تھانوی ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں :

”ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک قبضہ ملک کا، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ ملک کا و حاکمانہ و منتظرانہ، اور احقر کے نزدیک قرآنِ قویہ سے اس کو ترجیح ہے۔“ ۱۵

مفتی عزیر الرحمن صاحب نے بھی ایک فتویٰ میں یہی بات فرمائی ہے اور فتاویٰ رشیدیہ میں مزید کچھ تفصیل ہے، ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں :

”اگر سرکار مالک ہے تو بیع و شراء مالگزار کرتا ہے سرکار کا ہے مانع نہیں ہے۔ یہ دلیل ملک مالگزار کی ہے۔ اور اگر زمین مالگزاری سرکار اپنی ملک یا مکان میں بیوے تو قیمت زمین کی رقبہ مالگزار کو دیتی ہے۔ یہ دلیل مالگزاری کی بدیہی ہے، اگر ملک سرکار ہوگی تو قیمت دینے کے کیا معنی ہوں گے۔۔۔۔۔۔ یہ لکھنا کہ مالگزاری کی عدم ادائیگی میں سرکار دوسرے کو زمین دیتی ہے یہ دوسرے کو دنیا اپنے حق کی تحصیل کے واسطے ہے نہ اپنی زمین کا لینا۔ جیسا وقت عدم ادا، خراج کے شرع میں زمین خراجی دوسرے کو دے دیتے ہیں حالاں کہ صاحب خراج مالک زمین کا ہوتا ہے لہذا یہ دلیل ملک سرکار کی ہے۔“ ۱۶

حضرت تھانوی و مفتی عزیر الرحمن صاحب نے جن قرائن کا تذکرہ فرمایا ہے بظاہر وہی امور ہیں جن کی حضرت گنگوہی کی تحریر میں صراحت آئی اور یہ جو کچھ لکھا گیا ہے یہ ۱۹۲۷ء کے بعد کے نظام پر بھی منطبق ہے، لہذا حکم ایک ہونے میں کیا اشکال ؟



معارف السنن میں اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ اراضی سلطانیہ تو وہ ہیں جن کا مالک اسلامی بیت المال ہو، اور یہاں ۸۵۷ھ کے بعد سے یہ صورت ہے کہ بیت المال ہے ہی نہیں بھر یہ کہ غیر مسلم حاکم ہیں تو وہ بات کہاں رہی، جیسے کہ فتاویٰ رشیدیہ نیز مفتی شفیع صاحب وغیرہ کی تحریرات میں جس انداز کی تفصیل آتی ہے ثبوت ملکیت کے سلسلہ میں معارف السنن میں بھی اس کا تذکرہ ہے ایک جہت اور جو لائق توجہ ہے وہ یہ ہے — جیسا کہ حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی نے بھی بعض فتاویٰ میں اشارہ کیا ہے اور معارف السنن میں بھی اس کی صراحت آتی ہے — کہ عشر کے وجوب کے لئے بالخصوص حضرات صاحبین کے مسلک پر یہ ضروری نہیں ہے کہ کاشت کرنے والا زمین کا مالک بھی ہو تب ہی اس پر عشر واجب ہو بلکہ جو بھی کاشت کرے اور جس حیثیت سے کرے، اس لئے کہ وجوب عشر کے لئے پیداوار کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ زمین کی ملکیت کو، صاحب بلائے وجوب عشر کے شرائط میں اس کا تذکرہ کیا ہے ۱۷ اور متعدد صورتوں میں اسی بنیاد پر وجوب عشر کا فقہاء تذکرہ کیا کرتے ہیں ۱۸ بلکہ بعض جزئیات ایسے بھی ملتے ہیں کہ جہاں زمین سرے سے کسی کی ملک نہیں اور نہ آدمی نے اس سے حاصل ہونے والے پھل کے لئے کوئی محنت کی۔ بس جس کے قبضے میں پھل آیا اس کو عشر ادا کرنا ہو گا۔ مثلاً پہاڑوں و جنگلات میں پانے والے خود رو پھل وغیرہ ہمارے فقہاء کی صراحت کے مطابق ان میں بھی عشر واجب ہوتا ہے اگرچہ اس کے لئے کچھ متدبھی ہے ۱۹

## آخری بات

گذشتہ ساری تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کو شرعی وظائف سے خالی و معاف قرار دینا دونوں بنیادوں (ہند کا دار الکفر ہونا — یا اس کی اراضی کا اراضی سلطانیہ ہونا —) میں سے کسی کی رو سے کم از کم قوت کے ساتھ ثابت نہیں

ہوتا اور مسئلہ ایک شرعی وظیفہ اور عبادت کا ہے لہذا یہاں کی اراضی بھی دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح شرعی وظائف کا محل ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

## جوابات متعلقہ سوالات محور چہارم

س۔ ۱ (الف) ہندوستان کی زمینیں موجودہ صورت حال میں عشری بھی ہیں اور خراجی بھی۔  
 (ب) جن زمینوں کے متعلق پختہ ثبوت موجود ہو کہ وہ کفار سے منتقل ہو کر مسلمانوں کو ملی ہیں وہ خراجی ہوں گی اور بقیہ عشری۔ کفار کے ہاتھوں سے حاصل ہونے کی ایک صورت ان سے خریدنے کی ہے اور صورت یہ کہ کافر حکام یا زمینداروں کا عطیہ ہو۔  
 کم از کم ۱۰۰۰ کے بعد جو زمینیں نئی حاصل ہوتی ہوں ان کے متعلق تو اس قسم کی معلومات لوگوں کو ہیں ہی لہذا اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتے گا۔

س۔ ۲۔ احتیاطاً عشر لکھ لاکھ لگائے گا۔ جیسا کہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔  
 س۔ ۳۔ سرکاری وظائف سے شرعی وظائف کی خانہ پری وادائیگی نہیں ہوگی  
 س۔ ۴۔ ہندوستان میں خراج کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے طور پر خراج کو مصارف متعینہ میں پہنچائے اور صرف کرے۔ عشر کا مصرف تو وہی ہے جو کہ زکوٰۃ کا ہے۔ البتہ خراج کا مصرف دینی و ملی کام اور کام کرنے والے لوگ ہیں بالخصوص علماء و طلباء اور قضاہ وائمتہ وغیرہ۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان کی زمین پر جو خراج عائد ہوگا وہ صرف ٹیکس نہیں بلکہ عبادت کا پہلو بھی رکھتا ہے۔

س۔ ۵۔ جہاں تک سوال ہے شرح ادائیگی کا تو مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ کی رائے میں ہندوستان کی اراضی میں خراج موظف لازم ہے، جو کاشت کی جانے والی اشیاء کے پیش نظر مختلف ہوگا۔

۱۔ کھیتوں وغیرہ اور اس انداز کی چیزیں۔ ۲۔ پھل پراکے۔ ۳۔ مٹی سارے تین ماہ یا سارے تین گرام چاندی کی قیمت اور چار پانچ کیلو غلہ۔

۲۔ عام باغات جن میں صرف پھلی پیدا ہوتے ہیں اور ان کی زمین سے کاشت کا کام نہیں لیا جاتا۔ ان میں ہر بگہہ پروس درہم یعنی ۲۵ گرام چاندی کی قیمت۔

۳۔ اور بگین وغیرہ جیسی سبزیوں میں فی بگہہ پانچ درہم یعنی ساڑھے سترہ گرام چاندی کی قیمت۔

۴۔ دوسری اشیاء میں ان کی کاشت وغیرہ کو دیکھ کر کچھ فیصلہ کیا جائے گا۔

احقر یہ سمجھتا ہے کہ ہندوستان میں جہاں اب عام اراضی عشری ہی ہیں اور کوئی ایسا نظام نہیں ہے کہ جو مسلمانوں کی زمینوں اور کاشت کا بار بار سالانہ و فصلانہ جائزہ لے کر یہ طے کرے کہ کیا لیا دیا جائے، خراج موظف کے بجائے خراج مقاسم کو اختیار کیا جائے کہ اس میں سہولت ہے اور خراج مقاسم کے تحت خراجی زمینوں سے وظیفہ خراج کی ادائیگی کے لئے پیداوار کہ پانچواں حصہ نکالنے کا حکم دیا جائے جیسا کہ محمد بن قاسم نے اراضی سندھ وغیرہ میں کیا تھا۔ اور ان علاقوں کی اراضی کا اب بھی یہی حکم ہے (کما حقہ المفتری محمد شفیع) یا ایسی زمینوں کے لئے مطلقاً عشر کو طے کر دیا جائے۔

۵۔ شریعت نے عشری زمینوں میں دو حالتوں کے پیش نظر صرف دو وظیفے تجویز کئے ہیں عشر اور نصف عشر لہذا خواہ کتنے ہی اخراجات ہوں اس وظیفہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور اخراجات کو منہا کئے بغیر اخراجات والی کاشت سے نصف عشر نکالا جائے گا۔

۶۔ صاحبین کے قول کے مطابق بٹائی دار اور مالک دونوں پر ہوگا ہر ایک کے حصے میں البتہ جو غیر مسلم ہوگا اس کے حصے سے ساقط ہوگا۔ محققین متاخرین اور اکابر کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہی ہے۔



## احکام عشر وخراج

از: ————— حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب قاضی جامعہ اسلامیہ  
قرانیہ سہرا۔ مغربی چمپارن

العبد للہ وحده وصلاته وسلامه علی من لا نبی بعدہ۔

عشر اور خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔  
فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے۔ ————— اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور علی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے۔ اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔  
بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے۔ اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ مراد اس سے خراج منوط ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کر دی گئی ہے وہ اس صورت میں معاف نہ ہوگی۔ خراج کی دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا کیونکہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس کی کاشت کی صلاحیت

نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی ہوئی نہیں جس سے کوئی خیر زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں<sup>(۱)</sup>۔

وَابْنُ غُلَبٍ عَلَى اَرْضِ الْخُرَاجِ الْمَاءُ اَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا اَوْ اَصْطَلَمَ الزَّرْعُ اَفْضَ

فَالْاُخْرَاجُ عَلَيْهَا۔ (۲)

۱۔ اگر کوئی ملک اس طرح فتح ہوا کہ وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستوران کی ملکیت رہیں گی۔ یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ اور ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲۔ کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور وہاں کی زمینیں مسلمان غائبین میں تقسیم کر دی گئیں تو یہ تمام زمینیں بھی عشری ہوں گی اور ان پر عشر لازم ہوگا۔

۳۔ اگر کوئی ملک مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا اور زمین ان ہی کافروں کی ملک میں چھوڑ دی گئی تو وہ زمین خراجی ہوگی۔

۴۔ کسی شہر، گاؤں یا ملک کے کافروں نے بغیر لڑائی و جہاد کے مسلمانوں کی اطاعت کر لی اور صلح کر لی تو وہ زمین خراجی ہوگی۔

یہ تفصیلات فقہ وفتادی کی تقریبات نام ہی کتب میں الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ مذکور ہیں۔ (۳)

۵۔ ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملک نہیں تھیں اور نہ قابل کاشت تھیں، بلکہ پرتی غیر زراعت تھیں ان کو امیر کی اجازت سے قابل کاشت بنالیا گیا، یا آبادی میں کوئی مکان تھا، اس کو باغ یا مزدور زمین بنالیا گیا۔ اگر وہ غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ ساری زمینیں خراجی ہوں گی، اور اگر مسلمان ہیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے یہاں یہ حکم ہے کہ اگر قرب وجوار کی زمینیں عشری ہیں تو یہ بھی عشری ہوں گی۔ اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی، اور اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہوں گی تو یہ بھی عشری ہوں گی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر عشری پانی سے اس کی سیرجانی ہوتی ہے تو عشری اور اگر خراجی پانی سیرجانی ہوتی ہو تو خراجی ہوں گی، علامہ شامی نے درمستی کے حوالہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ (۴)

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۳۵ (۲) ہدایہ ۲/۵۷۳۔ مجمع الزہراء ۱/۶۶۷ (۳) ملاحظہ ہو ہدایہ کتاب السیر ۲/۵۷۳

مجمع الزہراء ۱/۶۶۱۔ بدائع ۲/۵۸۶۔ رد المحتار ۴/۱۷۷۔ فتاویٰ قاضی خاں ۱/۲۹۶۔ فتاویٰ عالمگیری ۲/۶۰۶۔ (۴) رد المحتار ۴/۵۸۳۔ الدر المنثور ۲/۶۰۶۔ بدائع ۲/۵۸۶۔ مجمع الزہراء ۱/۶۶۱۔ قاضی خان ۱/۱۳۶۔ عالمگیری ۲/۲۷۶۔ بدائع ۲/۱۹۵۔ بدائع ۲/۵۸۶۔

## محرچہارم

۱۔ محروادل میں عشری و خراجی زمینوں کے بارے میں جو تفصیل بیس کی گئی اس کی روشنی میں ہندوستان کی زمینوں کے عشری و خراجی ہونے کا فیصلہ آسان ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے پاس جو زمینیں ہیں اگر وہ قدیم سے مسلمانوں کے مالکان قبضہ میں چلی آ رہی ہیں اور کسی بھی دور میں ان پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ زمینیں عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکان قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

۲۔ اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ہندوستان کی اراضی عشری ہوں گی یا خراجی۔ کوئی زمین ان دونوں سے خالی نہیں ہوگی۔ کما ہونظاہر

۳۔ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے مکمل میں داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر علماء کی آراء مختلف ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ زمین معافی ہو یا اس میں مالگذاری سرکاری ہو محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر کافی نہیں۔ (۱)

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲)  
اس کے برخلاف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مالگذاری کو خراج کے مکمل میں داخل نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں،

”عشر و خراج از حقوق شرعیہ است۔ پس چنانکہ انکم شیکس مستقطر کوۃ نیت۔ ہمچنین محصول مکاری مستقطرین حقوق نباشد۔ (۳)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں،

”لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول پر

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ۵۵/۳ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۳۰/۳ — ۸۴۔

(۳) امداد الفتاویٰ ۲/۷۵۔



اس کو وصول کرتی ہے۔ بلکہ وہ ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کر دیں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین و طلباء، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء۔ ان پر یہ رقم خرچ کی جائے گی۔

علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ ”سراج الہندی خراج السنہ“ میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج، خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں مثلاً علماء و طلباء وغیرہ۔

علامہ سندھی کی عبارت یہ ہے:

”پس بدانکہ ہمہر کسے کہ خراج لازم آید اور لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ میں مستند صرف نماید تا عند اللہ از عیدہ آل میروں آید و در قیامت مافوق تکرر دہ۔ آنکہ حکام نصاریٰ می گیرید پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد لائن الکافر لیس لبسم ولا یتہ اخذ الخراج من مسلمین

وایضا لبسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین (۱)

اس لئے اگر کوئی مسلمان مالگذاری کو خراج میں محسوب کرے تو اس کی گنجائش ہے لیکن بہ حال احتیاط یہ ہے کہ اپنی خراجی زمینوں کا خراج خود نکال کر اس کے مصارف میں خرچ کر دے اگر خود مصرف نہ ہو۔ ہم — خراج میں تو عشر کی طرح عبادت کا پہلو نہیں ہے۔ اس لئے ابتداءً مسلمان پر خراج واجب نہیں ہوتا بلکہ غیر مسلموں پر خراج واجب ہوتا ہے کہ وہ عبادت کے اہل نہیں ہیں البتہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک ہوتا ہے تو اس پر خراج واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کی زمین کا مالک ہو جائے تو اس سے عشر نہیں لیا جاتا بلکہ خراج لیا جاتا ہے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج متعامر اور خراج مؤلف

خراج مقاسمہ میں تو پیداوار کا ایک حصہ لیا جاتا ہے جیسے نصف ثلث وغیرہ۔۔۔۔۔ اور<sup>(۱)</sup>  
 خراج موظف میں پیداوار سے قطع نظر ایک رقم مقرر کر دی جاتی ہے۔ فقہاء نے یہ وضاحت کر دی ہے  
 کہ زمین کا وظیفہ نہیں بدلے گا۔ الا یہ کہ اگر کوئی غیر مسلم عسکری زمین کا مالک ہو جائے تو وہ خراج ادا کرے گا۔  
 کیونکہ وہ عسکر کا اہل نہیں ہے۔ لیکن اگر خراجی زمین کا کوئی مسلمان مالک ہو جائے تو اس کو خراج ہی ادا کرنا ہوگا  
 ہندوستان کی زمینوں میں خراج مقاسمہ ہو گا یا خراج موظف؟۔۔۔۔۔ اس سلسلہ میں  
 حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ہندوستان کی زمینوں میں خراج موظف کا وجوب بتایا ہے۔  
 اس سلسلہ میں پوری تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں۔

”اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے<sup>(۲)</sup>  
 خراج کی مقدار کیا ہو۔ اس سلسلہ میں فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ زیادہ سے زیادہ  
 نصف پیداوار تک لیا جاسکتا ہے۔ کم از کم کتنی مقدار ہو عام طور پر مذکور نہیں ہے صاحب درمختار نے  
 حدادی سے نقل کیا ہے کہ نصف سے زائد اور خمس سے کم نہ ہو۔ علامہ شامی نے اس کو خراج مقاسمہ پر  
 محمول کیا ہے۔ اس عبارت کی وضاحت میں فرماتے ہیں

هذا في خراج المقاسمة الم يقيد به من التعيين بالنصف

والخمس فان خراج الوظيفة ليس فيه جز معين. (۳)

قاضی خاں اور عنایہ کی عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ خراج مقاسمہ خمس سے کم بھی ہو سکتا  
 ہے۔ خراج مقاسمہ دھو ان یكون الواجب شیئاً من الخارج نحو الخمس والحدس  
 وما أشبه ذلك. (۴)

یہی عبارت عنایہ میں بھی ہے۔ (۵)

عالمگیری کی عبارت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔

و اما خراج المقاسمة فالتقدير فيه مفوض إلى الإمام ولكن لا يزداد على نصف الخارج.<sup>(۵)</sup>

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۸۷ (۲) رد المحتار ۳/۱۸۸

(۳) قاضیخان ۱/۱۳۰ (۴) فتح القدیر ۵/۲۸۳ (۵) عالمگیری ۲/۲۷۳۔

لیکن چونکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تحقیق کے مطابق ہندوستان میں خراج مقامہ نہیں ہے اس لئے اس بحث کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

خراج موظف کے بارے میں فقہ وفتاویٰ کی تقریباً تمام ہی کتب میں تو ظیف عمری کے نام سے ایک مقدار متعین ہے۔ یعنی عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب میں ایک درہم اور ایک صاع گندم یا جو اور ترکیاری کی ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور، کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو ایک جریب میں دس درہم۔ (۱)

جہاں حضرت عمرؓ کے بعد خراج مقرر ہوا اس کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟ اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ کی رائے ہے کہ اگر زمین میں صلاحیت ہو تو حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ خراج کی مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور ایک قول امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول اور امام ابو حنیفہؒ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اسی کو مفتیؒ بہ قرار دیا گیا ہے۔

وكذا اذا فتحت بلدة بعد عمر فاراد الإمام أن يضع على ما يزرع حنطة  
درهمين وتفيلاً وهي تطيقه ليس له ذلك عند أبي حنيفة رحم لأن عمرؓ  
لم يزد لما أخبر بزيادة الطاقة أفاده في البحر عن الكافي قال ط وهذا نص  
صريح في حرمة ما أحدثه الظلمة على الأرض من الزيادة على الموظف (۲)  
وأما الأراضي التي يرید الإمام توظيف الخراج عليها ابتداءً إذا زاد  
على وظيفة عمرؓ على قول محمدؒ وأحد الروایتین عن أبي يوسفؒ  
يجوز وعلى قول أبي حنيفة واجدى الروایتین عن أبي يوسف لا يجوز وهو الصحيح (۳)  
الولى لا يزيد في الخراج على وظيفة عمرؓ وإن كان أراضيهم تطيق ذلك (۴)

حاصل یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جو مقدار متعین فرمادیا ہے اس میں اضافہ نہ کیا جائے۔

اب ایک بحث جریب کی مقدار میں ہے۔ تقریباً تمام کتابوں میں مذکور ہے حضرت عمرؓ کے

(۱) ہدایہ ۵۷۲/۲ - بدائع الصنائع ۶۲/۲ - مجمع الانهر ۶۲۶/۱ - ۵۷۲ المختار ۱۸۶/۳

(۲) المختار ۱۸۶/۳ (۳) عالمگیری ۲۷۳/۲ (۴) قاضی خان ۳۷۸ -



زمانہ میں جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا تھا۔ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک ذراع کی مقدار سات قبضہ ہے اور ایک قبضہ چار انگل ہے۔

هو ستون ذراعاً في ستين بذراع كسرى سبع قبضات (درمناہ)

(بذراع كسرى) احترز من ذراع العامة وهو ست قبضات، فتح، والقبضة

أربع أصابع - (۱۱)

سات قبضہ ۲۸ انگل ہوا جو تقریباً ۹ لہ گزہ کے برابر ہے۔ اس طرح ساٹھ ذراع تقریباً ۲۵ گز ہوتا ہے۔ گویا اُس وقت کا جریب ۳۵ گز کا تھا۔ یعنی ایک مربع جریب ۱۲۲۵ مربع گز کا تھا۔ اور آج کل ہندوستان میں جو جریب ہے وہ تو ۲۲ گز ہے۔ یعنی ایک ایکڑ چار ہزار آٹھ سو چالیس مربع گز کا ہوتا ہے۔ گویا حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک مربع جریب آج کل کے تقریباً ایک چوتھائی ایکڑ کے برابر ہوا۔ اب ایک بحث اور قابل غور ہے کہ جریب کی مقدار میں کمی و زیادتی کی وجہ سے خراج موظف کی مقدار میں کمی و زیادتی کی جائے یا نہیں؟ علامہ ابن ہمام کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جریب کی مقدار چاہے جو بھی ہو لیکن خراج کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہونی چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

قوله في الكافي ما قيل الجریب ستون في ستين حكاية عن جریبهم في اراضيهم  
وليس بتقدير لازم في الاراضي كلها بل جریب الارض يختلف باختلاف  
البلدان فيعتبر في كل بلد متعارف اهل البلد يقتضى أن الجریب يختلف قدره  
في البلدان ومقتضاه أن يتعد الواجب وهو قفيز ودرهم مع اختلاف المقادير  
ذاته قد يكون عرف بلد فيه مائة ذراع وعرف اخرى فيه خمسون ذراعاً (۱۲)  
کفایہ میں بھی مذکور ہے وقيل هذا حكاية عن جریبهم (۱۳)

علامہ شامی نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ (۱۴)

اگر ایک جریب پچاس ذراع کا ہو تو ایک مربع جریب کی مقدار ڈھائی ہزار مربع ذراع ہوگی۔

(۱۱) رد المحتار ۴/۱۸۶ (۲) فتح القدیر ۵/۲۸۲

(۳) فتح القدیر ۵/۲۸۳ (۴) رد المحتار ۴/۱۸۶ -

اور اگر جریب سو ذراع کا ہو تو ایک مربع جریب کی مقدار دس ہزار مربع ذراع ہوگی یعنی چار گنا۔ اور یہ بات قابل فہم نہیں معلوم ہوتی کہ زمین کی مقدار میں تو چار گنا تک کا فرق ہو۔ لیکن خراج کی مقدار ایک ہی ہو۔ اسلئے میری رائے ہے کہ زمین کی مقدار میں کمی زیادتی کی صورت میں خراج میں بھی کمی زیادتی ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک جریب آجکل کے ایک ایکڑ کا تقریباً ایک چوتھائی ہے۔ اس لئے اس وقت ایک جریب میں خراج کی جو مقدار تھی آج ایک ایکڑ میں اس کا چار گنا کر دیا جائے۔ یعنی عام قابل کاشت زمینوں میں چار درہم اور چار صاع گندم جو یادھان اور ترکاری کے ایک ایکڑ میں ہیں درہم اور گنے باغات کے ایک ایکڑ میں چالیس درہم۔

اب ضرورت ہے کہ درہم و صاع کو موجودہ باٹ کے وزن میں تبدیل کیا جائے۔ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک درہم کا وزن ۲۰ ماشہ ۱۲ رقی ہے۔

والدرہم أربعة عشر قیراطا والقیراط خمس شعیرات فیکون الدرہم

الشرعی سبعین شعیرة (درہم)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

زاد فی النہر عن السراج إلا أن کون الدرہم أربعة عشر قیراطا علیہ

الجم الغفر والجہور اکثر والطباق کتب المتقدمین والمتاخرین (۱)

کل خرنوبہ أربع شعیرات أو أربع قسحات (۲)

ایک درہم کا شتر جو ہوا اور ایک رقی چار جو کی ہوتی ہے۔ تو ستر جو کی ۱۲ رقی ہوگی اور ۸ رقی کا ایک ماشہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک درہم دو ماشہ ۱۲ رقی کا ہوگا۔ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کی تحقیق یہی ہے ملاحظہ ہو علم الفقہ جلد ۲ ص ۲۶۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ سابق نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے بھی اپنی کتاب ”کتاب العشر والزکوٰۃ“ ص ۱۳ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ تو

تو چار درہم کا وزن آٹھ ماشہ ۲ رقی ہوا۔ یعنی موجودہ باٹ میں ۸ گرام۔

لیکن عام طور پر ہندوستان میں دو سو درہم کا وزن ۵۳ گرام ہے اور دارالعلوم دیوبند

کے مفتیان کرام حضرات نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اس حساب سے ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ  
اچڑتی ہوتا ہے۔ اور چار درہم کا وزن ایک تولہ ۴ پڑرتی ہوگا۔ موجودہ باٹ میں بارہ اعشاریہ پچیس گرام ۲۱۱ گرام  
صاع کے وزن کی تعیین پر بھی اس اختلاف کا اثر پڑے گا۔ صاحب درمختار نے لکھا ہے۔

”الصاع المعتبر ما يبع الفادار بعين درهماً (۱)“

اگر ایک درہم کا وزن دو ماشہ اچڑرتی ہو تو اس حساب سے ایک صاع کا وزن موجودہ باٹ میں دو کیلو  
۲۱۱ گرام ہوگا۔ اور اگر درہم کا وزن ۳ ماشہ اچڑرتی ہو تو ایک صاع کا وزن موجودہ باٹ میں تین کیلو ۸۹ گرام ہوگا۔  
بہر حال ایک مسلمان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ عام قابل کاشت زمین کے ایک ایکڑ میں ۹ کیلو  
گندم۔ جو یا دھان اور ۸ پڑگرام چاندی بطور خراج اس کے مصرف میں خرچ کر دے۔ لیکن احتیاط یہ ہے  
کہ فی ایکڑ ۳ کیلو گندم۔ جو یا دھان اور ۱۲ پڑگرام چاندی ادا کرے اور ترکیاری کے ایک ایکڑ میں ۴۲ پڑگرام  
چاندی اور احتیاطاً ۶۱ گرام چاندی۔ اور گنے باغات میں فی ایکڑ ۸۵ گرام چاندی اور احتیاطاً ۱۲۲ گرام چاندی  
بطور خراج اس کے مصرف میں ادا کرے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

۵۔ زراعت کے جملہ اخراجات۔ مزدوری۔ بیج۔ ہل۔ بیل یا خرچ محافظت۔ کھاد۔ دوا یا اسی طرح کی  
دوسری چیزیں۔ کوئی خرچ وضع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ زمین کی پیداوار کے جتنے حصہ کا مسلمان مالک ہو  
اس کو اپنے ملوکہ غلہ اور بھل کا عشر یا نصف عشر نکالنا ہوگا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے یا ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کل اخراجات یا بعض کو وضع کر کے  
عشر ہونا چاہئے۔ تو یہ کوئی نئی خواہش یا نیا شبہ نہیں ہے پہلے لوگوں کو بھی ہوا ہے اور جو جواب فقہاء کرام نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دیا ہے وہی جواب آج بھی ہے۔

”يجب العشر في الأول ونصفه في الثاني بلارفع أجر العمال ونفقة البقر  
وكسرى الأنهار وأجر الحافظ ونحو ذلك“ درر“ قال في الفتح یعنی لا يقال بعدم  
وجوب العشر في قدر الخارج الذي بمقابلة المؤنة بل يجب العشر  
في الكل لأنه عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولورفعت



المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر دائما في الباقي لأنه لم ينزل  
بالنصفه إلا للمؤنة والباقي بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب  
دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فقلنا ان لم يعتبر شرعا  
عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوي للمؤنة أصلاً. (۱)

۶۔ جو عشری زمین بٹائی پر ہو یعنی پیداوار مالک اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی ہو عام ازیں کہ  
نصف نصف ہو یا کمی و بیشی کے ساتھ۔ ایسی صورت میں ہر ایک کو اپنے حصہ کا عشر نکالنا چاہئے یعنی  
بہتے غلہ کا مالک ہے اسی قدر کا عشر ادا کرے۔ کیونکہ عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان  
مشترک ہے۔ اس لئے دونوں پر عشر واجب ہے۔ یہ صاحبین کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ولو دفعهما مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب

في الخارج والغارح بينهما فيجب العشر عليهما. (۲)

علامہ شامی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (۳)

وفي المزارعة على قولهما العشر عليهما بالحققة. (۴)

(جواب کا باقی حصہ آخر صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

## محور پنجم

۱۔ عشر کے لئے کوئی نصاب ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہ کے  
درمیان اختلاف ہے۔ صاحبین رحمہ کے نزدیک نصاب ہے اور وہ پانچ دسق ہے۔ امام صاحب کے نزدیک  
کوئی نصاب نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ فقہ وفتادی کی تقریباً  
تمام ہی کتب میں یہ تفصیل موجود ہے۔ (۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ جلد ۲، ص ۲۷۴ میں امام صاحب کے مسلک کو

(۱) د. المختار ۲/۲۲۸۔ اسی مفہوم کی عبارتیں ہدایہ ۱/۱۸۳۔ بدائع ۲/۶۲۔ عالمگیری ۱/۹۶ میں بھی ہے۔

(۲) بدائع ۲/۵۶ (۳) د. المختار ۲/۳۳۵ (۴) عالمگیری ۱/۹۶ (۵) ہدایہ ۱/۱۸۱ بدائع ۲/۵۹ د. المختار ۲/۳۳۵

اختیار کیا ہے۔ انھوں نے صاحبین کے مسلک کو ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمہ اللہ نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ اپنی کتاب ”کتاب العشر والزکوٰۃ“ میں امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہما کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ خود حضرت امام ابو یوسف بھی امام صاحب کے قول کو اختیار کر نیکی ترغیب دیتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

”لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ کتاب الخراج میں خود فرماتے ہیں کہ دونوں قول ہیں۔ یعنی نصاب کا اعتبار اور عدم اعتبار۔ پس بیت المال اور قوم کے لئے جو اصلح اور مفید ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ یعنی وہ خود بھی امام صاحب کے قول پر عمل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور حوط بھی یہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو امام صاحب کے قول پر عمل کر کے قلیل اور کثیر سب کا عشر ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ قوم کے لئے اصلح اور مفید یہی ہے اور احتیاط بھی اسی کی مقتضی ہے۔ (۱)“

۲۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں دو قسم کی ہو سکتی ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی کاشت کی جاتی ہے اور ان سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی چیزوں میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ دوسری قسم کی چیزیں وہ ہیں جو خورد ہوتی ہیں۔ ان سے نفع مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ کھیت کو ان سے صاف کیا جاتا ہے جیسے گھاس۔ بانس وغیرہ۔ ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر ان چیزوں کی کاشت کی جائے اور ان سے نفع مقصود ہو تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا

”أما الحطب والعصب والحشيش لا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقربة أو مشجرة أو منبتا للحشيش يجب فيها العشر (۲) ومنها أن يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعتها نماء الأرض وتغفل به الأرض عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والعصب الفارسي لأن هذه الأشياء لا تنمى بها الأرض ولا تغفل بها عادة لأن الأرض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الأرض حتى قالوا في الأرض إذا أخذها مقربة وفي شجرة الخلاف التي يقطع في كل ثلاث سنين أو أربع سنين

انه يجب فيها العشر لأن ذلك غلة وافرة. (١)

عشر زمین کی پیداوار میں ہوتا ہے۔ پانی میں پیدا ہونے والی چیزوں میں عشر واجب نہیں ہوگا۔  
۳۔ مچھلی میں عشر واجب نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ زمین کی پیداوار نہیں ہے۔ فقہاء نے یہ شرط  
اور تارکول میں عدم وجوب عشر کی وجہ یہی بتایا ہے کہ وہ زمین کی پیداوار نہیں ہے۔

و ليس في عين القير والنقط في أرض العشر شيء لأنه ليس من إنزال الأرض<sup>(٢)</sup>  
در منتقی میں لائنہا لیساً من غلة الارض ہے۔ اور مجمع الانهر میں لائنہا لیساً من انزال الارض ہے<sup>(٣)</sup>  
بدائع میں ہے :

ومنها أي من شرائط المعلية وجود الخارج حتى أن الأرض لو لم تخرج شيئاً  
لم يجب العشر لأن الواجب جزء من الخارج وإيجاب جزء من الخارج والآخر  
محال - (٣)

۴۔ عام طور پر فقہ وفتادی کی کتابوں میں موجود ہے کہ ریشم کے کپڑوں میں عشر واجب نہیں ہے امام  
شافعی نے شہد میں عدم وجوب عشر پر ریشم سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب دیتے ہوئے  
صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

بغلاف دود العنزلانہ يتناول الأوراق ولا عشر فيها۔ (۵۱)

لیکن جس طرح خود رو گھاس۔ بانس اور درختوں میں عشر نہیں ہے البتہ اگر ان کی کاشت کی جائے اور ان سے نفع مقصود ہو تو عشر واجب ہو جاتا ہے جب کہ اوپر بحث گزری۔ اسی طرح شہتوت کے درخت اور پتوں میں عشر نہیں ہے اور نہ اس سے پیدا ہونے والے ریشم میں۔ لیکن جب اس کی باضابطہ کاشت کی جائے اور ان سے نفع اٹھانا مقصود ہو جائے تو بانس۔ گھاس کی طرف اس میں بھی عشر واجب ہو گا اور اس سے پیدا ہونے والے ریشم میں بھی۔

(۱) بدائع ۲/۵۸- اسی مفہوم کی عبارت درمستی اور مجمع الانہر ۱/۲۱۶ و المعارف ۲/۳۲۶ قاضیخان ۱/۱۳۲ عالمگیری ۱/۹۵ میں بھی ہے۔

(٢) هداية ١٨٢/١ (٣) مجمع الأنهر ٢١٩/١ (٤) بدائع ٥٨/٢ (٥) هداية ١٨٢/١ مجمع الأنهر ٢١٩/١. كافي أكثر الكتب.



۵۔ پھلدار درختوں کے پھل میں عشر واجب ہوگا اور جو درخت پھل دار نہیں ہیں خود ان ہی میں عشر ہوگا۔

وفي شجرة الخلاف التي تقطع في كل ثلاث سنين أو أربع سنين انه يجب

فيها العشر لأن ذلك غلة وانقرة. (۱)

۶۔ خضر اوت میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر واجب ہے جب جب پھل توڑے جائیں گے ان میں سے عشر ادا کیا جائے گا۔

فاما كون الخارج ماله ثمرة باقية فليس بشرط لوجوب العشر بل يجب

سواء كان الخارج له ثمرة باقية أو ليس له ثمرة باقية وهي الخضر اوت. (۲)

البتہ مکان کے گرد و پیش افتادہ زمین میں درخت لگائے جائیں یا سبزیاں اگالی جائیں یا پھتوں پر سبزیاں اگالی جائیں ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

لا شئ في الدار التي بها اشجار درشتي ولو لم يجعلها بستانا بل أبقاها دارا

ولكن فيها نجيل لا شئ فيها. (۳)

ولو كان في دار رجل شجرة ثمرة لا عشر فيها. (۴)

رجل في داره شجرة ثمرة لا عشر فيها وإن كانت البلدة عشرية بخلاف

ما إذا كانت في الأرض. (۵)

۷۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

وكذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج

فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة. (۶)

فيجب في الأراضي الموقوفة. (۷)

ولجب العشر في الأراضي الموقوفة وأرض المبيیان والجائین إن كانت عشرية

(۱) بدائع ۵۸/۲ (۲) بدائع ۵۹/۲ ہدایہ ۱۸۱/۱ مجمع الأنہر ۲۱۵/۱

(۳) مجمع الأنہر ۶۱۸/۱ (۴) عالمگیری ۱۵۵/۱ (۵) فتاویٰ قاضی خان ۱۳۰/۱

(۶) بدائع ۵۸/۲ (۷) بدائع ۵۹/۲ (۸) بدائع ۵۹/۲ (۹) بدائع ۵۹/۲

وان كانت خراجية ففيها الخراج - (۱)

وكذا ملك الأرض ليس بشروط للوجوب لجهوية في الأراضي الموقوفة. (۲)

يجب العشر والخراج في أرض الوقف كذا في الوجيز للكردي. (۳)

جب عام اوقاف میں عشر وخراج واجب ہے تو وقف علی الاولاد میں بدرجہ اولی واجب ہوگا۔

### محور چہارم سوال (۶) کا بقیہ

اگر کسی مسلمان زمیندار نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو بٹائی پردے دیا تو صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی عشر پیداوار میں اپنے اپنے حصہ کے مطابق ہوگا۔ یعنی عشری زمین کی پیداوار سے ہی عشر لیا جائے گا۔ چاہے کاشتکار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ — ایک دوسرا مسئلہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو عاریتہ دے دیا تو عشر کس پر ہوگا؟ علامہ کا سانی زر کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صاحبین رحمہ کے نزدیک پیداوار ہی میں عشر ہوگا۔ اور امام صاحب کے نزدیک ایک قول کے مطابق پیداوار میں ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق مالک زمین پر ہوگا۔

ولو أغارها من مسلم فزرعها فالعشر على المستعير عند أصحابنا الثلاثة

..... ولو أغارها من كافر فكذلك الجواب عندهما لأن العشر

عندهما في الخارج على كل حال وعن أبي حنيفة فيه روايتان. في رواية

العشر في الخارج وفي رواية على رب المال. (۴)

حالانکہ علامہ شامی نے درر سے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں چونکہ غیر مسلم عشر کا اہل نہیں ہے اس لئے مالک زمین پر ہی عشر ہوگا۔ کیونکہ فقرار کے حق کے ضیاع کا سبب وہی ہوا ہے کہ اس نے عشری زمین غیر مسلم کو کاشت کے لئے دے دیا۔

(۱) فتاویٰ قاضی خان ۱۳۲/۱ (۲) عالمگیری ۹۵/۱

(۳) عالمگیری ۲۴۳/۲ (۴) مبدائع ۵۶/۲ -

وقيد بالمسلم لأنه لو استعارها ذمى فالعشر على المعير اتفاقاً لقولته  
حق الفقراء بالإعارة من الكافر كذا في شرح درر البحار. أي لكونه ليس  
أهلاً للعشر. (۱)

لیکن انہوں نے بھی بدائع کی عبارت نقل کی ہے۔

فكن في البدائع لو استعارها كافر عند هذا العشر عليه. وعن الإمام هروان  
في رواية كذلك وفي رواية علم المالك. (۲)

بٹائی کی صورت میں صاحبین پیداوار میں ہی عشر کے قائل ہیں۔ چاہے کاشتکار مسلم ہو  
یا غیر مسلم اور امام صاحب رو کے نزدیک چونکہ بٹائی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے وہ بہر صورت عشر رب الارض پر  
واجب قرار دیتے ہیں چاہے کاشتکار مسلم ہو یا غیر مسلم۔

ولو دفعها مزارعة فأما على مذهبها فالمزارعة جائزة والعشر يجب  
في الخارج والخارج بينهما فتجب العشر عليهما وأما على مذهب  
أبي حنيفة، فالمزارعة فاسدة ولو كان يعيزها كان يجب على مذهب  
جميع العشر على رب الأرض إلا أن في حصته جميع العشر يجب في عينه  
وفي حصة المزارع يكون ديناً في ذمته. (۳)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

في شرح درر البحار عشر جميع الخارج على رب الأرض عنده لأن المزارعة  
فاسدة عنده فالخارج له لتحقيقاً أو تقديراً لأن البذر إن كان من قبله  
تجميع الخارج له وللمزارع أجر مثل عمله وإن كان من قبل المزارع فالخارج  
له ولرب الأرض أجر مثل أرضه وهو بمنزلة الخارج إلا أن عشر حصته  
في عين الخارج وعشر حصته المزارع في ذمته رب الأرض. (۴)

(۱) رد المحتار ۲/۳۳۴ (۲) حوالہ مذکور

(۳) بدائع ۲/۵۶ (۴) رد المحتار ۲/۳۳۵۔



چوں کہ فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول بٹائی کے صحیح ہونے پر ہے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اگر بٹائی دار بھی مسلمان ہو تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عشر لازم ہوگا۔ اور اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے کہ اس کے حصہ کا عشر وصول کر کے فقرا تک پہنچایا جاسکے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اس صورت میں امام صاحب رحمہ کے مسلک کے مطابق مسلمان زمیندار سے ہی بٹائی دار کے حصہ کا عشر وصول کیا جائے۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمہ کی رائے بھی یہی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ایسلام کا نظام عشر و خراج

(محوتر پنجم)

اثر: نور الحق رحمانی (فاضل دیوبند) ————— مجمع الفقہ الاسلامی، الہند

### نصاب عشر کا مسئلہ

۱۔ زرعی پیداوار اور درہیلوں کی کسی مخصوص مقدار پر عشر واجب ہے، یا زمین سے حاصل ہونے والی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر بہ الفاظ دیگر دوسرے اموال کی زکوٰۃ کی طرح کھیتوں اور درہیلوں کی زکوٰۃ کے لئے شرعاً کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کے دو اقوال ہیں ایک تو یہ کہ وجوب عشر کے لئے شرعاً کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، پیداوار کی ہر مقدار پر خواہ وہ کم ہو یا زیادہ عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وكذا النصاب ليس بشرط لوجوب العشر فيجب العشر في كثير

الخارج وقليله ولا يشترط فيه النصاب عند أبي حنيفة" ۱۷

اسی طرح وجوب عشر کے لئے نصاب شرط نہیں ہے لہذا زمین سے نکلنے والی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں نصاب کی شرط نہیں ہے۔

ابراہیم نخعی، عطاء، مجاہد، حماد، زفر اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

”قول ابی حنیفۃ مذهب ابراہیم النخعی ومجاہد وحماد وزفر وعمر بن عبد العزیز ذکرہ ابو عمرو وهو مروی عن ابن عباس وهو قول داؤد واصحابہ فیما لا یوسق وحکاء یحییٰ بن آدم بسند حید عن مطاء“  
امام ابو حنیفہ کا جو قول ہے وہی مذہب ہے ابراہیم نخعی، مجاہد، حماد، زفر اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا، ابو عمرو نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے، اور یہی قول ہے داؤد ظاہری اور ان کے اصحاب کا ان چیزوں کے بارے میں جن کا دسق سے اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور عمدہ سند سے بھی ابن آدم عطا سے بھی یہی روایت کرتے ہیں۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عشر کے سلسلے میں کتاب و سنت کے نصوص میں عموم ہے۔ ان میں مطلقاً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا گیا، اور پیداوار کی کسی مقدار کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

”یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجناکم من الارض“

اے ایمان والو! اپنے کمائے ہونے حلال اور پاکیزہ مالوں میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔

سورہ انعام میں ارشاد فرمایا گیا:

”کوا من ثمرہ اذا الثمر و آتوا حقہ یوم حصادہ“

تم ان (باغوں اور کھیتوں) کے پھل (اور پیداوار) کھاؤ جب وہ پھلیں اور اس کی کٹائی کے دن اللہ کا حق ادا کرو۔

پہلی آیت میں زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرنے یعنی عشر نکالنے کا حکم دیا گیا، اور قلیل و کثیر مقدار کے درمیان



کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اور دوسری آیت میں پھلوں کے باغات، کھیتوں، کھجور، زیتون اور انار کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو استعمال کرنے اور پھر اپنا حق ادا کرنے یعنی عشر نکالنے کا حکم دیا اس میں بھی مطلق پھلوں اور زرعی پیداوار میں سے اللہ کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں خدا کا حق ہے۔

اسی طرح عشر سے متعلق درج ذیل حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جسے اصحاب صحاح میں سے اکثر حضرات نے نقل کیا ہے :

”فبما سقت السماء والعيون العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر“  
جو کھیتی بارش اور چشموں کے پانی سے سیراب ہوئی ہو اس میں عشر ہے اور جسے آب پاشی کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔

اس سے بھی زمین کی ہر پیداوار پر قدرتی پانی سے سیراب ہونے کی صورت میں عشر اور آب پاشی کے ذریعہ سیرابی ہونے کی صورت میں نصف عشر کا وجوب سمجھ میں آ رہا ہے۔ قلیل و کثیر کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا قابل کاشت ہونا اور پیداوار کا حقیقتہً حاصل ہونا ہے تو پیداوار کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں یہ سبب پایا جا رہا ہے :

”ولان سبب الوجوب دهي الارض النامية بالخارج لا يوجب التفصيل  
بين القليل والكثير“

اور اس لئے کہ سب وجوب عشر جو زمین کا نامی ہونا اور پیداوار کا حاصل ہونا ہے وہ قلیل و کثیر مقدار کے درمیان فضل نہیں کرتا۔

عشر میں اور دوسرے اموال کی زکوٰۃ میں کئی اعتبار سے فرق ہے، دوسرے اموال کی زکوٰۃ کے لئے سال کا پورا ہونا، دین سے ذمہ کا فارغ ہونا اور عقل و بلوغ شرط ہے جب کہ وجوب عشر کے لئے ان میں سے کوئی شرط نہیں اسی طرح عشر کے لئے نصاب کی بھی شرط نہیں۔

دوسرا قول بہرہ فقہاء اور صاحبین کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک جس طرح سونا چاندی، حیوانات

سے شرمندی ۴۳، باب ما جاء في الصلوة فيما يستقى بالانهار وغيرها ابن ماجہ باب صدقة الزروع والثمار

کتاب الزکوٰۃ ۵۵۵، المكتبة العلمية بيروت لبنان ۵۶، بدائع الصنائع ۵۶/۶



معاذ بن جبل والی روایت میں اس کی صراحت آئی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم اہل کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو۔ انہیں پہلے اس کی دعوت دینا کہ وہ لا الہ الا اللہ مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللہ کی گواہی دیں۔ پھر اگر وہ اس کا اقرار کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے پھر اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوہ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں پر تقسیم کر دی جائے گی، حدیث کے الفاظ میں:

”فأخبرهم أن الله عز وجل فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد على

فقرائهم“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوہ صرف مالداروں پر فرض ہے۔ اور عشر بھی دراصل زمین کی پیداوار کی زکوہ ہے۔ لہذا اس کے واجب ہونے کے لئے بھی مال دار ہونا ضروری ہوگا۔ پانچ دسوق والی حدیث نے گویا غنا کی عدم مقرر کر دی کہ اس سے کم میں غنا متحقق نہ ہوگا جس طرح دوسرے اموال کی زکوہ کے لئے نصاب کے ذریعہ غنا کی عدم مقرر کی گئی ہے۔

پھر قیاس کا بھی تقاضا ہے کہ جس طرح تھوڑے مالوں پر زکوہ واجب نہیں ہوتی اسی طرح تھوڑی پیداوار پر بھی عشر واجب نہ ہو۔

جہاں تک دونوں اقوال میں ترجیح کی بات ہے تو اس عاجز کے نزدیک دلائل کی رو سے صاحبین اور جمہور فقہاء کا مسلک راجح ہے۔ البتہ چونکہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے اور اس میں بیت المال اور فقراء کا فائدہ زیادہ ہے۔ اس لئے وہ زیادہ قابل اتباع ہے۔ اسی بنا پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو جمہور کی طرح عشر میں نصاب کے قائل ہیں وہ اپنی مشہور تصنیف ”کتاب الخراج“ میں دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قوم کے لئے اور بیت المال کے لئے جو اصلح اور زیادہ مفید ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

”فخذ مني ذلك بما رأيت الله اصلح للرعية“ اور علی بیت المال وبأی

القولین احببت

لے نسائی کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکوۃ ص ۳۳

لے موسوعة الخراج فصل ما ينبغي ان يعمل به في السواد كذا في دار الموقفة بمردت - لبنان



رہی پانچ وسق والی روایت تو امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اس کا بھی ٹھل ہے۔ وہ اسے مال تجارت پر محمول کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص غلوں کی تجارت کرتا ہے تو جب تک اس کی مقدار پانچ وسق یا اس کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یعنی اس حدیث میں غلوں کی تجارت کرنے والوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے حجاز کے لوگ وسق ہی کے ذریعہ سے غلوں کی خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی اس اعتبار سے پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہو گئی اور زکوٰۃ تجارت پر محمول کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں صدقہ کا لفظ آیا ہے اور مطلق صدقہ سے ذہن معروض زکوٰۃ کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ کہ عشر کی طرف۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

”وَتَاوِيلُ مَا رَدَّ بِهَا زَكَاةُ التِّجَارَةِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَتَبَايَعُونَ بِالْأَوْسَاقِ وَ قِيَمَةِ

الْوَسْقِ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، لِه

اور صاحبین نے پانچ وسق والی جو روایت بیان کی اس کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ تجارت ہے کیونکہ صحابہ وسق کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی۔

علامہ سانی لکھتے ہیں :

”وَأَمَّا الْحَدِيثُ فَالْجَوَابُ عَنِ التَّعْلُقِ بِهِ مِنْ وَجْهَيْنِ : أَحَدُهُمَا أَنَّهُ مِنْ

الْأَحَادِيثِ لَا يَفِيدُ فِي مَعَاوَضَةِ الْكِتَابِ وَالْخَيْرِ الْمَشْهُورِ..... وَالثَّانِي

أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الصَّدَقَةِ الزَّكَاةُ لِأَنَّ مَطْلُقَ اسْمِ الصَّدَقَةِ لَا يَنْصَرِفُ

إِلَّا إِلَى الزَّكَاةِ الْمَعْبُودَةِ وَنَحْنُ بِهِ لَنَقُولُ أَنَّ مَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنْ

طَعَامٍ أَوْ مَالٍ يَسْتَحَرُّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ زَكَاةٌ مِمَّا سَبَّغَ قِيَمَتُهَا مِائَتِي دِرْهَمٍ“

اور جہاں تک حدیث اوسقی کا تعلق ہے تو اس سے متعلق دو جواب ملتے ہیں ایک تو یہ کہ

وہ خبر واحدہ ہے لہذا اس کتاب التہ اور شرح میں اس کے مفہوم میں کوئی کیا جہت کہ.....

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ اس سے مراد مطلق ہے۔ لہذا زکوٰۃ معبود ہی کی طرف

لوٹتا ہے اور ہم یہی کہتے ہیں کہ پانچ وسق سے کم غلہ اور کھجور جو تجارت کے لئے ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ اس کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے۔

## ۲۔ عشر کن چیزوں میں واجب ہے ؟

زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر کے مستثنیٰ ہیں۔ اس سلسلے میں بھی فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جسے زمین سے نفع حاصل کرنے کی غرض سے لگایا گیا ہو، خواہ وہ غذائی اجناس ہوں جیسے گندم، جو، چاول، مکئی اور دہن اور تلہن وغیرہ یا پھل اور میوے مثلاً انگور، کشمش، زیتون، انجیر، آم، امرود، سیب، کیلا، ناسپاتی، شفتالو، زرد آلو، انار وغیرہ۔ یا ساگ، سبزیاں مثلاً کھیرا، لکڑی، خربوزہ، آلو، بیگن، ٹماٹر، گاجر، شلغم، مولیٰ، پیاز، لہسن وغیرہ یا غیر غذائی اجناس مثلاً زعفران، ردئی، سن پاٹ وغیرہ خواہ وہ مطعومات سے قبل سے ہو یا نہ ہو متابل پیمائش اور قابل ادخار ہو یا نہ ہو۔ اس سے صرف وہ گھاس، بانس اور درخت مستثنیٰ ہیں جو خود سے اگ آتے ہیں۔ لیکن اگر ان چیزوں کی کاشت مقصود ہو۔ اور زمین کے کسی ٹکڑے کو گھاس اگانے، بانس لگانے یا ساکھو اور شیشم وغیرہ کے درخت لگانے کے لئے خاص کر دیا جائے۔ اور ان کی نیچائی کی جائے، اور لوگوں کو اس میں آمد و رفت سے روک دیا جائے تو اس صورت میں ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے :

”ويجب العشر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى في كل ما تخرجه الارض من

الحنطة والشعير والذخن والارز واصناف الحبوب والمقول ..... معاله

ثمرة باقية او غير باقيه قتل او كثر ..... يقع في الوسق اولاً .....

ويجب في الكتان وبذر لان كل واحد منهما مقصود”

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب ہے یعنی گندم، جو، چاول اور مختلف قسم کے غلے اور سبزیاں ..... خواہ اس کا پھل باقی رہے یا نہ رہے، تھوڑا ہو یا زیادہ ..... وسق کے ذریعہ اس کی پیمائش ہو سکتی ہو یا نہیں ..... اور کتان

(سن) اور اس کی بیج میں بھی عشر واجب ہے کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مقصود بنتے ہیں علامہ کا سانی لکھتے ہیں :

”و منها ان يكون الخارج من الارض معا يقصد بزراعتها نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تنتمي بها الارض ولا تستغل بها عادة لان الارض لا تنمو بها بل تقصد فلم تكن نماء الارض حتى قالوا في الارض اذا اتخذها مقصدا . . . . . انه يجب العشر فيها“ ۱۰

اور وجوب عشر کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی چیز ایسی ہو جس کی کاشت کا مقصد عادتاً زمین کی ترقی اور زمین سے نفع حاصل کرنا ہو۔ لہذا لکڑی، گھاس اور بانس میں عشر نہیں ہے کیوں کہ ان چیزوں سے عام طور پر زمین کی ترقی مقصود ہوتی ہے اور زمان سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے کیوں کہ زمین ان چیزوں سے ترقی نہیں کرتی بلکہ خراب ہوتی ہے اس لئے ان میں زمین کی نما نہیں ہے۔ یہاں تک کہ فقہائے کہا کہ اگر کسی زمین کو کوئی شخص بانس کی باڑی بنائے . . . . . تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

یہی قول ابراہیم نخعی، حماد، مجاہد، زفر، عطاء اور عمر بن عبد العزیز وغیرہ کا ہے۔

ان حضرات کا استدلال عشر سے متعلق کتاب و سنت کے ان ہی نصوص سے ہے جو نصاب عشر کے ذیل میں ذکر کئے گئے (یعنی انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض (البقرة) اور و اتوا حقه يوم حصاده (الانعام) اور حديث نيسابن السماء او العيون العشر (متفق عليه)۔ ان نصوص کے عموم سے واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب ہے۔

دوسرے یہ کہ زمین سے پیدا ہونے والی تمام چیزیں خواہ وہ غذائی اجناس کے قبیل سے ہوں پھل اور موز جات ہوں یا ساگ سبزیاں، یہ سب خدا کی نعمت اور انسانیت کے لئے نفع بخش ہیں، لہذا اس عظیم نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا اور غریبوں کا حق نکالنا ضروری ہے کہ عشر و زکوٰۃ دراصل خدا کی نعمت کا شکریہ ہی ہے۔



دوسرا قول یہ ہے کہ عشر زمین کی اس پیداوار پر واجب ہے جو غذائی اجناس کے قبیل سے ہو یعنی جسے عام طور پر غذا کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہو اور جسے لوگ اگاتے ہوں اور جو قابل ادخار ہو، یہ قول امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے، اس قول کی رو سے زعفران، روئی، کتان (سن) لکڑی اور بالن جیسی پیداوار جو مطعومات کے قبیل سے نہیں ہے ان پر عشر واجب نہ ہو گا، اسی طرح سبز پال، میوہ جات اور وہ پھل جو باقی رہنے والے اور ذخیرہ کر کے رکھے جانے کے قابل نہیں ہیں ان پر عشر واجب نہیں، صاحب مہذب فرماتے ہیں:

”وتجب الزكاة فسي كل ما تخرجه الارض مما يقتات و يذخر وينتفعه الاميون“

كالحنطة والشعير والدخن والذرة، والجوارس والارز وما اشبه ذلك<sup>۱</sup>

اور عشر زمین کی ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو غذائی اجناس کے قبیل سے ہو اور جو قابل ادخار ہو اور لوگ اسے اگاتے ہوں مثلاً گندم، جو، باجرہ، کئی، چاول اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔

اور پھلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وتجب الزكاة في ثمر النخيل والكرم..... ولا تجب فيما سوى ذلك“

من الثمار كالتين والتفاح والسفرجل والرمثان لانه ليس من الاقوات

ولا من الاموال المدخرة للمقتاتة<sup>۲</sup>

کھجور اور انگور کے پھل میں عشر واجب ہے..... اور ان کے علاوہ دوسرے پھلوں مثلاً انجیر، سیب، ناریل، اور انار میں واجب نہیں ہے، کیوں کہ وہ غذائی اجناس اور ذخیرہ کر کے رکھی جانے والی چیزوں میں سے نہیں ہے۔

بنیادی طور پر تقریباً یہی قول مالکیہ، حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین کا ہے، البتہ جزوی تفصیلات میں ان ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے، مثلاً صاحبین وجوب عشر کے لئے غذائی اجناس کی شرط نہیں لگاتے بلکہ وہ امام ابوحنیفہ کی طرح گنا، زعفران، روئی اور کتان (سن) وغیرہ میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن میوہ جات اور سبز پلوں میں یہ حضرات بھی تہور فقہاء کی طرح عشر کے قائل نہیں ہیں، اسی طرح مالکیہ بھی میوہ جات اور سبز پلوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں۔

چنانچہ امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں :

"السنة التي لا اختلاف فيها عندنا والذي سمعته من اهل العلم : انه

ليس من شيى من الفواكه كلها صدقة" ۱۰

وہ سنت جس میں ہمارے نزدیک اختلاف نہیں ہے اور جسے میں نے اہل علم سے سنا ہے

وہ یہ ہے کہ میوہ جات میں سے کسی قسم کے میوہ میں صدقہ (عشر) نہیں ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بیس قسم کی زرعی پیداوار میں عشر واجب ہے، چار روغنیات کے قبیل سے مثلاً زیتون، تل، داذغفران اور سرخ رائی، اور دو قسم کے پھل یعنی کھجور اور کشمش اور باقی چودہ غذائی اجناس اور دہن وغیرہ اور وہ حسب ذیل ہیں : گندم، جو، سلت (بغیر پھلکے کا جو)، غلّس (گیہوں کی ایک قسم جس کے دودانے ایک پھلکے میں ہوتے ہیں اور یمن کے علاقہ صنعاء والوں کی خوراک ہے)، چاول، باجرہ، مکئی، لوبیا، چنا، دال، ٹرنس (ایک قسم کا غلہ جو کڑوا ہوتا ہے اور چند دن پانی میں بھگو کر استعمال کیا جاتا ہے) بسلہ، جلیان، ان کے علاوہ پیداوار میں عشر نہیں ۱۱ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک عشر ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو ناپے جانے، باقی رکھے جانے اور خشک کئے جانے کے قابل ہو، میوہ جات اور سبزیوں میں ان کے نزدیک بھی عشر نہیں، ابن قدامہ مقدمہ کی منبلی لکھتے ہیں :

"ان الزكاة تحب فيما جمع هذه الاوصاف : الكيل، والبقاء، واليبس

من الحبوب، والشمار مما يفتته الآدميون . . . . . ولا زكاة في

سائر الفواكه كالخوخ والاجاص والكمثرى، والمفتاح، والعشش، والنتين،

والعوز، ولا في الغنم كالقشاة والخيار، والبادنجان، واللصت، والعجيرة ۱۲

زکوٰۃ عشر ۱۱ ان غلوں اور پھلوں میں واجب ہے جن میں یہ اوصاف جمع ہوں یعنی جہنن یا جاسکتا

ہو خشک کیا جاسکتا ہو اور جو دیر تک باقی رہ سکتے ہوں، اور جسے لوگ اٹاتے ہیں . . . . .

۱۰ مؤطا ۲۷۸، العلوی باب مال الزكاة فيمنه من الفواكه، والمقصب والمقول

۱۱ دیکھئے کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۶/۱۰۰-۶/۱۰۱، شریعہ العرشیہ علی خلیل، مع حاشیہ العبدوی ۶/۲۰۶

اور تمام میوہ جات میں عشر نہیں ہے مثلاً شفتالو، ناشپاتی، امرود، سیب، زرد آلو، انجیر اور اخروٹ اور نہ سبزیوں میں مثلاً کھیر، لکڑی، خربوزہ، بیگن، شلغم اور گاجر۔  
 مخالف نے وجوب عشر کے لئے قابل پیمائش ہونے کی شرط درج ذیل حدیث کی بنیاد پر لگائی ہے :  
 "لینس منی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق" <sup>۱</sup>  
 کسی غلہ اور کھجور میں صدقہ نہیں ہے جب تک کہ وہ پانچ دسق کو نہ پہنچ جائے۔  
 ابن قدامہ لکھتے ہیں :

"فذل هذا الحديث على انتفاء الزكاة مما لا توسيق فيه" <sup>۲</sup>  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی پیمائش دسق سے نہیں کی جاسکتی اس میں عشر نہیں ہے۔

جو لوگ میوہ جات اور سبزیوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں ان کا استدلال درج ذیل روایات سے ہے :  
 "عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : لینس فی الخضراوات صدقة" <sup>۳</sup>  
 حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے۔  
 دوسری روایت ابن ماجہ اور دارقطنی کی درج ذیل ہے :

"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن عبدہ قال : انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزکاة فی هذه الخمسة : فی الحنطة والشعیر والتمر والزبیب والذرة" <sup>۴</sup>

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ چیزوں میں زکوٰۃ کا طریقہ جاری فرمایا : گندم، جو، کھجور، کشمش اور مکئی میں۔  
 دارقطنی کی روایت میں صرف پہلی چار چیزوں کا تذکرہ ہے، اسی روایت کی بنیاد پر بعض سلف اور خلف صرف ان ہی

<sup>۱</sup> مشکوٰۃ المصابیح ۱/۱۵۹، باب ما یجب فیہ الزکاة ط : مطبع مجتہبی دہلی ۱۴۲۴ھ المغنی ۴/۶۹۲

<sup>۲</sup> مشکوٰۃ المصابیح ۱/۶۰، کتاب الزکاة، باب ما یجب فیہ الزکاة

<sup>۳</sup> ابن ماجہ کتاب الزکاة، باب ما یجب فیہ الزکاة من الاموال منہ ط : المکتبۃ العلمیہ بیروت - لبنان



چار چیزوں میں عشر کے قائل ہیں۔

تیسری روایت ترمذی کی ہے جو حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے:

”عن معاذ انه كتب الى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله عن الخضراوات وهي

البقول فقال ليس فيها شيء“ ۱۰

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خط لکھ کر سبزیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ان میں کچھ نہیں ہے۔

صاحب مہذب فرماتے ہیں:

”فاما القثاء والبطيخ والرمضان والقصب والخضر فعن عفا عنهما رسول الله

صلى الله عليه وسلم“ ۱۱

بہر حال لکڑی، خربوزہ، انار، بالنس اور سبزیاں تو ان میں عشر معاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان سے عشر کو معاف فرمایا ہے۔

اس مسئلے میں تمام اقوال و مذاہب کا جائزہ لینے اور تمام دلائل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

اس سلسلے میں زیادہ رائج اور قوی مسلک ان حضرات کہے جو زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ کتاب و سنت کے نصوص اسی کے متقاضی ہیں، اور یہ مسلک شریعت کے منشا اور زکوٰۃ کی مصلحت

سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے، اور جو روایات عشر کے چار پانچ اجناس میں محدود ہونے، یا مسودہ جات اور سبزیوں کے عشر سے مستثنیٰ ہونے کے سلسلے میں نقل کی گئیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ لہذا وہ اس قابل نہیں کہ

انھیں قرآنی نصوص: ”انما حقہ يوم حصاد“ (الانعام) اور انفقوا من طيبات ما كسبتم ” (مائدہ) جہاں

من الارض والبقرہ اور حدیث مشہورہ: ”فما سقت السماء والعيون العشر“ (بخاری) کے معارض قرار دیا جائے جن

سے ہر قسم کی زرعی پیداوار میں عشر کا واجب ہونا سمجھ میں آتا ہے، اور جن میں نہ غذائی اجناس کا ذکر ہے نہ فستابل پیمائش ہونے کی شرط ہے، نہ خشک ہونے اور دیر تک باقی رہنے کی قید ہے، بلکہ سورہ انعام کی آیت میں جن

۱۰ ۹۲ کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء في زکوٰۃ الخضراوات، ط: مطبع مجیدی کالجور، المئید

۱۱ المہذب مع المجموع ۵/۲۹۲-۲۹۳

چیزوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر لے گا حکم دیا گیا ہے اس میں عام باغات، ٹیٹوں پر لگائے جانے والے باغات، کھجور زرعی پیداوار، زیتون اور انار کا ذکر ہے۔ اور انار ظاہر ہے کہ ایک میوہ ہے، زیادہ دنوں رہنے والا پھل نہیں ہے۔ قرآن کی تصریح کے مطابق انار میں عشر واجب ہے۔ اس لئے زیادہ دنوں باقی رہنے کی شرط لگانا اس آیت کے خلاف ہے۔ اسی طرح ٹیٹوں پر لگائی جانے والی چیزوں میں انگوڑی کی طرح دوسری سبزیاں بھی داخل ہیں۔ پھر کاٹے اور توڑنے کے دن جو عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے میوہ جات، پھلوں اور سبزیوں ہی میں اس حکم پر آسانی سے عمل کرنا ممکن ہے کہ ان میں توڑنے ہی کے دن عشر کی ادائیگی ہو سکتی ہے، اس لئے یہ چیزیں بطور اولیٰ اس آیت میں داخل معلوم ہوتی ہیں۔ ترمذی والی آخری روایت جسے دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے یمن سے خط لکھ کر سبزیوں کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ سبزیوں میں کچھ نہیں ہے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے، اور اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور اس روایت کی سند میں مذکور حسن (ابن عمارہ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کے کے نزدیک ضعیف ہیں، شعبہ وغیرہ نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے :

”قال ابو عیسیٰ اسناد هذا الحديث ليس بصحيح وليس يصح في هذا الباب

عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء..... قال ابو عیسیٰ والحسن هو ابن

عمارة وهو ضعيف عند اهل الحديث ضعفه شعبه وخبره وتركه

عبد الله بن المبارك...“

معلوم ہوا کہ سبزیوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے سلسلے میں کوئی صحیح روایت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح دوسری روایت ابن ماجہ کی جو حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے اس نے نسخے میں جو محمد نواد عبد الباقی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ المکتبہ العلمیہ بیروت سے شائع ہوا ہے اس روایت کے ذیل میں محقق لکھتے ہیں :

”فی الزوائد : اسنادہ ضعیف، لأن محمد بن عبد اللہ هو الخرزجی قال  
الامام احمد ترك الناس حديثه، وقال الحاكم، متروک الحديث بخلاف  
بين ائمة النقل فيه، وقال الساجی : اجمع اهل النقل على ترك حديثه  
وعنده مناكير“

الزوائد میں ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، کیونکہ یہ محمد بن عبد اللہ خرزجی ہیں جن کے  
بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ان کی حدیث چھوڑ دی، اور حاکم فرماتے ہیں کہ وہ  
متروک الحدیث ہیں ائمہ نقل کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور ساجی  
کہتے ہیں : اہل نقل کا ان کی حدیث ترک کرنے پر اجماع ہے، اور ان کے پاس بہت سی منکر  
حدیثیں ہیں۔

اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی انہیں متروک قرار دیا ہے ۱۔

اسی طرح چار چیزوں میں عشر کے حصر سے متعلق جو دوسری روایات ہیں وہ یا تو منقطع ہیں یا ضعیف ۲۔  
پھر یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی عشر کو ان چار یا پانچ چیزوں میں محصور قرار نہیں دیتے۔ اور بالفرض اگر حدیث  
کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہا جائے گا یہ حصر حقیقی نہیں حصر اضافی ہے، اور بر تقدیر صحت ہی ابن الملک  
وغیرہ نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ معاذ بن جبل وغیرہ کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ یمن میں یہی چار غذائی اجناس تھے  
اور پہلی روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس میں ہزیوں میں عشر کے وجوب  
کی نفی ہے وہ بھی سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے ۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (جن کی طرف اس  
روایت کا انتساب ہے) میوہ اور سبزی میں عشر کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں :

”وروی عن علی بنی الناکرة والبطل والمستأبل والزعفران زكاة“ ۴۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میوہ، سبزی اور زعفران میں زکاة (عشر) ہے۔

۱۔ السنن ماجہ ۵۸۰/۱ ۲۔ دیکھئے : نیل الاوطار ۱۲۲/۱

۳۔ دیکھئے : الرعاۃ علی الشکاة ۲۹/۲ ۴۔ دیکھئے : ارتقاہ شرح مشکاة ۱۵۳/۲

۵۔ دیکھئے : فتح القدیر لابن ہمام ۲/۲ ۶۔ المعنی ۶۹۳/۲



مالکی فقیہ ابن عربی اس مسئلہ میں شرح ترمذی میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”واقوى المذاهب فى المسألة مذهب الى حنيفة دليلها واحوطها  
للمساكين واولاها قياما بشكر النعمة، وعليه يدل عموم الآية  
والحديث“ ۱۷

اس مسئلہ میں دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے، مساکین کے فائدے کے لحاظ سے بھی اس میں زیادہ احتیاط ہے اور نعمت الہی کا شکر ادا کرنے کے پہلو سے بھی زیادہ بہتر ہے، اور آیت اور حدیث کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور محقق اور فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی اپنی مشہور تصنیف ”فقد الزکوة“ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان تمام مذاہب میں سب سے زیادہ ترجیح کے لائق مذہب ابوحنیفہؒ کا ہے جو عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہد، حماد، داؤد اور نخعی کا مسلک بھی ہے یعنی کہ زمین سے جو بھی پیداوار ہو اس میں زکوٰۃ ہے، قرآن و سنت کے نصوص کا عموم اسی کی تائید کرتا ہے، اور یہی مسلک زکوٰۃ کو مشروع قرار دے جانے کی حکمت کے موافق ہے۔ میرے خیال میں یہ کوئی حکیمانہ بات نہیں ہے کہ شارع جو اور گہیوں کی کھیتی کرنے والوں پر تو زکوٰۃ (عشر) فرض کرے، اور نازنگی، آم اور سیب کے باغیچوں کے مالکان کو عشر سے مستثنیٰ قرار دے۔ اور جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جو عشر کو چار غذائی اجناس تک محدود کرتی ہیں تو ان میں سے کوئی طعن اور کلام سے پاک نہیں ہے،“ ۱۸

ان دلائل کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اقویٰ، احوط اور انسب ہونے کی وجہ سے زیادہ قبل ترجیح اور لائق اتباع ہے۔ اس کے برخلاف جن روایات میں سبزی وغیرہ میں صدقہ نہ ہونے کا ذکر ہے وہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، اور بر تقدیر صحت احناف کے نزدیک ان کا محل موجود ہے اور وہ یہ کہ میوہ اور سبزی وغیرہ جو زیادہ دنوں باقی نہیں رہتی بلکہ جلد خراب ہو جاتی ہے اس میں عشر کی یہ صورت نہیں ہے کہ عاملین کے ذریعہ

وصول کیا جائے بلکہ اصحاب مال خود سے ان کا عشر ادا کر دیں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں کیونکہ یہ چیزیں جلد خراب ہو جانے والی ہیں تو اگر ان کے عشر وصول کرنے میں بھی عاقلین کو واسطہ بنایا جائے تو مستحقین تک پہنچنے سے قبل وہ خراب ہو جائیں گی۔

کھانا اور سنگھارا چوں کہ زمین ہی کی پیداوار ہیں اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں عشر واجب ہوگا۔ کھانا دیر پا اور قابل ادخار ہے اس لئے صاحبین کے نزدیک بھی اس میں عشر واجب ہوگا، البتہ سنگھارا میں نہیں۔ اور جو حضرات صرف غذائی اجناس میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ان دونوں میں عشر واجب نہ ہوگا۔

### ۳۔ پھلی کی کاشت پر عشر ہے یا نہیں؟

پھلی کی کاشت خواہ زراعتی اراضی پر تالاب کھود کر ہو لیکن اس عاجز کے خیال میں اسے زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ کیوں کہ عشر کے احکام زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے لئے ہیں۔ اور پھلی زمین کی پیداوار نہیں۔ قرآن کریم کی آیت و مِمَّا اخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ مَا اخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعَشْرُ کے الفاظ صاف بتلائے ہیں یہ حکم زمین کی پیداوار کے لئے ہے۔ نہ کہ زمین کے اوپر حاصل ہونے والے ہر ال کے لئے۔ اسی طرح سورہ النعام کی آیت وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا جَمْعًا مِمَّا خَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا مِنْ نَارٍ وَنَبَاتٍ میں جن چیزوں کا تذکرہ ہے یعنی، آبغات، میٹوں پر چڑھائے جانے والے باغات، کھجور، کھیتی، زیتون اور اور انار وغیرہ یہ سب زمین ہی کی پیداوار ہیں۔ اس لئے پھلی کی کاشت خواہ کتنی ہی نفع بخش ہو اور ہر قسم کی کاشت سے زیادہ سبب منفعت ہو لیکن عشر کا حکم اس پر نافذ نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زراعتی زمین پر کوئی فیکٹری اور کارخانہ قائم کر دیا جائے جس سے مالک زمین کو لاکھوں کی آمدنی ہو لیکن اس پر عشر کا حکم نافذ نہ ہوگا بلکہ زکوٰۃ کا اس کے معروف شرائط کے ساتھ۔ اسی طرح پھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہئے نہ کہ عشر کا۔

### ۴۔ ریشم کی کاشت پر عشر ہے یا نہیں؟

ریشم کو شہد کے ساتھ اس حیثیت سے مشابہت



ہے کہ دونوں کی پیداوار حیوان سے ہوتی ہے۔ اور ان دونوں حیوانوں کی غذا زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ پھل اور پھول شہد کی مکھی کی غذا ہے۔ اور شہتوت کے پتے ریشم کے کیڑوں کی غذا ہیں۔ شہد کے چھتے عام طور پر درختوں ہی پر لگتے ہیں۔ اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم کی کاشت تو شہتوت کے درختوں ہی پر ہوتی ہے۔ اور یہ درخت خاص اسی مقصد کی خاطر لگانے جاتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کی رو سے جس چیز کو اگانے سے زمین کی آمدنی مقصود ہو اس پر عشر ہے۔ اس لئے شہتوت کے درخت خود درختوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کے پتے بھی اس کاشت سے مقصود ہیں۔ اس لئے اس کا حکم خود روپودوں کا نہیں ہوگا۔ اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ریشم کی کاشت کو پھلوں کے باغات اور کھیتوں سے ظاہری اور معنوی دونوں مشابہتیں ہیں۔ جس طرح پھل اور میوے اور روئی کے پھل درختوں اور زمین کے پودوں پر نشوونما پاتے ہیں۔ اور زمین سے ان کی غذا فراہم ہوتی ہے اسی طرح ریشم شہتوت کے درخت پر تیار ہوتے ہیں اور زمین سے ان کو غذا فراہم ہوتی۔ اور ریشم کی یہ کاشت دیکھنے میں بھی پھلوں اور گندم اور جو کی بالیوں کے مشابہ ہیں۔ اور شہد کے ساتھ تو اسے پوری مشابہت ہے ہی اس لئے جو حضرات شہد میں عشر کے قائل ہیں ان کے نزدیک ریشم کی کاشت پر بھی عشر واجب ہونا چاہئے۔

شہد پر عشر کے سلسلے میں احادیث کی متعدد کتابوں میں روایات موجود ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شہد کے عشر کے سلسلے میں ایک مستقل باب "باب ما جاء في زكاة العسل" قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمر کی درج ذیل روایت ذکر کی ہے :

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : في العسل في كل عشرة

ازقّاق" لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : شہد کی ہر دس مشکوں میں ایک مشک (عشر) ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابو سبیارہ متنی اور عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے۔۔۔۔۔ اور اکثر اہل علم کا اس پر شہد میں عشر کے وجوب پر عمل ہے، اور احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں :



”والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم وبه يقول أحمد وإسحاق“۔  
ابن ماجہؒ نے بھی ”کتاب الزکاة“ میں ”زکاة العسل“ کا باب قائم کیا ہے، اور اس کے تحت دو روایات ذکر ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے :

”عن أبي سيارَةَ المِثْقَى، قال، قلت: يا رسول الله! إن لي نحلًا، قال: أدِّ

العشر، قلت: يا رسول الله! أحصاها لي، فقال: نعم، قال: أدِّ

ابو سيارہ مِثْقَى سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس شہد ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر ادا کرو، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے لئے اس کی حفاظت کیجئے (تاکہ کوئی اس کی لالچ نہ کرے) تو آپ نے اس کی حفاظت کا انتظام کیا۔

یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ اس کے راوی سلیمان بن موسیٰ ہیں، انھوں نے حضرت ابو سيارہ مِثْقَى صحابی سے عن کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کی ملاقات کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔  
دوسری روایت حضرت عمرو بن شعیبؒ سے مروی ہے :

”عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أخذ من العسل العشر“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انھوں نے شہد سے عشر لیا۔

ابن قدامہ مقدسی لکھتے ہیں :

”ومذهب أحمد أن في العسل العشر قال الأثرم: سئل أبو عبد الله

أنت مذهب إلى أن في العسل زكاة؟ قال نعم، أذهب إلى أن في العسل

زكاة العشر، قد أخذ عمر منهم الزكاة“۔

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہد میں عشر ہے، اثرم کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا گیا کہ آپ شہد میں عشر کے قائل ہیں؟ انھوں نے فرمایا ہاں میں شہد میں عشر کا

قائل ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس کی زکوٰۃ (عشر) لی ہے۔  
آگے لکھتے ہیں :

”ویروی ذلک عن عمر بن عبد العزيز ومكحول والزهری وسليمان  
ابن موسى والاوزاعي واسحاق ..... وقال ابو حنيفة : ان كان في  
ارض العشر فضية الزكاة والافلا زكاة فيه“ ۱  
اور عمر بن عبد العزيز، مکحول، زہری، سلیمان بن موسیٰ اوزاعی اور اسحاق سے بھی یہی منقول ہے  
..... اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر شہد عشری زمین میں ہو تو اس میں عشر  
واجب ہو گا ورنہ نہیں۔

اس کے بعد ابن قدامہ نے ابن ماجہ والی مذکورہ بالا دونوں روایتیں ذکر کی ہیں، اور خلیفہ دوم حضرت  
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اثر نقل کیا ہے کہ انھوں نے شہد کا عشر ادا کرنے کا حکم جاری  
فرمایا تھا ۲

اس طرح کی متعدد روایات اور آثار امام ابو داؤد، احمد اور دارقطنی وغیرہ نے بھی ذکر کئے ہیں  
ان احادیث کی اسناد پر کلام بھی کیا گیا ہے لیکن کثرت طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے انھیں قوت  
حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ شوکانی نے بھی ”الدرر  
البہیة“ میں اس کی تصریح کی ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے اور اس کے شارح نواب صدیق  
حسن خاں نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس سلسلے کے آثار کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

”وجميعها لا يقتصر عن الصلاحية للاحتجاج به“ ۳

اور یہ تمام روایات و آثار مل کر اس لائق ضرور ہو جاتے ہیں کہ ان سے احتجاج کیا جاسکے۔  
شہد کے سلسلے میں یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ اس کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ (ریشم کی کاشت)  
کو قیاس کیا جاسکے۔ بہر حال شہد کے سلسلے میں اکثر اہل علم احناف، حنابلہ اور صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں سے  
ایک جماعت عشر کے وجوب کی قائل ہے۔ اور اس کی علت فقہانے یہ بتانی ہے کہ شہد کی مکھیوں کی خواباک

زمین کی پیداوار سے ہے جو حضرات شہد میں عشر کے قائل نہیں ہیں وہ شہد کو دودھ پر قیاس کرتے ہیں کہ دونوں جانور سے حاصل ہونے والے مشروب ہیں۔ لہذا جس طرح دودھ بر بال اتفاق عشر نہیں ہے اسی طرح شہد پر بھی نہیں ہونا چاہئے لیکن عشر کے قائلین کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دودھ کی اصل یعنی جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے اس کی فرع یعنی دودھ پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بخلاف شہد کی مکھی پر زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے اس سے حاصل ہونے والے شہد پر عشر کا وجوب قرین قیاس ہے۔

اس عاجز کے خیال میں ریشم کے گیزروں کو شہد کی مکھیاؤں پر قیاس کرتے ہوئے شہد کی طرح ریشم کی کاشت پر عشر کو واجب قرار دینا عقل و قیاس کا تقاضا ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

”ان قیاس المعتدات الحيوانية على العسل قیاس صحيح“ دلائل معارض

لہ، فلا ينبغي العدول منه“ لہ

ميوانات سے پیدا شدہ چیزوں کو شہد پر قیاس کرنا قیاس صحیح ہے۔ اور اس کا کوئی معارض نہیں ہے، لہذا اس سے عدول کرنا مناسب نہیں۔

## ۵۔ درختوں کی کاشت کا مسئلہ

جو درخت اور باغات پھل حاصل کرنے کی غرض سے لگائے جاتے ہیں ان کے پھلوں پر تو عشر ہے ہی۔ البتہ وہ درخت جو پھل کے علاوہ دوسرے مقاصد کے تحت لگائے جائیں مثلاً جلانے کے لئے، فرنیچر تیار کرنے کے لئے، یا عمارت میں استعمال کرنے کے لئے، یا انھیں فروخت کر کے ان سے پیسہ حاصل کرنے کے لئے تو ان تمام صورتوں میں عشر واجب ہوگا، چونکہ یہ زمین سے نفع حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور زمین کی آمدنی حاصل کرنے کے لئے جس چیز کی بھی کاشت ہو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس پر عشر واجب ہے۔ صاحب کفایہ لکھتے ہیں:

”الاصل عند ابو حنیفۃ رحمہ اللہ ان کل ما یسقى فی الجن والیقما

بہ استقلال الارض فطیہ العشرۃ



امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ باغات (یا زمینوں) میں جو چیز اگانے  
جائے اور اس سے زمین کی آمدنی مقصود ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔  
علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

”اما الحطب والقصب والعشیش فلا تسقبت فی الجنان عادة، بل  
تتغنی عنہا حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للعشیش یجب  
فیہ العشر“۔

بہر حال لکڑی، بانس اور گھاس تو یہ عام طور پر باغات میں نہیں لگائے جاتے بلکہ اگر خود سے  
بھی اگ آئیں تو صاف کر دئے جاتے ہیں (اس لئے ان میں عشر نہ ہوگا) لیکن اگر کسی نے  
کسی زمین کو بانس اگانے، یا درخت لگائیے یا گھاس حاصل کرنے کے لئے خاص کر دیا تو  
اس میں عشر واجب ہوگا۔

اس اصول کے پیش نظر احناف کے نزدیک سوال میں مذکور مقاصد کے لئے جو درخت لگانے جائیں گے  
ان میں عشر واجب ہوگا۔ البتہ عشر میں لکڑی ہی لکنا تسہوری نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا لکنا بھی کافی  
ہوگا۔ خاص طور پر وہ لکڑیاں جو جلانے یا عمارت میں استعمال کرنے کے لئے لگائی گئی ہوں، ان کی قیمت  
کا اندازہ کر کے عشر نکال دینا کافی ہوگا۔

#### ۶۔ کن سبزیوں میں عشر واجب ہے؟

جو سبزیاں مزرعہ اور عشری زمینوں میں تجارت کی غرض سے لگائی جائیں ان میں عشر واجب  
ہے، اور چوں کہ سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے اور وہ وقفے وقفے سے توڑی جاتی ہیں اس لئے  
بہتر صورت یہ ہے کہ ہر دفعہ جتنی سبزی توڑی جائے، ماپ کر اسی وقت اس کا عشر نکال دیا جائے۔ لیکن  
اگر عشر میں نکالی گئی سبزی کی مقدار اتنی معتد بہ نہ ہو جس سے غریبوں کو قابل لحاظ فائدہ پہنچ سکے تو عشر کی  
ادائیگی پیشگی بھی ہو سکتی ہے کہ شروع میں جتنا حاصل ہوا سے عشر کے طور پر غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے

اور بعد میں توڑی جلنے والی بنزیوں کو اپنے استعمال میں لایا جائے یا فروخت کیا جائے، لیکن عشر کا حساب رکھا جائے، عشر نکالے بغیر غلوں، پھلوں اور بنزیوں کا استعمال کرنا صحیح نہیں، چوں کہ اس میں ضرورت مندوں کا حق ظاہر ہے جس طرح کوئی مشترک مال جو دو یا چند افراد کی ملکیت ہو، بغیر تقسیم کے یا دوسرے شرکاء کی اجازت کے کسی ایک کے لئے اس کا استعمال کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر کسی نے عشر نکالے بغیر ان کا استعمال کر لیا تو وہ اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔ اور حساب کر کے بعد میں ادا کرنا ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

"ولا ياكل شيئا من طعام العشر حتى يؤدى عشرة..... وان

افترى العشر يجل له اكل الباقي وقال ابو حنيفة ما اكل من الثمرة

او اطعم غيره ضمن عشرة" ۱۰

عشر والے غلوں میں سے جب تک عشر ادا نہ کر دے ان کا استعمال نہ کرے.....

اور اگر عشر نکال کر علیحدہ کر دیا تو اس کے لئے باقی کا کھانا حلال ہوگا اور امام ابو حنیفہ فرماتے

ہیں کہ مبتنا پھل وغیرہ خود کھایا یا دوسروں کو کھلایا اس کے عشر کا ضامن ہوگا۔

البتہ عشر کی ادائیگی پہلے بھی ہو سکتی ہے یعنی وجوب عشر کے بعد اور عشر کا وجوب کھیتی لگانے اور پودا لگانے کے بعد ہی ہو جاتا ہے۔ ہاں بونے سے قبل عشر نکالنا صحیح نہیں۔

"فلا يعجل عشر ارضه قبل الزرع لا يجوز ولو عجل بعد الزراعة

بعد النبات فانه يجوز" ۱۱

اگر کسی نے کاشت سے قبل اپنی زمین کا عشر نکال دیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر بویانی کے بعد

اور پودا نمودار ہونے کے بعد اور فصل کٹنے سے قبل عشر نکال دیا تو جائز ہے۔

ربانی مکان کی تختوں پر یا مکان سے متصل افتادہ زمین پر جو بنریاں لگائی جائیں ان پر عشر نہیں ہے چونکہ وہ عام طور

پر تجارت کی غرض سے نہیں لگائی جاتیں۔ اور رہائشی مکان کی زمین عشری نہیں ہے۔ اس لئے اس سے حاصل

ہونے والی بنزیوں اور پھلوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

"ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فيها" ۱۲

اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی پھلدار درخت ہو تو اس میں عشر نہیں ہے۔

## ۷۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر کا مسئلہ

اوقاف کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ کیوں کہ اداۃ عشر کے سلسلے کی آیات و احادیث کا عموم اسے بھی شامل ہے۔ وجوب عشر کے لئے زمین کی ملکیت شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے وجوب عشر کا سبب زمین کا نامی ہونا اور پیداوار کا حاصل ہونا ہے، اور ظاہر ہے کہ اوقاف کی زمین میں بھی یہ دونوں سبب پائے جا رہے ہیں لہذا عشر واجب ہو گا۔ علامہ کا سانی لکھتے ہیں:

”وَكَيْفَ امْلِكُ الارضَ لَيْسَ بِشَرْطٍ لَوْجُوبِ الْعَشْرِ وَانْصَاعِ الشَّرْطِ مِلْكُ الْخَارِجِ  
فَيَجِبُ فِي الْأَرْضِ الَّتِي لَا مِلْكَ لَهَا وَ هِيَ الْأَرْضُ الْمَوْقُوفَةُ لِعُمُومِ  
قَوْلِهِ تَعَالَى.....“

اسی طرح زمین کی ملکیت وجوب عشر کے لئے شرط نہیں ہے۔ صرف پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے لہذا عشر ان زمینوں میں بھی واجب ہو گا جن کا کوئی متعین شخص مالک نہیں ہے۔ اور وہ موقوفہ زمینیں ہیں۔ کیوں کہ (عشر کے حکم کے سلسلے میں) اللہ تعالیٰ کے قول (وَمِمَّا

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ذَاتِ أَنْفَعَةٍ) میں عموم ہے۔

یہ خواہ عام اوقاف کی زمینیں ہوں یا وقف علی الاولاد کی ان کی پیداوار پر عشر واجب ہو گا۔ واللہ اعلم۔





# اسلام کا نظام عشر و خراج اور ارضی ہند کا شرعی حکم

از: زبیر احمد ————— اشرف العلوم، سیٹامرھی

(اسلام) کے اقتصادی نظام اور مسائل معاشیات کے لئے نظام و صدقات کی طرح عشر و خراج بھی دو اہم ستون ہیں، شریعت اسلامیہ کے یہ دو اصطلاحی الفاظ گواہی دیتے ہیں کہ دونوں ہی ابتداءً مسلمانوں اور ذمی کافروں کی ملوکہ زمینوں پر حکومت اسلامیہ کی طرف سے عاید کردہ ایک ٹیکس ہیں جسے مؤذنات ارض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن اس خاص حیثیت میں اشتراک کے باوجود ان دونوں کی جوہری حقیقت متعدد وجوہ سے قطعاً ایک دوسرے سے مختلف ہے، مثلاً :

## فرق اول

عشر میں مؤذنات ارض کی حیثیت بالکل مغلوب ہے اور عبادت مالہ ہونے کی حیثیت غالب ہے اس لئے فقہائے زکاة الارض سے بھی تعبیر کرتے ہیں — جب کہ خراج خالص ٹیکس اور مؤذنات ارض ہے جو بطور عقوبت اولاد کافروں ہی پر عائد کیا جاتا ہے مسلمانوں پر ابتداءً صرف عشر یا نصف عشر ہی واجب ہوتا ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں :

یتفسر الخراج، ۱۰۷

اور خراج کے سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

”لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على الكافر والخراج اليق به لأن فيه معنى

المعقوبت للتملق بالتمكن من الزراعة وأن لم يزرع“ ۱۰۸

## فرق ثانی

قرآنی آیات مثلاً: ”یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتہم وما اخرجنا لکم من الارض“ اور کُلُوا مِن ثَمَرِهَا اِذَا اُثْمِرَ وَاتَّقُوا حَقَّ یَوْمِ حَصَادِہَا وغیرہ میں مکان و مقام کے اطلاق و عموم سے ہر جگہ کے مسلمانوں پر گویا عشر کا فریضہ من جانب الشارع واجب ہو جاتا ہے اور اس کی شرعی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ گو کہیں اور کبھی حاکم اسلام کی طرف سے عشر کا مطالبہ بلکہ تو ظیف نہ بھی ہوتا ہم اس پر لازم ہے کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا عشر وعاسقی بالسطح نصف العشر“ (بخاری) کی روشنی و ہدایت کے مطابق عشر و نصف عشر ادا کر کے اپنا ذمہ فارغ کر لے، اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ عشر کا وجوب اور پھر مختلف حالتوں میں اس کے قدر میں تفاوت یہ مراحلاً منصوص ہے، جب کہ خراج کا ایجاب اور اس کے قدر کی تحدید مفوض الی رأی الامام اور معلق علی توظیف الحاکم الشرعی ہے۔

## فرق ثالث

عشر میں عبادت و زکوٰۃ الارض کی حیثیت کے غالب ہونے کی وجہ سے اس کے مصارف بھی زکوٰۃ و صدقات واجبہ کے مصارف کی طرح نصفاً محدود و متعین ہیں جب کہ خراج کے مصارف میں عموم ہے، مصالح عامہ سد تغور بنا، قناطر و جسور وغیرہ میں بھی یہ خرچ کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں موضوع سے بہت گرافادہ مزید کے طور پر اس کی وضاحت بھی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گوز زکوٰۃ و عشر کے مصارف ایک ہی ہیں لیکن ان دونوں میں مختلف وجوہ سے باہمی بڑا فرق بھی ہے۔

نصاب حولان حول تکرار فیضہ فی عام واجد وغیرہ کے اشتراط وعدم اشتراط میں تو دونوں مختلف ہیں، عبادت کی حیثیت سے بھی دونوں میں اختلاف ہے۔ زکوٰۃ و صدقات خالص عبادت مالیہ ہے اس میں ٹیکس و موؤنت ارض ہونے کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں اس لئے مالک نصاب کی موت سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے، بخلاف عشر میں یک گونہ ٹیکس و موؤنت ارض کی حیثیت بھی پائی جاتی ہے اس لئے عشر اول کئے بغیر اگر کوئی مر جائیگا توفیق حنفی کی ایک روایت کے مطابق اس کے ترکہ سے عشر وصول کیا جائے گا۔

### فرق رابع

عشر کے وجوب کا سبب زمین کا حقیقتاً نامی ہونا ہے۔ چنانچہ پیداوار اگر نہ ہو سکے تو مالک زمین عشری پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ خراج کے وجوب کے لئے زمین کا تقدیراً نامی ہونا کافی ہے یعنی اگر زمین سے پیداوار حاصل کرنا ممکن ہو وہ قابل کاشت ہو گو حقیقتاً واقع میں پیداوار کچھ نہ ہوتی ہو تب بھی کم از کم خراج موظف واجب ہو جائے گا۔

### فرق خامس

عشر میں ایک سال کے اندر پیداوار کے تکرار سے وجوب بھی مکرر ہو جاتا ہے جب کہ خراج اگر موظف ہو خراج مقاسمہ نہ ہو تو اس کا وجوب تکرار پیداوار کے باوجود مکرر نہیں ہوتا ہے۔

### فرق ساوس

وجوب عشر کا تعلق اصلاً نفس پیداوار سے ہے زمین کی ملکیت کو کلیدی حیثیت حاصل نہیں چنانچہ بطور اجارہ کسی کی زمین سے کوئی پیداوار حاصل کرے تو اس مالک پیداوار پر عشر واجب ہو گا مالک زمین پر نہیں، اور اگر بطور بٹائی کاشت کرے گا خواہ زمین کسی کی ملک ہو یا موقوفہ تو اس بٹائی دار پر بھی اپنے حصہ کی بقدر عشر واجب ہو جائے گا۔



جب کہ خراج مالک زمین ہی پر عائد ہوتا ہے گویا وجوب خراج میں اصل موثر اور دخل زمین کی ملکیت ہی ہے۔ ہذا کلمہ ظاہر و مصرح فی الکتب المتداولہ۔

### عشری و خراجی زمینوں کے درمیان باہمی فرق

نفس عشر و خراج کے درمیان وجوہ بالا کے اعتبار سے فرق کی وضاحت کے بعد عشری و خراجی اراضیات کے درمیان فرق و امتیاز کو یہ انداز ذیل بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ بلاد عرب کی ساری زمینیں علی الاطلاق فی کل حال عشری ہی ہو سکتی ہے وہ کبھی خراجی نہیں ہوگی۔

ارض العرب کلہا ارض عشرۃ

۲۔ بلاد عجم کی زمینیں کبھی عشری ہوں گی تو کبھی خراجی اس سلسلہ میں شرعی ضابطہ اور پہلا اصول یہ ہے:

(الف) "کل ارض فتحت عنوة واقراها علیہا فہی ارض خراج و کذا اذا صلحہم"

(ہدایہ) جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ علاقہ عجمی جو جنگ و جہاد کے بعد بزورِ شمشیر مفتوحہ و محروسہ ہو جائے یا قبل جنگ و جہاد بطور صلح حکومت اسلامیہ کے زیرِ نگیں آجائے اور اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہاں کے باشندوں ہی کے زیرِ ملکیت و تصرف چھوڑ دیا جائے تو یہ زمین خراجی ہوں گی۔

(ب) دوسرا اصول یہ ہے کہ:

"کل ارض اسلام اهلہا اذا فتحت عنوة وقسمت بین الغانمین فہی ارض عشرۃ (ہدایہ ثانی)"

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ علاقہ خواہ عربی ہو یا عجمی جس کے باشندے بلا جنگ و جہاد اسلام قبول کر لیں اس کی اراضیات عشری ہوں گی۔

اسی طرح جو علاقہ عربی یا عجمی بزورِ شمشیر مفتوحہ ہو کر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو جائے عشری قرار پائیں گی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

"فکل ارض اسلام اهلہا علیہا و ہی من ارض العرب و ارض المعجم"

فہی لہم وہی ارض عشر بمنزلہ المدینہ حین اسلم اہلہا وبمنزلتہ

الیمین" لہ

پھر یہ بھی لکھتے ہیں :

" ایما دار من دور الاہاجم قد ظہر علیہا الامام وترکہا فی ایدی اہلہا

فہی ارض خراج، وان قسمہا بین الذین غنمواھا فہی ارض عشر الاثری

ان عمرو بن الخطاب ظہر علی ارض عاجم وترکہا فی ایدیہم فہی ارض خراج

وکل ارض من اراضی الاعاجم صالح علیہا اہلہا وصار ذمیا فہی

ارض خراجید"

اراضیات کے عشری وخراجی ہونے کے سلسلے میں ان اصولوں سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی زمین

کے عشری وخراجی ہونے میں اصل موثر اور کلیدی حیثیت ان تین امور کو ماحصل ہے۔

اولاً علاقہ کی عربیت و عجمیت کو۔ ثانیاً۔ مجاہدین کے درمیان تقسیم و عدم تقسیم کو، ثالثاً۔ ابتداء

توظیف کے وقت وہاں کے باشندوں کے اسلام و کفر کو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کے طرز عمل سے یہی روشنی و ہدایت ملتی ہے۔

چنانچہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفا گو تہراً و غلبتہ مفتوح ہو اور وہاں کی اراضیات وہاں کے باشندوں

کے درمیان ہی چھوڑ دی گئیں تاہم وہاں سے خراج نہیں لیا گیا اور نہ کسی دوسری اراضی عرب سے خراج

کا رسول کیا جانا کسی ضعیف سے ضعیف تر نقل و روایت سے ثابت ہو پاتا ہے۔

اہل مدینہ ابتداء توظیف کے وقت ہی سے مسلمان تھے تو ان سے عشر ہی لیا جاتا رہا۔ اراضی خیبر

عنوة فتح کے بعد مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو گئیں تو وہ عشری قرار پائیں۔ جب کہ سواد عراق جو بدو و رفاہ و قبی

عنوة فتح ہوا مگر اہلہا ملیہا" مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی تو وہاں سے خراج وصول ہوتا رہا۔

ظاہر یہ کہ زمینوں کے عشری وخراجی ہونے میں اصل دخل تو انہیں تینوں امور مذکورہ بالا کو ہے،

گو بسا اوقات کسی امر خارج و عارض کے سبب اراضیات کے ان اصلی وظیفے میں تبدیلی بھی واقع ہو جاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان سے اس کی عشری زمین کو کوئی ذمی کا فر خرید لے تو وہ خراجی ہو جاتی ہے وجہ ظاہر ہے کہ عشر میں عبادت کی حیثیت غالب ہے اور ذمی اس کا اہل نہیں، اور اس کے برعکس صورت میں وہ وظیفہ خراج علی حالہ برقرار رہتا ہے کیونکہ خراج میں خالص مؤنت کی حیثیت ہے اور مسلمان میں مؤنت ارض کے تحمل کی بھی اہلیت موجود اس لئے گو ابتداءً اس مسلمان پر خراج کی تو ظیفہ نہ ہوئی مگر اقدام شرک کے از خود جب انھوں نے التزام خراج کیا ہے تو بقاءً اس پر خراج ہی لازم ہوگا۔

اسی طرح اصل تو یہی ہے کہ ابتداءً تو ظیفہ کے وقت اگر وہ مسلمان ہے تو اس کی اراضیات کا وظیفہ عشری ہوگا مگر عارض کی بنا پر بھی اس میں بھی استثنائی طور پر تبدیلی آ جاتی ہے مثلاً اراضی حوزہ یعنی اسلامی حکومت کی زیر تحویل زمینیں ارض موات وغیرہ کو اگر کوئی مسلمان قابل کاشت بناتا اور آباد کرتا ہے تو ایسی زمینوں کا وظیفہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پانی کے تابع ہو جاتا ہے، پانی اگر خراجی ہوگا تو وہ زمینیں خراجی بن جائیں گی، جب کہ ذمی کاشت کے قابل بنائے گا تو بہر حال یہ خراجی ہی ہوگی۔ وغیرہ ذلک کچھ مزید ایسی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں اس اصل کلی کے برخلاف کسی عارض کی بنا پر زمینوں کا وظیفہ عشر و خراج بدل جائے، لیکن زمینوں کے عشری و خراجی ہونے میں اصل ضابطہ وہی کہلائے گا جسے مفصلاً اوپر بیان کیا گیا ہے: واللہ اعلم بالصواب۔

### ارضی ہند کا شرعی حکم

ارضیات کے عشری و خراجی ہونے کے متعلق جن شرعی اصول و ضابطے کی اوپر وضاحت کی گئی ہے یا جن استثنائی اور عارضی صورتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اس کی روشنی میں بڑا آسان تھا کہ ہم ارضی ہند کا وظیفہ عشر و خراج بھی متعین کر لیتے۔

مگر ایک طرف یہ ہندوستان ہے جو بلاد عجم میں سے ہے اور جس کی زمینوں کے وظائف اصلیہ میں عشر و خراج دونوں کا امکان ہے۔ اور پھر بعض صورتوں میں ابتدائی اور اصلی وظیفہ عشر و خراج کے اندر کسی عارض کی بنا پر تبدیلی کے وقوع سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اور دوسری طرف اس ہندوستان کے مختلف علاقوں کے حالات و انقلابات، ابتداءً تو ظیفہ کے وقت ان علاقوں کے باشندوں کا کفر و اسلام کے اعتبار سے حقیقی وصف اور واقعی صورت حال،



اور پھر ان اراضیات کے انتقال میں ملک الی بلک کی تفصیلات جو ان وظائف عشر و خراج کو بدل کر دینے میں کھیری ردل ادا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ساری ہی چیزیں اور سارے ہی تحولات و تطورات تاریخ ہند کے تاریک و دبیز پردوں میں مستور ہیں، جن کی تحقیق اور واقعی صورت حال پر پڑے ہوئے ان پردوں کا اٹھانا تقریباً ناممکن و محال ہے۔ تاریخی طور پر ان واقعات ماضیہ اور کھیلے انقلابات کی ترتیب و تفصیل اس طرح منقطع اور غیر مربوط ہے کہ اسے جوڑ کر صحیح نتیجے تک پہنچنا دو نہ فرط القاد بن چکا ہے۔

اس لئے قطعی انداز سے یہ فیصلہ کرنا کہ اراضی ہند کا عشری و خراجی ہونے کے اعتبار سے کیا حکم ہے بہت مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے فتاویٰ بھی بہت مختلف بلکہ باہم متضاد ہیں جو اپنی جگہ مذکور ہیں۔

ایسی صورت حال میں میرا خیال ہے کہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اور انھوں نے اراضی ہند کے متعلق مختلف شواہد و قرائن کی بنیاد پر جو فیصلہ کر دیا ہے عمل بالاحوط کی ادلویت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو اسی فیصلہ کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت دینی چاہئے۔

حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور تحقیقی تصنیف "کتاب العشر و الزکوۃ" میں اولاً دارالحرب اور عشر کا عنوان قائم کر کے علامہ شامی کی مشہور عبارت "فان ارضہا لیت ارض خراج او عشر" پر بحث کرتے ہوئے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور بخاری کی شرح سیر کبیر کی عبارتوں کو نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ شامی وغیرہ کی عبارت بالا کا اصل اور صحیح محل یہ ہے کہ اس سے مراد دارالفر کی وہ زمینیں لی جائیں جو حربی کافر کے قبضہ و تصرف میں ہوں، وہی لاء عشری و لاء خراجی ہوں گی اس لئے کہ عشر و خراج کا بنیادی طور پر مطالبہ اور تعیین حاکم اسلام کی طرف سے ہوتا ہے اور دارالحرب پر حاکم اسلام کی کوئی حکومت نہیں۔

لیکن مسلمانوں کے حق میں چوں کہ عشر ایک عبادت ہے اس لئے نماز، روزہ، حج و زکوۃ بلکہ دیگر عبادتوں اور ان تمام معاملات کی طرح جن کا تعلق حکومت کافرہ سے نہ ہو بلکہ باہم مسلمانوں سے ہو۔ دارالسلام اور دارالحرب کی تفریق کئے بغیر رضا کارانہ طور پر ہر جگہ اسے بھی ادا کرنا چاہئے، کیونکہ مسلمانوں پر ہر جگہ خواہ دارالسلام میں ہوں یا دارالحرب میں حسب استطاعت تمام ہی عبادتوں کی ادائیگی دینا ضروری ہے۔

خلیفہ وقت ہارون الرشید نے ایک موقع سے سوال کیا کہ دارالحرب کے مسلمانوں کی جانہ اور ان کی زمینوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے ؟

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

”سألت يا امير المؤمنين عن قوم من اهل الحرب اسلموا على انفسهم

وارضهم والحكم في ذلك ؟ قال: دماهم حرام وما اسلموا عليه من

اموالهم فلهم وكذلك ارتضوهم لهم وهي ارض عشرية“

اور مخسی شرح سیر کبیر میں صراحتاً لکھے :

”اراضی اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية“

ظاہر ہے کہ مخسی کی عبارت واضحہ سے شامی کی عبارت مبہمہ اور مجملہ کا یہی محل حسن بنتلہ ہے کہ لا عشری ولا خراجی صرف حربی کافر ہی کی زمینیں ہو سکتی ہیں۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے جواب سے دارالحرب کے مسلمان باشندے کی زمینوں کا عشری ہونا بھی صراحتاً معلوم ہو جاتا ہے۔

بہر حال ان بحثوں کے بعد حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ نے اراضی ہند میں سے جتنی زمینیں یہاں کے مسلمانوں کی ملکیت و تصرف میں نہیں ان کی امکانی صورتوں کی تفصیلات پیش کی ہیں اور اس طرح اس کی تیرہ صورتیں قرار دی ہیں جن میں دس صورتیں ایسی بنتی ہیں جن کا حکم عشر و خراج کے معروف اسلامی ضابطہ کی روشنی میں عشری ہونا ہی طے ہے۔

صرف تین صورتیں ایسی بنتی ہیں جن میں خراجی ہونے کی علت پائی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ :

”ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں بہت کم ہیں

اور ان کی تحقیق بھی نہایت مشکل ہے اس لئے ظاہر حال کو لحاظ کر کے مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک

پر تمام ہی زمینوں کی پیداوار میں عشر کا لانا چاہیے“

اور اس کی تائید کے طور پر آگے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کے علم الفقہ کے حوالہ سے ہندوستانی زمینوں پر عشر ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک استفتاء، اور اس کا رد جواب نقل کرتے ہیں ایک حضرت رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا۔

گرچہ یہ دونوں جواب جسے کتاب العشر والزکوٰۃ ص ۱۲۹ میں بحوالہ علم الفقہ نقل کیا گیا ہے، ہمیں اپنی ناقص تلاش و جستجو اور تقصیر کے باوجود نہ تو علم الفقہ میں ملے نہ فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ دارالعلوم ہی میں بحوالہ

بعد منہ اللہ امر۔

ان دونوں جواب کا قدر مشترک بہر حال یہی نکلتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں عشری بھی ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ آخر میں ان دونوں جواب کا حاصل و خلاصہ پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں:

”مولانا رشید احمد صاحب کے جواب میں ہندوستان کے اندر عشری زمین ہونے اور ان پر عشر واجب ہونے کا بیان ہے اور یہ کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وہ مسلمانوں کے پاس سے آتی ہیں یا ان کا مال معلوم نہ ہو اس کو وہ عشری فرماتے اور عشر کو واجب کہتے ہیں تو وہ ایک اصول کا بیان ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ نے حکم بہت واضح و صریح سنا دیا ہے مسلمانوں کی زمینوں کا خراجی ہونا مشکوک یا شاذ و نادر ہے اس لئے وہ ساقطاً <sup>عنا</sup> ہیں اور کل اہل اسلام کی زمینوں پر عشر واجب بتایا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ سے بھی ادا خراج میں امتیاط کا مقتضا یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمانوں کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے اگرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو چنانچہ بہت سے صحابہ اور تابعین ارض خراج کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے اسی لئے یہاں اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافی نہ ہوا اور احتیاط کی راہ اختیار کی جانے تو بہتر ہے اور ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار سے عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے“۔



اس کے علاوہ غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ ایک دوسری جہت سے بھی ہندوستانی مسلمانوں کی زمینوں کو عشری قرار دینا اقرب الی الصواب محسوس ہوتا ہے۔

وہ یہ کہ شرعاً خراج اسی ٹیکس کو کہا جاسکتا ہے جسے حاکم اسلام عائد کرتا ہے اور وہ اسلامی ہیئت المال میں جمع ہو کر اپنے مصارف میں اسلامی حکومت کی زیر تولیت و نگرانی خرچ ہوتا ہے۔

ہندوستانی علاقوں کے کسی حاکم اسلام کا اب ایسا تعلق نہیں رہا اور غیر اسلامی حکومت جو مالگذاری وصول کرتی ہے اسے شرعاً خراج کہنا مشکل ہے اس طرح موجودہ حالت میں ہندوستان کی کسی زمین کا شرعی خراج ہے تو ادا ہو ہی نہیں رہا ہے اب اگر یہاں مسلمانوں پر عشر لگانے کا بھی حکم نہ رہے تو ایک مسلمان کی زمین گودارا حرب ہی میں صحیح، لا عشریہ دلا خراجیہ ہو جائے گی جو وجوب عشر کے سلسلے میں قرآن و حدیث کی ان نصوص کے خلاف ہے جو زمان و مکان کے اطلاق و عموم پر دال ہیں اور دگر فتنی تشریحات بھی اس کی مساعدت نہیں کرتیں۔

بلکہ اگر بالفرض مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں اپنی اصل میں خراجی بھی ہوں گی تو عشر ادا کرنے کی صورت میں ضمان کم از کم خراج مقاسمہ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی جب کہ خراج کو مصارف عشر میں خرچ کرنا شرعاً کسی طرح ممنوع نہیں۔

اس لئے ہماری رائے اور میرا قلبی رجحان اسی امر کی ترویج کی طرف ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تمام ہی اراضیات کو عشری قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

## عشر و خراج کی حقیقت

۱۲۔ مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی — دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم کھوسی منٹو

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟  
اس سلسلہ میں کتاب وسنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

معاشیات و مالیات کا صمیم نظام اور آمد و صرف میں توازن ریاست کا اہم عنصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
ارشاد فرمایا: "وَأَمْوَالُكُمْ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا"

اور جو اموال تمہارا پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر وقات کیا ہے۔

اس آیت پاک میں مال کو انسانیت کی بقا اور انسانیت کے قیام کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ  
ہے کہ سلطنت اسلامی نے ابتداء ہی سے مال کا شعبہ قائم کیا اور اسے بیت المال کا نام دیا۔ اور اس کے نظام کی  
سطح بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

بیت المال کے اہم محاصل و ذرائع آمدنی عشر خراج، جزیہ، زکوٰۃ، فنی، مال غنیمت تھے۔

## عشر و خراج کی حقیقت

عشر زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے۔ زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن اور اسلامی آمدنی کا سب سے

وسیلہ ہے۔ زکوٰۃ کوئی ٹیکس یا مالگذاری کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بہترین عبادت ہے۔ جو تزکیہ نفس و طہارت مال کا باعث ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ  
ان کے مالوں سے زکوٰۃ دلا کر کے ان کو پاک و صاف کر دو۔

## عشر کی حقیقت

عشر کے معنی لغت میں دسواں حصہ کے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ العشر لغةً واحد من العشرة۔  
عنا یہ شرح ہدایہ میں ہے۔ العشر بضم العین أحد أجزاء العشرة۔ یعنی دس کے اجزاء میں سے ایک جزء کا نام عشر  
اور اصطلاح شرع میں عشر مسلمانوں کی زرعی پیداوار کے دسویں حصہ کا نام ہے۔ یعنی پیداوار کا دسواں حصہ  
مسلمانوں کی ان زرعی پیداواروں سے لیا جائے گا جو بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہوں یا جن کی سینیچائی تالاب  
چشمہ۔ دریا۔ نہروں کے ذریعہ اس طور پر کی گئی ہو کہ کاشتکار کو اس پر کوئی قابل لحاظ مصارف اٹھانے پڑے ہوں  
اور نہ کوئی خاص محنت کرنی پڑی ہو۔

## عشر کا ثبوت

عشر کا ثبوت قرآن۔ سنت۔ اجماع امت۔ امر معقول ہر ایک سے ثابت ہے تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو !  
۱۱) قرآن: — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُنُوا مِنْ شَرِّهِ إِذَا أَشْرُوا أَنْوَاعَهُ يَوْمَ حَصَادِهِ۔  
اکثر مفسرین بالخصوص راسل المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ طاؤسؓ۔ سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ  
آیت مبارکہ میں حق سے مراد عشر ہی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَعُوا مِنَ طِبْيَاتٍ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَاكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

(۲) سنت: — سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعَشْرُ“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

كُتِبَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْعَدَقَةِ مِنَ الْعَقَارِ عَشْرُ مَا سَقَتْهُ الْعَيْنِ



وسقت السماء وعلی ما سقی بالعرب نصف العشر (الخارج لیسوا)  
یعنی اللہ تعالیٰ نے سوسوں پر زمین کا صدقہ فرض کر دیا ہے چشمہ اور بارانی پانی سے آبپاشی ہو تو دسواں حصہ  
اور بڑے ڈول سے آبپاشی کی جائے تو بیسواں حصہ ہے۔

(۳) (اجماع) — تمام صحابہ بطلقاءے راشدین و جلد امت محمدیہ کا اتفاق ہے اس بات پر کہ عشری زمینوں میں عشر ہے۔  
(۴) (در معقول) — عشر کی فرضیت عقل سے بھی بچند وجوہ ثابت ہے۔

## وجہ اول

عشر کا اخراج ضعیف و ہیف کی اعانت ہے اور عاجز کو فراغ کی ادائیگی پر تقویت دیکر بخشنا ہے۔  
تو گویا کہ عشر ادائے فرض کا وسیلہ ٹھہرا۔ اور عند العقل یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ جو ادائے فرض کا وسیلہ ہوتا ہے وہ بھی  
فرض ہی ہوتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

وَالْوَسِيلَةُ إِلَىٰ اَدَاءِ الْمَعْرُوضِ مَعْرُوضٌ

## وجہ ثانی

عشر نکال کر فقیر کو دینا شکرانہ نعمت اور نفس کو ذنوب و آثام کی آلودگیوں سے پاک کرنے کی قیبل  
سے ہے نیز اس سے عاجز کو فراغ کی ادائیگی پر قادر بنایا جاتا ہے اور مذکورہ چیزوں میں ہر چیز عقلاً و شرعاً فرض ہے۔  
لہذا عشر بھی فرض ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وَمَا الْمَعْقُولُ فَعَلَىٰ نَحْوِ مَا ذَكَرْنَا فِي الْمَسْئُوعِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ اخْرَاجَ الْعَشْرِ إِلَى الْفَقِيرِ

مِنْ بَابِ شُكْرِ النِّعْمَةِ وَقَدْ أَرَادَ الْعَاجِزُ وَتَقْوِيَةً عَلَى الْقِيَامِ بِالْمَعْرُوضِ وَمِنْ

بَابِ تَطْهِيرِ النَّفْسِ مِنَ الذُّنُوبِ وَتَرْكُوتِهَا وَكُلُّ ذَلِكَ لَا رَمَّ ثَقَلًا وَشَرْعًا

## خراج کی حقیقت

خراج کے معنی لغت میں وہ محصول جو حق میں یا حق کی صلاحیت رکھنے والے ذمی شخص سے  
و صلایا جائے۔ اور اصطلاح شرع میں خراج خدیہ پیداوار کی ایک معین مقدار کا نام ہے جو خراجی زمینوں سے لیا جائے۔

فتح القدير میں ہے:

الخراج ما يخرج من سماء الأرض أو ثمار الغلات وسمي به ما يأخذه السلطان  
من وظيفة الأرض والراس.

## خراج کا ثبوت

خراج کا ثبوت اجتہاد سے ہے یا نص قرآنی سے یہ مختلف فیہ بحث ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس کا ثبوت اجتہاد سے ہے اور بعض فقہاء بالخصوص قاضی العقضاء امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خراج دراصل فنی ہی کی ایک قسم ہے اور فنی کا ثبوت قرآن سے ہے۔ صغریٰ کی دلیل یہ ہے کہ معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی "فنی" ہی میں شمار ہوتا ہے۔ تو گویا جب غلبۂ اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو مجاہدین و غنائین پر تقسیم کرنے کے بجائے ان پر ٹیکس مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی "فنی" شمار ہو گا۔ کبریٰ کی دلیل سورہ حشر کی یہ آیت کریمہ ہے جو ذیل میں ہے۔

ما آفأ الله على رسوله من أهل العتري فنته وللرسول ولذی القربى والیتامی

والمساکین وابن السبیل کئی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم۔

جو مال اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے اکفار لوٹا دیا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے لئے

اور قربات والا۔ ان کے لئے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لئے تاکہ وہ تم سے دولت مندوں کے درمیان

ہی دائرہ اور حضور رہے۔

امام ابو یوسف ارشاد فرماتے ہیں:

قال ابو یوسف فاما الفنی یا امیر المؤمنین فهو الخراج عندنا خراج الأرض والله اعلم

لأن الله یعطول فی کتابه ما آفأ الله على رسوله (الانیہ)

## شرح خراج

خراج کے لئے کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ مختلف زمانوں میں زمین کی کیفیت کے لحاظ سے حکومت مختلف شرحیں طے کر سکتی ہے۔ البتہ اس شرح کی تعیین میں تین بنیادی باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

۱۔ زمین کی کیفیت۔

۲۔ پیداوار۔

۳۔ کاشتکاری کے اخراجات و ضروریات۔

قاضی ابوعلیٰ الاحکام السلطانیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لا بد لو اضع الخراج من اعتبار ما وصفنا من الأوجه الثلاثة من اختلاف  
الأرضين واختلاف الزرع واختلاف الشرب ليعلم صدق ما تحمله الأرض  
من خراجها۔

یعنی خراج مقرر کرنے والے کے لئے ہماری بیان کردہ تین چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ مینوں چسپیں  
یہ ہیں، ۱۔ زمینوں کا اختلاف، ۲۔ پیداوار کا اختلاف، ۳۔ آبپاشی کا اختلاف۔ تاکہ زمین کی حیثیت کے مطابق  
خراج کی مقدار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران بندوبست حضرت حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما کو تاکید  
کرتے ہوئے فرمایا تھا:

انظروا لا تكون حملتا الأرض ما لا تطيق اما لئن بقيت لارامل اهل العراق  
لا و همين لا يحتجن الى احد بعدى!

تم دونوں خوب غور سے سن لو۔ زمین کی حیثیت سے زیادہ ٹیکس نہ مقرر کرنا، اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں  
کو ایسا بنادوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں گی۔

خراج و ٹیکس کے بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے گورنر کو یہ فرمان لکھا تھا:

ان اقوم الدين العدل والامان وان لا تعمل خرابا على عامر ولا عامرا على  
خراب ولا تأخذ من الخراب الا ما تطيق ولا من العامر الا وطبقه الخراج في رفق  
ولتسكين لاهل الارض في الاموال۔

اس سند سے بہترین طریقہ اور عمدہ قانون عدل و امان ہے۔ آباد و غیر آباد زمین میں فرق کرنا، آباد کو فیس آباد  
نہ سمجھ لینا اور غیر آباد سے وصول کرنا جو اس کی حیثیت و طاقت کے موافق ہو اور آباد زمین سے مقررہ خراج کے  
علاوہ کچھ بھی نہ لینا اس میں بھی زمین والوں کی آسانی اور سہولت کا خیال رکھنا۔



## خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ۔ یعنی پیداوار کا کوئی حصہ آدھایا تہائی یا چوتھائی مقرر ہو۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر پر مقرر فرمایا تھا۔ (۲) خراج موظف۔ کہ ایک مقدار لازم کر دی جائے۔ خواہ روپے مثلاً سالانہ دو روپیہ سیکھ یا کچھ اور جیسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ تنویر الابصار اور درمختار میں ہے:

وهو ای الخراج لزمان۔ خراج مقاسمۃ ان كان الواجب بعض الخارج كالخمس

ونحوہ۔ وخراج وظیفۃ ان كان الواجب شیئاً فی الذمۃ یتعلق بالتکلیف من

الانتفاع بالارض کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد۔

اگر معلوم ہو کہ سلطنت اسلامیہ میں اتنا خراج مقرر تھا تو وہی دیں بشرطیکہ خراج موظف میں جہاں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مقدار منقول ہے۔ اس پر زیادت نہ ہو۔ اور جہاں منقول نہیں اس میں نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو۔ یوں ہی خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو۔ اور یہی شرط ہے کہ اتنے دینے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واما الاراضی التي یرید الامام لتوظیف الخراج علیہا ابتداءً اذا زاد علی وظیفۃ

عمر علی قول محمد رحمہ و اجدی الروایتین عن ابی یوسف رحمہ یجوز و علی قول

ابی حنیفہ رحمہ و اجدی الروایتین عن ابی یوسف لا یجوز وهو الصحیح۔

واما خراج المقاسمۃ فالتقدير فیہ مفعول من الارضام ولكن لا یزاد علی نصف الخارج

اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا مقرر تھا تو جہاں جہاں حضرت فاروق اعظم نے مقرر فرما دیا ہے وہ دیں اور جہاں مقرر نہ فرمایا ہو نصف دیں۔

## زمین کی قسمیں

زمین کی تین قسمیں ہیں (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی۔

اول و سوم دونوں کا حکم ایک ہے۔ یعنی عشر دینا۔ اور دوم کا حکم خراج دینا۔

## عشری اور خراجی کا معیار

- ۱۔ عشری زمینیں وہ ہیں جن کے مالک ان پر قابض رہتے ہوئے بغیر جنگ کے اسلام لائے ہوں۔ یا جن کو امام نے غنیمت میں سے حصہ کے طور پر کسی فرد کی ملکیت میں دیا ہو۔ یا جو پہلے افتادہ رہی ہوں مگر اب اعیانہ کے ذریعہ یا امام کے بطور جاگیر عطا کرنے پر کوئی فرد ان کا مالک ہو۔ ان زمینوں کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ (۱)
- ۲۔ خراجی زمینیں وہ ہیں جن کے غیر مسلم مالکوں سے صلح کر لی گئی ہو۔ یا جن کو بذریعہ قوت فتح کرنے کے بعد امام نے ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو۔ ان زمینوں پر ان شہروں کے مطابق خراج وصول کیا جائیگا جو از روئے معاہدہ طے پائے ہوں یا جو امام نے مقرر کر دی ہوں۔ (۲)
- ۳۔ نہ عشری نہ خراجی وہ زمینیں جو مذکورہ زمینوں کے علاوہ ہوں جیسے وہ زمین جو فوجی کشمکش کے بعد اسلامی ریاست کے زیر ملکیت آئی ہو۔ کسی کی ملکیت میں نہ دی گئی ہو یا وہ زمین جس کا مالک مرچکا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور بیت المال کی تحویل میں آچکی ہو۔

قال فی رد المحتار عن الدر المنثور شرح الملتقى هذا النوع ثالث یعنى (عشرية  
والخراجية من الاراضى التى تسمى ارضى المملكة وارضى الحوز وهو مامات  
اربابه بلا وارث والبيت المال اذ فتح عنوة وابقى للمسلمين الى يوم القيامة)؛

## عشری اور خراجی زمینوں کے مابین بنیادی فرق

- جو غیر مسلم بزرگ شمشیر و سنان اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں۔ ان کی زمینیں ان کی ملکیت میں نہیں رہ جاتی ہیں، بلکہ اسلامی ریاست میں آجاتی ہیں خراج کا تعلق اصلاً ایسی زمینوں سے ہے۔ (۳)
- تفصیل یہ ایک اجمالی اور بنیادی ضابطہ ہے جس کی تفصیل بصورت جزئیات درج ذیل ہے:
- زمین کے عشری ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں:
- ۱۔ مسلمانوں نے کسی زمین کو قہراً فتح کیا، اور زمین مجاہدین پر تقسیم ہو گئی۔

۲۔ یا وہاں کے لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ ہدایہ میں ہے:

”كُلُّ أَرْضِ الْمُسْلِمِ أَهْلُهَا أَوْفَتْحَتْ عَسْوَةٌ أَوْ قَسَمَتْ بَيْنَ الْفَاعِغِينَ فَهِيَ أَرْضُ عَشْرٍ“

۳۔ یا عشری زمین کے قریب افتادہ زمین تھی اسے کاشت میں لایا گیا۔ عالمگیری میں ہے:

”مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيْثَرِ أَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَإِنْ كَانَتْ

مِنْ حَيْثَرِ أَرْضِ الْعَشْرِ فَهِيَ عَشْرِيَّةٌ وَهَذَا إِذَا كَانَ الْحَيُّ لَهَا مُسْلِمًا أَمَا إِذَا

كَانَ ذَمِّيًّا فَفَعْلِيَّةٌ خَرَاجٍ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيْثَرِ أَرْضِ الْعَشْرِ“

۴۔ یا اس افتادہ زمین کو کھیت بنایا۔

۵۔ یا جو عشری و خراجی دونوں سے قرب و بعد کی یکساں نسبت رکھتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

”وَإِنْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا فَعَشْرِيَّةٌ مَرَاغَاةٌ لْجَانِبِ الْمُسْلِمِ“

۶۔ یا اس کھیت کو عشری پانی سے سیراب کیا۔

۷۔ یا خراجی و عشری دونوں پانی سے۔ فتح القدیر میں ہے:

”كُلُّ أَرْضٍ لَمْ تَفْتَحْ عَسْوَةٌ بَلْ أَحْيَاَهَا مُسْلِمٌ إِنْ كَانَ يَصِلُ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ وَفَخَرَاجِيَّةٌ

أَوْ مَاءُ عَيْنٍ وَفَحْوَةٌ فَعَشْرِيَّةٌ“

۸۔ یا مسلمان نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنالیا اور اسے عشری پانی سے سیراب کرتا ہے یا عشری و

خراجی دونوں سے۔ ردالمحتار میں ہے:

”فَتَحَصُلُ أَنَّ الْمَاءَ يُعْتَبَرُ فِيهِمَا لَوْ أَحْيَا مُسْلِمٌ أَرْضًا أَوْ جَعَلَ دَارَهُ بَسْتًا ثَابِتًا بِخِلَافِ

الْمَنْصُوصِ عَلَى أَنَّهُ عَشْرِيٌّ أَوْ خَرَاجِيٌّ“

۹۔ یا عشری زمین کا فردی نے خریدی مسلمان نے اسے شفعہ میں لے لیا۔ مع فاسد ہوگئی یا خیار شرط یا

خیار رد و بیت کی وجہ سے واپس ہوئی یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے واپس ہوئی۔

## خراجی کی صورتیں

خراجی زمین کی صورتیں بہت ہیں، مثلاً

۱۔ فتح کر کے وہیں کے باشندوں کو بطور احسان واپس دے دی۔



۲۔ یاد دہری کا فرد کو دے دی۔

۳۔ یا صلح کے طور پر فتح کیا گیا۔ تنویر الالبصار و درمختار میں ہے،

”وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا والامكة سواء أقرأه عليه أو نقل

إليه كفاراً أخراً أو فتح صلحاً خراجية لأنه أليق بالكافر

۴۔ یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

”الذمی إذا اشترى عشرية قال ابو حنيفة وزفر رهما الله تعالى يؤخذ

منه الخراج كذا في الزاد:

۵۔ یا مسلمانوں نے ذمی سے خراجی زمین خریدی۔ ہدایہ میں ہے:

”ويجوز أن يشتري المسلم أرض الخراج من الذمی ویؤخذ منه الخراج“

۶۔ یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر کو آباد کیا۔ بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی۔

۷۔ یا اے مسلمان نے آباد کیا وہ خراجی زمین کے قریب تھی۔

۸۔ یا خراجی زمین نے اے سیراب کیا۔

خراجی زمین کو اگرچہ عشری پانی سے سیراب کیا جائے خراجی ہی رہے گی۔ یوں ہی عشری زمین کو اگرچہ خراجی

پانی سے سیراب کیا جائے عشری ہی رہے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

والحاصل ان السی فتحت عنوة إن أقر عليها الكفار لا یؤلف علیهم الخراج

ولو سقيت بماء المطر وإن فتحت بین الغانمین لا یؤلف إلا العشر

وإن سقيت بماء الأنهار

## منتقح مطالب

جب ہم اسلامی قانون معیشت کے ماہرین اور مسلم الثبوت فقہاء اسلام کے ٹریچرس کا مطالعہ کرتے

ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے اسلامی حکومت کے زیر حکم آنے والی اراضی چار بڑی اقسام پر

منتقسم ہوتی ہیں۔

۱۔ وہ اراضی جن کے مالک جنگ کی نوبت آئے بغیر اسلام قبول کر لیں۔

۲۔ وہ زمین جن کے کفار مالک اپنے دین پر قائم رہیں مگر ایک معاہدہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی تابعداری میں دے دیں۔

۳۔ وہ اراضی جن کے مالک بزور شمشیر و سنان مغلوب و مقہور ہوں۔

۴۔ وہ اراضی جو کسی کی ملک میں نہ ہوں۔

## قسم اول کا حکم

پہلی قسم کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ضابطہ پر عمل فرمایا تھا وہ یہ ہے۔

ابن القوم اذا أسلموا أحرزوا دماءهم وأموالهم۔ (۱)

جب لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

احادیث و آثار کا پورا ذخیرہ اس پر شاہد ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کسی مہاجر یا انصاری کے بارے میں کسی مالک سے ذرہ برابر کوئی تعزیر نہیں فرمایا جو جس چیز کا مالک تھا اسی کا مالک رہنے دیا گیا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل تھا۔ البتہ بعض صورتوں میں چند مصالح اور مفاد عامہ کے پیش نظر اس سے ہٹ کر بھی عمل ہوتا تھا جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے اس بات میں اسلامی قانون کی تشریح قاضی امام ابو یوسفؒ کی زبانی سنئے۔

فإن دماءهم حرام وما أسلموا عليه من أموالهم وكذلك أرضهم لهم  
وهي أرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله صلى الله  
عليه وسلم وكانت أرضهم أرض عشر وكذلك الطائف والبحران وكذلك  
أهل البادية إذا أسلموا على ميادهم وبلادهم فلهم ما أسلموا عليه وهو  
في أيديهم وليس لأحد من أهل القبائل أن يبيئ في ذلك شيئاً يستحق به منه  
شيئاً ولا يحفر فيه بئراً يستحق به شيئاً وليس لهم أن يمنعوا بكلاء  
ولا يمنعوا الرعاة ولا المواشي من الماء ولا حافراً ولا فحاً في تلك البلدة وأرضهم

أَرْضَ عَشْرٍ لَا يَخْرُجُونَ عَنْهَا فِيمَا بَعْدَ وَيَتَوَارَثُوهَا وَيَتْبَايَعُونَهَا (کتاب النون)  
 یعنی جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کا خون حرام ہے۔ قبول اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک ہیں  
 وہ ان ہی کی ملک رہیں گی۔ اسی طرح ان کی زمینیں بھی انہیں کی ملک رہیں گی اور وہ عشری قرار دی جائیں گی،  
 اس کی نظیر مدینہ ہے جس کے باشندوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام قبول کیا اور وہ اپنے  
 زمینوں کے مالک رہے اور ان کی زمینیں عشری رہیں۔ ایسا ہی معاملہ طائف (در بھرجین کے لوگوں کیساتھ  
 کیا گیا اور اسی طرح بدویوں میں جن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے اپنے چشموں اور اپنے اپنے علاقوں  
 کے مالک تسلیم کئے گئے۔ قبیلہ والوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان کی چیزوں میں کوئی ایسا تصرف  
 کریں جن کی کی بنا پر اس کے وہ مستحق بن جائیں۔ اور نہ اس میں کسی کو کنواں کھودنا جائز ہے جس کی وجہ سے کچھ حصے  
 مستحق بن جائیں۔ البتہ انہیں گھاس سے کسی کو روکنا جائز نہیں اور ایسے ہی چرواہوں اور مویشیوں کو پانی  
 سے روکنا جائز نہیں اور جانوروں اور اونٹوں کو اس علاقہ میں داخل ہونے سے روکنا جائز نہیں۔ ان کی زمینیں  
 عشری ہوں گی۔ ان کو ان سے کبھی بے دخل نہیں کیا جاسکتا انہیں اس پر بیع و وراثت کے جملہ حقوق حاصل  
 ہوں گے

قاضی صاحب دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”كَذَلِكَ كُلُّ بَلَدٍ أَسْلَمَ عَلَيْهَا أَهْلُهَا فَهِيَ لَهُمْ وَمَا فِيهَا“

یعنی جن علاقوں کے لوگ اسلام قبول کر لیں ان کی زمینیں اور ساری چیزیں سب سابق انہیں کی رہیں گی۔

اسلامی قانون عیشت کے دوسرے زبردست محقق امام ابو عبیدہ القاسم بن سلام اپنی کتاب الجمل

میں فرماتے ہیں:

”كُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ عَلَيْهَا فَهِيَ مَالُكَونَ لِمَنْ قَابِلُهَا كَالْمَدِينَةِ وَالطَّائِفِ

وَالْيَمَنِ وَالْبَحْرَيْنِ“ (کتاب الاموال)

یعنی جس زمین کے باشندے اسلام قبول کر لیں وہ زمین انہیں کی ملک رہے گی۔ انہیں امتناع و استعمال

کا حق حاصل رہے گا جیسے مدینہ منورہ، طائف، یمن، بھرجین میں یہی کیا گیا تھا۔

قسم اول کے حکم کے سلسلہ میں مذکورہ بات ایک قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں استثناء کی

کوئی ایک مثال بھی عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ کے نظائر میں ہزار جمع و جستجو کے بعد بھی نہیں ملتی۔



اسلام نے مسلمانوں کی معاشی زندگی میں جو مناسب و متوازن اصلاحیں کی اور پیش بندی کے طور پر کیں مگر جو ملکیتیں پہلے سے لوگوں کے قبضہ میں چلی آرہی تھیں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

## قسم دوم کا حکم

معائد یعنی ان لوگوں کی تھیں جنہوں نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر مصالحانہ طریقہ سے زندگی گزارنے کا ارادہ کیا۔ یعنی اسلامی حکومت کے تابع بن کر رہنا گوارہ کیا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں بانی اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضابطہ مقرر کیا تھا وہ یہ تھا کہ جن شرائط پر مسالمت ہوئی تھی۔ بعینہ بلا کمی بیشی کے انہیں پورا کیا جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آپ کا ارشاد ہے:

لَعَلَّكُمْ تَقَاتِلُونَ قَوْمًا فَيُظْهِرُونَ عَلَيْكُمْ فَيْتَقُونَ بِأَمْوَالِهِمْ دُونَ خَوْفٍ أَنْفُسِهِمْ  
وَأَبْنَاءَهُمْ فَتَصَالِحُوا لَهُمْ عَلَى صُلْحٍ فَلَا تُصِيبُوا مِنْهُمْ فَوْقَ ذَلِكَ فَانْصَحُوا  
لَا يُصْلِحُ - (ابو داؤد)

کبھی ایسا ہو کہ کسی قوم سے تمہاری جنگ ہو پھر وہ تمہارے سامنے آکر اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں بچانے کیلئے اپنے مال دینے پر تیار ہو جائیں اور تم ان سے صلح کر لو تو ایسی صورت میں جس چیز پر تمہاری صلح ہو اس سے زائد کچھ نہ لینا۔ کیونکہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں۔

دوسرا ارشاد ہے:

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ مَعَاهِدًا أَوْ انْتَقَصَهُ أَوْ كَفَفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بَغْيًا  
طَيِّبَ نَفْسًا فَإِنَّا حَاجِبِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (ابو داؤد)

اسی ضابطہ کے مطابق سرکار نے نجران۔ ایلہ۔ اذرعات۔ ہجر اور دوسرے جن جن علاقوں اور قبیلوں کے ساتھ صلح کی ان سب کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں اور صنعتوں اور تجارتوں کو بدستور رہنے دیا اور صرف وہ جزیرہ ان سے وصول کرنے پر اکتفا فرمایا جس پر ان سے معاہدہ ہوا۔ پھر اسی اصول پر خلفائے راشدین نے بھی عمل کیا۔ یہ فقہائے اسلام کا متفق علیہ قانون ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کو اپنی کتاب ”مستطاب الخراج“ میں قانونی دفعہ کی شکل میں اس طرح ثبت فرماتے ہیں:

”إِنَّمَا قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الشَّرْكَ صَالِحُهُمْ إِلَّا مَا عَلَيْنَا أَنْ يَنْتَظِرُوا عَلَى الْحَاكِمِ وَالْقَوْمِ

وعلى أن ليود والخراج فهم اهل ذمة وأرضهم أرض خراج وليؤخذ

منهم ماصولحو عليه وليؤتى لهم ولا يزداد عليهم. (كتاب الخراج)

یعنی غیر مسلموں میں سے جس قوم کے ساتھ اس بات پر امام کی صلح ہو جائے کہ وہ مطیع حکم ہوں جائیں اور خراج

ادا کریں تو وہ ذمی ہیں۔ ان کی اراضی اراضی خراج ہیں۔ ان سے صرف دہی لیا جائے گا جس پر ان کی صلح

ہوئی ہو ان کے ساتھ عہد پورا کیا جائے گا اور ان پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کلیہ میں کبھی کسی استثناء کی مثال عہد رسالت و خلافت راشدہ کے نظائر سے پیش نہیں

کی جاسکتی۔ البتہ بعض اہم مصالح کے پیش نظر حضرت فاروق اعظم کے دور خلافت میں با شندگان نجران کو اندرون

عرب سے شام و عراق کی طرف منتقل کیا بھی گیا تو جس جس کے پاس نجران میں جتنی زرعی و رہائشی پراپرٹی (جائداد) تھی

ان کے بدلہ میں نہ صرف اتنی ہی جائداد اس کو دوسری جگہ دی گئی بلکہ حضرت فاروق اعظم نے اپنے شام و عراق کے

گورنروں کے نام فرمان عام لکھا کہ جس کے علاقہ میں بھی وہ جا کر آباد ہوں وہ قلیو سے ہم فخریب الارض

فراخ دلی کے ساتھ افتادہ زمینوں میں سے ان کو دے۔ (كتاب الاموال)

## قسم سوم کا حکم

وہ زمینیں جن کے مالک آخر دم تک مقابلہ کریں اور شمشیر و سنان کے زور سے مغلوب ہوں ان کے

بارے میں امام کو اختیار ہے کہ انہیں فاتح مجاہدین میں تقسیم کر دے۔ جیسا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر

کے موقع سے مفتوح علاقہ کو مال غنیمت قرار دیا اور ان کو لشکر اسلام پر تقسیم فرما دیا۔ اور ان حصہ میں آنے والی زمینوں

کو عشری قرار دے کر ان پر عشر لگایا اور چاہے تو پرانے باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ

نے عراق کے مفتوحہ علاقہ کو فوج میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کو تمام مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا اور اس کی

انتظام مسلمانوں کی طرف سے نیا بنائے اپنے ہاتھوں میں دیا اور اصل باشندوں کو حسب سابق ان کی زمینوں پر بحال

رہنے دیا۔ ان کو ذمی قرار دے کر ان سے جزیہ و خراج وصول کیا۔

اس حکم کو قانون معیشت کے محقق علی الاطلاق حضرت قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ایک

مطابق کی صورت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

وأما الأئمة فتشع الامانة فتقسمها بين الذين استحوها إن رأى ذلك

أفضل فهو في سعة من ذلك وهو أرض مشر وإن لم يرقصتها وراى الصلاح  
 في استمرارها في ايدي أهلها كما فعل عمر بن الخطاب في السواد فله ذلك  
 وهو أرض خراج. وليس له أن يأخذها بعد ذلك منهم وهي ملك لهم  
 يتوارثونها ويتبايعونها ويقع عليهم الخراج ولا يكلفوا من ذلك ما  
 لا يطيقون. (كتاب الاموال)

یعنی جس سرزمین کو امام بزرگ شمشیر فتح کرے اس کے معاملہ میں وہ اختیار رکھتا ہے۔ اگر چاہے تو فاتح فوج  
 میں اسے تقسیم کر دے اس کی وہ زمین عشری ہوگی۔ اور اگر تقسیم کرنا مناسب نہ سمجھے اور بہتر یہی خیال کرے  
 کہ اس کے پرانے باشندوں کے ہاتھوں میں رہنے دے جیسا کہ عمر بن الخطابؓ نے سواد عراق میں کیا تو  
 وہ ایسا کرنے پر بھی اختیار رکھتا ہے۔ اس صورت میں وہ زمین خراجی ہوگی اور خراج لگ جانے کے بعد پھر امام  
 کو جتنی باقی نہ رہے گا کہ اس کے باشندوں سے اس کو چھین لے۔ وہ ان کی ملک ہوں گی۔ ان کی اس زمین  
 پر دراشت۔ خرید و فروخت کے حقوق حاصل رہیں گے۔ ان پر خراج و ٹیکس لگادیا جائے گا اور ان کی طاقت  
 سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے گا۔

## قسم چہارم کا حکم

زمین کی چوتھی قسم وہ زمین جو کسی کی ملک میں نہ ہو۔ ابتداً در دو قسموں میں منقسم ہے۔ موات، خالصہ۔  
 موات: — اقتادہ اور پڑتی زمینیں خواہ وہ عادی الارض ہوں جن کے مالک رہے ہوں مگر فی الحال وجود  
 نہ ہوں۔ مر گئے ہوں۔ یا جن کا کبھی کوئی مالک رہا ہی نہ ہو

خالصہ: — وہ زمینیں جو سرکاری اور ریاستی تحویل میں ہوں۔ اس مفہوم میں متعدد شکل کی اراضی تھیں۔ ایک  
 وہ جن کے مالکوں نے از خود ان سے دست بردار ہو کر حکومت کی تحویل میں دیا تھا۔ دوسری وہ جن کے مالکوں کو مفاد عامہ کی  
 خلاف ورزی کی بنا پر بے دخل کر دیا گیا تھا جیسے مضافات مدینہ میں بنی نضیر کی اراضی۔ تیسری وہ زمینیں جن کو غنیمت  
 علاقوں میں سرکاری تحویل میں لیا گیا تھا جیسے وہ اراضی جو عراق میں کسریٰ اور اس کے اہل خانہ کے قبضہ میں تھیں اور  
 حضرت عمر فاروقؓ نے فوج کشی کے بعد ان کو اجلہ صحابہ سے ہزار اختلاف دلت کے باوجود مجاہدین میں تقسیم نہ کر کے  
 حکومت کی تحویل میں لے لیا تھا۔



## موات کا حکم

فقہائے اسلام کے درمیان متفق علیہ مسئلہ بصورت ضابطہ یہ ہے کہ موات واقعات زمین کو جو بھی آباد کرے وہ اسی کی ہے۔ اس کے استعمال کا وہی زیادہ مقدار ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ موصف تعمیر و آبادی سے کوئی شخص اقتادہ زمین کا مالک ہو جاتا ہے۔ یا ملکیت کے ثبوت کے لئے حکومت کی منظوری اجازت شرط ہے؟ — امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ منظر کی اجازت کو شرط مانتے ہیں۔ صاحبین رحمہ اس کے برخلاف اسے شرط نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ محض آباد کاری کے فعل سے ملکیت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ ثبوت ملکیت کے لئے حکومت کی جانب سے منظوری و اجازت ضروری نہیں۔

مذکورہ حکم وقاعدہ عطیات فطرت پر انسان کے مالکانہ حقوق کی بنیاد ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کریم کے فرمودات سے مؤید بھی ہے۔ چنانچہ احادیث کریمہ میں آتا ہے:

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من عمر أرضاً ليست لأحد فهو حق بها قال عروة قضى به عمر فخلعته۔ (بخاری و نسائی)

دوسری حدیث میں ہے:

عن عروة قال أشهد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن الأرض أرض الله والعباد عباد الله ومن أحيما مواتاً فهو حق بها جاءنا بهذا عن النبي صلى الله عليه وسلم الذين جاءوا بالصلوة عنه۔ (ابوداؤد)

یعنی عروہ بن زبیر رحمہ مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین خدا کی ہے اور بند بھی خدا کے ہیں، جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہی زمین کا زیادہ مقدار ہے۔ یہ قانون ہم تک نبی کریم سے انہیں بزرگوں کے ذریعہ پہنچا ہے جن کے ذریعہ سے پہنچے وقت نماز۔

## خالصہ کا حکم

ایسی زمینوں کا حکم یہ ہے کہ امیر کو پورا اختیار ہے کہ مفاد عامہ کے پیش نظر جس کو چاہے دے اس کی تقسیم و تنظیم کرے۔

## اَوَّلُ تَايَسَجَمَ

## اسلام کا نظام عشر و خراج

حکیم ظل الرحمن ————— سنہری مسجد، چاندنی چوک دہلی

قبل اس کے کہ ہم محور وائر جوابات تحریر کریں کچھ بنیادی باتیں عرض کرنا مناسب ہوگا، بنیادی بات یہ ہے کہ عشر کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے باب زکوٰۃ ہی کا ایک حصہ ہے جس کا تعلق زمین سے حاصل شدہ پیداوار سے ہے۔ جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اپنی کتاب ”اسلامی فقہ پر رقمطراز ہیں :  
”زمین کی پیداوار کی جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کو شریعت میں عشر کہتے ہیں“  
اس کے احکام روپے پیسے اور سامان تجارت سے جدا ہیں اور قرآن و حدیث میں ان کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں دو جگہ اس کا ذکر ہے، ایک جگہ ہے :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَهْرَجْنَا لَكُمْ  
مِنَ الْأَرْضِ“

اے ایمان والو خدا کی راہ میں خرچ کرو اچھی چیزیں اپنی کمائی کی اور جو کچھ ہم نے تم کو زمین کے ذریعہ پیدا کر دی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے :

”وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوسَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوسَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُّوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ“  
 وہی اللہ ہے جس نے باغات اگاتے ہیں اس چیز کے باغ بھی جس کی بلیں میوں وغیرہ پر چڑھاتی جاتی ہیں (مثلاً انگور) اور وہ بھی جن کی بلیں نہیں ہوتیں اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار اور سب آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی تو جب ان میں پھل آجائیں تو خود بھی کھاؤ کاٹنے اور توڑنے کے وقت ان میں جو شرعی حق (عشر) ہو اس کو دے دو اور اسراف نہ کرو واللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے غلہ اور کھیل حتیٰ کہ شہد وغیرہ کا عشر بھی نکلواتے تھے آپ نے فرمایا کہ جو کچھ زمین سے اُگے اس میں صدقہ ہے، مولانا مزید لکھتے ہیں :

”ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت۔ بالغ ہو یا نابالغ۔ عاقل ہو یا پاگل عشر فرض ہے۔“  
 جناب مولانا ابوالحسن صاحب ندوی اپنی کتاب ارکان اربعہ میں تحریر فرماتے ہیں :  
 ”زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے البتہ باغات و کاشت کا سال اس وقت پورا سمجھا جائیگا جب یہ باغات اور کھیتیاں یک جائیں اور اپنے کمال کو پہنچ جائیں“۔

اس پوری تمہید کا مفہوم یہ ہے کہ عشر زکوٰۃ ہی کا ایک حصہ ہے کوئی علیحدہ شے نہیں ہے البتہ اس کا نصاب اور شرح مختلف ہے اور اس پر ایک سال گزرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ عین پیداوار کے حصول کے وقت ہی واجب ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تمہید لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حضرات نے عشری زمینیں صرف ان زمینوں کو قرار دیا ہے جو کسی جنگ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہتھ میں آئیں اور وہ مسلمان میں تقسیم کر دی گئی ہوں عشری زمینوں کی یہ تعریف نامناسب اور غیر درست ہے۔  
 اس کے بعد اصل سوال نامہ کا جواب علیحدہ سے پیش کر رہے ہیں۔



## جوابات

# اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہندو پاک کی راضی کا حکم

## ۱۔ محورِ اوّل - عشر و خراج کی حقیقت

اسلام نے اسلامی سلطنت کی اراضی کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے، (۱) عشری (۲) خراجی مسلمانوں کے لئے ایک تیسری قسم ہے غیر اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کی اراضی۔

۱۔ عشری :-

اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کی زمینوں پر ان کی پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) بیت المال کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی زرعی اراضی عشری اراضی کہلاتی ہے۔

۲۔ خراجی :-

اسلامی سلطنت کے مفتوحہ ممالک کی غیر مسلم رعایا کی اراضی زراعت جس پر خود ان سے یا ان کے حاکم سے کسی معاہدہ کے تحت خراج لیا جاتا ہو خراجی اراضی کہلاتی ہے۔ ان اراضیوں پر ان سے پیداوار کا کوئی حصہ بیت المال کے لئے نہیں لیا جاتا۔

۳۔ غیر اسلامی سلطنت میں جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو وہاں کی مسلمانوں کی اراضی بھی عشری ہی کہلائیں گی البتہ وہاں پر انھیں اس کی ادائیگی اور صرف کا اپنا نظام خود بنانا ہوگا۔

واضح رہے کہ اسلامی یا غیر اسلامی سلطنت کی طرف سے کسی ایسے سلسلے کی وصولیابی جو بلا امتیاز مذہب تمام افراد سلطنت سے عمومی طور پر اراضی کاشت پر وصول کیا جاتا ہو جو ضروریات سلطنت کی خاطر وصول ہوتا ہو اس سے زمینوں کی نوعیت نہیں بدلے گی، کتاب و سنت و عمل عہد صحابہ و تابعین، فقہائے امت کے اجتہادات کے مطابق پوری اسلامی تاریخ میں

ہمیں یہی دکھائی دیتا ہے کہ ماسوا جو غیر مسلم جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑے اور شکست کھا کر فرار ہو گئے اور اپنی آراضیوں کو لاوارث چھوڑ گئے وہ تو اسلامی سلطنت کی ملکیت قرار دے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں ورنہ تمام غیر مسلموں کی آراضیاں اور حقوق سابقہ محفوظ رہتے تھے۔ ان کی بنیاد رکھتی رسول اکرمؐ کا بھران کے عیسائیوں سے معاہدہ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

”بھران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں۔ ان کا مذہب۔ ان کی زمینیں۔ ان کا مال۔ ان کے حاضر و غائب۔ ان کے قافلے۔ اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست درازی کی جائیگی۔ کوئی اسقف یا راہب اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ نہ ان سے کوئی فوجی خدمت لی جائے گی۔ نہ ان پر عشر لگایا جائے گا۔ نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان کو ظلم کے ذریعہ کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔“

پورے عہد خلافت اور بعد کی مسلمان سلطنتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے اور کسی دور میں بھی اسلامی فقہائے غیر مسلموں کی آراضیوں پر قبضہ کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ اصولی طور پر جزیہ کی ادائیگی کے بعد غیر مسلموں کے تمام حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ حقوق ہندوستان کی ان مسلمان سلطنتوں میں برقرار رہے ہیں جہاں مسلمانوں سے عشر وصول ہوتا تھا اگرچہ وہ سلطنتیں اسلامی نہیں تھیں صرف مسلمان سلطنتیں تھیں۔

(۲) محور دوم

## ۱۔ آراضی ہند کا تاریخی جائزہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے بالعموم مفتوح علاقوں کے



راجاؤں ہی کو یا ان کے خاندان کے ہی دوسرے افراد کو ان کی سلطنتیں خراج کی ادائیگی کی شرط پر واپس کر دی ہیں۔ اور خراج کی وصولیابی کے بعد کبھی بھی رعایا سے ڈائریکٹ کوئی عشر یا دوسرا ٹیکس وصول نہیں کیا گیا۔ اور اس میں وہ مسلمان رعایا بھی شامل تھی جو اس حکمرانوں کے ماتحت تھی حکمران مطلوبہ خراج بالعموم اپنے خزانہ سے ادا کرتے تھے اور رعایا سے اپنا واجب کردہ ٹیکس وصول کرتے تھے ایسی حالت میں وہ سب زمینیں علاوہ مسلمانوں کی آراضی کے خراجی شمار ہوتی تھیں۔ اور مسلمانوں سے بھی عشر حکومت وصول نہیں کرتی تھی انھیں خود ہی اپنا نظام بنانا ہوتا تھا۔

اس موضوع پر ہیں یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں محمد بن قاسم کے بعد جو بھی سلطنتیں قائم ہوئیں وہ اسلامی سلطنتیں نہیں تھیں صرف مسلمان حکمرانیاں تھیں ان میں کبھی بھی اسلامی قوانین اور تعزیرات نافذ نہیں ہوتے بلاشبہ بعض حکمرانوں نے جزیرہ کا نفاذ کیا تو مسلمانوں پر زکوٰۃ اور عشر بھی نافذ کیا۔ ان سب کا مقصد حکومت کے اخراجات کا حصول تھا۔ ان سب کے علاوہ بھی مالگداری وغیرہ بھی وصول ہوتی تھی۔

## (۲) انگریزوں کی عملداری سے ۱۹۴۷ء تک آراضی کی نوعیت

دور برطانیہ میں مختلف موبوں میں آراضی سے متعلق مختلف قوانین نافذ تھے کہیں مکمل مالکانہ حقوق تھے کہیں لین (LEASE) یعنی حق کاشت حاصل تھا۔ کاشتکار اور زمیندار کی حیثیت علیحدہ علیحدہ تھی کہیں شملی کاشتکار بھی ہوتے تھے لیکن ان حالات میں مالکانہ حقوق زمیندار ہی کو حاصل تھے۔ جو ایک مخصوص لگان لے کر اپنی زمین مختلف لوگوں سے کاشتکاری کراتے تھے جو زمیندار اپنی زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے وہ سیردار کہلاتے تھے بعض حالات میں زمیندار اپنے کاشتکار کو آسانی سے بے دخل نہیں کرا سکتے تھے اور اسے شملی کاشتکار بھی مقرر کرنے کا حق حاصل تھا۔ نوعیت آراضی کتنی بھی مختلف رہی ہو مالکانہ آراضی کی نوعیت قابل فروخت تھی۔ ایسی حالت میں زمین کے مقاصد کے لئے نوعیت آراضی کا فرق بے معنی ہے۔ اس ضمن میں فتاویٰ محمودیہ پر درج ذیل فتویٰ موجود ہے :

”ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی بلکہ بیت المال اور سلطنت کی زمینیں ہیں

شامی نے ایسی زمینوں میں عشر و خراج کے واجب ہونے کی تصریح کی ہے۔



”اصح قول یہ ہے کہ محصول مذکور زمینوں کا کرایہ ہے جس کی وجہ سے عشری زمینوں سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔ جب زمین خراجی ہوں تو یہ محصول خراج کے قائم مقام ہوگا۔ وکذا فی فتاویٰ الرشیدیہ جب زمین مذکور نہروں سے سیراب کی جائے جن کے اندر محصول لیا جاتا ہو تو ایسی زمینوں پر نصف عشر واجب ہوگا۔ اس حالت میں کاشتکار اپنی پوری پیداوار کا مالک ہوتا ہے لہذا مسلمان کاشتکار پر لگان یا مال گزاری کے ساتھ عشر بھی واجب ہوگا“۔

### (۳) محور سوم: عا - ع۲

میرے خیال میں فتاویٰ محمودیہ اور فتاویٰ رشیدیہ کے مندرجہ بالا فتویٰ کے بعد عشر کے مقصد کے لئے نوعیت زمین از روئے قانون بے حیثیت ہو جاتی ہے۔ قوانین کچھ بھی رہے ہوں مالکان آراضی کو حق فروخت حاصل تھا اور وہ اپنی پیداوار کے مکمل مالک تھے۔ (زمیندار اور کاشتکار کے فرق کی بحث علیحدہ ہے) اور اس میں وہ اپنی مرضی کے فضل اگانے کے مختار تھے اس لئے میری رائے میں اس پر بحث غیر مفید ہے۔

### (۴) آراضی ہند کی شرعی حیثیت (محور چہارم)

ہندوستان میں آزادی کے بعد تمام زمینیں کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دی گئی ہیں جو بھومی و مہری کہلاتی ہیں۔ اب سب لوگوں کو صرف لگان دینا ہوتا ہے زمیندارانہ مالگزاری کا نظام ختم کیا جا چکا ہے۔ یہ کوئی خراج نہیں ہے بلکہ سلطنت کے ضروری انتظامات کے لئے ایک ٹیکس ہے جو بلا کسی امتیاز مذہب و ملت ہر کاشتکار کو ادا کرنا پڑتا ہے لہذا یہاں نہ کوئی زمین خراجی ہے اور نہ عشری۔ البتہ مسلمان کاشتکاروں پر اپنی پیداوار کا عشر یا نصف عشر عشر عا واجب ہوتا ہے جسے وہ خود بطریق زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہیں جس کے لئے وہ اپنے بیت المال قائم کرنے کے لئے حکومت کی

طرف سے مجاز ہیں۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں جیسا کہ قاضی شمس اللہ صاحب پانی پتی نے مالا بدمنہ میں لکھا ہے مگر مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب مرحوم نے بڑی تحقیق سے اپنی کتاب ”کتاب العشر و زکوٰۃ“ میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو زمینیں ہیں وہ سب عشری ہیں ۱

۲۔ جب آراضی کی نوعیت نہ خراجی ہو اور نہ عشری تو اس کا حکم مذکورہ بالا ہے کہ صرف مسلمان اپنی پیداوار کا عشر یا نصف عشر خود بطریق زکوٰۃ ادا کریں گے کیوں کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

”کَلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ“ ۱

ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق (شرع کے اعتبار سے) واجب ہے اس کے کانٹے کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔

اس چیز سے دو چیزیں واضح ہیں:

(۱) عشر بھی ایک قسم کا صدقہ ہے جس کا دنیا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(۲) اس پر حوالان حول یعنی پورا سال گزرنے کی قید نہیں ہے، پیداوار ملتے ہی واجب ہے۔

۳۔ سرکار کو ادا ہونے والا لگان کسی بھی طرح خراج کے حکم میں نہیں ہے وہ سلطنت کے انتظامات کے مصارف کے لئے ایک ٹیکس ہے۔

۴۔ ہندوستان میں کوئی زمین خراجی نہیں ہے۔ یہاں کی بیشتر زرعی زمینیں آبپاشی پر منحصر ہیں کہیں یہ آبپاشی نہری ہے جس کے اخراجات حکومت کو دینے پڑتے ہیں اور کہیں یہ خود اپنے ٹیوب ویلوں اور دوسرے ذاتی ذرائع سے کی جاتی ہے البتہ راجستھان کے بعض علاقوں میں زراعت کلیتاً قدرتی بارش پر منحصر ہے۔ یہاں خود مسلمانوں کو عشر یا نصف عشر ادا کرتا ہے اور وہ اس کے مستحقین تک پہنچانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔

۵۔ مسئلہ بہت توجہ کا محتاج ہے۔ شریعت نے عشر اور نصف عشر کا فرق صرف اخراجات آبپاشی کو ملحوظ کر کے رکھا ہے لیکن صاحب کنز الدقائق اور امام ابوحنیفہؒ کل پیداوار سے اخراجات منہا کرنے کو



قرار دیتے ہیں۔

ماضی میں زراعت کے اخراجات بیج اور آبپاشی کے علاوہ کچھ نہیں تھے محنت کاشتکار کی ہوتی تھی مگر آج کاشت کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ عمدہ بیج ٹریکٹر کی جوتائی۔ ٹیوب ویل کی آبپاشی کے اخراجات۔ مختلف اوقات میں خرید کردہ کیمیائی کھاد۔ مزدوروں کی نلانی اور فصل کٹنے کی مزدوری۔ عقل سلیم یہ مطالبہ کرتی ہے کہ تمام اخراجات پیداوار سے منہا کرنے چاہئیں اور پھر عشر واجب کرنا چاہئے یا آبپاشی کے اخراجات نہ منہا کئے جائیں اور نصف عشر واجب کیا جائے۔

بہر کیف یہ مسئلہ فقہاء کرام کی خصوصی توجہ اور اجتہاد کا محتاج ہے کیوں کہ آج کاشت پر کل پیداوار کے بقدر نصف اخراجات پڑ جاتے ہیں علاوہ کاشتکار کی اپنی محنت کے۔

۶۔ اگر مالک آرامی اور کاشتکار دونوں مسلمان ہوں اور تقسیم کی بنیاد حصہ پیداوار ہو تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ پر عشر واجب ہوگا۔ در نہ صرف مسلمان پر واجب ہوگا، اور اگر آرامی کسی مخصوص کرایہ پر حاصل کی گئی ہو تو چوں کہ کل پیداوار کاشتکار کی ملکیت ہوگی اس لئے پوری پیداوار کا عشر بھی کاشتکار کو ہی دینا ہوگا اگر وہ مسلمان ہے۔ عشر مسلمان پر اس لئے واجب ہے کہ مسلمان کے لئے یہ عبادت بھی ہے۔ بٹائی کے مسئلہ پر ہندوستان میں مروجہ نظام کاشت کو ملحوظ رکھنا چاہئے، ہندوستان میں مروجہ نظام کاشت درج ذیل ہے۔

- ۱۔ زمین کا مالک خود کاشت کرتا ہے۔
- ۲۔ زمین کا مالک کسی مخصوص نرخ پر زمین کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دے دیتا ہے۔
- ۳۔ زمین کا مالک کاشتکار سے پیداوار میں اپنا حصہ متعین کر لیتا ہے اس کی بھی دو شکلیں ہیں:
  - ۱۔ تمام اخراجات کاشت علاوہ جوتائی اور نگرانی مالک اراضی برداشت کرتا ہے اور کاشتکار کی ذمہ داری ہل ہل۔ ٹریکٹر کی جوتائی اور نگرانی کرنا ہوتی ہے۔ اس حالت میں کاشتکار کل پیداوار کا  $\frac{1}{10}$  حصہ کا مستحق ہوتا ہے کہیں کہیں یہ حصہ ایک تہائی بھی ہوتا ہے۔

۲۔ علاوہ محنت اور جوتائی اور نگرانی جو کلیتہاً کاشتکار کی ذمہ داری ہوتی ہے بقیہ تمام اخراجات میں یعنی بیج۔ لگان۔ کھاد۔ آبپاشی وغیرہ میں کاشتکار بھی نصف کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس حالت میں کاشتکار نصف پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ اس تیسری حالت کی مندرجہ بالا تینوں شکلوں



کو امام ابوحنیفہؒ ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور بقیہ تینوں ائمہ جناب امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اسے اجرت معلوم قرار دیتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔

ان حالات میں یہ مسئلہ بہت اہم ہے کہ اخراجات منہا کئے جائیں یا نہیں۔

### (۵) محور پنجم

۱۔ جناب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے لیکن صاحبین کے نزدیک ۵ دسق کا نصاب ہے اس سے زائد پر ہی عشر واجب ہوگا، ایک دسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے فتویٰ صاحبین کی رائے پر ہی ہے لہٰذا پانچ دسق ۸۰ تولہ والے سیر سے ۲۵ من پونے چوبیس سیر ہوتا ہے لہٰذا

۲۔ ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب نہیں ہے مثلاً گھاس، بانس، درخت اپنے جانوروں کی خوراک کے لئے اگایا ہوا چارہ پر عشر واجب نہیں ہے لیکن یہی چیزیں اگر تجارت کے لئے ہوں تو بطور اموال تجارت ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پانی میں پیدا ہونے والی اشیاء مثلاً سنگھار، کھانے وغیرہ پر عشر واجب ہوگا، اور تالاب بمثل آراضی شمار ہوگا۔ کیوں کہ اس کا وجود آراضی کے وجود پر ہی منحصر ہے۔ صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان ہی چیزوں پر عشر ہے جو ایک سال تک باقی رہ سکتی ہوں لہٰذا

۳۔ پھلی کی پیداوار زراعت میں شمار نہیں ہوگی۔ اگر وہ اپنے کھانے کے لئے پالی گئیں ہیں تو ان پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر تجارتی مقاصد کے لئے ہیں تو وہ اموال تجارت شمار ہوں گی۔ یہ ایک ایسا کاروبار ہے کہ جس میں قدم قدم پر محنت اور نگرانی کرنی ہوتی ہے، حسب ضرورت پودہ لائی ہوتی ہے۔ انھیں یومیہ چارہ ڈالنا ہوتا ہے۔ تالاب کے پانی کو سردیوں میں ایک مخصوص درجہ حرارت پر رکھنا پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ پھر وہ از نسل درخت نہیں ہے از نسل جانور ہے اس لئے وہ اموال تجارت شمار ہوں گی۔

۴۔ ریشم کا کیرانی نفسہ اس ریشم کے دھاگے کے حصول کا ذریعہ ہے جس سے ریشمی کپڑا تیار ہوتا ہے لہذا شہتوت کے درخت اور ریشم کے کیرے حاجتِ اصلیہ شمار ہوں گے۔ اور ان سے حاصل شدہ خام ریشم اموال تجارت شمار ہوگا اور اس پر بطور اموال تجارت زکوٰۃ واجب ہوگی عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ کیرا اور شہتوت ذریعہ ہیں اصل مال نہیں ہیں اور خود بے قیمت ہیں ریشم لگانے کے بعد کیرے پھینک دئے جاتے ہیں۔

۵۔ باغات کے درخت جن کے پھل قابلِ فروخت ہیں صرف ان کی پیداوار پر ہی عشر واجب ہوگا۔ عام درخت جو لکڑی کے حصول کے لئے لگائے گئے ہوں پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ کاروباری مقاصد کے لئے لگائے گئے جنگلات پوکلیٹس کے درخت خواہ وہ کھیتوں کی منڈیروں پر ہی ہوں جن کی نیت ایک مدت کے بعد فروخت کی ہو جو بالعموم اپنے ابتدائی ایام میں بے قیمت ہوتے ہیں اور ان کی مدت تکمیل قیمت ۵۔ ۷ سال اور بسا اوقات دس سال تک ہوتی ہے ایسی حالت میں وہ اموال تجارت شمار ہوں گے اور مال تجارت بھی وہ کٹ جانے کے بعد شمار ہوں گے۔

البتہ بعض پودے جو اچھے بڑے ہوتے ہیں اور فصل کٹنے کے بعد قابلِ فروخت ہوتے ہیں جیسے ارہر کے جھمبے پیداوار کا حصہ شمار ہوں گے اور ان پر عشر واجب ہوگا۔

۶۔ سبزیاں اگر کاروبار کے لئے ہوں تو ان پر عشر واجب ہوگا۔ فصل بیک وقت حاصل ہو یا وقفہ وقفہ سے فصل کی پوری پیداوار کا حساب لگا کر عشر ادا ہوگا اگر ذاتی استعمال کیلئے مکان کے ارد گرد ہوں گی تو وہ یقیناً نصاب سے کم ہوں گی اور ان پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

۷۔ اراضی وقف کی دو قسم ہیں :

۱۔ وقف علی اللہ ۲۔ وقف علی الاولاد

(۱) وقف علی اللہ چوں کہ خود صدقات کی مدد ہے اور اس میں حاصل ہونے والی آمدنی۔ آمدنی بیت المال کے مثل ہے اس لئے اس اراضی پر عشر واجب نہیں ہوگا البتہ یہی اراضی کسی کاشتکار پر ہو اور وہ مسلمان ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا۔

(۲) وقف علی الاولاد اراضی کی کوئی خاص حیثیت اس کے علاوہ نہیں ہے کہ وہ قابلِ فروخت



ورنہ اس کا حق استعمال حسب حق وراثت ہے اس لئے اس پر عشر واجب ہوگا۔

## محورسوم

### ہندوستان کی آراضی کا متانونی جائزہ

۱۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور برطانوی تسلط کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آراضی ہند کی نوعیت سے متعلق وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے قوانین کا جائزہ۔ اس سلسلے میں مختلف صوبوں میں ۱۹۴۷ء سے پہلے جاری ہونے والے قوانین کا عمدہ علیحدہ علیحدہ تفصیلی جائزہ۔

۲۔ قانون تسخیر زمینداری کے بعد آراضی ہند کی نوعیت و حیثیت کاشتکاروں کے مالک حقوق میں کیا تبدیلی آئی۔ اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آزادی کے بعد سے لے کر اب تک آراضی کے بارے میں جو دور اس قانونی تبدیلیاں آئیں ان کا ایک جائزہ۔

میں نے اپنے پہلے جواب میں ان سوالات کے جوابات کو فتاویٰ محمودیہ کی روشنی میں اختصار کے ساتھ نظر انداز کر دیا تھا۔ اب حکم ثانی کی تعمیل میں تفصیلی رائے پیش خدمت ہے۔  
سلطنت برطانیہ کے استیصال کے بعد جو اسے ۱۸۵۷ء کے بعد حاصل ہوا آراضی سے متعلق دو نظام قائم ہوئے:

### ۱۔ جاگیردارانہ

یہ نظام ریاستوں پر مشتمل تھا اور ریاستی خزانہ سے سلطنت ہندوستان کو ایک مخصوص رقم ادا کی جاتی تھی۔ ریاست کے اندر حکمرانی نوابین اور راجاؤں کی ہوتی تھی حکومت ہند کا ایک نمائندہ ریزیڈنٹ رہتا تھا۔ انتظامی سطح پر I.A.S اور I.C.S افسران مامور ہوتے تھے۔ نیچے کی سطح پر زمیندار ہوتے تھے۔ کاشتکاروں کی حیثیت ان کی رعایا کی سی ہوتی تھی۔

۲۔ مرکزی حکومت کے تحت ڈائریکٹ علاقے :- ان علاقوں میں زمیندارانہ نظام ڈائریکٹ تھا۔



زمیندار کی قانونی حیثیت ایک درجائی شخصیت کی ہوتی تھی وہ کاشتکار سے متعینہ شرح سے لگان وصول کرتے تھے اور حکومت کو مالگذاری ادا کرتے تھے۔ عموماً لگان اور مالگذاری میں ۳:۱ کی نسبت ہوتی تھی یعنی تین روپیہ کی وصولیابی سے حکومت کو ایک روپیہ ملتا تھا۔ بقصور یہ تھا کہ وصول شدہ رقم میں سے ایک روپیہ حق زمینداری اور ایک روپیہ اخراجات وصولیابی اور ایک روپیہ حق حکومت انتظامی ضرورتوں کے تحت اسے نیم مالکانہ حقوق بھی حاصل تھے وہ اس زمین پر خود کاشت کا بھی حق رکھتا تھا۔

دوسری طرف کاشتکاروں کے بھی موروثی حقوق قانونی طور پر محفوظ تھے۔ کوئی بھی کاشتکار کسی قانونی عدالت کے حکم کے بغیر اس کی زمین سے بے دخل نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اسے ضمنی کاشتکار مقرر کرنے کا حق ہوتا تھا اور کسی وجہ سے اصل کاشتکار بے دخل کہا جاتا تو اس شکمی کاشتکار کو موروثی کاشتکار کا درجہ حاصل ہو جاتا تھا اسے بھی قانونی طور پر ہی بے دخل کہا جاسکتا تھا۔

زمینوں میں زمیندار اور کاشتکار دونوں کو حق وراثت حاصل تھا اگرچہ قانوناً عورتیں بھی وراثت آراضی کی حقدار ہوتی تھیں لیکن عملاً کچھ ایسا رواج ہو گیا تھا کہ عورتیں اپنے حقوق آراضی سے اپنے بھائیوں اور دیگر اعضاء زریعہ کے حق میں دستبردار ہو جاتی تھیں۔ البتہ پنجاب میں عورتوں کو آراضی میں حق وراثت قانوناً ممنوع تھا۔ یہ قانون سرسکذر حیات اور سرچھوٹورام کی وزارتوں کے دوران پاس ہونے لگے۔

صوبوں میں آراضی کے عام قوانین نہیں تھے جو تھے وہ شرح آبیانہ۔ لگان اور مالگذاری سے متعلق تھے۔ آراضی سے متعلق مرکزی قوانین ہی نافذ العمل تھے البتہ مخصوص پہاڑی اور قبائلی علاقوں میں ان کے اپنے مروجہ دستوروں کو قانونی درجہ دے دیا گیا تھا۔ آج وہ تفصیلات حاصل کرنا تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے اس لئے علیحدہ علیحدہ تبصرہ ممکن نہیں ہے لیکن ان کی جو مجموعی حیثیت تھی وہ ادھر بیان کر دی گئی ہے۔ آراضی میں باغات کو ایک مخصوص نوعیت حاصل تھی وہ اسل مالک زمیندار ہی کا شمار ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی کاشتکار وقتی طور پر کاشت کرتا تھا تو اس کی حیثیت ضمنی کاشتکار کی ہوتی تھی اور مالک باغ کو اسے علیحدہ کرنے کا حق ہوتا تھا۔

جو زمیندار اپنی زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے وہ سب درجہ دار کہلاتے تھے۔ ان کو ایک

حق حاصل تھا کہ وہ کسی کو شریک کار بنا کر کاشت کرالیں۔ اس حالت میں شریک شخص کو کوئی حق کاشتکار حاصل نہیں ہوتا تھا۔ یہ شکلیں درج ذیل تھیں :

- ۱۔ مالک زمین یعنی زمیندار خود ہی تمام امور کاشت انجام دیتا تھا۔
- ۲۔ زمین دار کسی کو مخصوص شرح پیداوار پر کاشتکار کو زمین کاشت کے لئے دیتا تھا اس صورت میں بقیہ پیداوار کاشتکار کی ہوتی تھی۔ مثلاً دو گھوگندم فی ہیکٹیر وغیرہ۔
- ۳۔ زمیندار تمام اخراجات برداشت کرتا تھا کاشتکار صرف اپنی محنت دیتا تھا یعنی اس کی حیثیت ایک مزدور کی ہوتی تھی اس حالت میں وہ صرف چوتھائی پیداوار کا حقدار ہوتا تھا بقیہ پیداوار زمین کی ہوتی تھی۔ کسی کسی جگہ کاشتکار کا حق نہائی بھی ہوتا تھا۔

- ۴۔ زمیندار جملہ اخراجات کا نصف بار برداشت کرتا تھا اور کاشتکار اپنی محنت کے علاوہ نصف اخراجات برداشت کرتا تھا اس حالت میں وہ نصف پیداوار کا حقدار ہوتا تھا۔
- نوٹ :- مندرجہ بالا تیسری اور چوتھی شکل کو امام ابو حنیفہؒ اجرت مجہول کی بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین یعنی امام محمدؒ اور امام یوسفؒ نیز امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اسے اجرت معلوم قرار دیتے ہیں اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔

آزادی سے قبل زمینوں کی یہی صورت حال تھی لیکن اس کے معاشرے پر کیا اثرات تھے وہ ہم نذر ناظرین کر رہے ہیں۔

سلطنت برطانیہ نے اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے ایک درمیانی وفادار نیم حکمران جماعت زمیندار تخلیق کی جسے زمینوں کے نیم مالکانہ حقوق بھی دئے گئے لیکن ساتھ ہی عوامی بغاوت کے خوف سے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا لیکن رفتہ رفتہ یہ حالت بن گئی کہ زمیندار کاشتکار کی خالص محنت کا بغیر کسی محنت کے حصہ دار بن گیا۔ اور ایک وقت طبقاتی کشمکش کا یہ آیا کہ زمیندار انتہائی خوش حال کلاس اور کاشتکار نان شبینہ سے محتاج ہو کر رہ گیا۔ اکثر کاشتکار اپنی پیداوار کا بڑا حصہ لگان۔ زمیندار کا قرض۔ بیج کھاد کی قیمت میں دے دیتے تھے اور خود معاشی طور پر مفلوک الحال اور ضروریات زندگی کے لئے ترستے تھے۔ کردار کے اعتبار سے زمیندار کلاس اپنے کاشتکاروں کے ساتھ بے حد ناروا سلوک کی عادی تھی۔



رفتہ رفتہ دنیا میں سماجی انصاف کے تقاضے ابھرنے شروع ہوئے۔ روس میں سلسلہ کے انقلاب نے سماجی نظریات بدل کر رکھ دیئے اور محنت کش طبقہ نے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔ سیاسی جماعتوں نے زمیندارانہ ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دیا۔ بالآخر کانگریس نے سلسلہ میں ایک رزرویشن خاتمہ زمینداری کے سلسلے میں پاس کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نظام زمینداری نے معاشرہ میں ایک طبقاتی کشمکش پیدا کر دی تھی۔ غریب مزید غریب ہوتا چلا جا رہا تھا اور اپنی تمام تر محنت کے باوجود اپنے بال بچوں کو ضروریات زندگی فراہم کرنے سے قاصر تھا۔ کاشت کی ضروریات تک کے لئے وہ مہاجن اور زمیندار سے سود پر قرض لینے پر مجبور ہوتا تھا۔ حکومت کا لگان وہی دیتا تھا۔ زمیندار یہ لگان وصول کرتا تھا اور اس کا کل ایک تہائی ہی وہ حکومت کو ادا کرتا تھا۔ آبپاشی، بیج، کھاد، محنت یہ سب کاشتکار کی ذمہ داری تھی ان حالات کو کوئی بھی معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر آزادی کے بعد تمام صوبوں نے اس کو ٹوٹا کر جامہ پہنایا۔ سب سے پہلے یوپی میں خاتمہ زمینداری ایکٹ پاس ہوا اور پھر دوسری تمام ریاستوں میں بھی اسی نوعیت کے قانون پاس ہوئے اور ماسوائے چند پہاڑی اور قبائلی علاقوں کے پورے ہندوستان سے زمیندارانہ نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ ان نئے قوانین کی عمومی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حکومت نے ایسے تمام لوگوں کی زمینوں کو جو خود کاشت نہیں کرتے تھے معاوضہ دے کر اپنی ملکیت میں لے لیا اور پھر ان تمام کاشتکاروں کو لگان کا ایک مخصوص فیصد معاوضہ لے کر حق ملکیت دے دیا اور اب وہ بھومی دھار کہلاتے لیکن یہ ملکیت مشروط ہے۔ اس کی شرائط درج ذیل تھیں:

۱۔ نظام چکبندی کر کے ایک شخص کی متعدد جگہوں کو ختم کر کے اس کے بقدر ایک جگہ زمین دیدی جاتے گی۔

۲۔ کوئی بھی شخص جس کے پاس پہلے سے ایک متعینہ یا اس سے زائد رقبہ ہو یا اس حق کے بعد یہ متعینہ رقبہ ہو جائے مزید کوئی زمین نہیں خرید سکتا۔

۳۔ زمین ایک متعینہ رقبہ سے کم پر قابل تقسیم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی جز کسی غیر شریک کو قابل فروخت ہوگا البتہ شریک میں سے کسی کو بھی کوئی شریک اپنا حصہ اراضی فروخت کر سکتا ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص خود کاشت نہ کرے اور کسی دوسرے سے کاشت کرائے تو اس کے مالکانہ حقوق



بحق حکومت سلب ہو جائیں گے اور اصل کاشتکار لگان کا دس گنا داخل خزانہ سہ ہاری کے بھومی دھربن سکتا ہے۔ البتہ ایسے مالکان آراضی جو سرکاری فوج میں ملازم ہوں یا بیوہ جس کے کوئی بالغ اولاد نہ ہو اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

۵۔۔۔۔۔ وراثتاً یہ حق ملکیت ان ہی لوگوں میں قابل انتقال ہے جو خود کاشت کر سکتے ہوں اسی اصول کے تحت اس اراضی میں زمینوں کو حصہ نہیں ملتا۔ البتہ بیوہ کو یہ حق ملتا ہے۔

۶۔۔۔۔۔ اوقاف کی اراضی کا معاوضہ نہیں ادا ہوتا بلکہ جو آمدنی اس وقف سے متعلقہ اداروں کو حاصل ہوتی تھی وہ حکومت بدستور اپنے خزانہ سے ان اداروں کو ادا کرتی رہے گی۔ زمین کاشتکاروں کو دے دی گئی ہے۔

ان قوانین کے سلسلے میں جناب مولانا مفتی شفیع صاحب کا ایک مختصر رسالہ "المقولات الماضی فی الاحکام الراضی" ہے جس کا ایک باب یونی کے خاتمہ زمینداری سے متعلق ہے۔ مولانا مفتی نے جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ایک فتویٰ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تائید کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔ یہ سب تفصیلات مفتی صاحب کی کتاب پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ آئیے اب اسلامی نقطہ نگاہ سے ان فتاویٰ کا جائزہ لے لیں۔

اسلامی شریعت نے زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیا ہے اور انسان کو اس کا جائز حق استعمال دیا ہے اور یہ حق کسی حد تک مالکانہ ہے۔ اس میں انسان کی وراثت ہے اور اسے کسی دوسرے کو کرایہ پر یا حصہ پیداوار کی شرکت پر دینے کا حق دیا ہے۔

دوسرا نقطہ نگاہ جو ان فتویٰ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ سلطنت کو کسی کی ذاتی ملکیت کو جبریہ طور پر کوئی معاوضہ دے کر لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہی امر قابل بحث ہے۔ شریعت کا ایک اصول عدل بھی ہے اور ایک اصول یہ بھی ہے کہ امت کے اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح حاصل ہے اور امت کی نمائندگی اسلامی حکومت کرتی ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ فتوحات کے ذریعہ حاصل شدہ زمینوں کے کچھ

حقے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کی چراگاہوں کے طور پر چھوڑ دئے گئے اور ہر کسی کو اس میں جانور چرانے کا حق دیا گیا جب کہ یہ زمینیں مجاہدین میں قابل تقسیم تھیں۔ حکومت وقت کا یہ حق ہمیشہ مسلمہ رہا ہے کہ اجتماعی ضرورتوں کے تحت وہ کسی بھی راضی یا جائداد کو مناسب معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لے کر اسے کسی قوم، ضرورت کے لئے استعمال کر لے اگر حکومت کے پاس یہ حق نہ ہو تو اجتماعی اور فلاحی مفادات کے امور مثلاً سڑکیں، ریلیں، اسکول، بڑے کارخانے، ہسپتال کبھی بھی نہ بن سکیں گے اس لئے کہ کوئی بھی شخص اپنی جائداد یا آراضی کو حکومت کو بخوشی دینے کو رضامند نہیں ہو سکتا۔ اصولاً جب شرعی طور پر ہم نے یہ مان لیا کہ ملت اور سلطنت کے اجتماعی مفادات ذاتی مفادات پر مقدم ہیں تو آج کی تاریخ میں جب ساری دنیا میں یہ اصول مسلمہ ہے تو اسے شرعاً ناجائز کہنا خلاف عرف ہے جب کہ عرف کی شریعت اسلامیہ میں ایک حیثیت ہے اور اس کی بنیاد پر جواز اور عدم جواز کے فتاویٰ دئے جاتے رہے ہیں۔ اب ہمیں آج کے نظام کاشتکاری پر غور کرنا ہوگا۔

ماضی میں کاشت کی پیداوار کا بیشتر انحصار قدرتی وسائل پر ہوتا تھا۔ آبپاشی کا عمومی ذریعہ بارش تھی کہیں کہیں دریاؤں اور نہروں سے بھی آبپاشی ہوتی تھی عموماً کاشتکار کی ذمہ داری بیج اور محنت ہوتی تھی لیکن آبادی کے اضافے نے پیداوار کی ضرورت کو بڑھا دیا اور انسان نے تحقیق کے ذریعہ نئے وسائل پیدا کئے۔ عمدہ نسل کے بیج، کھاد اور آبپاشی کی بروقت فراہمی کے لئے ٹیوب ویل ضروری ہوئے۔ جتنائی نکلانی کے لئے ٹریکٹر اور دوسرے آلات کی فراہمی ضروری ہو گئی اور یہ سب ایک بڑے سرمایہ کے محتاج ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج کاشتکاری خود ایک صنعت بن گئی جتنا زیادہ لگاؤ اتنا ہی زیادہ پاؤ۔ آج کی حیثیت یہ ہے کہ نصف روپیہ لگاؤ تو ایک روپیہ پاؤ۔ قیمتی کھاد پیداوار کے اضافے کا سبب ہیں رسل و رسائل اور منڈی تک لے جا کر خود فروخت کرنے کے وسائل زیادہ مالی وسعتیں رکھتے ہیں۔ یہ سب وسائل چھوٹے کاشتکار کے بس کی بات نہیں ہے۔ کوآپریٹو فارمنگ کا تجربہ بھی روس میں ناکامیاب ثابت ہو چکا۔ اسی مقصد کے لئے حکومت نے چکبندی اسکیم کو عملی جامہ پہنایا کہ ایک آدمی کی عام زمین ایک ہی جگہ اکٹھی کر دی جاتے تاکہ وہ اس کی خاطر خواہ نگہداشت کر سکے۔ ایک ہی آدمی کے اگر دس چھوٹے چھوٹے قطعات دس جگہ ہوں تو وہ ان کی خاطر خواہ



نگہداشت نہیں کر سکتا اور پیداوار کم ہوگی۔ گرائی بڑھ جائے گی غربت کے لئے مزید پریشانیان بڑھ جائیں گی اور یہ ایک قومی نقصان ہوگا اس لئے اس کے تدارک کے لئے حکومت وقت اگر نیک نیتی سے کوئی قدم اٹھائے تو وہ ہر حال میں جائز ہونا چاہئے لیکن بادی النظر میں چونکہ فقہائے کے نزدیک کسی کی آراضی اکوائر کرنا اور اس کو اس کے بدلے میں دوسری آراضی دینا جس میں اس کی رضا حاصل نہ ہو جائز نہ ہوگا۔

میرے نزدیک یہ شریعت کی بہت ہی سطحی تعبیر ہے۔ شریعت کا ایک اصول اصول عدل بھی ہے۔ اس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو کچھ خود کھاد دہ اپنے متعلقین کو بھی کھلاؤ۔ جابر اور مجبور کے درمیان کسی معاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ بیزگار مزدور اور لاچار کاشتکار آج کے مفلوک الحالی کے دور میں ہر جبر کو اس لئے قبول کر لیتا ہے کہ اسے اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہے اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں امیر امیر تر ہو رہا ہے اور غریب غریب تر۔ اسی اسلامی شریعت میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک غلام کو کھانے کی چوری پر اس لئے سزا نہیں دی گئی کیونکہ اس کا مالک اسے پیٹ بھر کھانے کو نہیں دیتا تھا۔ ان حالات میں اگر آج حکومت نے ملازمین کی کم سے کم اجرت اور قانون ادائیگی اجرت پاس کیا ہے تو (MINIMUM WAGES & PAYMENT OF WAGES ACT) سے غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا۔ حکومت اگر ملازمین کو پراویڈنٹ فنڈ۔ بونس گر چھوٹی کی سہولتیں ان کے مالکان سے دلاتی ہے تو اسے غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا اگرچہ معاہدہ ملازمت میں صرف تنخواہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ایک طرف توفیقہ اسلامی کا اصول یہ ہے کہ مالک کو اس کی آراضی پر مکمل اختیارات حاصل ہیں اور حکومت وقت کو اس سے اسے اپنی من مانی قیمت پر لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا اور وہ اس کو خود استعمال کرے یا کسی دوسرے سے استعمال کرائے یہ اس کا حق ہے۔ دوسری طرف اس کے معاشرہ پر جو نتائج ہیں وہ سامنے ہیں۔

دوسری طرف حکومت وقت عوام الناس کو سماجی انصاف دلانے اور کسی کو کسی کے استحصال سے تحفظ دلانے کی پابند ہے اور وہ یہ حق رکھتی ہے کہ وہ کسی کی آراضی کو مفاد عامہ کی خاطر اپنی متعینہ قیمت پر خرید کر دوسرے ضرورت مندوں کو دے دے۔ آج کسی بڑے کارخانے



لگانے کے لئے سیکڑوں سیگھے زمین کی ضرورت ہوتی ہے جو حکومت کا شدتکاروں کی آراضی کو اکوائر کر کے انڈسٹری کو فراہم کرتی ہے اور یہی انڈسٹری ایک طرف ہزاروں افراد کو روزگار فراہم کرتی ہے تو دوسری طرف ملکی معیشت میں پیداواری اضافہ کرتی ہے۔ یہ آج ساری دنیا کا مسلمہ عرف ہے۔ تقاضائے عدل ہے قومی ضرورت ہے۔ یہیں اس عرف کو شرعاً تسلیم کرنا ہی ہوگا کسی کا حق صرف اس وقت جائز حق رہتا ہے جب تک وہ کسی دوسرے کے حق کی حق تلفی نہ کرے اور جب یہ حقوق فتنہ بن جائیں تو پھر شریعت کا اصول ”الفتنة أشد من القتل نافذ العمل ہو جاتا ہے۔ خطہ حجاز سے مشرکین کو نکالنا ایک ملی ضرورت تھی اسی لئے رسول کریمؐ نے ان کے ذاتی مفاد کو ملی مفاد پر قربان کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا۔ حالاں کہ شرعاً تو جزیہ ادا کرنے کے پابند تھے۔ اب اس عرف کو تسلیم کرنے کے بعد جو مسئلہ آئیگاہ لڑکیوں کی وراثت کا ہے اس مسئلہ پر حکومت سے کوئی مطالبہ بے سود ہوگا کیوں کہ لڑکیوں کی وراثت زمینوں کی تقسیم و تقسیم کا باعث ہوگی۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم مسلمانوں سے یہ اپیل کریں کہ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے حصے کے بقدر آراضی کی قیمت ان کو ادا کریں وہ نہ لیں یہ ان کی مرضی ہے۔ یہ مسئلہ بہت سنجیدگی سے قابل غور ہے آج کل کسی بیٹی کی شادی پر ایک باپ اور اس کے بھائیوں کو جو کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے شادی کے بعد اس کی اولاد کی ولادت پر تھوچک۔ شادیوں پر ماموں کی طرف سے بھات جو اخراجات شادی میں ایک تعاون ہے اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جب بہن اپنا حصہ لے لگی تو تعلق ختم ہو جائے گا اور مجموعی طور پر لڑکی ہی نقصان میں رہے گی لہذا اس کا حل یہی ہے کہ دارشان لڑکیوں کے حصے کی قیمت ان کو پیش کریں جو لینا چاہیں وہ لے لیں اور جو بخوشی چھوڑنا چاہیں وہ چھوڑ دیں شریعت کے فرض کی ادائیگی ہو جائیگی۔

دوسری طرف اس عرف کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب حق ملکیت آراضی کا شدتکاری کے ساتھ منسلک ہے اور اذافات الشرطیات المشروط کے تحت جب کا شدتکاری ختم ہو گئی تو حق ملکیت بھی سلب ہو گیا اور اب وہ صرف معاوضہ آراضی کا مستحق ہو گیا۔

## عشر و خراج کی حقیقت

آزاد مولانا عقیل احمد قاسمی، جامعہ اسلامیہ عربیہ گلزار حسنیہ، قصبہ اجڑاڑہ میرٹھ

مذہب اسلام نے زمینوں پر جو وظیفہ مقرر کیا ہے اس کے لئے دو اصطلاحی لفظ استعمال کئے گئے ہیں عشر اور خراج۔ عربی زبان میں عشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں اور شرعی اعتباراً نصف عشر یعنی بیسویں حصہ کو بھی عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نہ عشہ کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔ خراجی زمینوں میں اس سے سوا کسی طرف سے جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس کو اصطلاح شریعت اسلامیہ میں خراج کہتے ہیں۔

### فرضیت عشر

قرآن کریم، احادیث، اجماع اور قیاس سے عشر کی فرضیت ثابت ہے۔ قرآن کریم کی آیات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفَقُوا مِنْ طِبْيَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

وَأَنْتُمْ أَحْقَاقُهُ يَوْمَ الْحَصَادِ

کے بارے میں جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ ان سے عشر کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔ اور آیت میں حق سے مراد عشر اور نصف عشر ہے۔

اور بخاری کی روایت جس کے راوی عبداللہ بن عمر ہیں، فرضیت عشر پر واضح دلیل ہے، حدیث کے الفاظ

یہ ہیں: وعن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون  
وكان عشراً العشر، وفيما سقت الأنهار والغيم العشر، وفيما سقى بالنبع نصف العشر  
أعرجه البخاري ومسلم والبرداء والترمذي.

علامہ شامی فرضیت عشر کے بارے میں فرما رہے ہیں:

فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والإجماع والعقول  
وفي المعنى لا ينقداه: والأصل فيها الكتاب والسنة. أما الكتاب فعول الله تعالى  
يا أيها الذين آمنوا أنفقوا الخ وقال الله تعالى وأتوا حقه يوم حصاده  
قال ابن عباس حقه الزكاة المفروضة وقال مرة، العشر ونصف العشر

## سبب فرضیت

عشر کے فرض ہونے کا سبب زمین کی پیداوار ہے۔ اگر کسی زمین میں پیداوار نہ ہو اور وہ زمین عشری  
ہو خواہ کسی کوتاہی کی وجہ سے پیدا نہ ہو یا آفت سماوی کو پیداوار نہ ہونے میں دخل ہو تو اس صورت میں اس پر عشر لازم ہوگا  
چنانچہ صاحب بدائع الصنائع اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وإنما سبب فرضيته فالارض النامية بالخارج حقيقة. وهكذا في رد المحتار

سبب وجوبه الارض النامية بالخارج حقيقة.

علامہ ابن تیمیہ بھی فتح القدیر میں یہی فرما رہے ہیں کہ فرضیت عشر کا سبب پیداوار کا حقیقت میں پایا جاتا ہے۔

وقوله والسبب هي الارض النامية اي بالخارج تحقيقاً في حق العشر

## حقیقت خراج

حکومت اسلامیہ کی طرف سے غیر مسلموں کی زمینوں پر یا مسلمانوں کی ان زمینوں پر جو فرامی ہیں، جو  
ٹیکس نہ تد کیا جاتا ہے اس کو اصطلاح شریعت میں خراج کہتے ہیں۔

سبب وجوب خراج خراج کے واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین قابل کاشت ہو اگر کسی نے



قابل کاشت ہونے کے باوجود کاشت نہیں کی اور پیداوار نہیں ہوئی تو خراج اس صورت میں بھی لازم ہوگا۔ لیکن اگر کوئی زمین قابل کاشت نہ ہو یعنی بخر ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہنچ سکے اور بارش بھی اتنی نہیں ہوئی جس سے کوئی چیز پیدا ہو سکے تو ایسی زمین سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ کافی البدائع الصنائع،

وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقة وتقديرًا حتى لو أصاب الخارج أنه فهلك لا يجب منه العشر في الأرض العشرية ولا الخراج في الأرض الخراجية لفوت النماء حقيقة وتقديرًا ولو كانت الأرض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم الغاء حقيقة. ولو كانت الأرض خراجية يجب الخراج لو هود الخارج تقديرًا. (۱)

## اقسام خراج

اسطلاح فقہ میں خراج کی دو قسمیں ہیں۔ مقاسمہ اور مؤظف۔ اگر خراج میں زمین کی پیداوار کا کوئی حصہ نصف۔ ثلث یا ربع مقرر کر دیا جائے تو اس کو خراج مقاسمہ کہا جائے گا۔ اور اگر خراجی زمین پر نقد رقم مقرر کر دی جائے تو اس کو خراج مؤظف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کافی الشامی۔

وهو ای الخراج نوعان خراج مقاسمه ان كان الواجب بعض الخارج كالنسي ونحوه وخراج وظيفة ان كان الواجب شيئاً في الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالأرض كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب<sup>(۲)</sup>

## عشر و خراج میں فرق

فقہاء نے عشر و خراج کے درمیان فرق کی مختلف وجوہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ عشر صرف ایک ٹکس ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک حیثیت سے عبادت بھی ہے جس کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔ بخلاف خراج کے کہ وہ صرف ایک ٹکس ہے جس میں عبادت ہونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عشر صرف مسلمانوں کی زمینوں پر عائد کیا جاسکتا ہے غیر مسلموں کی زمینوں پر اس کو عائد نہیں کیا جاسکتا۔ بخلاف خراج کے کہ اولاً غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

بدائع الصنائع میں وجوب عشر کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے اس فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے بلاخطہ

احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ به هذا الحق إلا

على المسلم بخلاف لأن فيه معنى العبادة. والكافر ليس من أهل وجوبها

فلا يبتدأ به عليه. (۱)

خراج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے علامہ شانی فرماتے ہیں:

”إلا أنه أُلِيقَ بالكافر لأنه يشبه الجزية لما فيه من معنى العقوبة ولأن

فيه تغليظاً حيث يجب وإن لم يزرع بخلاف العشر لتعلقه بعين الخارج لبالأثر

تیسری وجہ فرق یہ ہے کہ عشر زمین کی پیداوار پر ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو تو اس پر عشر لازم نہ ہوگا

بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے اگر مالک کی غفلت کی بنا پر پیداوار نہ ہوئی تو

خراج بھیجی لازم ہوگا۔

صاحب بدائع الصنائع اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ولو كانت الأرض عشيرية فتكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر

لعدم الخارج حقيقة ولو كانت الأرض مزاجية يجب الخراج لوجود الخارج

تقدیراً. (۲)

## عشری زمینوں کی تفصیل

عشری اور خراجی زمینوں کی تعیین کے سلسلہ میں مذہب اسلام نے کچھ ضابطے متعین کئے ہیں جن

سے عشری زمینوں کی تعیین ہو سکتی ہے۔ جن کی تفصیلات فقہاء نے بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اسلامی سلطنت نے اس طرح فتح کیا کہ اس کے باشندے بھی اسی وقت مسلمان ہو گئے تو اسلامی قانون کے تحت ان کی زمینیں بدستوران کی ملوک ہوں گی اور ان کو عشری قرار دے کر ان پر عشر واجب کیا جائے گا۔ جیسے کہ مدینہ طیبہ کی زمینیں اس لئے عشری قرار دی گئیں کہ یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

۲۔ اگر کوئی ملک اسلامی حکومت نے جنگ کے ساتھ فتح کیا اور امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مال غنیمت کے تحت تقسیم کر دیا یعنی چار حصے مجاہدین کو اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر دیا۔ جو زمینیں مجاہدین کو ملیں گی ان کی ملوک ہوں گی۔ اور ان کو عشری قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کر کے وہاں کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم فرمایا۔ اور ان کو عشری قرار دے کر ان پر عشر لازم کیا۔

۳۔ وہ زمینیں جو کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت خالی پڑی تھیں۔ نہ ان پر کسی کی ملکیت تھی اور نہ ہی وہ قابل زراعت تھیں۔ ایسی زمینوں کو اگر مسلمان امیر المؤمنین کی اجازت سے قابل زراعت بنالیں۔ یا آبادی میں کسی مکان کو باغ یا مزرعہ زمین میں تبدیل کر دیا جائے۔ تو اس بارے میں قول معتمد کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ اگر ان زمینوں کے قرب و جوار میں عشری زمینیں ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دونوں طرح کی زمینیں ہیں تب بھی ان کو عشری کہا جائے گا۔

عشری زمینوں کی تفصیل شامی میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

وما أسلم أهلہ طوعاً أو فتح عنوة وقسم بین جیشنا عشیرۃ (۱) والیق بالمسلم وکذا بستان مسلم أو کرمہ کان دارہ دررای و فی دار جعلت بستاناً خراج إن کانت لذمی مطلقاً وقال البا قانی علی السلم عشر کل حال و فی الغایۃ عن السرخسی وهو الاظهر (۲)

شرح عنایہ علی الہدایہ میں ہے کہ عشری زمینوں کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ زمینیں جن کے باشندے فرماں برداری قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔

۲۔ وہ زمینیں جن کو اسلامی حکومت نے بذریعہ جہاد فتح کیا اور ان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو۔





- ۱۔ وہ ملک جو صلح کے ساتھ فتح ہوا اور شرائط صلح میں سے یہ بھی شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اس کی زمینیں بدستوران ہی کی ملک میں رہیں گی۔ تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔
- ۲۔ حکومت اسلامیہ نے کسی ملک کو بذریعہ جنگ فتح کیا لیکن امام المسلمین اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرتے ہوئے اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت ان زمینوں پر برقرار رکھی تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔
- ۳۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور اس کی زمینوں کو نہ مجاہدین میں تقسیم کیا گیا اور نہ ہی سابق مالکوں کی ملکیت باقی رکھی گئی تو یہ زمینیں وقف علی المسلمین ہوں گی۔ اور خراجی ہوں گی۔ (۱)
- ۴۔ اگر کسی ذمی نے امام المسلمین کی اجازت سے کسی غیر ذمی کو قابل کاشت نہالیا یا امام المسلمین نے اس کو وہ زمین بطور عطیہ بخش دی تو وہ بھی خراجی ہوں گی۔

وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا ولا ملة سواء، اقراصله عليه او نقل

اليه كفاراخر او فتح صلحاخراجية لانه اليق بالكافر" (۲)

وموات احياء ذمی ماہذا الامام او ررضخ له خراجی" (۳)

نمبر ۲۔ پوزمین کی جو قسم ہے اس کے خراجی ہونے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ المغنی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقابلہ کے یہاں برصورت میں یہ زمین خراجی ہوگی شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوف زمین میں خراج اس وقت واجب ہوگا جبکہ وہ زمین خراجی ہو۔ شامی کی عبارت یہ ہے:

ويجب الخراج في ارض الوقف اي الارض الخراجية " (۴)

کتاب الاموال لابن عسیر میں تفصیل کے ساتھ احادیث و آثار کی روشنی اور توفیل صحابہ سے مذکورہ قواعد و ضوابط کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کی روشنی میں زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کا تعین کیا جاسکتا ہے البتہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق کچھ مواقع ایسے بھی ہیں جن کو ان ضابطوں سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اور ان کے استثناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ مثال کے طور پر مکہ المکرمہ کو جبراً فتح کیا گیا اور اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرتے ہوئے سابق مالکان کی ملکیت برقرار رکھی گئی۔ تو قاعدہ کے اعتبار سے یہ زمینیں خراجی ہونی چاہئیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اترام مکہ کی وجہ سے ان کو عشری قرار دیا جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے۔

اس مضابط سے مستثنیٰ بصرہ کی زمین بھی ہے جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں فتح کیا اور مسلمانوں نے اس کی بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا۔ باوجودیکہ یہ زمینیں عراق کی خراجی زمینوں سے ملی ہوئی تھیں تو قاعدہ کی رو سے ان کو خراجی ہونا چاہئے تھا لیکن باجماع صحابہ بصرہ کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔ اور وہ عشری قرار پائیں۔

والبصرة ايضا باجماع الصحابة عشرية والقياس ان تكون خراجية عند

أبي يوسف لانها بقرب ارض الخراج لكنه ترك القياس باجماع الصحابة<sup>ؓ</sup>.

عشری اور خراجی زمینوں کے متعلق ایک اصول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس زمین پر ابتدائے وجود ظیفہ خراج یا عشر کا عائد کر دیا گیا ہے وہ مالک کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوگا۔ یعنی جو زمینیں عشری قرار پائی ہیں وہ ہمیشہ عشری ہی رہیں گی اور جو خراجی قرار پائیں وہ خراجی رہیں گی مثلاً اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم کی خراجی زمین خرید لی تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کی عشری زمین خریدے تو قاعدہ کے مطابق اس پر بھی عشر واجب ہونا چاہئے۔ لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہے۔ اس لئے سمجھو کہ قول کے مطابق اس پر خراج ہی عائد کیا جائے گا۔

قال في المبدائع من باب العشر ولو اشترى مسلم من ذمی أرضاً خراجية

فعليه الخراج ولا تغلب عشريه لأن الاصل أنه موكنة الأرض لا تغیر

بتبدل المالك إلا لضرورة وفحق الذمی إذا اشترى من مسلم أرضاً عشر

ضرورة لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر وأما المسلم فن أهل وجوب

الخراج في الجملة فلا ضرورة إلى التغير بتبدل المالك (۳)

شرعی اعتبار سے زمین کی ایک قسم تضعیفی ہے۔ یعنی وہ عشری زمین جو کسی بنی تغلب کے نفرائی کے قبضہ میں ہو۔ اس کو تضعیفی اس لئے کہے ہیں کہ بنی تغلب کے نفرائیوں کو عشری زمین کی پیداوار میں عشر کا ضعف (دو گنا) دیا جاتا ہے۔ یعنی کل پیداوار کا پانچواں حصہ مسلمان اگر عشری زمین کو خریدے گا تو اس کے پاس بھی عشری رہے گی۔ اور خراجی کو خریدے گا تو اس کے پاس بھی خراجی رہے گی۔ اور اگر تضعیفی کو خریدے گا تو اس کے پاس بھی تضعیفی رہے گی۔ ہر ایک میں ہے: تغلبی له أرض عشر عليه العشر مضاعفا عرف ذلك باجماع الصحابة.



علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

”إن الأرض إما عشرية أو خراجية أو تضعيفية۔“ (۱)

## محور چہارم

### اراضی ہند کی شرعی حیثیت

ہندوستان کی زمینوں کی شرعی حیثیت سے متعلق علماء کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں تین نظریے ہیں،

۱۔ پہلا نظریہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں سب عشری ہیں۔ ان حضرات نے قرآن و سنت کے عموم و اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت ”والتوا حقتہ یوم حصادہ“ عام ہے اور آیت قرآنی ”یا ایہا الدین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض“ بھی ان تمام زمینوں کو عام ہے جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں۔

۲۔ دوسرا نظریہ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ چونکہ غیر مسلم اکثریت کے اقتدار کی وجہ سے یہ ملک دارالحرب ہے اور دارالحرب زمینوں کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں شامی باب الرکاز کی عبارت یہ ہے:

واحتوز به عن دارة وارضه وارض الحرب الخ فان ارضها ليست ارض خراج او عشر

اسی طرح ان حضرات نے شمس الائمہ خسی کے اس قول کو بھی دلیل بنایا ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب سیر کبیر کے ایک مسئلہ کی توضیح کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے اور وہ یہ ہے

لان العشر والخراج ابنا یجب فی ارض المسلمین وهذه اراضی اهل الحرب

ليست بعشرية ولا خراجية۔ (۲)

دوسرے نظریہ کے حاملین حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر منظر ہری اور مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے خیال کے مطابق حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کی بھی یہی رائے تھی اور خود مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

۳۔ تیسرا نظریہ ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں سب کا ایک ہی حکم نہیں بلکہ ان کی مختلف اقسام ہیں اور ان میں سے بعض عشری ہیں اور بعض خراجی۔

اس نظریہ کے حامل علماء و مفتیان کرام نے ان اصول و ضوابط کو دلیل بنایا ہے جو عشری و خراجی ہونے میں عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے فیصلوں سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ ان ہی میں سے فقہار کا ذکر کردہ یہ نظریہ ہے کہ جو زمین ایک دفعہ خراجی ہو گئی وہ ہمیشہ کے لئے خراجی رہے گی۔ یعنی آئندہ اگر کوئی مسلمان بھی اس زمین کو خریدے گا تو اس کو بھی خراج ہی ادا کرنا پڑے گا۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عشری اور خراجی زمین جو وراثت میں منتقل ہو وہ عشری اور خراجی ہی برقرار رہے گی۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وراثت مسلمانوں ہی کے قبضہ میں آ رہی ہیں۔ ان میں عشر واجب ہو گا۔

ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ زمینوں کی جو حیثیت اسلامی عہد یا برطانوی عہد میں تھی تقسیم کے بعد بھی مسلمانوں کی زمینوں کی وہی حیثیت باقی رہے گی اور بہت سے فتاویٰ سے یہ ثابت ہے کہ مذکورہ عہد میں یہاں کی ان زمینوں کو جو مسلمانوں کی ملک میں عشری اور خراجی قرار دیا گیا ہے۔ اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ محمد بن قاسم نے جن شہروں کو بذریعہ جنگ فتح کیا ان میں مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار رکھا ان پر خراج لگایا اور جو شہر بذریعہ صلح فتح ہوئے ان کے بارے میں شرائط صلح کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور جن شہروں کے مسلمان اول فتح کے وقت مسلمان ہو گئے ان کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے راجہ داہر کے بیٹے جمیسہ کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان راجاؤں کو جو اسلام قبول کر چکے تھے ان ریاستوں کا حاکم مقرر کیا۔ اور زمینوں پر ان کی ملکیت برقرار رکھ کر مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کی زمینوں پر عشر مقرر کیا۔ یہ سب تفصیلات سراج الہند فی تحقیق خراج البتہ از مولانا ہمایونی بیاض واحدی از عبدالواحد سیوستانی۔ رفع الغریہ از شیخ ابوالحسن سندھی موجود ہیں۔

شامی اور شرح سیر کیسہ کے اس جزیئہ کے متعلق ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس جگہ دارالحرب سے وہ دارالحرب مراد ہے جو اصلی ہو یعنی اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی ہو اور نہ ہی وہاں مسلمانوں کے

باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہو۔ اور اس پر شرح سیکر کی اس عبارت کو دلیل بنایا ہے۔

لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين وهذه أراضي الحرب“

یہاں پر اراضی مسلمین سے وہ اراضی مراد ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں۔ اور اراضی حرب سے وہ اراضی مراد ہیں جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت ہی نہ ہو۔ اگر ہندوستان کے معاملہ میں غور کیا جائے تو یہاں تو اوقات دار بدلتا رہا ہے تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہا اور اسی وقت سے اب تک لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے مالک چلے آ رہے ہیں۔ تو اگرچہ اس وقت یہ دارالحرب ہے (اور یہ بھی متفقہ فیصلہ نہیں ہے) لیکن ارضی دارالحرب نہیں ہے جس کے بارے میں علامہ شامی کی عبارت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اس تیسرے نظریہ کے حاملین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی رحمہ حضرت مولانا عبدالرشک کورکھویؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور عام علماء ہند ہیں۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رحمہ کی تحقیق کے مطابق ہندوستان کی زمینوں کی جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں، دس صورتیں ہیں۔ اور ان میں عشر واجب ہے۔

۱۔ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳۔ موروثی ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں لیکن یہ بھی معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۴۔ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ یا وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت یا ہبہ

کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے قبضہ میں آنی مسلمانوں سے وراثت یا بذریعہ خرید و فروخت اور اوپر جا کر یہ معلوم ہو کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی

۶۔ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثت یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہیں لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں۔

۷۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطریق معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

۸۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت تھی۔

۹۔ مسلمانوں نے غیر مزرعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کی ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے



یا آسمانی یا دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

۱۔ مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزد و عہ بنایا۔

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب لکھنویؒ نے ان زمینوں کی جو مسلمانوں کی ملکیت اور قبضہ میں ہیں ان کو حالتیں ذکر کی ہیں۔ اور مندرجہ ذیل اقسام کو خراجی شمار کیا ہے

۱۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۲۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدیں اور بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدی تھیں۔

۳۔ مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدیں۔

۴۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی ملک تھیں۔

## نتیجہ بحث

۱۔ اگر آفراندہ حضرات علماء و مفتیان کرام کی تحقیقات کو دیکھا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کے عموم اور مسلمانوں کے اصلی فریضہ پر نظر ڈالی جائے۔ نیز ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے طرز حکومت کا لحاظ کیا جائے جو پارلیمانی جمہوری ہے اور اس کے نمائندے عوام ہیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں۔ اور اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ تنسیخ زمین داری کے بعد مسلمانوں کی ملکیت میں جو زمینیں داخل ہیں ان پر ان کو مکمل تصرف حاصل ہے۔ یہاں تک کہ اگر حکومت مسلمان کی زمین لیتی ہے تو اس کو اس کا معاوضہ ادا کرتی ہے اور مسلمانوں کی زمینوں میں دراشت وغیرہ جاری ہوتی ہے۔ اگر کوئی غیر قانونی قبضہ کر لے تو عدالت اس کی شنوائی کرتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو زمینیں یہاں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان پر ان کو ملکیت تامہ حاصل ہے۔ اس لئے اگر عام علماء و ہند کے فیصلوں کو برقرار رکھ کر ہندوستان کی ان زمینوں کے متعلق جو مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ عشری اور خراجی ہونیکا فیصلہ کیا جائے تو یہی محتاط فیصلہ ہوگا۔ تاکہ مسلمان اپنی زمینوں کے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کریں۔

۲۔ جن زمینوں کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے تو ان کے بارے میں امتیاطاً ہی بہتر ہے کہ ان میں عشر نکالا جائے اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ اور مسلمانوں کی زمین کا اصلی فریضہ عشر ہے۔

۳۔ سرکار کو دی جانے والی مالگنداری خراج کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص ٹیکس جس کے ادا کرنے سے خراج لی شرفی ذمہ داری پوری نہیں ہوگی۔ بلکہ مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں سے خود خراج نکال کر مدارس دینیہ کے طلبہ وغیرہ پر

خسرج کرنا چاہئے۔

۴۔ مسلمان اپنی خراجی زمینوں میں خراج کی ادائیگی اسی طرح پر کریں گے جو طریقہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ یعنی ایک جریب پر جو ۱۲۲۵ مربع گز کا ہوتا ہے۔ خراج مؤلف ایک درہم نقد ہو گا۔ اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر وہ چیز جو اس میں پیدا ہو۔ اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور دوسرے باغات کے ایک جریب پر دس درہم۔ کما فی الحدایہ:

والخراج الذی وضعہ عمر علی اهل السواد من کل جریب یبلغہ المائۃ قفیز  
ہاشمی وهو الصاع وہ درہم ومن جریب الرطبة خمسة درہم ومن جریب  
الکرم المتصل والمخیل المتصل عشرة۔

اور جب خراجی زمینوں میں بلا کراہت مسلمانوں کو خراج کی ادائیگی جائز ہے تو اس سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر عائد ہونے کی صورت میں یہ عبادت ہے۔ کما فی الحدایہ:

ویجوز ان یشتری المسلم أرض الخراج من الذمی ویؤخذ منه الخراج  
لما قلنا وقد صح ان الصحابة اشترؤا ارضی الخراج وكانوا یؤدون خراجها  
فذل علوجواز الشراء واخذ الخراج وادانہ نللمسلم من غیر کراہیۃ۔

۵۔ ادائیگی عشر میں مصارف زراعت کو منہا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اصل پیداوار پر عشر عائد کیا جائے گا۔

کما فی الشامی، بلارفع مؤن ای کلف الزرع وبلا إخراج البذر لتقصر بحجم بالعشر  
فی کل الخارج - (۳۱)

۶۔ بٹائی پردی ہوئی عشری زمینوں کا عشر مالک اور کاشتکار دونوں پر بقدر حصہ واجب ہو گا بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ اور اگر ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان کے اوپر اس کے حصہ کے بقدر عشر واجب ہو گا۔ شامی میں ہے:

(وفی المزارعة) قال فی النہر ولودفع الأرض العشریۃ مزارعة ان البذر من قبل العامل فعلم رب الأرض  
فی قیاس قولہ لفسادها وقال فی الزرع لصحتها وقد اشتهر ان الفتوی علی الصحة وان من قبل  
رب الأرض کان علیہ اجماعاً ومثلہ فی الخانیۃ والفتح وفی البعہ والمجتبی والظہیریۃ وغیرہا من  
ان العشر علی رب الأرض عنده وعلیہما عندهما من غیر ذکر المقصیل وهو الظاہر فی البدائع من  
ان المزارعة جائزۃ عندهما والعشر یجب فی الخارج والغارح بیہما فیجب العشر علیہما۔ (واللہ اعلم)۔

# عشر و خراج کے مباحث و مسائل

از — مولانا محمد ابوالحسن — دارالعلوم مائلی والا بہار وچ۔ گجرات

عشر اور خراج اسلام کے دو اصطلاحی الفاظ ہیں جس کے مخصوص اسلامی شرعی معانی ہیں یعنی شریعت کی اصطلاح میں عشر اور خراج اس ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی حکومت کی طرف سے زمین پر عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ عشر کی حیثیت محض ٹیکس کی نہیں ہے بلکہ اس میں عبادت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔ اور خراج خاص ٹیکس کا نام ہے جس میں عبادت کی حیثیت ملحوظ نہیں ہے۔ اسی بنا پر عشر مسلمانوں کی مملوکہ زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور خراج غیر مسلم ذمتی کی مملوکہ زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔

عشر اور خراج میں ایک بنیادی اور علمی فرق یہ بھی ہے کہ عشر پیداوار پر واجب ہے۔ اگر زمین میں پیداوار ہو تو اس کی وجہ جو بھی ہو یعنی بارش وغیرہ کا نہ ہونا یا یا نی کا میسر نہ آنا یا مالک زمین کی غفلت و بے پرواہی کہ اس نے خود زمین میں کچھ بویا ہی نہیں اور اس میں بوائی کے اسباب موجود ہونے کے باوجود کاشت سے زمین کو خالی رکھا تو اس صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ بخلاف خراج کے کہ اگر مالک نے زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود زمین میں کاشت نہیں کیا اور غفلت و بے پرواہی یا سستہ رت سے زمین کو خالی رکھا تو اس پر خراج واجب ہوگا اور اس سے خراج موظف و ممول کیا جائے گا۔



خراج موقوفہ سے وہ خراج مراد ہے کہ خراجی زمین پر کوئی نقد رقم بطریق خراج لازم کیا گیا ہو۔  
لہذا اگر مالک ایسی زمین کو اپنے اختیار سے آباد نہ کرے تو خراج مقررہ اس سے وصول کیا جائے گا۔ کیرا کہ  
خراج کا دار و مدار حقیقی پیداوار پر ہی ہے، یہی تقدیری پیداوار پر بھی ہے۔ البتہ خراج کی ایک دوسری قسم جس کو  
خراج مقاسمہ کہا جاتا ہے۔ یعنی زمین سے پیداوار کی طلبہ والی صورت مثلاً نصف پیداوار یا ملٹ پیداوار  
خراج مقرر ہو اور پھر زمین میں کچھ پیدا نہ ہو خواہ اس کی وجہ جو بھی ہو تو خراج مقاسمہ وصول نہیں کیا جائے گا۔  
کیونکہ اس کا دار و مدار حقیقی پیداوار پر ہے جیسا کہ عشر کا دار و مدار بھی حقیقی پیداوار پر ہے۔

وجوب خراج کے لئے یہ ضروری ہے کہ زمین قابل کاشت ہو بخیر نہ ہو کہ جس میں کوئی چیز پیدا ہونے کی  
صلاحیت ہی نہ ہو یا زمین تو اچھی ہو مگر پانی وغیرہ کا دبا ہوا ہو چنا ممکن نہ ہو اور بارشیں وغیرہ بھی اس علاقہ میں  
کم ہوتی ہو کہ جس سے زمین میں کچھ پیدا ہونے کی امید ہو سکے۔ لہذا اس طرح کی اگر کوئی زمین ہوگی تو اس  
میں خراج واجب نہیں ہوگا جیسا کہ بدائع میں ہے

ولو كانت أرض الخراج نزهة أو غلب عليها الماء بحيث لا يستطاع فيها  
الزراعة أو سيحة أو لا يصل إليها الماء فلا خراج فيه لانعدام الخارج فيه  
حقيقة أو تقسيماً

عشر اور زکوٰۃ اگرچہ دونوں میں عبادت کی حیثیت پائی جاتی ہے مگر پھر دونوں میں یہ فرق ہے کہ  
زکوٰۃ اموال کا عبادت خالصہ ہے اور عشر من وجہ عبادت ہے اور من وجہ شکیس ہے۔ اسی وجہ سے عشر اسی وقت  
واجب ہوگا جبکہ زمین میں پیداوار ہو اور اگر زمین میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوا تو عشر واجب نہیں ہوگا۔ اور  
اموال تجارت اور نقدین یعنی سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھا رہے اور اس میں نفع کی کوئی صورت نہ پیدا ہو  
یا کاروبار میں نقصان ہی آگیا ہو لیکن جس قدر رقم اور مال باقی ہے اگر وہ بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا۔  
اسلامی قانون کے محافظ سے زمین پر جو واجبات مقرر کئے جاتے ہیں اس کی دو ہی قسمیں  
ہیں ایک عشر اور دوسرا خراج اور ان دونوں میں واضح فرق یوں بھی ہے کہ ان دونوں کا محل بھی الگ الگ ہے  
اور احکام بھی جدا گانہ ہیں نیز مصارف بھی دونوں کے علیحدہ ہیں۔ چنانچہ عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے

دنیا کا کوئی بھی ملک یا زمین کا کوئی بھی خطہ یا علاقہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا تو اس کی صورت یا تو صلح کی ہوگی یا غلبہ کی۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا ہو تو اس کی زمینوں کے بارے میں تمام معاملات صلح کی شرائط کے مطابق ہی طے کئے جائیں گے۔ اگر صلحنامہ میں یہ شرط طے پائی ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے سابق مذہب پر قائم رہیں گے اور ان کی تمام زمینیں حسب سابق انہیں لوگوں کی ملکیت میں رہے گی۔ جن کی ملکیت اور قبضہ میں اب تک چلی آرہی ہے تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا جائیگا۔ اور ان کی زمین ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان زمینوں کے مالک غیر مسلم ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی ملک غلبہ فتح ہوا اور خلیفہ وقت یا بادشاہ وقت نے وہاں کی زمین و جائداد کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے خصوصی اختیار کے ذریعہ وہاں کی زمینوں کو ان کے مالکان قدیم کی ملکیت میں باقی رکھا تو یہ تمام زمینیں بھی خراجی کہلائیں گی۔ جیسے عراق و شام و مصر کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں کی زمین کے ساتھ ہی معاملہ کیا تھا۔ جیسا کہ بدائع الصنائع کی درج ذیل عبارت اس پر دال ہے:

وجملة الكلام فيه أن الإراضى له ثمان عشيرة وخراجية أما العشيرة فعن  
أرض العرب كلها قال محمد بن عبد الله وأرض العرب من العذيب إلى مكة ومدن  
مابين إلى أقصى جسر اليمن بمهرة وذكر الكرخى هي أرض الحجاز وثلاثة  
واليمن ومكة والطائف والدمنية وأبها كانت هذه أرض عتر لأن رسول  
الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدون بعده لم يأخذوا من أرض  
العرب خراجاً فدل أنها عشيرة إذا الأرض لا تخلوا عن إحدى العشائر ولأن  
الخراج يشبه الفى فلا يثبت في أرض العرب كما لم يثبت في رقابهم والله أعلم  
ومنها الأرض التي أسلم عليها أهلها طوعاً ومنها الأرض التي تمتعت عشيرة  
وقبائلهم وتسمى بين العامة من بني أمية غزاة لا تخلوا عن مؤنة أما العشر



وأما الخراج والابتداء بالعشر في أرض المسلم أولى لأن في العشر معنى العبادة  
وفي الخراج معنى الصغار ومنها دار المسلم إذا اتخذها بسناً لما قلنا  
وهذا إذا كان يسقى بماء العشر فإن كان يسقى بماء الخراج فهو خراجي. وأما ما  
أخياه المسلم من الأرض الميثة بإذن الإمام فقال أبو يوسف راجح إن كانت من  
حيز أرض العشر فهي عشرية وإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية  
وقال محمد راجح إن أخياها بماء السماء أو بسيراً استنبطها أو بماء الأنهار والعظام  
التي لا تملك مثل دجلة وفرات فهي أرض عشر وإن شق لها نهراً من أنهار  
الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجر فهي أرض خراج<sup>ل</sup>.

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگر کوئی ملک یا علاقہ اس طرح حاصل ہوا ہو کہ وہاں کے باشندے  
بغیر جنگ کے خود ہی رضا مندی سے مسلمان ہو گئے ہوں تو ان کی زمینوں کو انہیں لوگوں کی ملکیت میں رہنے  
دیا جائے گا اور اس پر عشر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ زمینیں مسلمانوں کی ملک ہیں اور مسلمانوں کی ملوکہ زمین میں  
ابتداء عشر ہی متعین ہے جیسا کہ مدینہ منورہ کے انصار خود بخود مسلمان ہوئے اور ان کی زمین کو حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم نے انھیں کے قبضہ میں رہنے دیا اور اس پر عشر واجب کر دیا۔

اسی طرح اگر ملک حرب و ضرب کے ذریعہ حاصل ہوا ہو اور بادشاہ وقت نے وہاں کی زمینوں کو  
مال غنیمت قرار دے کر خمس نکالنے کے بعد باقی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا ہو تو مجاہدین کے حصہ کی  
تمام زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ جیسا کہ فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین و باغات  
کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا اور اس پر عشر لازم کر دیا تھا۔

اسی طرح وہ زمین جس کو اسلامی اصطلاح میں ارض موات کہا جاتا ہے۔ یعنی غیر ملوکہ زمین جس پر  
فتح ملک کے وقت کسی کا قبضہ اور ملک نہ تھا مگر ملک فتح ہونے کے بعد کسی مسلمان نے امیر و حاکم کی اجازت  
سے اس کو زندہ کیا یعنی قابل کاشت بنایا۔ یا آبادی میں کوئی مکان یا حویلی تھی اس کو ہموار کر کے باغ  
بنایا گیا یا کھیتی کے لائق بنالیا گیا تو اس کو خراجی قرار دیا جائے یا عشری اس میں اختلاف ہے۔



امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک قرب و جوار کی زمین کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس کے قرب و جوار میں عشری زمین ہوگی تو اس کو بھی عشری قرار دیں گے اور اگر اس کے پاس کی زمین خراجی ہے تو اس کو بھی خراجی زمین قرار دیا جائے گا اور اگر اس کے جوار میں عشری اور خراجی دونوں طرح کی زمین ہے تو اس کو عشری زمین قرار دیں گے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حکم کا دار و مدار اس پانی پر ہوگا جس سے اس نئی زمین کو سیراب کیا جا رہا ہوگا۔ اگر اس کی سیرابی و سیرانی خراجی پانی سے کی جاتی ہو تو اس کو خراجی زمین قرار دیں گے اور اگر اس کی سیرابی و سیرانی عشری پانی سے کی جاتی ہو تو اس کو عشری قرار دیں گے یہاں علامہ شامی نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔<sup>۱</sup>

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے بعض پانی کو خراجی اور بعض کو عشری قرار دیا ہے۔ کنویں کا پانی۔ بارش کا پانی۔ چشمہ کا پانی اور بڑے بڑے دریاؤں اور ندیوں کا پانی یعنی ایسے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہوں کہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے فعل کا عمل دخل نہیں ہے اور وہ کسی کی ملکیت بھی نہ ہو جیسے عراق میں دریاے دجلہ و فرات۔ مصر میں دریاے نیل۔ خراسان میں جیون و سیحون ہند میں گنگا۔ جمنا۔ برہمپتر اور پنجاب کی ندیاں اور گجرات میں زربدا وغیرہ۔ ان سب کا پانی عشری کہلاتا ہے گا۔ اور وہ چھوٹے دریا اور نہریں جن کو غنمی حکومتوں، راجا مہاراجاؤں یا اور کسی نے اپنی محنت اور خرچ سے کھود کر نکالا ہے جیسے نہر ملک ویزدجرد یا نہر گنگ و بن وغیرہ تو ان نہروں کے پانی کو خراجی پانی کہتے ہیں۔  
علامہ ابو بکر کاسانی فرماتے ہیں

وماء العشر هو ماء السماء والأبار والعيون والأنهار العظام التي لا تدخل  
تحت الأيدي كسيحون وجيحون ودجله وفرات ونحوها إذ لا سبيل  
إلإثبات اليد عليها وإدخالها تحت الحماية وروى عن أبي يوسف أن مياه  
الأنهار خراجية لإمكان إثبات اليد عليها وإدخالها تحت الحماية في العجلة  
بشد السفن بعضها على بعض حتى تضيق شبه القطرة<sup>۲</sup>

عشر و خراج کے مسائل کو سمجھنے کے لئے مناسب ہے کہ ہم اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور کو سامنے رکھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں پورے جزیرۃ العرب کی زمین کو عشری قرار دیا جو خلفاء اربعہ اور بعد کے خلفاء و سلاطین کے دور میں بھی اسی طرح قائم رہا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے تمام عراق کی زمینوں کو خراجی قرار دیا اور حضرت حذیفہ ابن الیمان اور عثمان ابن حنیف کے ذریعہ عراق کی تمام زمینوں کی پیمائش کرانے کے بعد اس پر خراج موقوف مقرر کیا جس کی تفصیل بدائع و شامی وغیرہ کتب فقہ میں بھی مذکور ہے۔ اسی طرح مصر و شام کے فتح کے بعد وہاں کی زمینوں کو بھی ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا اور ان پر خراج مقرر کر دیا۔ بدائع و شامی میں اس کی تفصیل مملو ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ سے ایک مخصوص قسم کا خراج لے کر صلح کر لیا۔ یعنی دو ہزار دو سو جوڑے کپڑے پر صلح کی گئی اور اس کی ادائیگی اس طرح طے کی گئی کہ نصف ماہِ رجب میں ادا کریں گے اور نصف ماہِ محرم میں۔ چنانچہ یہی سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی جاری رہا۔

قبیلہ بنی تغلب کے لوگ خراج دینے پر تو راضی نہ ہوئے مگر مسلمان جو عشر ادا کرتے تھے اس سے دو گنا ادا کرنے پر راضی ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے اسی بات پر صلح کر لیا اور اس کو خراج قرار دیا۔ اور یہ کہا کہ تم خواہ کچھ بھی اس کا نام رکھو ہم تو اس کو خراج ہی سمجھیں گے۔ چنانچہ اس کو مصرف خراج ہی میں صرف کیا کرتے تھے۔

ان واقعات و مباحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام کے اول فتوحات کے وقت جن زمینوں کو مسلمانوں کی ملکیت قرار دے دی گئی۔ اور پھر اس پر کبھی کفار کا مالکانہ غلبہ نہیں ہوا وہ زمینیں عشری کہلاتی ہیں۔ اور اگر زمین کا مالک غیر مسلم ہے خواہ اول فتح کے وقت سے وہ زمین ان کی ملکیت میں رہی ہو یا بعد میں کسی مسلمان سے کسی جائز طریقہ سے مثلاً خرید کر وہ مالک ہو گیا ہو تو وہ زمین خراجی کہلائے گی۔ اور اس پر خراج واجب ہو گا اگرچہ اس کافر کے قبضہ میں آنے سے پہلے اس زمین پر مسلمانوں سے عشر لیا جا رہا ہو۔



البتہ اگر کافر کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان کسی جائز طریقہ مثلاً بیع و ہبہ کے ذریعہ سے حاصل کرے تو اس زمین پر خراج ہی واجب رہے گا۔ اور اس زمین کا وظیفہ تبدیل نہیں ہوگا۔

اگرچہ اصولی طور پر جب کسی زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ایک مرتبہ مقرر ہو جائے تو اس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے تبدیلی ممکن ہے۔ جیسے مسلمان کی عشری زمین کو جب کافر خرید لے تو چونکہ کافر عشر کا اہل نہیں ہے اس لئے کہ عشر عبادت کا اہل نہیں، اس لئے اس زمین کا وظیفہ عشر سے تبدیل ہو کر خراج ہو جائے گا۔ بخلاف خراجی زمین کے جس کو مسلمان خرید لے تو مسلمان کو بھی حسب سابق اس زمین کا خراج ہی ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ آثار سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابہ کرام خراجی زمین کے مالک تھے اور خراج ادا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بدائع باب العشر میں مذکور ہے۔

لو اشتري مسلم من ذمی ارضا خراجیة فعليه الخراج ولا تنقلب عشریاً  
لأن الأصل أنه منونة الأرض ولا تغیر بغير المالك إلا للضرورة وفي حق الذمی  
إذا اشتري من مسلم أرض عشر ضرورة لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر  
وأما المسلم فذی أهل وجوب الخراج فی الجملة فلا ضرورة إلى التغیر بتبديل  
المالك۔ ۱

عشری زمین میں عشر کی فرضیت پر قرآن و حدیث کے نصوص دال ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے.....  
والتوا حقه يوم حصاده (سورہ انعام) اور دوسری جگہ ہے "یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما  
کسبتم مما اخرجنا لکم من الارض" (البقرہ)

اسی طرح بخاری شریف میں ابن عمر رضی کی مرفوعہ روایت ہے:

"فیما سقت السماء وما سقی بعلا العشر وما سقی بالدوالی نصف العشر"  
وروی مسلم عن جابر نحوه ولا ین ما جہ عن معاذ بعثنی رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم الی الیمن فأمر فی أن أخذ مما سقت السماء وما سقی بعلا العشر  
وما سقی بالدوالی نصف العشر"



صاحب بدائع الصنائع رقمطراز ہیں:

فالدلیل علی فرضیتہ الكتاب والسنة والإجماع والمعقول. أما الكتاب  
فقوله تعالى والتواحقه يوم حصاده. قال عامة أهل التأويل إن الحق المذكور  
هو العشر أو نصف العشر:

مگر اس آیت سے متعلق یہاں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ یوم الحصاد کو حق کی ادائیگی کا  
یہاں حکم دیا گیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ گہیوں چاول وغیرہ اناج کی ادائیگی یوم الحصاد میں نہیں ہو سکتی  
ہے بلکہ کاٹنے اور جمع کرنے کے بعد جب تنقیہ وغیرہ ہو کر وزن کیا جائے گا تب عشر نکالا جائے گا۔ ورنہ  
یوم الحصاد میں عشر نکالنا دشوار ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں حق سے مراد عشر نہیں بلکہ کوئی  
اور چیز ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ "والتواحقه الذی وجبت فیہ یوم  
حصادہ بعد التنقیہ فكان الیہم ظرفا للحق لا للایتاء"۔  
صاحب بدائع آگے فرماتے ہیں:

علی أن عند ابن حنیفة یجب العشر فی الخضر وات وإنما یرج الحق منها  
لیوم الحصاد وهو القطع ولا ینتظر بیئی أخر فثبت أن الایة فی العشر إلا أن  
مقدار هذا الحق غیر مبین فی الایة فكانت الایة مجملة فی حق المقدار  
ثم صارت مفسرة ببيان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقوله وما سقته  
السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أود الیة ففيه نصف العشر  
اس کے آگے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله تعالى یا ایہا الذین امنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم وما أخرجناکم  
من الأرض۔ وفي الایة دلالة علی أن للفقراء حقاً فی المخرج من الأرض حیث  
أنصاف المخرج إلى الكل فدل علی أن للفقراء فی ذلك حقاً کما للأغنیاء فیدل  
علی کون العشر حق الفقراء ثم عرف مقدار الحق بالسنة. أما السنة  
هو قوله علیہ السلام ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب

أودالية ففيه نصف العشر. وأما الاجماع فان الأمة اجمعت على فرضية العشر. وأما المعقول فعلى نحو ما ذكرنا في النوع الأول لأن اخراج العشر من الفقير من باب شكر النعمة واقتدار العاجز وتقويته على القيام بالقرائن<sup>۱</sup> لئلا وجوب عشر کے لئے اسلام شرط ہے۔ صاحب بدائع شرائط وجوب عشر کے بیان میں لکھتے ہیں۔  
أحد هما الإسلام وأنه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على المسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس وجوبها ابتداءً<sup>۲</sup> بها عليه<sup>۳</sup>

لیکن وجوب عشر کے لئے عقل و بلوغ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں بھی واجب ہے۔ اسی طرح مجنون کی عشری زمین سے بھی عشر لیا جاتا ہے۔ وجوب عشر کے لئے زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں ہے بلکہ محض پیداوار کا مالک ہونا کافی ہے۔ اسی وجہ سے ارض موقوفہ میں بھی عشر واجب ہے۔ حتیٰ کہ جو زمین عاریت یا اجارہ پر لے کر کاشت کی گئی ہو اس کے پیداوار میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ کاشت کار پیداوار کا مالک ہے۔ البتہ اجارہ کی بعض صورتوں میں مالک زمین پر بھی عشر واجب ہو جاتا ہے۔

وكذلك ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج فيجب في الأرض التي لا مالك لها وهي الأرض الموقوفة لعموم قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا أنفقوا إلى آخره وقوله عز وجل واتوا حقه يوم حصاده وعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بقرب أو دالية ففيه نصف العشر ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان مالك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة فيجب في أرض المأذون والمكاتب لما قلنا<sup>۴</sup>۔  
متفقہ کے یہاں ایک بن زمین میں عشر اور خراج دونوں کو یک وقت جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

<sup>۱</sup> بدائع الصنائع ۵۴/۴۔

<sup>۲</sup> حوالہ مذکور ۵۴/۴۔

بخلاف امام شافعی علیہ الرحمۃ کے کہ ان کے نزدیک دونوں کو جمع کرنا بھی جائز ہے بالتح میں ہے۔

فالعشر مع الخراج لا یجتمعان فی أرض واحدۃ عندنا وقال الشافعی یجتمعان۔

وجوب عشر کے لئے امام ابوحنیفہ کے یہاں نہ کوئی نصاب شرط ہے نہ پیداوار کے لئے بجا کی شرط ہے نہ حوالان حول شرط ہے بخلاف صاحبین و دیگر ائمہ کے کہ ان حضرات کے یہاں نصاب بقا ہر ماہ انک کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ اسلام میں مخصوص حالات و واقعات کے لحاظ سے زمین کی دو ہی قسمیں ہیں عشری اور خراجی۔ ان دونوں کے درمیان بنیادی اور واضح فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کی ملک وہ زمین عشری کہلاتی ہے اور غیر مسلموں کی ملک وہ زمین خراجی کہلاتی ہے۔ یہاں تک ان قواعد و ضوابط کا ذکر جس سے کسی بھی ملک یا علاقہ کی زمین کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ عشری ہے یا خراجی۔ لیکن خاص ہندوستان کی زمین کا حکم کیا ہے؟ اب اس سوال پر غور کرنا ہے۔

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے قبضہ میں جو زمین ہیں ان کو تین قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں،  
۱۔ اول وہ زمینیں جس کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس زمین پر فتوحات ہند کے وقت سے لیکر آج تک مسلمانوں ہی کا قبضہ رہا ہے اور کبھی بھی اس پر کسی غیر مسلم کا مالکانہ قبضہ نہیں ہوا ہے۔ اور فی الحال بھی مسلمانوں کے قبضہ اور ملکیت میں ہے۔ اس صورت میں بلاشبہ یہ زمین عشری کہلائے گی۔  
۲۔ دوسری قسم کی وہ زمین ہے جو نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہے اور کسی وقت اس زمین پر کسی کافر کا مالکانہ قبضہ ہوا یا نہیں ہوا یہ معلوم نہ ہو سکے محض رہے تو باستصحاب الحال اس قسم کی زمین کو بھی عشری زمین کہا جائے گا۔

۳۔ تیسری قسم کی وہ زمین ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس پر کسی وقت کافروں کا مالکانہ قبضہ ہو گیا تھا اور وہ اس زمین کے مالک تھے بعد میں وہ زمین کسی جائز طریقہ سے مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں آئی تو بلاشبہ ایسی تمام زمینوں کو خراجی زمین کہا جائے گا۔

یہاں ایک اور قسم کی زمین کا ذکر بھی ضروری ہے اور وہ زمینیں وہ ہیں جس کو مسلمان تقسیم ہند کے



وقت یا اس کے بعد ہندوستان میں چھوڑ کر چلے گئے اور پاکستان ہجرت کر گئے اور ان کی زمین و جائداد پر حکومت نے قبضہ کر لیا اور بعد میں اس قسم کی اکثر زمینوں کو ہندو یا سکھ شرنارتھیوں کو دے دیا اور پھر ان لوگوں سے مسلمانوں نے خرید لی۔

یا اسی طرح بعض مرتبہ خود حکومت نے بھی اس طرح مہاجرین کی متروکہ زمین کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد بعض جگہ بعض مسلمانوں کو دے دیا یا اس قسم کی زمین کا کوئی بدل دیا یا حکومت کی جانب سے کسی مسلمان کو کوئی زمین کسی کارنامہ پر بطور انعام یا عطیہ اور بخشش کے طور پر دی گئی تو یہ تمام زمینیں بھی خرابی زمینیں کہلائیں گی اور اس پر خرچ واجب ہوگا۔

ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اسی طرح کا فیصلہ فرمایا ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس بارے میں جو سوالات کئے گئے تھے اور حضرت نے جو جوابات دیئے ہیں وہ یہاں بعینہ نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال (۱۰۰) — عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاتے؟

الجواب: حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمین مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً و شراً و بلم جزا وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگا تھا وہ عشری نہ رہی اور جن کا کچھ حال معلوم نہیں اور اس وقت وہ مسلمانوں کے پاس ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی و قدر العشر معروف مہرم ۳۲۲ تہ تہ دہلی

سوال ۱۰۱: ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ یعنی انگریزی حکومت میں خراجی ہے یا عشری جب گورنمنٹ برطانیہ نے عذر کے بعد سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کر لی گئیں اور کسی کا حق نہیں ہے اگر صاحب اراضی دعویٰ کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جائے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کر کے بیعہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بالعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مالگنداری سرکاری جو سالانہ زمین دار سے بادشاہ وقت لیتا ہے بمقرر کردی اور بعض کو معاف کردی۔

الجواب: — ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری

نہیں رہیں۔ اور دوسرا قبضہ ملک کانہ و حاکمانہ و منتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرآنِ قویہ سے اسی کو ترجیح ہے تو اراضی عشریہ بحالہ عشری رہیں۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی، سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلا سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہذا وہ عشری نہ رہی۔ (ازتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ منہ منقول از امداد الفتاویٰ ص ۶۱ مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند)

اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم مہبوب جلد سوم و چہارم مطبوعہ امدادیہ ص ۶ پر اسی مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اس طرح مذکور ہے :

سوال ۵۹۳: ہندوستان کی زمینوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟  
الجواب: — ہندوستان میں جو اراضی ملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے۔ پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔

سوال ۵۹۵: ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری اور جو عشری ہے تو ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟  
الجواب: — ہندوستان کی تمام زمینوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ البتہ جو زمین ملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہئے۔

یہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی مفتی عزیز الرحمن کے ہیں جن کا فتویٰ مستند ہے خلاصہ یہ ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے اراضی ہند کے جو احکام تھے تقسیم کے بعد بھی وہی احکام باقی ہیں۔ سوائے ان زمینوں کے جن کو مسلمان تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کرتے وقت چھوڑ گئے اور اس پر حکومت "کسٹوڈین" نے قبضہ کر لیا اور پاکستان سے آنے والے ہندوؤں اور سکھوں یا مسلمانوں کو دے دیا یا اس قسم کی زمینوں کو بعد میں غیر مسلموں سے مسلمانوں نے خرید لیا۔ تو یہ سب زمینیں استیلاء کفار کی وجہ سے خراجی ہو گئیں عشری نہ رہیں۔

اسی طرح وہ ارض موات جس کو موجودہ حکومت نے قابل کاشت بنا کر مسلمانوں کو بہ قیمت یا بلا قیمت دیا۔ یا مسلمانوں نے حکومت کی اجازت سے خود ہی قابل کاشت بنا لیا تو وہ زمین بھی خراجی کہلاتے گی۔ اور اس مسئلہ میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے یا دارالحرب نہ ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگرچہ شامی باب الرکاز کی بعض عبارات سے اور اسی متن شریعہ



کی بعض عبارت سے شبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً شامی کی یہ عبارت:

ويعتزل أن يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج  
وخراج۔

یا شرح سیر کبیر کی یہ عبارت:

لأن العشر والخراج إنما يجب في أرض المسلمين وهذه أرض أهل الحرب  
ليست بعشرية ولا خراجية

ان عبارات سے بعض علماء کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ چونکہ ہندوستان دار الحرب ہے اور دار الحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی۔ لہذا ہندوستان کی زمین کو بھی نہ عشری کہہ سکتے ہیں نہ خراجی۔ مگر اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ عبارات بالا میں دار الحرب سے مراد وہ دار الحرب ہے جن پر کبھی مسلمانوں کا قبضہ و غلبہ ہوا ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا ملک جہاں مسلمان کا غلبہ ہی نہیں ہوا ہو اور مسلمان وہاں کبھی حاکمانہ اور غالبانہ حیثیت حاصل ہی نہ کر سکے ہوں تو وہاں کی زمین کو نہ عشری کہہ سکتے ہیں نہ خراجی۔ کیونکہ عشری اور خراجی وہاں کی زمین کہلاتی ہے جہاں مسلمانوں کا غلبہ ہو یا کبھی غلبہ رہا ہو جیسا کہ ہندوستان کہ یہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال شاندار طریقہ سے حکومت کیا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی بد اعمالی کی وجہ سے اس وقت ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے مگر یہ اصل دار الحرب بھی نہیں ہے کہ جن کی زمین کو نہ عشری ولا خراجی کہا جائے۔ لہذا موجودہ بھارت کی بعض زمین عشری ہیں اور بعض خراجی جس کی تفصیل اور بنیاد ذکر کی جا چکی ہیں۔

## مخورچہ کارم

اس مخور کا تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے، اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ ہندوستان میں سرکار کو دی جانے والی زمین کی مالگذاری نہ عشری کے قائم مقام ہے نہ خراج کے۔ لہذا مالگذاری ادا کرنے کے باوجود عشری زمین پر عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین پر خراج۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اموال تجارت میں انکم ٹیکس ادا کرنے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی لازم سمجھی جاتی ہے، اور انکم ٹیکس خواد اس کی شرح فی صد جو بھی ہو زکوٰۃ کے قائم مقام قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ انکم ٹیکس



کی ادائیگی کے بعد بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب قرار دیا جاتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم جمہوری حکومت کو نہ تو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے نہ عشر اور نہ خراج لینے کا کوئی حق ہے اور نہ یہ حکومت اس کی اہلیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی یہ حکومت وصول کردہ اموال کو مصارف زکوٰۃ و خراج میں خرچ کرنے کی پابند ہے اور نہ ہی اس کو اس کا دعویٰ ہے۔ اس لئے حکومت کا ٹیکس ادا کرنے سے یازمین کی مالکذاری دینے سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ عشر اور نہ خراج۔ ہاں اگر اسلامی حکومت ہو تو اس کے احکام جدا ہوں گے۔ مگر اس وقت یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

سوال (۱۰۳) زمین عشری کی مالکذاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے کہ جناب مولوی قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحقیق تھی کہ عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہ۔ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علاحدہ دے مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کون سا ہے؟

الجواب: ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا ہے جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنی معلوم نہیں۔

حوادث الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۹۔ امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۶۲۔ اور امداد الفتاویٰ کے صفحہ پر ارشاد فرماتے ہیں: کہ عشر اور خراج شرعی حقوق ہیں۔ پس جس طرح انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح سرکاری محصول سے یہ حقوق بھی ساقط نہیں ہوتے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہندوستان میں خراجی زمین کا خراج کس شرح سے نکالا جائے گا۔ تو اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہندوستان کی پرانی تاریخ پر نظر ڈالنا ہوگا۔ چنانچہ ہندوستان کا وہ علاقہ جو سندھ کے نام سے مشہور ہے اور جو محمد بن قاسم کے دور میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو اس کے بارے میں تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنے مقبوضہ ملک پر خراج مؤظف کے بجائے خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا ایک منصوص مقدار یعنی پانچواں حصہ مقرر کیا تھا جو اسی زمانہ میں قدیم زمانہ سے ہندو راجاؤں کے زمانہ ہی سے کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ اور یہاں یہ یاد رکھنا

چاہئے کہ اس وقت سندھ کا علاقہ بہت وسیع تھا چنانچہ اس میں پورا غیر منقسم پنجاب تو داخل تھا ہی اور موجودہ سندھ کے علاقہ راجستھان اور گجرات کا بڑا علاقہ بھی اس میں شامل تھا تو یہ سندھ کا یعنی محمد بن قاسم کے مفتوحہ علاقہ کا عمومی حال تھا۔ باقی بعض علاقے ایسے بھی تھے جہاں کے لوگ برصا اور غبت مسلمان ہو گئے تھے تو ان کی زمینیں عشری تھیں اور محمد بن قاسم کے فتوحات کے بعد ہندوستان کے دیگر علاقوں کے فتوحات کا سلسلہ ادلاغزنوی دور حکومت میں اور پھر ثانی غوری دور حکومت میں جاری رہا۔ یہاں تک کہ فتوحات کا یہ سلسلہ علاء الدین خلجی کے دور میں مکمل ہوا اور فتوحات کے اس طویل دور میں تحقیقات سے اتنی بات تو یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ جن علاقوں پر اس دور میں مسلمانوں کا قبضہ ہوا وہاں کی زمینیں ہندو باشندوں کے ملک قبضہ ہی میں عموماً رہنے دی گئیں لیکن یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ ان زمینوں پر خراج کیا مقرر کیا گیا۔ ایا ان زمینوں پر خراج مقاسمہ عائد کیا گیا یا خراج موظف یعنی نقد وغیرہ۔ البتہ بعض کتابوں سے مثلاً نزہۃ الخواطر وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی نے اپنے دور حکومت میں اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور ان اصلاحات میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے مالکان اراضی پر جو پہلے سے نقد خراج مقرر تھا اس کو بدل کر بٹانی کا قاعدہ جاری کر دیا تھا جس کو خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی قائم رکھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین سے قبل ہندوستان کے تمام علاقوں کی اراضی پر غزنوی اور غوری فتوحات کے دور میں خراج موظف یعنی نقد خراج کا سلسلہ جاری تھا جس کو علاء الدین خلجی نے تبدیل کر دیا۔ حالانکہ شرعاً ان کو اس کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ ادل فتح کے وقت جو خراج زمین پر مقرر ہو جائے اس میں بعد میں تبدیلی جائز نہیں ہے کما قال فی رد المحتار دنی الحنفی،

لايجوز للامام أن يحول الخراج الموظف إلى خراج المقاسمة. أقول كذا  
عکس۔

اب اسی بنیاد پر آج بھی یہ کہنا صحیح اور مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے اکثر خراج زمینوں پر خراج موظف کا حکم نافذ ہوگا۔ اور خراج موظف کی تفصیل یہ ہے کہ قابل کاشت زمین پر جس میں پانی پہنچتا ہو فی جریب ایک درہم اور ایک صاع گیہوں یا جو واجب ہوگا اور سبزی ترکاری پیدا کرنے والی زمین میں فی جریب پانچ درہم اور باغات جو انگور یا کھجور وغیرہ کا ہو اور متصل ہو تو فی جریب دس درہم واجب ہوگا اور باقی چیزوں کا خراج اس انداز سے



مقرر کیا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زیادہ نہ ہو۔

ایک جریب قریب قریب ایک بیگم کے ہوتا ہے۔ یعنی ایک جریب ساٹھ مربع گز کا ہوتا ہے۔

وفي البدائع، والجریب ارض طولها ستون ذراعاً وعرضها ستون ذراعاً بذراع

کسریٰ یزید علی ذراع العامة بقبضة۔<sup>۱</sup>

خراج موظف کی جو مقدار ابھی اوپر ذکر کیا گیا یہ وہی مقدار ہے جو حضرت عمرؓ نے عراق فتح ہونیکے بعد

وہاں کی زمینوں پر پیمائش کے بعد مقرر کیا تھا اور جو صحابہ کے مشورہ سے طے ہوا تھا۔ چنانچہ ہدایہ باب الخراج والعشر

میں ہے: قال: والخراج الذی وضعہ عمر علی اهل السواد من کل جریب یبلغہ الماء

قفیزہ اشمی وهو الصاع ودرهم ومن جریب الرطبة خمسة دراهم ومن

جریب الکرم المتصل والنخیل المتصل عشرة دراهم وهذا هو المنقول عن عمر

وقال: وما سوى ذلك من الاصناف كالزعفران والبستان وغيره یوضع

علیہا بحسب الطاقة لانه لیس فیہ توظیف عمر وقد اعتبر الطاقة

فی ذلك فتعتبرها فیما لا توظیف فیہ وقالوا نہایة الطاقة أن یبلغ الواجب

نصف الخارج لا یزاد علیہ۔<sup>۲</sup>

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے بھی اس مسئلہ کے بارے میں اپنی تحقیق اپنے انداز میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

جس کو یہاں امداد القنادی سے نقل کیا جا رہا ہے:

سوال (۱۰۸) آج کل خراج کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں۔ اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف اور مقدار کیا ہے؟

الجواب: — فی الدر المختار یجوز ترک الخراج للمالك لا العشر وفرد المختار ترک

سلطان أو نائبیہ الخراج لرب الأرض أو وھبہ ولرب شفا عہ جاز عند الثانی وحلہ

لو كان مصرفاً ولا تصدق بہ۔ بہ یفتی وما فی الحاوی من ترجیح حلہ لغير

المصرف خلاف المشہور۔<sup>۳</sup>



وفي رد المحتار وثالثها الخراج إلى قوله ثالثها حواء وفي رد المحتار  
الذي في الهداية وعامة الكتب المعتبرة أنه يصرف في مصالحنا كسد  
الشعور وبناء القناطر والجسور وكفاية العلماء والقضاة والعمال ورزق  
المقاتلة وذراريهم<sup>ل</sup>.

اس عبارت کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوتے:

۱۔ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے تو وہ اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔

۲۔ اگر یہ مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۳۔ مصارف خراج میں علماء بھی ہیں۔

اور صاف پر لکھتے ہیں کہ اگر خراجی زمین کا محصول بادشاہ وقت کی طرف سے معاف ہو تب اگر وہ

خراج موظف ہے تو مالک زمین کے ذمہ رہے گا۔ آگے اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے۔ مدرس ہے۔ داعظ ہے تو اس کو اپنے مصرف میں لانا

جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں پہنچائے۔ مدارس اسلامیہ کا مدچندہ اس  
کے لئے بہت مناسب ہے۔ البتہ اگر انتفاع بالارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے۔

اب ان تفصیلات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں خراجی زمینوں کے اندر خراج

موظف واجب ہے اور اگر یہ خراج کی ادائیگی عشر کی طرح عبادت تو نہیں ہے مگر ایک شرعی حق ضرور ہے۔ لہذا اس کی

ادائیگی میں غفلت جائز نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس وقت خراج کا مصرف دینی

مدارس اور اس کے طلبہ و اساتذہ اور داعظین و مبلغین ہیں۔

مکور چہارم کا پانچواں سوال یہ ہے کہ: احکام عشر میں آبپاشی کی وجہ سے عشر نصف عشر ہو جاتا ہے

تو کیا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جاسکتی ہے۔ یا

اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جاسکتا ہے؟  
 اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اخراجات کی رعایت ہی کی بناء پر عشر نصف عشر ہو جاتا ہے۔  
 لہذا اب اس میں مزید رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب عشر یا بعض صورتوں میں نصف عشر کل پیداوار پر  
 واجب ہوگا۔ بونے، کاٹنے، حفاظت کرنے اور بیوں مزدوروں وغیرہ پر جو بھی اخراجات ہوں گے وہ محسوب نہیں  
 ہوں گے۔ بلکہ کل پیداوار پر قریضہ عائد ہوگا۔

کافی البدائع ولا يعتب لصاحب الأرض ما اتفق على الغلة من سقوا و  
 حارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله عليه السلام  
 ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب او دالية او سانية ففيه  
 نصف العشر۔

محرور چہارم کے سوال ۶ کا جواب یہ ہے کہ اگر زمین والے نے زمین دوسرے کو بھائی پر دیا ہے یعنی  
 مثلاً نصفاً نصف یا اثلثاً ثلثاً پر معاملہ طے ہوا ہے تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق  
 واجب ہوگا۔ اگر ان میں ایک کافر ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے البتہ مسلمان  
 پر عشر واجب ہوگا۔ کذا فی البدائع؛

ولو رفعها مزارعة فاما على مذهبنا فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج  
 والخارج بينهما فيجب العشر عليهما۔

محرور پنجم کے پانچویں سوال میں کہا گیا ہے کہ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے؟  
 تو جواب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے۔ خواہ وہ مقدار قلیل ہو  
 یا کثیر۔ اسی طرح پیداوار میں سے ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین میں بویا جاتا ہو۔ اس کی حفاظت کی جاتی ہو  
 اور اس سے مالک ارض کو آمدنی مقصود ہو۔ عشر کے وجوب کے لئے امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک نہ کوئی انصاب شرط  
 ہے نہ بقار نہ حوالان حول۔ البتہ صاحبین اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک پیداوار میں انصاب کا ہونا شرط ہے اور وہ  
 پانچ وسق کی مقدار ہے۔ اسی طرح بعض ائمہ حضرات میں عشر کے قائل نہیں ہیں۔

زمین سے پیدا ہونے والی بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جس میں بالاتفاق عشر واجب نہیں ہے۔ جیسے  
خورد و گھاس، نرکل، مہر ٹری، جنگلی درخت جو سوختہ کے کام میں آتے ہوں اور اسی طرح اشنان اور بعض ادویہ وغیرہ۔  
پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں جیسے سنگھاڑا وغیرہ، چونکہ زمین کی پیداوار کے قبیل سے نہیں ہے۔  
لہذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کسی جگہ باقاعدہ اس کی کاشت ہوتی ہو اور قصد اس کو لگایا جائے اور  
پیداوار کی طرح آمدنی مقصود ہو تو عشر واجب ہونا چاہیے۔ میری رائے تو یہی ہے۔ والعلم عند اللہ۔  
اگر زمین عشری ہے یا زمین کی سنبھائی عشری پانی سے ہوتی ہو تو عشر واجب ہوگا۔ لیکن اگر روپیہ پیسہ خرچ  
کر کے پانی حاصل کیا گیا ہو اور اس سے زمین کی سیرابی ہوئی ہو یا ایسے نہروں سے اس کی سیرابی ہوئی ہو۔ جو  
ملوک ہو تو پھر اس میں نصف عشر واجب ہوگا۔ جیسا کہ درنختار میں اس کی یہی تفصیل موجود ہے،

وهكذا يجب العشر في شجرة جبل أو مفازة إن صاه الإمام لأنه مال مقصود  
لأن لم يعمه لأنه كالصيد ويجب في سقي ساء أي مطرا وسيج كنهر بلا شرط  
نصاب راجع للكل وبلا شرط بقاء وحولان حول الإقليم لا يقصد به استغلال الأرض  
فهو حطب وقصب فارسي وحشيش وتين وسعف وصمغ وقطران وخطمي  
واشنان وشعير قطن وباذنجان وبذر بطيخ وقثاء وأدوية كعلبة وشونيز  
حتى لو اشتغل أرضه بها يجب العشر ويجب لعمته في سقي غرب أو دلو كبير  
ودالية أو دولاب لكثرة المؤنة إلى قوله بلاد دفع مؤن أي كلف الزرع وبلا  
إخراج البذر لتقصيرهم بالعشر في كل الخارج. ۱

وفي الهداية: قال أبو حنيفة في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء  
سقى سبعا أو سقته السماء إلا القصب والعطب والحشيش وقال لا يجب  
العشر إلا نيماله ثمرة باقية إذا بلغ خمسة أوسق. والوسق ستون صاعا  
يعماع النبي صلى الله عليه وسلم وليس في الخضراوات عندهما عشر. ۲

(۱) درمختار باب العشر ۱۳۹

(۲) ہدایہ ۲۰۱/۱ -



محور پنجم کے سوال ۱۲ اور ۱۳ کا جواب یہ ہے کہ:

پھیلی چونکہ زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے اور عشر کا وجوب ”مما اخرجنا لكم من الارض“ سے ہے۔ اس لئے اس کو ذرا اعت قرار دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے لہذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ بلکہ پھیلی کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب کی مقدار کو پہنچ جائیں اور اس پر سال گزر جائے۔

۴۔ ریشم بظاہر تو کیڑے سے حاصل شدہ ایک چیز ہے مگر دراصل اس کا تعلق زمین کے ہی پیداوار سے ہے۔ کیونکہ کیڑے درخت کے پتوں سے پلتے ہیں اور ان درختوں کو باقاعدہ زمین میں لگایا جاتا ہے۔ اس کی دیکھ بھل کی جاتی ہے اور اس سے ریشم حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے جیسے شہد کی مکھیوں کو پالا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں پھولوں اور پھلوں سے رس چوس کر شہد کی تیاری کرتی ہیں اور اسی وجہ سے شہد میں حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہے۔ تو اسی طرح ریشم کا بھی حال ہے۔ لہذا اس میں عشر واجب ہوگا۔ کم از کم میری تو یہی رائے ہے۔

سوال ۱۴ کا جواب:

زمین میں فواہ پھلدار درخت لگائے جائیں یا غیر پھل دار ایسے درخت لگائے جائیں جس سے وہ لکڑی حاصل کرنا مقصود ہو جس سے گھروں میں استعمال ہونے والے فرنیچر یا دروازے کھڑکیاں وغیرہ تیاری کی جائیں دونوں ہی مقصود ہیں اور اس کی نگرانی اور حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ لہذا دونوں صورتوں میں عشر واجب ہونگے

فإن الأرض يشتغل بهما فما يغرس للعلّة

محور پنجم کا سوال ۱۵

خضرادات ایسی سبزیاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی ہیں اور بار بار وقفہ وقفہ سے نکلتی اور ٹوٹی رہتی ہیں اور اس سے تجارت و نفع حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ معنی مرتبہ بھی پھل حاصل ہوں گے یعنی درخت سے پھل توڑے جائیں گے اس کا دسواں حصہ فقراء اور مساکین پر تقسیم کرنا واجب ہوگا۔ یعنی عشر نکالنا ہوگا۔ کذا فی البدائع؛

لواخرجت الأرض في السنة مزاراً يجب العشر في كل مرة لأن لصوص

العشر مطلقاً عن شرط الحول ولأن العشر في الخارج حقيقة في تكرار الوجوب

بتكرار الخارج - ۱۱۰

اور گھر کی چھتوں پر یا گھر کے آس پاس رہائشی زمین میں جو سبزیاں وغیرہ لگائے جاتے ہیں اس پر عشر وغیرہ کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان کے ساتھ جو ملحق محض وغیرہ یا باغ ہوا کرتا ہے وہ نہ عشری زمین ہے نہ خراجی۔ بلکہ وہ رہائشی مکان کے تابع ہے۔ البتہ اگر مکان کے اطراف میں مزروعہ زمین ہے اور عشری ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ اور اگر خراجی زمین ہے تو اس میں خراج واجب ہوگا۔

محور پنجم کا ساتواں سوال — اور اس کا جواب —

سوال: — اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں۔ خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں؟  
جواب: — اوقاف کی زمینوں میں بھی عشر واجب ہے خواہ وہ وقف علی الاولاد ہو یا وقف علی غیر الاولاد۔ چنانچہ بدائع میں ہے

وكذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج  
فيجب في الأراضى التى لا مملك لها وهى الأراضى الموقوفة لعموم قوله تعالى  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طِبْيَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

# اسلام کا نظام عشر و خراج

از۔ مولانا ابوسفیان مفتاحی۔ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو ناتم بہمنجن یونی

## جواب محور اول

عشر و خراج شریعت اسلامی کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ایک حیثیت دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ٹیکس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے۔ مثل زکوٰۃ کے اس لئے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔

اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلمان چونکہ عبادت کے اہل اور پابند ہیں ان سے زمین کی پیداوار کا جو حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ اور غیر مسلم چونکہ عبادت کے اہل نہیں۔ ان کی زمینوں پر جو کچھ عائد کیا جاتا ہے اس کا نام خراج ہے۔

عملی طور پر عشر و خراج میں یہ بھی فرق ہے کہ سونا، چاندی اور مال تجارت کی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے اور عشر زمین سے پیداوار کے حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ اگر زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اموال تجارت، سونے اور چاندی پر اگر کوئی نفع نہ ہو تب بھی سال پورا ہونے پر ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔



## اراضی خراج و عشر

### اراضی خراجی

اگر کوئی ملک و حکومت صلح کے ساتھ فتح ہوئی تو اس کی زمینوں کے سارے معاملات ان صلح کے شرطوں کے مطابق ہوں گے جن پر صلح کا معاہدہ ہوا ہے۔ اگر صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ وہاں کے باشندے اپنے مذہب غیر اسلام پر رہیں گے اور زمینیں حسب دستور انھیں لوگوں کی ملک رہیں گی جن کی ملک میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ اراضی ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی۔ کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں اور ان کی زمینوں کے لئے خراج کا حکم متعین ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ملک و حکومت جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے سابق مالکوں کی ملکیت حسب دستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمین قرار پائیں گی جیسے شام و عراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ نے یہی معاملہ فرمایا۔ بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیئے گئے یا بیت المال میں رکھے گئے۔

### اراضی عشری

اور اگر کوئی ملک و حکومت صلح کے ساتھ بائیں طور فتح ہوئی کہ وہاں کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو اس صورت میں ان کی زمینیں بدستور انھیں کی ملک رہیں گی اور ان پر عشر کا ادا کرنا واجب ہو گا اور یہ زمینیں عشری قرار پائیں گی جیسے مدینہ منورہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول فرمائی۔ بنا بریں مدینہ منورہ کی عشری قرار دی گئیں۔

یا کوئی ملک و حکومت جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے قاعدہ و اصل سے چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیئے اور پانچویں حصہ کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس صورت میں تقسیم کے بعد جو زمینیں مجاہدین کی ملکیت میں آئیں گی وہ سب عشری قرار پائیں گی۔ جیسے خیبر کی سرحد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا اور ان پر عشر ادا کرنا لازم کیا گیا۔

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک میں تھیں نہ قابل زراعت۔ بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا قابل کاشت زمین بنا لیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلمین ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

اور اگر مسلمانوں نے ان کو قابل زراعت بنایا ہے تو اس صورت میں ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار میں دونوں طرح کی زمینیں ہوں تو یہ نئی آباد شدہ زمینیں عشری ہوں گی۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور سینچا جاتا ہے۔ اگر وہ پانی عشری ہے تو زمینیں بھی عشری قرار پائیں گی۔ اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو وہ زمینیں بھی خراجی قرار پائیں گی۔

علامہ شامیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول "کہ ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا" کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔<sup>۱</sup>

## خراجی یا عشری پانی کی تفصیل

### خراجی یا عشری پانی

بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی۔ اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں۔ نہان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادی کسی کی ملکیت میں ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات اور مصر میں نیل اور خراسان میں سیحون اور جیحون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا یہ سب عشری پانی ہیں۔

اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت و خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں اور وہ عادی نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں۔ نہر گنگا و جمین وغیرہ۔ چونکہ اسلامی فتح سے پہلے

غیر مسلموں کی ملک تھی۔ اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔  
 زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ وقاعدہ مذکورہ بالا ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے۔

### کچھ استثنائی صورتیں

البتہ بعض مواقع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرامؓ کے اجماع کی بنیاد پر اس ضابطہ سے  
 کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں۔ ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے مثلاً مکہ مکرمہ قہر افتح ہوا  
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا،  
 مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوا اور وہ ہمیشہ کے لئے خراجی قرار پائیں۔ لیکن  
 ملک العلماء امام کا سانی صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا۔ اس لئے مکہ مکرمہ کی زمین عشری ہیں۔  
 اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں بسایا گیا۔ یہ غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے  
 اس کو آباد کیا اور قابل زراعت بنایا۔ مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ  
 کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں۔ مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر  
 عشر عائد کیا گیا۔ اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

### زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت و خلفاء راشدین کے کچھ فیصلے

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین  
 اور بعد کے ملوک اسلام نے اسی طرح جاری رکھا۔  
 علامہ شامی نے ذکر کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں تہامہ نجد۔ حجاز عروص۔ یمن۔



حجاز کی جنوب جانب کا نام تہام ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصے کا نام نجد ہے۔ اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچا ہے۔ اسی میں مدینہ منورہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عربیہ یامامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن بھی داخل ہے۔ ۱۷

اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق عرب کی حدود طولاًٰ عذیب علاقہ کو ذہ سے عقبہ صلوان قریب بغداد تک۔ اور عرضاً علت شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ ۱۸

### سرزمین عرب کے عشری ہونی کی وجہ

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے سرزمین عرب سے خراج وصول نہیں کیا اور اسلئے کہ خراج بمنزلہ فنی ہے۔ لہذا سرزمین عرب میں خراج ثابت نہ ہوگا۔ جس طرح کے ان کی ذاتوں میں خراج ثابت نہیں

### سرزمین عرب پر خراج نہ لگانے کی وجہ

اور سرزمین عرب پر خراج نہ لگانا اس لئے ہے کہ خراج ناقذ کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کو کفر پر باقی رکھا جائے جیسا کہ سواد عراق میں ہے۔ اور مشرکین عرب سے صرف اسلام اور جہاد قبول ہوگا۔ اور مسلمان سے خراج وصول نہیں ہوتا۔ بنا بریں جزیرۃ العرب کا پورا خطہ عشری ہی ہوگا۔ ۱۹

### اراضی شام و مصر

اور اراضی شام و مصر میں جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا۔ ان پر خراج عائد فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی۔ وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں ادیہی طریقہ بغداد تک جاری رہا۔ ۲۰

۱۷ شامی ۳۵۰/۲ ۱۸ شامی ۳۵۱/۲ ہدایہ ۵۴۰/۲

۱۹ ہدایہ ۵۴۰/۲ ۲۰ ہدایہ ۵۸/۲

نصاری بنی تغلب سے حضرت عمر بن خطابؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دو گنا عشر وصول کیا جائے۔ مگر شرعی حیثیت سے یہ دو گنا عشر بھی حکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔ ۱

صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ حدیث پر علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں یہ اعتراض کر دیا ہے کہ کتب حدیث میں اس کی اصل نہیں ملتی اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تو صاحب بحر علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ عدم محتاج اصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اہل عرب سے خراج وصول کیا گیا ہوتا تو وہ ضرور نقل ہوتا۔ اور جب کہیں منقول نہیں تو اس نے دلالت کیا کہ خراج وصول نہیں کیا گیا۔ ۲

نیز علامہ محقق ابن الہمام نے ذکر کیا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے خراج وصول کیا ہوتا تو عادت کا تقاضا یہ تھا کہ منقول ہوتا گو ضعیف ہی سند سے، اور جب منقول نہیں تو عادت کے تقاضے نے اس بات کو بتلایا کہ ان سے خراج وصول نہیں کیا گیا۔ ۳

حضرت فاروق اعظمؓ نے جس وقت سواد عراق کو فتح کیا تھا تو اس پر خراج نافذ کر دیا۔ تمام صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں۔ ۴

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ یہ اتنا زیادہ مشہور ہے کہ اس سلسلہ میں کسی متعین اثر نقل کرنیکی ضرورت نہیں۔ ۵ حضرت عمرو بن العاصؓ جس وقت مصر فتح کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر خراج نافذ کیا تھا اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ملک شام پر خراج نافذ کیا گیا تھا۔ ۶ امام ابو عبیدہؓ نے کتاب الاموال میں ایک باب قائم کیا ہے کہ ”اہل صلح کفار میں جو مسلمان ہو جائے تو اس کی زمین خراجی ہوگی یا عشری؟“ اس سلسلہ میں امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ اہل صلح کفار میں سے جو مسلمان ہو جائے گا اس کا اسلام مقبول ہوگا اور اس کا اسلام اس کے جان و مال کو محفوظ کر دے گا سوائے زمین کے۔ کیوں کہ ان کی زمین مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہے اس وجہ سے کہ وہ اہل دین میں مسلمان نہ ہوا۔

امام ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں۔ امام زہریؒ اپنے اس قول ”اس کی زمین مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوگی“ سے

۱۔ بدائع ۵۸/۲ ۵۹/۵ بحری ۱۱۲/۵ فتح القدیر ۵/۲۷۸

۲۔ ہدایہ ۵۴۰/۲ ۵۴۰/۵ فتح القدیر ۵/۲۷۸ ۵۴۰/۵ ہدایہ ۵۴۰/۲

یہ مراد نہیں لیتے کہ اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے اس کی زمین سلب کر لی جائے گی۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ زمین علی حالہ خراجی زمین ہوگی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہے اور اس کی زمین سے مسلمانوں کی ملکیت کی زمین کی طرح عشر وصول نہ ہوگا۔ اور یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو اہل صلح کی زمین کی بیع و شرا کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی کچھ ایسے ہی مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جس قوم سے جزیہ پر صلح کیا گیا ہو تو جو ان میں سے مسلمان ہو جائے تو اس کی زمین اس کے باقی لوگوں کی ملکیت ہوگی۔

اور امام مالکؒ اس کے علاوہ فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل صلح میں سے جو مسلمان ہو جائے تو وہ مسلمان ہونے والا اپنی زمین کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔ امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ امام ابن سیرین سے کچھ اسی کے مشابہ مروی ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ سواد میں وہ زمین داخل ہے جو غلبہ سے لی گئی ہو اور سواد ہی میں وہ زمین بھی ہے جو صلحاً ہو۔ تو جو زمین صلحاً ہوگی وہ اہل صلح کا مال ہوگی اور جو غلبہ سے ہوگی وہ مسلمانوں کی ہوگی۔

امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور امام مالک کے مذہب کی تاویل کی بنا پر صلح کی زمین کی بیع و شرا میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ وہ انہیں کی ملک ہے۔ اسی طرح حسن بن صالح سے بھی مروی ہے کہ وہ اس کی بیع و شرا میں کچھ حرج نہیں سمجھتے۔ اور غلبہ کی زمین کی بیع و شرا کو مکروہ کہتے تھے۔

امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس مذہب میں بھی مناسب ہے کہ جب اہل صلح مسلمان ہو گئے تو ان کی زمین عشری ہوگئی۔ کیونکہ وہ زمین انہیں کی ملک ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ اس کے علاوہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام محمدؒ نے ان سے روایت کرتے ہوئے مجھ کو خبر دیا کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ اہل صلح میں جو مسلمان ہو جائے یا کوئی مسلمان زمین اہل صلح سے خریدے تو صلح اپنے حال پر باقی رہے گی یعنی اس کی زمین خراجی ہوگی۔ لے علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ:

زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) صلح کی زمین (۲) غلبہ کی زمین۔

صلح کی زمین ہر وہ زمین ہے جس کے باشندوں سے زمین پر اس شرط پر صلح کی گئی کہ وہ زمین ان کی ملک رہے گی۔ اور لوگ خراج معلوم ادا کریں گے تو یہ زمین اس کے باشندوں کی ملک رہے گی۔ اور خراج جزیہ کے حکم



میں ہے۔ جب وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ اور ان کے لئے اس زمین کی بیع دھبہ اور رہن جائز ہے کیونکہ وہ انہیں کی ملک ہے۔ اسی طرح اگر ان سے صلح کر لی گئی ہے کسی ایسی چیز کے ادا کرنے پر جو زمین پر متعین نہیں ہے تو یہ صلح کی زمین بھی خراجی ہوگی۔ اور اسی طرح ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہوئے۔ جیسے مدینہ منورہ کی زمین اور اس کے مثل تو یہ اس کے باشندوں کی ملک ہوگی۔ اس پر خراج لازم نہ ہوگا۔ اور ان کو اس زمین میں جیسے چاہیں تصرف کرنے کا حق ہوگا۔

اور دوسری وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی گئی ہے تو وہ زمین ہے کہ وہاں کے باشندوں کو بذریعہ تلوار نکالا گیا ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی تو یہ مسلمانوں کے لئے وقف زمین ہوگی۔ اس پر معلوم و متعین خراج نافذ کیا جائے گا۔ جو سالانہ وصول کیا جائے گا جو زمین کی اجرت ہوگی اور وہ اس کے مالکان کے قبضہ میں رہے گی۔ جب تک وہ اس کا خراج دیتے رہیں گے اور چاہے مسلمان ہو یا ذمی۔ اور اس کے مالکان کے اسلام سے خراج ساقط نہ ہوگا۔ اور نہ اس زمین کے دوسرے مسلمان کی طرف منتقل ہونے سے ہی۔ کیونکہ وہ زمین کی اجرت کے درجہ میں ہے اور ہم کو یہ معلوم نہ ہو سکتا ہے کہ جو زمین غلبہ سے فتح ہوئی ہو اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا یا بغیر خیر کی زمین کے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی نصف زمین کو تقسیم کر دیا تھا تو وہ نصف پانے والوں کی ہو گئی۔ اس پر خراج نہیں لگا۔ اور باقی غلبہ سے فتح شدہ زمین جس کو عمر بن خطابؓ اور ان کے بعد کے لوگوں نے فتح کیا تھا جیسے شام و عراق اور مصر وغیرہ کی زمینیں تو اس میں سے کچھ بھی تقسیم نہیں ہوئی۔

چنانچہ امام ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جابہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے درمیان تقسیم زمین کا ارادہ فرمایا تھا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے نیکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آج آپ اس کو تقسیم کر دیں گے تو بڑی پیداوار قوم کے قبضہ میں ہو جائے گی تو لوگوں کے مرنے کے بعد کسی مرد و عورت کی طرف لوٹ جائے گی۔ پھر دوسرے لوگ آئیں گے جو اسلام سے روکیں گے اور وہ کچھ بھی نہ پائیں گے۔ لہذا آپ ایسے امر کے باب میں غور فرمایا لیجئے جو اہل داخلہ و آخر لوگوں کے لئے گنجائش رکھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب رجوع فرمایا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دیہاتوں کے بارے میں فرمایا جن کو لوگوں نے غلبہ سے فتح کیا تھا کہ ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیں اور خمس لے لیں تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں! یہ تو عین مال ہے۔ لیکن میں تو اس کو غنیمت کے طور پر رکھوں گا جو ان پر اور مسلمانوں پر جاری رہے گی،

جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر فتح کیا تو ابن زبیرؓ نے فرمایا: اے عمرو بن العاصؓ اسے تقسیم کر دیں تو انہوں نے فرمایا میں تقسیم نہیں کروں گا۔ تو ابن زبیرؓ نے کہا آپ ضرور تقسیم کریں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو تقسیم کیا تھا تو عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: میں اس کو تقسیم نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین کو لکھ دوں چنانچہ امیر المؤمنین کو لکھا: حضرت عمرؓ نے ان کو جواب لکھا کہ اسے چھوڑ دو۔

قاضی کہتے ہیں کہ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منقول ہے اور نہ کسی صحابی سے کہ خیبر کی زمین کے سوا کوئی زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی ہو تقسیم کی گئی ہو۔

جس زمین پر اس کے باشندوں نے مسلمانوں سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ زمین باشندوں کی ملک رہے گی اور مسلمانوں کو اس کا خراج دیا جائے گا تو یہ خراجی زمین کا خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا۔ پھر جب اہل صلح مسلمان ہو جائیں گے تو خراج ساقط ہو جائے گا۔

اور اگر وہ زمین کسی مسلمان کی طرف منتقل ہو گئی تو اب ان پر خراج نہ رہے گا چنانچہ حضرت علامہ ابن المحضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بحرین اور ہجر بھیجا تو میں اس باغ میں جاتا جو چند بھائیوں کے درمیان مشترک ہوتا جن میں ایک مسلمان ہو جاتا تو میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشترک سے خراج لے

اسی طرح ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہو گئے جیسے سرزمین مدینہ منورہ تو یہ انھیں کی ملکیت ہوگی۔ ان پر خراج لازم نہ ہوگا نہ کوئی اور چیز اور یہ زمین عشری رہے گی۔ اس کی پیداوار پر باتفاق عشر واجب ہوگا۔ علامہ ابن منذرؒ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں غلبہ سے پہلے تو وہ زمین انہی کی ملک ہوگی۔ اور ان کے احکام مسلمانوں کے احکام کی طرح ہوں گے اور ان کی زمین کی پیداوار میں وہی واجب ہوگا جو مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے۔ یعنی عشر پیداوار کی زکوٰۃ۔<sup>۱</sup> اور جو زمین ظلم سے فتح ہو اور مسلمانوں پر وقف ہو جائے اور ان پر خراج لگا دیا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہوگی۔ اس کی پیداوار سے خراج وصول ہوگا۔ اور یہی خراجی زمین کا بھی حکم ہے۔ یہی حضرت عمر بن عبد الغریؓ۔ زہریؓ۔ یحییٰ انصاریؓ۔ ربیعہؓ۔ اوزاعیؓ اور امام مالکؓ۔ سفیان ثوریؓ۔ مغیرہؓ۔ لیثؓ۔ حسن بن صالحؓ۔ ابن ابی یسےؓ۔ ابن مبارکؓ۔ امام شافعیؒ اسماعیلؓ اور ابو عبیدہؓ کا قول ہے۔<sup>۲</sup>



صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ امام المسلمین نے جب کوئی شہر غلبہ سے فتح کیا ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کیساتھ کیا تھا۔ اور اگر چاہے تو اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھے اور ان پر جزیہ لگا دے اور ان کی زمینوں پر خراج۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موافقت سے سواد عراق کے ساتھ کیا تھا۔

اور ہر وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں یا وہ غلبہ سے فتح کی گئی ہو اور مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہوگی۔ اور وہ زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی ہے پھر اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہوگی۔ اسی طرح جب اس زمین کے باشندوں سے صلح کر لی گئی ہو تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اہل خراج میں جو مسلمان ہو جائے تو اس سے علی حالہ خراج وصول ہوگا۔ مسلمان کے لئے ذمی سے اس کی خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس سے خراج لیا جائے گا چونکہ بسند صحیح ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فریدا ہے اور خود ہی خراج بھی ادا کرتے تھے۔

صاحب بحر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ:

جو زمین غلبہ سے فتح ہو اگر کفار کو اس پر باقی رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہوگی جس سے خراج وصول ہوگا اگرچہ وہ بارش کے پانی سے سیراب کی گئی ہو۔ اور اگر فتح کے بعد وہ زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی ہو تو عشری ہوگی جس سے عشر وصول ہوگا۔ اگرچہ وہ نہروں کے پانی سے سیراب کی گئی ہو۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو وہ آباد زمین جو تقسیم نہیں کی گئی ہے اور اس کے باشندوں کو اس پر باقی نہیں رکھا گیا یا اس طور کہ اس زمین کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو تو اگر اس زمین تک نہروں کا پانی پہنچا ہو تو وہ خراجی ہے۔ یا چشمہ وغیرہ کا پانی پہنچا ہو تو وہ عشری زمین ہوگی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ہر وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھا گیا ہو یا ان سے صلح کر لی گئی ہو اور ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا گیا ہو تو وہ زمین انھیں باشندوں کی ملکیت ہوگی۔ اسی طرح شام و مصر کی زمین قول صحیح کی بنا پر غلبہ سے فتح ہوئی ہے اور ان کے باشندوں کو خراج کی شرط کے ساتھ باقی رکھا گیا تو امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں کہا ہے کہ یہ زمینیں جب تقسیم کر دی جائیں گی تو عشری ہوگی۔



اور اگر ان زمینوں کو امام المسلمین ان کے باشندوں کے قبضہ میں چھوڑ دے جن پر وہ مغلوب ہوئے ہیں تو یہ بہتر ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں نے شام و عراق اور مصر کو فتح کیا اور کچھ بھی مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ نے ان پر خراج لگایا۔ خمس نہیں۔ تو اس سے یہ مستفاد ہوا کہ وہ زمینیں ان کے باشندوں کی ملکیت ہیں اور خراجی ہیں۔

## عشری اراضی کے اقسام

امام زبیری نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عشری زمینوں کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہو گئے تو وہی اس کے مالک ہوں گے جیسے مدینہ منورہ، طائف، یمن اور بحرین اور اسی طرح مکہ مکرمہ کو وہ غلبہ سے فتح ہوا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے باشندوں پر احسان کرتے ہوئے ان کی جانوں سے کچھ تعرض نہیں کی اور ان کے اموال کو غنیمت نہیں قرار دیا۔

۲۔ ہر وہ زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی پھر امام المسلمین نے اس کو فنی متوقف بنانا مناسب نہیں سمجھا لیکن اس کو غنیمت بنانا مناسب سمجھا تو اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیا جنہوں نے فتح کیا تھا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تو وہ بھی فتح کر نیوالے مسلمانوں کی ملک ہوگی اور عشری ہوگی۔ اسی طرح وہ تمام سرحدیں جب مجاہدین فاتحین میں تقسیم کی گئیں اور اس سے خمس الگ کر دیا گیا ہے تو وہ بھی عشری زمین ہوگی۔

۳۔ ہر وہ عاریت کی زمین جس کا کوئی مالک نہیں اور نہ کوئی آباد کرنے والا ہے تو امام المسلمین نے اسے جاگیر کسی کو دے دیا۔ جزیرۃ العرب میں سے تو وہ زمین بھی عشری ہوگی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے خلفاء کا فعل ان زمینوں میں جن کو بطور جاگیر دیا تھا مثلاً یمن و یامہ اور بصرہ۔

۴۔ ہر غیر آباد زمین جس کو کسی مسلمان نے آباد کیا پودوں اور پانی سے۔

یہ تمام وہ زمینیں ہیں جن میں عشر یا نصف عشر کی حدیث وارد ہے اور یہ تمام احادیث میں موجود ہے۔

اللہ رب العزت نے ان زمینوں کی پیداوار سے صدقہ (عشر یا نصف عشر) واجب کیا ہے۔ اور ان شہروں کے علاوہ کی زمین یا تو غلبہ کی زمین ہوگی جو فنی بنادی گئی ہوگی جیسے سواد عراق، جبال، اہواز اور فارس، کرمان، مہراں، رکی اور شام کی زمین اور مصر و مغرب۔

یا صلح کی زمین ہوگی جیسے نجران و ایلم و ادرج و دومتہ الجندل و فک اور اس کے مشابہ وہ جن کے باشندوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے یا آپ کے بعد ائمہ المسلمین نے کیا ہے اور جیسے جزیرۃ العرب و بعض ارمینیہ کے شہر اور خراسان کے بہت سے علاقے۔ پس زمین کی یہ دونوں قسمیں صلح و غلبہ جو فنی بن گئیں لوگوں کے لئے عام ہوں گی۔

## منقوح زمینوں کے اقسام

اور منقوح زمینوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہو گئے وہ انہی کی ملک ہوگی۔ اور وہ زمین عشری ہوگی۔ صرف عشر ہی واجب رہے گا۔

۲۔ وہ زمین جو خراج معلوم کی شرط پر صلح سے فتح ہوئی تو وہاں کے باشندوں پر اتنا ہی واجب ہوگا جتنے پر صلح ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ لازم نہ ہوگا۔

۳۔ وہ زمین جو غلبہ سے لی گئی تو اس میں چند اقوال ہیں (۱) وہ مال غنیمت ہے اس میں خمس واجب ہوگا۔ اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔ اور ایک حصہ اللہ رب العزت کے نام پر فقراء کا ہوگا۔ (۲) ام المسلمین کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اس کو غنیمت قرار دے پھر خمس نکالے اور باقی کو تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو اس کو مسلمانوں کے لئے وقف بنائے جب تک وہ باقی رہیں جیسا کہ سفرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کے ساتھ کیا تھا۔<sup>۱</sup>

## جواب محور چہارم۔ اراضی ہند کی شرعی حیثیت

اس سلسلہ میں ہم نقول علماء پیش کرتے ہوئے نتیجہ ذکر کریں گے۔

محور ۲ کا سوال جس نمبر شمار کے ساتھ ہے۔ اسی ترتیب نمبر شماری کے ساتھ جواب ہے۔  
حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مظلہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، نظام الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۴ میں

تحریر فرماتے ہیں

۱۔۔۔ جو اراضی کاشت مسلمان کی ملکیت میں اسلامی زمانہ سے اسلامی حکومت کے دینے سے یا خود مسلمان ہو کر اپنی زمین پر مالک برقرار رہنے سے اب تک برابر چلی آرہی ہے حتیٰ کہ خاتمہ زمینداری کے بعد بھی اپنی ہی ملک میں باقی ہوا در کبھی غیر مسلم کی ملک میں نہ گئی ہو وہ عشری ہے اور اس میں عشر نکالنا واجب ہے۔

پھر اگر فقط آسمانی یا بارش کے پانی سے سیراب ہو کر پیداوار ہوتی ہے، یا قدرتی دریاؤں کے سیلابی پانی سے سیراب ہو کر پیداوار ہوتی ہے تو ہر فصل کی پیداوار پر پیداوار حاصل ہوتے ہی عشر یعنی دسواں حصہ ادا کرنا واجب ہو جائے گا (در نہ نصف عشر) بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

اور جو زمینیں مذکورہ بالا قیود و شرائط کے ساتھ مسلمانوں کی ملک میں نہیں ہیں وہ عشری نہیں ہوں گی۔ اور اس کی پیداوار سے عشر نکالنا واجب نہ ہوگا۔ اگر نہ نکالے تو گنہگار نہ ہو۔

البتہ جس زمین کے بارے میں عشری کا اشتباہ ہو عشری نہ ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کی پیداوار میں ہر فصل میں عشر کے قاعدہ کے مطابق دسواں حصہ یا بیسواں حصہ بلکہ کچھ زائد ہی کر کے احتیاطاً نکالتے ہی رہنا چاہئے کہ باعث خیر و برکت ہی ہوگا۔۔۔۔۔ اور پڑ کر کی ہوئی قیود کا لحاظ کئے بغیر کسی زمین کا محض مسلمانوں کی ملک میں ہونا آج کل اس کے بالیقین عشری ہونے کے لئے کافی ہوگا۔ البتہ اگر عشری ہونے کا شبہ ہو تو احتیاطاً عشر کے قاعدہ کے مطابق عشر یا نصف عشر ادا کر لکھے ہوئے ضابطہ سے نکالتے رہنا چاہئے۔

اور نظام الفتاویٰ میں رقم طراز ہیں کہ:

جن زمینوں کا زمیندار نہیں ٹوٹا اور حکومت نے اپنے قبضہ تصرف میں نہیں لیا جیسے باغ، مالکان اور مکان کی زمینیں اگر یہ عشری زمین ہی ہیں اور خاتمہ زمینداری کے قانون سے مستثنیٰ ہیں تو یہ عشری شمار ہوں گی۔ اور ان کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

نیز جن زمینوں کی عشریت ختم زمیندارہ قانون سے ختم ہو گئی ان سے محض وجوب ساقط ہوا ہے لیکن احتیاطاً



اس میں ہے کہ بغرض حصول خیر و برکت جہاں تک ہو سکے عشر و نصف عشر نکالتے رہا جائے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

”ردالمحتار باب الرکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں کوئی زمین عشری و خسرابی نہیں ہے بنا علیہ جو محصول سرکاری ہے اس کو خراج نہ کہیں گے۔ اور جبکہ کوئی زمین ہندوستان کی عشری نہیں ہے تو عشر بھی واجب نہ ہوگا۔ لیکن احتیاطاً مسلمان اپنی اراضی کا عشر دیویں تو اچھا ہے اور عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا جس جگہ واجب ہے کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہوا اسی وقت واجب ہے۔ سال کی قید اس میں نہیں ہے۔ اور زمین عشری اگر مزارعت پر دی جائے تو اس کی پیداوار میں عند الصائین حصہ ہر ایک پر یعنی کاشتکار اور مالک زمین پر لازم آتا ہے۔ اور اجارہ کی صورت میں امام صاحب موجد یعنی کرایہ پر دینے والے پر اور صاحبین مستاجر یعنی کرایہ پر لینے والے پر لازم فرماتے ہیں۔ اور صاحبین کے قول ہی کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

”احتیاط اس میں ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی میں عشر واجب کیا جائے۔ عشر پیداوار پر ہوتا ہے جس وقت عشری زمین میں کچھ غلہ وغیرہ پیدا ہوا ہو اور حاصل ہو اس وقت عشر لازم ہے۔ حوالان حول شرط نہیں ہے۔“

اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

”مقتضی احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں۔“

زمین اگر اجارہ پر دی گئی ہے تو امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر ہے۔ رقم اجارہ میں سے دسواں حصہ صدقہ کرے۔ اگر مالک خود کاشت کرے تو تمام پیداوار کا دسواں حصہ نکالے۔ محصول سرکاری وغیرہ کچھ وضع نہ ہوگا۔

**ہندوستان کی کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی۔ ان کی تفصیل و بنیاد**

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں رقمطراز ہیں:

غلامد یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام عشر عائد ہونگے۔

اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالہرب بن گیا ہو۔ اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کی زمینوں کی یہ ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتداء ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں کسی کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے مستقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔

علماء حنفیہ کے نزدیک جو زمین ایک دفعہ خراجی ہو گئی وہ ہمیشہ کے لئے خراجی رہے گی۔ یعنی آئندہ اگر کوئی مسلمان بھی اس زمین کو خریدے تو خراج ہی ادا کرنا ہوگا۔ عشر واجب نہ ہوگا۔

اس بنا پر عام علماء ہندوستان کا فتویٰ ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور دراثہ مسلمانوں ہی کے قبضہ میں آرہی ہیں ان میں عشر واجب ہوگا۔

چنانچہ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رحمہ نے بہت تحقیق کے بعد دس صورتیں ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہوں۔

۲۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳۔ موروثی زمینیں ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۴۔ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔

۵۔ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہیں اور اوپر جا کر معلوم ہوا کہ بادشاہان اسلام نے دی تھیں۔

۶۔ مسلمانوں کے قبضہ میں دراثہ یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر جا کر حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کیا تھا۔

۷۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت میں تھی۔

۸۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

۹۔ مسلمانوں نے غیر مزرعہ زمین کو جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی یا دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

۱۰۔ مسلمانوں نے اپنے سکونت مکان کو مزرعہ بنایا۔

یہی فتویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا عبدالشکور لکھنوی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی اور اکثر علماء کا ہے۔

## نتیجہ

ہندوستان کے مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے عشری ہونے کے باب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مطابق عمل ناجائز ہونا چاہئے اگر وہ بارش یا قدرتی دریاؤں اور بڑے تالابوں اور پوکھروں سے سیراب کی جاتی ہوں۔ یعنی کل پیداوار سے عشر یعنی دسویں حصے کے نکلنے کو واجب کہا جائے۔

اور اگر مالکان زمین پانی خریدنا پڑتا ہے جیسا کہ سرکاری پانیوں کا نظم ہے۔ یا مزدوروں کے ذریعہ باجرت سینچانی کرنی پڑتی ہے تو شرعی ضابطہ سے نصف عشر یعنی پیداوار کے بیسویں حصے کے نکلنے کو واجب کہا جائے۔ اور باضابطہ اخبار و اشتہار کے ذریعہ مالکان زمین کو بتلادیا جائے۔ یہ علماء کرام کی بھی ذمہ داری ہے اور ارباب مدارس کی بھی۔ اور مدارس و فقراء کے لئے اس کی وصولی کے لئے کچھ لوگ متعین کر دیئے جائیں جو کھیت کٹ جلنے پر وصول کر لیا کریں جس طرح زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سفراء متعین کئے جاتے ہیں درنہ وصول ہونا بہت مشکل ہو جائیگا۔ اور خراجی زمین کے باب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی کے مطابق مسلمان مالکان زمین کو اپنی اپنی زمینوں کے باب میں سرکاری کاغذات کے ذریعہ کھوج لگانی چاہئے۔ جو صورت نکلے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ اگر عشری نکلے تو عشر و نصف عشر اور اگر خراجی نکلے تو خراج نکالنا چاہئے۔ علماء کرام اور ارباب مدارس کو چاہئے کہ اخبار و اشتہار کے ذریعہ اس کا بھی اعلان کر دیں۔



حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:  
 ”ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج  
 مدارس اسلامیہ اور علماء و طلبہ پر صرف کرنا چاہئے اور یہ خراج موظف ہوگا۔“

## مقدار خراج

جس کی مقدار ایک بیگھ کے قریب پر ایک درہم نقد اور ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو حیر اس میں  
 ہوتی جاتے۔ اور ترکیاری کے ایک بیگھ کے قریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو۔ تو  
 فی بیگھ دس درہم۔ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے دس درہم  
 پینتیس کے ہوئے جو ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی ہوتی ہے جس کی قیمت آج کل کے نرخ کے حساب سے تقریباً  
 چھ روپے بنتی ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ:-

عشری زمین کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین میں عشر واجب ہے وہ عشری ہے۔ جس وقت پورا حال معلوم  
 نہ ہو جیسا کہ اس وقت ہے تو عموماً یہ حکم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی ملوکہ زمین عشری سمجھی جاتی ہے اور کفار کی ملوکہ اراضی  
 خراجی۔ پس مسلمانوں کے پاس جو زمین مثلاً معافی کی چلی آتی ہے یا اس نے کسی مسلمان سے خریدی ہے  
 تو وہ عشری ہے اور جو زمین کافر سے خریدی ہے وہ خراجی رہے گی۔

اور بعض حضرات نے ایسا بھی لکھا ہے کہ جب سرکار زمینوں کا محصول لیتی ہے تو سب خراجی ہیں۔ مگر  
 مقتضایہ احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی ملوکہ میں عشر ہی نکالیں۔

”نظام الفتاویٰ جلد ۲ ص ۳۴ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم نے بھی یہی لکھا ہے  
 الغرض اشتباہ کی صورت میں احتیاطاً مسلمان اپنی ملکیت کی زمینوں کا عشر نکالیں۔ تاکہ فقرار و مساکین اور طلبہ مدارس  
 کا مزید فائدہ ہو اور شکر نعمت کا بڑا موقع فراہم ہو۔“

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ:

”جس زمین کی مالگذاری دی جاتی ہے تو مال گذاری کے اوپر اس کا مدار نہیں۔ اگر کوئی زمین عشری ہو اور اس پر مالگذاری مقرر کر دی جائے تو وہ عشری رہے گی۔“

اور ج ۲ ص ۱۸۲ میں ہے: ”عشری زمین میں سرکاری محصول لینا مستطیع عشر نہیں احتیاطاً۔ ہاں اگر زمین عشری نہ ہو بلکہ خراجی ہو تو محصول دے دینا کافی ہے۔ یعنی عشر اس میں واجب نہیں۔“

اور جلد ۲ ص ۱۶۱ میں ہے کہ جو کچھ سرکار محصول لیتی ہے وہ خراج نہیں کہلاتا۔ جہاں عشر واجب ہوتا ہے وہاں کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے کچھ وضع نہیں ہوتا۔ اور جن اراضی میں پانی کا محصول دیا جائے ان پر نصف عشر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:

”کوئی حکومت خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر زمینداروں یا کاشتکاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا۔ بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف پر صرف کریں۔ اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔“

اور جلد ۲ ص ۲۴۵ میں ہے کہ:

”سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے عشری ساقط نہیں ہوتا۔ یعنی عشری زمین سے“

واضح ہو گیا کہ سرکار جو مالگذاری زمین کی لیتی ہے وہ خراج نہیں۔ اگر عشری زمین ہے تو مالگذاری دینے کے باوجود عشر یا نصف عشر نکالنا واجب ہوگا۔ ہاں اگر زمین خراجی ہے تو مالگذاری دیدینا کافی ہو جائیگا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی ملوکہ زمینیں سرکاری کاغذات میں تلاش کرنے کے ذریعہ اگر خراجی ثابت ہو جائیں۔ یا زمینیں غیر مسلم سے خریدی ہوئی ہیں تو خراج واجب ہوگا۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:

”خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔“

اور جلد ۲ ص ۲۸۳ میں ہے کہ:

ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر ان کے مصارف پر خرچ کریں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین و طلبہ، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء ان پر یہ رقم خرچ کی جائیں۔ اور یہ خراج مؤلف ہوگا جس کی مقدار واجب کی شرح مندرجہ ذیل ہے۔

### مقدار واجب

عام قابل کاشت زمینوں میں ایک بیگھ کے قریب پر ایک درہم یعنی ۳۰ ماشہ چاندی اور ساڑھے تین سیر گندم یا جو کا واجب ہوگا۔

ترکاری کی ایک بیگھ کے قریب پر پانچ درہم۔ اور باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء یعنی زعفران جیسی قیمتی اشیاء اور انگور و کھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں۔ اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہوں، کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔<sup>۱۷</sup>

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء و طلبہ پر صرف کرنا چاہیے۔<sup>۱۸</sup>

اگر احتیاطاً ان زمینوں کا عشر نکال دیا جائے تو باعث خیر و برکت ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۱ صفحہ ۱۹ میں ہے: ”مگر معتضار احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی ملوکہ میں عشر نکالیں۔“

جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کھار، دوا وغیرہ کی وجہ سے مقدار عشر میں کمی ہوگی اور اصل پیداوار میں سے کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا۔ ان اخراجات کو اصل پیداوار سے منہا نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی رحمہ اللہ ص ۱۱۷ میں لکھتے ہیں: ”نیز ہدایہ میں<sup>۱۹</sup> ہے:-

”عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں سے نکالا جائے گا۔ کٹنے اور حفاظت و نگہ رانی کرنے کے ادبیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ اداے عشر کے بعد نکالے جائیں۔“

نیز فتاویٰ دارالعلوم دیوبند<sup>۲۰</sup> میں ہے: ”در مختار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جن اراضی میں عشر واجب ہے انہیں



کل پیداوار کا عشر نکالنا واجب ہے۔ بدون وضع کئے اخراجات کے۔

اور جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ میں ہے کہ زمین عشری ہے تو کل پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہئے۔ خرچ سرکاری وغیرہ منہا نہ کیا جائے۔ اور جلد ۲ صفحہ ۱ میں ہے کہ عشر میں مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا۔ یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہ ہوگی۔ لہذا دسواں حصہ اس میں سے دینا چاہئے۔ اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ میں ہے کہ یہ حقوق (یعنی اخراجات) منہا نہ ہوں گے بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوگا۔ الغرضی کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکلنے کے بعد یہ سارے اخراجات ادا کئے جائیں۔

ملک العلماء امام کا سانی رحمہ اللہ بدائع میں لکھتے ہیں کہ:

”اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں آدھے آدھے ہو یا ایک تہائی ہو اور دو تہائی ہو۔ اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔“  
علامہ شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں کہ:

”زمین عشری میں اگر وہ زمین زراعت و بٹائی پر دی جائے تو عشر زمیندار و کاشتکار پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر واجب ہوتا ہے۔ یعنی جس قدر غلہ جس کے حصہ میں آوے وہ اس کا عشر ادا کرے یہی مفتی بقول ہے۔ اگر مالک اور بٹائی دار میں ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو عشر جو کہ عبادت ہے۔ اس لئے مسلمان پر تو اپنے حصہ میں عشر واجب ہوگا۔ اور غیر مسلم اہل عبادت نہیں۔ اس لئے اس پر عشر تو واجب نہ ہوگا۔ بلکہ اس پر خسراج و ٹیکس واجب کیا جائے اور ادا کرنے کو کہا جائے۔“

اس کے لئے ابن ماجہ کی روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علامہ ابن الحنفیؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد کو بحرین اور بصرہ جاتو میں اس باغ میں جاتا جو چند بھائیوں کے درمیان مشترک ہوتا جن میں ایک مسلمان ہو جاتا تو میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج۔ والحمد لله وحده وصلى الله على محمد وآله وصحبه وسلم

# اسلام کا نظام عشر و خراج

محور اول

عشر و خراج کی حقیقت

ام: — مفتی افضل حسین صاحب، دال العلوم الاسلامیہ، بستی

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی من ادى الامانة والدين وعلى

آله واصحابہ اجمعین — اما بعد !

ارضی عشر (۱) کوئی ملک اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی، یہ زمینیں عشری قرار پا کر ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲ — یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے قاعدے کے لحاظ سے زمینوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ بیت المال اور چار حصہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا تو مجاہدان زمینوں کے مالک قرار پائیں گے اور شرعیاً یہ زمینیں عشری ہوں گی، جیسے کہ خیبر کی زمینوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا۔

۳ — ایسی زمینیں جو ملک فتح کرنے کے وقت نہ کسی کی ملکیت تھیں اور نہ ہی قابل کاشت و زراعت، اگر اسلامی امیر کی اجازت سے ایسی زمین کو کسی غیر مسلم نے آباد کر لیا تو یہ زمین خراجی ہوگی اور اگر کسی مسلمان نے اس کا احیا کیا تو ایسی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رحمہ کے قول قرب و جوار پر ہوگا یعنی یہ ارضی موات اگر خراجی زمین کے قریب ہیں تو تب اس کو بھی خراجی مانا جائے گا اور اگر عشری زمین کے

متصل ہیں تو اس کے تابع قرار دے کر اس کو عشری قرار دیا جائے گا۔  
لیکن اگر قرب و جوار میں عشری اور خراجی دونوں طرح کی زمینیں ہوں تو بہ زمینیں عشری ہوں گی۔  
ارض العرب وما اسلم اهلہ لوعا وفتح عنوة وقسم بین حیثا والبصرة ایضا  
باجماع الصحابة عشریة لانه الیق بالمسلم - (۱)

قال (ای القدری) وكل ارض اسلم اهلها او فتحت عنوة وقسمت بین الغانمین فی  
ارض عشر لان الحاجة الی ابتداء التوفیق علی المسلم والعشر الیق به لمانیه  
من معنی العبادة وكذا هو اخف حیث یتعلق بنفس الخارج - (۲)

اس عبارت میں ایسی زمینوں کے عشری ہونے کی دلیل بھی آگئی۔ کمالاً یحییٰ۔  
تیسرے نمبر سے متعلق حوالہ در مختار کی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

وموات احیاء من باذن الامام او رضع له خراجی ولوا حیا مسلم اعتبر قریہ ما تارب  
الشئ یعطى حکم وتحتہ فی الشامیة۔ ای قرب ما احیاء ان کان الی ارض الخراج اقول  
کانت خراجیة وان کان الی العشر اقرب فعشریة (نہر)۔ وان کانت بینہما ففشریة  
مراعاة لجانب المسلم وهذا عند ابی یوسف و اعتبر محمد در الماء فان احیاءا  
بماء الخراج فخراجیہ والاعشریة (بحر) وبالاول یفتی در منتنی - (۳)  
اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں دو قول ہیں لیکن مفتی بہ حضرت امام ابو یوسف کا قول ہے۔

## ارضی حسراج

اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا لیکن امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مسلمانوں اور مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا  
بلکہ مالکان سابق کی ملکیت بدستور باقی اور قائم رکھی تو یہ زمینیں حسراجی ہوں گی، جیسے کہ شام و عراق اور مصر کی  
زمینوں کے ساتھ حضرت فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ کلمہ ہی عمل رہا۔

(۱) الدر المختار علی الرد المحتار ۳۵۵ ہ باب العشر والخراج (۲) ہدایہ ۴۱۰، ۵

(۳) خامی ۲۵۹ ہ - نعمانیہ - باب العشر والخراج -



فان المسلمين افتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم يقبلوا شيئا من ذلك بل

وضع عمر بن الخطاب عليها الخراج وليس فيها خمس - (۱۱)

۲۔ یا کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات حسب شرائط صلح قرار پائیں گے اگر صلح نامہ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں بھی ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور ان کی زمینیں ہمیشہ ہمیش خراجی رہیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں، ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے۔ دونوں صورتوں سے متعلق حوالہ درمختار کی یہ عبارت ہے:

وسواد العراق وما فتح عنوة ولم يقم بين جيشا الامكة سواد اقراهم عليه

أو نقل إلى الكفار آخر أو فتح صلحا خراجية لأنه اليق بالكافر - (۲۱)

ہاں مکہ کی زمین اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہے، مکہ باوجود کے کہ قبضہ فتح ہوا اور اس کی زمینوں پر ان کے اہل کی ملکیت کو برقرار رکھا گیا پھر بھی ان کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا ہے۔

صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملے میں قیاس کو اس لیے ترک کر دیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام حرم کی وجہ سے اس کی زمین پر خراج عائد نہیں فرمایا اس لیے مکہ کی زمینیں عشری ہیں۔ علامہ شامیؒ نے بھی "الامكة" کے تحت اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

قال: فانها وان فتحت عنوة لكنها عشرية لأنها من جزيرة العرب - (۳۱)

صاحب بدایہ نے اس کے متعلق مزید وضاحت فرمائی ہے: عبارت درج ذیل ہے:

لان النبي عليه السلام والخلفاء الراشدين لم يأخذوا الخراج من ارضي العرب

ولانه بمنزلة الفي فلا يثبت في اراضيهم كما لا يثبت في اراضيهم وهذا

لان وضع الخراج من شرطه ان يقراهم على الكفر كما في سواد العراق ومصر

العرب لا يقبل منهم الا الاسلام واليعة - (۳۲)

(۱) شامی ۲/۲۵۵ باب العشر والخراج ۲۱ الدر المختار علی اردو المختار ۲/۲۵۵

(۲) شامی ۲/۲۵۵ (نعمانیہ) (۳) ہدایہ ۵/۵۰۰ باب عشر من الخراج

اسی طرح بعض استثنائی صورتیں اور بھی ہیں، مثلاً شہر بصرہ حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانہ میں آباد کیا گیا یہ ارض موات (یعنی غیر آباد زمین) تھی مسلمانوں نے محنت کر کے اسے قابل کاشت بنایا لیکن اس کا محل وقوع عراق کی حسراجی زمینوں کے متصل ہے ایسی صورت میں امام ابو یوسف ؒ کے قول کا تقاضہ یہ تھا کہ بصرہ کی قابل کاشت زمینوں پر جن کا احیا مسلمانوں نے اپنی محنت سے کیا خراج عائد ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں ان زمینوں پر عشر عائد کیا جس کی بنیاد پر اس ضابطہ کو ترک کر دیا گیا۔

فردی علی الرد۔ والبصرة ایضاً باجماع الصحابة عشریة۔

قال الثامی تحتہ : والقیاس ان تكون خراجیة عند ابی یوسف ؒ لانها بقرب ارض

الخراج لکنہ ترک القیاس باجماع الصحابة رضی اللہ عنہم۔ (۱)

وايضاً والبصرة احياها المسلمون لانها بنيت فی ایام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ

عنه وهی فی حیز ارض الخراج فقیاس قول ابی یوسف ان تكون خراجیة۔ (۲)

پس زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عام ضابطہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا۔ البتہ بعض مواقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام کے اجماع کی بنا پر کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی پیش آتی ہیں۔

### عشر و خراج کے درمیان بنیادی فرق

عشر و خراج میں یہ بات تو مشترک ہے کہ شریعت اسلام کی جانب سے زمینوں پر عائد ٹیکس کی حیثیت دونوں میں ہے البتہ خراج صرف ٹیکس ہے جبکہ عشر میں ٹیکس کا معنی ہوتے ہوئے عبادت کا معنی بھی ہے، پس عشر میں دو حیثیتیں ہیں۔ ٹیکس اور عبادت اور خراج کے اندر صرف ایک حیثیت یعنی ٹیکس ہے۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ عشر کے ابتداء واجب ہونے کے لیے اسلام کی شرط ہے جبکہ خراج مسلم، کافر اور ذمی سب پر واجب ہو سکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں وجوب عشر کی شرائط کے بیان میں ہے :

أخذها الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق الا على

المسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء

فلا يبتدأ به عليه - (۱)

وفى الشامية: لأنها تكون خراجية إذا لم يلم أهلها سواء فتحت عنوة وفتح

على أهلها مبها أو صلحا ووضع عليهم الجزية - (۲)

عشر و سراج میں علی فرق بھی ہے چنانچہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ مالک زمین کی غفلت اور سستی سے ایسا ہوا ہو کہ قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیوں کہ عشر تو پیداوار ہی ایک حصہ کا نام ہے۔

حالاں کہ خراج قابل کاشت زمین پر عائد ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل زراعت و کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو اس حالت میں بھی اس پر سراج لازم ہوگا۔ پس خراج عائد ہونے کے لیے زمین کا قابل کاشت ہونا ضروری ہے البتہ خراج کی ایک دوسری قسم خراج مقاسمہ (یعنی بٹائی) ہے۔ اس صورت یعنی زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی کوتاہی اور غفلت سے کاشت نہیں کیا میں خراج معاف ہو جائے گا کیوں کہ مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے جب وہ یعنی پیداوار نہیں تو خراج بھی واجب نہیں ہوگا۔

فى الشامية : ومما هو موضح به أن خراج القاسمة لا يلزم بالتعليل فلا شيء

على الفلاح لو عطلها وهو غير مستاجر لها ولا جبر عليها بسببها وبه علم

ان بعض المزارعين اذا ترك الزراعة وكن مصر فلا شيء عليه فما

تفعله الظلمة من الاضرار به حرام موضح به فى البحر والنهر - (۳)

وايضا : وقد تقرر أن خراج المقاسمة كالعشر تعلقه بالخارج ولذا يتكرر

بتكرار الخارج فى السنة - (۴)

اور خراج مؤظف کا وجوب زمین کے قابل کاشت ہونے پر ہی ہو جاتا ہے چاہے مالک زمین اپنی غفلت سے کاشت نہ کرے۔

(۱) بدائع ۶ (۲) شامی ۲۵۵ (نعمانیہ)

(۳) شامی ۲۵۶ (نعمانیہ) (۴) ایضا ۲۶۶



فی الدر المختار علی الرد المحتار : وخراج وظیفہ ان کان الواجب شیئاً فی الذمة  
یتعلق بالتمکن من الانتفاع بالارض کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد لکل  
حبیب - (۱)

قال الشامی تحتہ : أنه یجب فی ذمته بمجرد تمکنه من الانتفاع بالارض  
لا یعین الخارج حتی لو تمکن من الزراعة وعطلها وجب بخلاف ما لو لم یتمکن<sup>(۲)</sup>  
یہاں یہ بات بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ عشر کے معنی تو دسواں حصہ کے ہیں لیکن اس کے ضمن میں نصف  
عشر بھی داخل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:  
ما سقته السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب ارض الیہ ففیہ نصف العشر<sup>(۳)</sup>  
جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا رہٹ وغیرہ سے سیراب کیا جائے  
اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

لہذا جن زمینوں کی سیرابی ایسے پانی سے ہوتی ہو کہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یا محنت کرنی پڑتی ہے، جیسے  
چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے تو ایسی زمینوں کے پیداوار کا بیسواں حصہ ادا  
کرنا واجب قرار پاتا ہے۔

تنبیہ : امام اپنی رائے اور فیصلے سے جو خراج متعین کرے گا مالک زمین پر اس کی ادائے گی ضروری ہوگی، اب  
امام کو تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ علامہ شامی نے کافی نامی کتاب سے درج ذیل عبارت اس سلسلے میں  
نقل فرمائی ہے :

وفی الکافی ولیس للامام ان یحول الخراج الموظف الی خراج المقاسمة أقول וכذا لک  
عکسہ فیما یظهر من تغلیبہ لأنه قال لأن فیہ تضمن العهد وهو حرام۔ (۴)

زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں فرق اس سے بھی ہوتا ہے کہ ملک مفتوح عنوة کی ارا منی اگر مجاہدین پر تقسیم  
کردی گئی ہے تب تو عشری ہے ورنہ خراجی ہے خواہ وہ زمین انہیں کی ملکیت میں برقرار رہے جن کی ملکیت میں پہلے

وہ زمین تھی یا دوسرے کفار کی ملکیت اس پر ہو گئی ہو۔ ۱۱۔

سواء اقراہلہ علیہ او نقل الیہ کفار اخر و قال الشافعی تحتہ: واقراہلہ علیہ  
لیس بشرط فی کوفہا خراجیۃ بل الشرط عدم قسمتها مریح بذلك فی شرح الطحاوی  
کما فی النہر ولم یقید کوفہا خراجیۃ بان تسقى بماء الخراج لانه لا فرق بینہ  
وبین ما اذا سقیت بماء العشر کما اذا قسمت بین المسلمین فانہا عشریۃ وان  
سقیت بماء الخراج وانما التفصیل فی الفرق بین ما یسقى بماء العشر و بماء الخراج  
فی الارض الحیاء لمسلم التی لم تقسم ولم یقراہلہا علیہا۔

عبارت مذکورہ بالا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ فرق کا مدار عشری اور حسراجی پانی پر نہیں ہے بلکہ تقسیم و عدم  
تقسیم پر مدار ہے یعنی قہر الملک فتح کیے جانے کے بعد اس کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا گیا تو عشری ورنہ حسراجی  
ہے۔ واللہ اعلم۔

فقد قال ابو یوسف فی کتاب الخراج: وهذه الارضون اذا قسمت فہی ارض عشر وان ترکھا

الامام فی ابی دی اہلہا الذین قہروا علیہا فہو حسن۔ (۲)

### عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے اس بارے میں چند فیصلے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو عشری قرار دیا، آپ کے بعد  
خلفاء راشدین اور سلطنت اسلامیہ کا بھی یہی حکم جاری رہا۔

واما ارض العرب فلانہ لم ینقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن احد من الخلفاء

واخذ خراج من اراضیہم۔ (۳)

علامہ ابن عابدین شامی حرمے تقویم البلدان کے حوالے سے جزیرۃ العرب کے پانچ خطے مع طول و عرض شمار  
کرائے ہیں۔

فی مختصر تقویم البلدان جزیرۃ العرب خمسۃ اقسام: نہامہ و نجد و حجاز و عرم و عس۔

یہ کل پانچ خطے ہیں۔ اسی کے آگے علامہ موصوف نے ہر ایک خطہ کے طول و عرض کو تحریر فرمایا ہے۔ (۱)  
 اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب عراق کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں  
 پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔

فان المسلمين افتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم يقسموا شيئا من ذلك بل وضع

عمر عليها الخراج وليس فيها خمس۔ ۱۲۱

اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا خراج کا حکم جاری فرمایا۔

وضع على مصر حين افتتحها عمرو بن العاص وكذا اجتمعت الصحابة على وضع الخراج

على الشام۔ (۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے  
 سالانہ ادا کیا کریں نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔

كما صالح رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل نجران على الف ومائتي خنقة۔ (۴)

لیکن ابوداؤد کی روایت میں ”الفاخلة“ ہے۔

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے مسلمانوں کی زکوٰۃ  
 کا دو گنا لیا جائے اور یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ الارض عشر ہے، لہذا ان سے دو گنا عشر وصول کیا جائے گا۔ مصرف  
 اس کا وہی ہوگا جو خراج کا ہوتا ہے چاہے اس کا نام وہ عشر ہی رکھ لیں۔

ونصارى بنى تغلب يؤخذ من اموالهم ضعف ما يؤخذ من المسلمين من الزكاة

لان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صالحهم على ذلك بمحض من الصحابة قال عمر بن الخطاب

جزية فسرهما ما شئتم ولهذا اتصرف مصارف الجزية۔ (۵)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض موات کے بارے میں فیصلہ کیا کہ جس نے اس کو قابل کاشت بنالیا  
 وہ اس کی ہوگئی، اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہے جو پہلے مذکور ہوا لیکن

(۱) شامی ۲۵۳ (۲) شامی ۲۵۵ (۳) ہدایہ ۵۴۶ (۴) ہدایہ، باب الجزية ۵۴۴

(۵) ہدایہ ۵۴۹



اس میں یہ بھی شرط ہے کہ امام وقت کی اجازت سے اس کو قابل کاشت بنایا ہو۔

لان الاحیاء یتوقف علی اذنتہ - (۱)

فی المشکوۃ: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من

عمر ارضا لیت لاحد فہو احق قال عروۃ مثنیٰ بہ عمر فی خلافۃ - رواہ البخاری -

جس ملک کو جنگ اور لڑائی کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو اس ملک کی زمینوں کے بارے میں امام المسلمین کو یہ اختیار حاصل ہے کہ پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے بعد باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دے اور یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج عائد کر دے۔

قال فی البدائع من الغنۃ: اما الاراضی فللایمام فیہ خیاران انشاء خمیرھا ویقسم

الباقی بین الغانمین لما بینا وان شاء ترکھا فی ید اھلھا بالخراج وجعلھم ذمۃ

(الی قولہ) وھذا عندنا وعند الشافعی وللایمام ان یتربک فی اید یھم بالخراج بل یقسمھا

لما اجماع الصحابة فان سیدنا عمر لما فتح سواد العراق ترک الاراضی فی اید یھم

ومتربک علی رؤسھم الجزیۃ وعلی اراضیھم الخراج بمحض من الصحابة الکرام

ولم ینقل انه انکر علیہ منکر فکان ذلک اجماعا منھم - (۲)

وقال الجصاص فی سورة الحشر ویدل علیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح

مکہ عنوة ومن علی اھلھا فاقترھم علی املاکھم فعد حصل بدلالة الآیۃ واجماع

اللف والسنة تخیر الامام فی قسمة الاراضین او ترکھا ملکا لاهلھا ووضع الخراج

علیھا - (۳)

## محمود دوم

### اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

محمد بن قاسم ثقفی کے زیر قیادت سندھ کی فتح خلیفہ المسلمین ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں

حجاج بن یوسف و انسراے عراق کے زیر اہتمام عمل میں آئی، اس خطہ کے فتح ہو جانے کے بعد محمد بن قاسم ہی کو اس کا عامل اور گورنر مقرر کر دیا گیا اور حجاج بن یوسف کے واسطے سے امیر المومنین کے احکام اور قانون اسلامی یہاں جاری کیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”اسلام کا نظام اراضی“ میں اس کا پورا ثبوت فراہم کیا ہے، چنانچہ مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے:

”عام طور پر پورے خطہ سندھ کی فتوحات صرف دو ہی صورتوں سے ہوئی، کہیں صلح و امن سے اور کہیں جنگ و جہاد سے ان میں سے جو بلا و صلح کے ساتھ فتح ہوئے ان میں تو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط صلح کی پابندی کی ان کی اراضی اور اموال پر کوئی تعریف مطلقاً نہیں کیا۔ ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک اور متصرف رہا، البتہ شرعی قاعدہ کے مطابق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کر دی گئی۔“

اور جو بلا و عنوة (قہراً) جنگ کر کے فتح کیے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی ملک اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو تو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا تھا باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عام اراضی عراق و شام و مصر کے ساتھ ہی معاملہ فرمایا تھا (۱)۔

ارضی مفتوحہ پر خراج کا حکم اسی وقت لگو کیا جاسکتا ہے جب کہ مالکان سابق کی ملکیت اس پر اسی طرح برقرار رکھی جائے جس طرح سے پہلے تھی۔ اس لیے کہ اگر ان کا قبضہ مالکانہ ہٹا دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو فاتحین میں تقسیم ہو کر ان کی ملک ہو جائیں ایسی صورت میں ان کی زمینوں پر عشر واجب ہوگا اور یا تو ان کا قبضہ ہٹانے کے بعد ان زمینوں کو بیت المال میں داخل کیا جائے تو ایسی صورت میں ان زمینوں پر نہ تو عشر ہے اور نہ خراج۔

”فی الشامیۃ: وهذا نوع ثالث یعنی لاعشریۃ ولاخراجیۃ من الاراضی تسمى

ارضی المملکۃ و اراضی الحوز و هو مامات اربابہ بلا وارث و آل بیت المال او فتح عنوة

و ابقوا للمسلمین الذی یوم القیامۃ۔ (۱)

لہذا اراضی سندھ پر محمد بن قاسم کا خراج کا حکم اس بات پر مستزح دلیل ہے کہ عام زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھی گئی۔ مفتوح راجہ کی جملہ املاک اور مقبوضات کو بیت المال میں داخل کر لینا اس کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل سے جو انھوں نے عراق میں شاہ کسریٰ کی زمینوں کے ساتھ کیا ثابت ہوتا ہے کہ شاہی مقبوضات کو داخل بیت المال کیا اور بقیہ زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج شرعی مقرر کیا۔

حجاج بن یوسف کی جانب سے محمد بن قاسم کے پاس جو فرامین و احکام بھیجے گئے ان کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اسی کتاب میں جو تحریر فرمایا ہے اس کو بعینہ نقل کیا ہے فتح بیرون کے بعد محمد بن قاسم کے نام حجاج کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا۔

”اہل بیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو، ان کی بہبودی کے لیے کوشش کرو، لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو، جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہونا چاہیے۔“ (۲)

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا فرمان آیا کہ

”جو تم سے جاگیر دریا ست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو۔ التجاؤں کو قبول کرو، امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو، تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو، جب وہ الگداری دیے کا اقرار کر لیں تو ہر طرح ان کی اعانت کرو۔ جو شخص تو حید الہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت کرے اس کے مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو، لیکن جو شخص اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔“ (۳)

تنبیہ

خراج و مالگداری ان لوگوں پر عائد کرنا اس کی دلیل ہے کہ حجاج بن یوسف نے سندھ کے ہندو باشندوں کا ان کی اراضی پر بدستور مالک و قابض رہنا تسلیم کر لیا تھا، ورنہ تقسیم بین الغائبین کی صورت میں عشر ہوتا اور اراضی کے بیت المال میں داخل ہونے کی صورت میں نہ عشر نہ حراج۔ (۴)



محمد بن قاسم نے خود حفاظت اموال و اراضی کا اعلان عام کر دیا تھا چنانچہ جو علاقے اب تک فتح نہیں ہوئے تھے ان میں یہ احکام بھی جوادیئے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پُرمان رہے گا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہوگی۔ (۱۱)

نیز برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد قاسم نے اعلان عام کر دیا جو لوگ امراء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے چودہ تولہ اور جو دوم درجہ کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولہ اور عوام سے پونے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی، جو اسلام قبول کرے گا وہ اس جزیہ سے معاف کر دیا جائے گا، اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا، مالکان اراضی بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگداری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا، وغیرہ۔ (۱۲)

یہاں پر اس خلاصہ کلام کو نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہو رہا ہے جس کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں اپنی خداداد بصیرت اور علمی واقفیت سے تحریر فرمایا ہے۔

"مذکور الصدر شاہی فرامین اور محمد بن قاسم کے اعلانات سے رذردشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پورے ملک سندھ کی اراضی مملوکہ پر ہندو مالکان اراضی کا مالکانہ قبضہ بدستور قائم رکھا گیا ہے خواہ وہ شہر صلحا فتح ہوئے یا غنوة و قہرا۔ اسلامی حکومت نے قبضہ یا تو ان زمینوں پر کیا جو غیر مملوک تھیں یا ان زمینوں پر جو شاہی مقبوضات تھیں یا وہ اراضی جو بہت المال میں شامل ہوئیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا مفقود ہو گئے اور ان کے کسی وارث کا بھی پتہ نہ چلا۔ انہی زمینوں میں سے کچھ مسلمانوں کو جاگیریں دی گئیں۔ اب ملک سندھ کی اراضی جو مسلمان کی ملکیت میں آئیں اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اراضی جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جاگیر مالکانہ صورت دے دی گئی اور یا وہ جو ہندو مالکانہ ارضی سے خریدی گئی۔ (۱۳)

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الغرض سندھ کی فتح ہو جانے کے بعد اس کی زمینوں پر خراج کا حکم عائد کیا گیا۔

قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنة ثلاث وتسعی وکان غنوة

الا مردم چنہ (اسم مومنع) اسلموا طوعاً علی ما صرحوا بہ فی التاریخ - (۱)

بیاض واحدی میں شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "رفع الغریہ" کے حوالہ سے نقل کیا ہے،

وما سمعت من احدها وما وجدت من کتاب ان محمد بن القاسم وضع العشر

علی ارض السند ولو وضع لنقل - (۲)

فتح سندھ کی تکمیل کے بعد بقیہ ممالک ہند کی فتوحات کا مسئلہ تقریباً تین سو سال بعد شروع ہوا اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی سلطان محمود غزنوی ہیں ان کے اداران کی اولاد کے ہاتھوں مختلف بلاد فتح ہوئے اور بعد کے سلاطین نے فتح کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔

فتوحات چند نوع پر ہوئیں۔

(۱) یہ صورت بھی پیش آئی کہ اول فتح کے وقت لوگ مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں کو ان کی زمینوں کا مالک بدستور قائم رکھا گیا لیکن یہ صورت بہت کم پیش آئی ہے۔

(۲) بعض ممالک ہند صلح کے ساتھ بھی فتح ہوئے ہیں ان کے ساتھ صلح کی شرائط اور دستور کے مطابق عمل کیا گیا۔

(۳) کچھ ممالک ہند لڑائی اور جنگ سے بھی فتح ہوئے ہیں اس صورت میں امام المسلمین کو تین اختیارات حاصل ہیں  
۱۔ چاہے تو ان زمینوں کو غنائم میں تقسیم کر دے، پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے بعد۔  
۲۔ اراضی مملوکہ کو تقسیم کیے بغیر کل یا بعض زمینوں کو بیت المال کے لیے مخصوص کرے پھر اس کی کاشت وغیرہ کا انتظام بیت المال کی طرف سے ہو۔

۳۔ مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم اور باقی رکھ کر ان کی زمینوں پر خراج عائد کر دے۔  
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کی تصریح ان لفظوں میں کی ہے:

(۱) منقول از خواہر الفقہ جلد ثانی بحوالہ شیخ ابوالحسن سندھی

(۲) منقول از کتاب مذکور ۲۵۵

” فتوحات ہند کی پوری تفصیل میں پہلی صورت تو ایک جگہ بھی نظر نہیں آتی کہ اراٹنی مفتوحہ کو غانمیں میں تقسیم کیا گیا ہو اور دوسری صورت بھی اس طرح تو کہیں پائی نہیں جاتی کہ مفتوح ملک کی پوری زمینوں کو مالکان سابق کی ملکیت سے نکال کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا ہو، البتہ جو زمینیں مفتوح راجاؤں کی ملک خاص اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو کہیں کہیں حکومت اسلامیہ کے قبضہ میں بکلم اراٹنی بیت المال رکھا گیا ہے، جس کی نظیر فتح عراق کے وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل میں بھی پائی جاتی ہے اور فتوح سندھ میں محمد بن قاسم کے عمل میں بھی۔ باقی تمام اراٹنی مفتوحہ میں تیسری قسم کا اختیار فاتح سلطان نے نافذ کیا ہے یعنی مالکان سابق کو ان کی ملکیت اراٹنی پر بدستور قائم رکھ کر زمینوں پر حصار مقرر کر دیا گیا۔

مالکان سابق کے تمام مالکانہ تصرفات جائز و برقرار رکھے گئے یہی وہ معاملہ ہے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق، شام، مصر کی اراٹنی کے ساتھ بمشورہ صحابہ رضی اللہ عنہم اختیار فرمایا اور یہی صورت فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ نے تمام ممالک سندھ میں اختیار فرمائی: (۱)

اسی کتاب کے ص ۸۲ پر حضرت رح نے تاریخی جائزہ کا خلاصہ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

” فتوحات ہند کے تفصیلی مطالعہ اور تقریبات منقولہ بالا کے اجمالی استحضار سے یا مرستہ ہوتا ہے کہ مسلم فاتحین سندھ و ہند نے باشندگان ملک کی عام اراٹنی مملوکہ پر نہ بیت المال کا مالکانہ قبضہ کیا اور نہ غانمیں و مجاہدین میں تقسیم کیں بلکہ باشندگان ملک اپنی اپنی مملوکہ زمینوں پر بدستور مالک و متصرف رہے جیسا کہ حنفیہ کے نزدیک عراق، شام، مصر کی زمینوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے اور سلسلہ فتوحات محمود غزنوی سے شروع ہو کر سلطان علاؤ الدین خلجی پر تمام ہوا، اور ابتداء فتح میں جو احکام و معاملات اراٹنی کے متعلق نافذ ہونا تھے، وہ اس وقت تک ہو چکے۔ اس کے بعد اراٹنی مملوکہ کی ملکیت میں سرکاری تغیر و تبدل کا حق خود سلطان فاتح کو بھی نہیں رہا، بعد کے آنے والے سلاطین کو تو کیا ہوتا، امام ابو یوسف رح کی کتاب الخراج میں ہے:

” ليس للامام ان يخرج شيئا من مباح الا بالحق ثابت معروف. (مواصتہ)

اس لیے تاریخ ہند کا وہ حصہ جس پر عام احکام اراٹنی موقوف ہیں وہ علاؤ الدین خلجی کے دور پر تمام ہو جاتا ہے، بعد کے



سلاطین کا عمل و تعامل ملکیت اراضی کے بارے میں نہ کوئی شرعی حجت ہے اور نہ اراضی کے احکام شرعیہ پر اس کا کوئی معتد بہ اثر ہے۔

## ارضی ہند کی نوعیت بعد انگریز

انگریزوں نے ہندوستان میں جب اپنا قبضہ پورے طور پر جمایا تو آہستہ آہستہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ کر اپنا قانون جاری کرنے کی ناپاک کوشش کرنے لگے، لیکن یکبارگی پورے قانون کو بدل دینا ان کے لیے مشکل معلوم ہوا۔ اس لیے انھوں نے بھی ابتدائی عہد سلطنت میں بہت سی جگہوں میں تحصیل مالگداری کا پرا تہ طریقہ جو عہد اسلامی میں رائج تھا اختیار کیا۔

پھر جس طرح عہد اسلامی میں بہت سے جاگیردار جو مالگداری وصول کر کے اس کا کوئی حصہ (تہائی یا چوتھائی وغیرہ) اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے اور باقی اپنی فوج پر خرچ کرنے کے مجاز ہوتے تھے وہ ظلم و زیادتی سے خود زمین کے مالک بن جاتے اور اصل مالک زمین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا اسی طرح دور انگریزی میں بھی بعض علاقوں میں یہ جاگیردار خود مالک و مختار بن جاتے اور قانون انگریز ان کو مالک تسلیم بھی کر لیتا، جبکہ یہ جاگیردار عہد اسلامی میں قانوناً صرف اتنا اختیار رکھتے تھے کہ مالگداری کا ایک حصہ اپنی ضروریات میں خرچ کریں اور زمین پر ملکیت اصل مالک جس کو زمیندار کہا جاتا تھا اس کی رہے گی، مالگداری ادا کرنے کے بعد باقی منافع ارض کا مستحق بھی اصل مالک ہوگا۔

لیکن آہستہ آہستہ اس قانون کو اس طرح بدلا گیا کہ زمینداروں کے علاوہ جو کاشت کار ہوتے تھے حکومت انگریز نے زمینوں میں سے ان کو بھی حقوق دینے کا قانون بنایا، اس جگہ ہم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب "اسلام کا نظام ارضی" کا وہ حصہ نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو تاریخ کی مستند کتابوں کے مقبسات سے مستفاد ہوتا ہے۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کے وقت مالکان ارضی کو اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور یہ مالکان ارضی زمیندار کہلاتے ہیں۔

(۲۱) تحصیل مالگداری میں بھی بہت سے علاقوں میں پرانا طریقہ جاگیرداری یا بالفاظ دیگر ٹھیکہ داری کا جاری رکھا۔

(۲۲) بعض صوبوں مثل بنگال میں یہ تعلقہ دار جو درحقیقت مالکان ارضی نہیں بلکہ ٹھیکیدار تھے سلطنت کی ابتدائی

گزر میں خود مالک زمین بن بیٹھے اور قانون نے بھی ان کو مالک تسلیم کر لیا، اسی لیے بنگال میں تعلقہ داروں کو زمیندار کہنے لگے۔

۱۴۱) اس عہد میں خود کاشت کار زمینداروں کے بجائے ایک دوسرے طریقے نے زیادہ رواج پایا جس کو زمیندار اور کاشت کار کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زمیندار و کاشت کار کی اس تفریق نے کاشت کاروں کی طرف سے مطالبہ حقوق کے جھگڑے اور کسان سبھا وغیرہ پیدا کیں اور کاشت کاروں کے حقوق کے لیے قانون بنے۔ انگریزی عہد سے پہلے حقیقت اراضی زمیندار اور پھر سرکار کے لیے مخصوص تھی اور چوں کہ عموماً دستور خود کاشت کا تھا اس لیے زمیندار ہی کاشتکار بھی تھے اور کہیں لگان پر زمین دینے کا طریقہ رائج بھی ہو جب بھی سرکاری کاغذات میں کاشتکار کا زمیندار سے علیحدہ کوئی منصب حقیقت اراضی میں نہیں تھا۔ انگریزی عہد ۱۹۲۲ء میں نئے قانون نے حقیقت اراضی میں کاشتکار کا درجہ بھی مثل سہیم و شریک کے قائم کر دیا اور اب اس سلسلہ میں سرکار نے زمیندار کے ساتھ ایک تیسرا درجہ کاشت کار کا بھی قائم کر دیا۔ کاشت کار کے مستقل حقوق اور ان کا تحفظ ابتداءً اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ جب خود کاشت کے بجائے لگان پر اراضی دینے کا رواج بڑھا تو زمین کی پیداوار پر اس کا ایک ناگوار اثر پڑا کیوں کہ کاشت کار اپنے عارضی ہونے کی وجہ سے زمین کے درست کرنے اور پیداوار بڑھانے میں اتنی محنت و مشقت صرف نہیں کرتے تھے جیسی خود مالک زمین کرتا، کیوں کہ اسے ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ زمیندار جس وقت چاہے گا زمین مجھ سے چھڑا لے گا۔ اور اس کی ہمواری و قابل کاشت بنانے پر جو میرا روپیہ اور محنت صرف ہوگی اس کا صلہ مجھ کو مل سکے گا حکومت نے پیداوار کے اس نقصان کی تلافی اور ترقی زراعت کے پیش نظر کاشتکار کے حقوق قائم کیے۔

انگریزی عہد کے اس نئے قانون نے کاشت کاروں کے حقوق کی رعایت کے نام سے زمینداروں کے حقوق پھینکا شروع کر دیے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کے بجائے مظلوم بنا دیا۔ یعنی زمیندار اگر کاشت کاروں پر ظلم کرتے رہے ہوں تو اس کی صورت یہ نہیں تھی کہ زمینداروں کے حقوق غائب کیے جائیں بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ کاشت کاروں کا جو ذاتی حق ہوتا اسے زمینداروں سے دلویا جاتا۔ ۱۹۴۷ء میں موروثیت وغیرہ کے نئے قانون نے تو کاشت کاروں کو اصل مالک قرار دے دیا اور زمیندار کو معطل کر دیا گیا۔

# عشر و خراج کی حقیقت

از: — مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی جامعہ دارالسلام مالیہ کوٹلہ۔

اسلام کا بنیادی فکریہ ہے کہ یہ ساری کائنات — روئے زمین جس کا ایک حصہ ہے۔ ایک اللہ کی سلطنت ہے۔ وہ اکیلا خود ہی اس کا پیدا کرنے والا بھی ہے۔ اور بلا شرکت غیرے اس کا مکمل فرماں روا اور حقیقی مالک بھی۔

اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق انسان اللہ کی پیدائشی رعیت (BORN SUBJECT) ہے۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس زمین پر اپنی خلافت سے نوازا ہے۔ ہمارے پروردگار نے ایک محدود دائرے میں آزادی عمل کا اختیار دیا ہے۔ آزادی عمل کے یہ محدود اختیارات حاصل کردہ نہیں بلکہ تفویض کردہ (DELEGATED) ہیں۔

آزادی عمل کے اختیارات استعمال کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی کائنات میں انسان کو کچھ چیزوں پر تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ یہ سب چیزیں جن پر انسان تصرف کرتا ہے اور اس کو ملتی ہیں۔ اللہ کی بخشش ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَىٰ ۚ

جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر



وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ - (۱)

اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو عطا کیا ہے۔

یہ مال و زر، زمین، یہ باغ، یہ کھیت وغیرہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔ شکرِ نعمت کی نذر کا نام "زکوٰۃ" ہے جو دین کا اہم رکن اور مالی عبادت ہے۔

زکوٰۃ اسلام کی اس اقتصادی پالیسی کا ایک حصہ ہے کہ دولت کا بہاؤ مالداروں سے غریبوں کی طرف رہے۔ دولت منجمد نہ ہونے پائے گردش میں رہے۔ زکوٰۃ اسلام کے تربیتی نظام کا ایک اہم جزو ہے تاکہ انسان کا دل حب مال کی بنجاست سے پاک و صاف ہو جائے۔

## عشر

جس طرح سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے اسی طرح زمین کی پیداوار کی بھی زکوٰۃ ہے۔ اسی کا اصطلاحی نام "عشر" ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا  
أُكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ. كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ  
وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ - (۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان (انگڑی باغ)، اور نخلستان پیدا کئے، کھیتیاں  
اگائیں جن سے قسم قسم کے مالکولات حاصل ہوتے ہیں۔ زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل  
صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاد ان کی پیداوار جبکہ یہ پھلیں۔ اور اللہ کا حق ادا کرو  
جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو۔ کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مذکورہ آیت میں "وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار کی زکوٰۃ (عشر)  
کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ جس دن پیداوار حاصل کر لی جائے فوراً اس کا حق (عشر)  
ادا کر دیا جائے۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ (۳)

پیداوار کے عمل میں انسان کی کوشش ضرور ہے مگر اس کوشش کا نتیجہ مہیا کرنا اس کوشش کو نتیجہ فیزیکی بنانا  
بیج کو نوپل اور کوئل کو دھت بنانا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۚ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (۱)

دیکھو تو جو کچھ تم کاشت کرتے ہو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے ؟

لِيَاْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُمْ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ (۲)

ہم نے زمین میں چشے جاری کئے، تاکہ وہ دھتوں کے پھل کھائیں۔ حالانکہ یہ پھل ان کے ہاتھوں نے نہیں  
بنائے وہ شکر نہیں کرتے۔

پیداوار کے عمل میں جو جانور کام آتے ہیں یہ وسائل دوزخ بھی اللہ کے دیئے ہوئے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ (۳)

کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے ان کے لئے جانوروں کو اپنے ہاتھ سے بنا کر پیدا کیا۔ پھر بھی لوگ  
ان کے مالک بن رہے ہیں۔

قہم لہما مالکون کے الفاظ سے بعطائے حق انسان کی انفرادی ملکیت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔ ہر حال پیداوار کا  
کے قبضہ میں آتے ہی اس کا حق شکر عشر کی صورت میں ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ عشر اہل اسلام کے ذمے  
ہے۔ غیر مسلم اس کے مخاطب نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ

مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ (۴)

اے ایمان والو! اپنی کمائی اور ہماری عطا کردہ زمین کی پیداوار سے اچھا اور پاکیزہ مال (میری راہ میں)  
خرچ کرو۔ اس میں سے خراب اور ردی مال خرچ کر نیکاراوارہ بھی نہ کرو۔

حدیث میں ہے:

عن عبد الله بن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال — فيما سقت

(۱) سورة الواقعة آیت ۵۶-۶۳ (۲) یسی ۳۵-

(۳) یسن ۷۱ (۴) البقرة ۲۶۷-

السما والعیون أو كان عشرين العشر وما سقى بالنفع نصف العشر (۱)  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کھیت بارش کے  
پانی پیتے یا تالاب و جوہر سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو کھیت سیرابی کے سامان درہٹ  
ادھ (وغیرہ) سے سیراب ہو اس میں نصف عشر (میسواں حصہ) ہے۔

جابر بن عبد اللہ یذکر أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم قال فيما  
سقت الأفهار والغيم والعشور وفيما سقى بالسانية فيه نصف العشر (۲)  
حضرت جابر بن عبداللہ نے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا  
جن کھیتوں کو نہریں اور بارشیں سیراب کریں اس میں دسواں حصہ ہے اور جن کو اونٹوں پر پانی لاکر سیراب  
کیا جائے ان میں میسواں حصہ ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے عشر کی شرح دس فیصد اور پانچ فیصد معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ کسی  
لغاب کی قید کے بغیر اس میں عشر لازم ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر پیداوار پر چاہے غلہ ہو یا سبزی، پٹ سن وغیرہ زمین کی  
ہر وہ پیداوار جو بالقصد کی جاتی ہے اس پر اس کی زکوٰۃ الارض یعنی عشر ادا کرنا ہوگا۔  
آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن عمر بن عبد العزيز قال فيما أنبت الارض من قليل أو كثير العشر  
أخرجه عبد الوزاق ونحوه من مجاهد وإبراهيم النخعي (۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین کی ہر پیداوار پر چاہے کم ہو یا زیادہ عشر لازم ہوتا ہے۔  
وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في العسل في كل  
عشرة أَرْبَعُ زُقُ، رَوَاهُ الترمذی وقال في اسناده مقال ولا يصح عن النبي صلى الله  
عليه وسلم في هذا الباب كثير شيعي (۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی پیداوار کے بارے میں فرمایا  
کہ ہر دس مشدیر ایک مشد مشد ہے۔

(۱) رداد بخاری، مشکوٰۃ باب ما يجب فيه الزکوٰۃ الفصل الاول ص ۱۵۹ (۲) مسلم شریف باب فيه العشر ونصف العشر ص ۲۶۷

(۳) حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۵۹ (۴) مشکوٰۃ باب ما يجب فيه الزکوٰۃ الفصل الثاني ص ۱۵۹۔



بدائع الصنائع میں ہے۔

أحدهما الإسلام وأنه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق  
الأعلى على مسلم بالأغلات لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل  
وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه. (۱)

(عشر کے لئے، دیگر شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے اور یہ شرط (عشر کی) ابتداء اور آغاز کیلئے  
ہے۔ آغاز میں عشر صرف مسلم پر فائدہ ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ عشر میں ایک پہلو  
عبادت کا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ لہذا عشر مسلمان پر ہی ہوگا۔  
اس سے آگے ہے کہ:

وأما سبب فرضيته (العشر) فالأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب  
الخارج الأرض النامية بالخارج حقيقة أو تقديرًا حتى لو أصاب الخارج أفنة  
فهلك لا يجب منه العشر في الأرض العشرية ولا الخارج في الأرض الخراجية  
لفوت النماء حقيقة وتقديرًا ولو كانت الأرض خراجية يجب الخراج لو جود  
الخارج لتقديرًا ولو كانت أرض خراج خراجيًا أو غلب عليها الماء بحيث لا يستطاع فيه  
الزراعة أو سبحة أو لا يصل إليها الماء فلا خراج فيه لعدم الخارج فيه  
حقيقة وتقديرًا. (۲)

عشر کے فرض ہونے کا سبب قابل کاشت زمین ہے۔ اور خراج کا خارجی سبب بھی قابل کاشت زمین ہے  
یہ سبب حقیقی ہو یا تقدیری ہو۔ اگر کوئی آفت اوپر سے ایسی آجائے جو کھیتی کو ختم کر دے۔ تباہ کر دے تو عشری  
زمین میں عشر نہیں ہوگا۔ اور نہ خراج والی زمین میں خراج ہوگا۔ اس لئے کہ حقیقت میں اور تقدیراً  
پیداوار متاثر ہوگئی۔ اور اگر زمین خراجی ہے (اور اس سے کوئی پیداوار حاصل نہیں کرتا ایسے ہی چھوڑ دیتا  
ہے) تو خراج واجب ہوگا۔ ہاں خراجی زمین میں اگر حقیقتاً پیداوار میں رکاوٹ پیدا ہو جائے مثلاً  
سیلاب آگیا۔ یا خشک سالی ہوگئی۔ سیرابی ممکن نہ رہی تو اس پر خراج نہ ہوگا۔

عشر کے سلسلہ میں خلاصہ بیان یہ ہے کہ :

- ۱۔ \_\_\_\_\_ سونے، چاندی، زکوٰۃ الاموال کی طرح زکوٰۃ الارض فرض ہے۔ (بالاتفاق)
  - ۲۔ \_\_\_\_\_ عشر صرف ٹیکس ہی نہیں بلکہ عبادت ہے (بالاتفاق)
  - ۳۔ \_\_\_\_\_ عشر مسلمانوں پر ہے غیر مسلموں پر نہیں ہے (بالاتفاق)
  - ۴۔ \_\_\_\_\_ زمین کی ہر پیداوار جو بالقصد پیدا کی جائے اس پر عشر ہے
  - ۵۔ \_\_\_\_\_ شہد پر بھی عشر ہے۔
  - ۶۔ \_\_\_\_\_ عشر کے لئے حوالان حول (سال گزرنا) ضروری نہیں ہے۔ پیداوار جب حاصل کر لی جائے تو عشر کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔ (بالاتفاق)
  - ۷۔ \_\_\_\_\_ عشر کی دو شرطیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادی ہیں \_\_\_\_\_ قدرتی پانی سے سیرابی ہو تو دس فیصد۔ اور سیرابی کے لئے اخراجات ہوں تو پانچ فیصد۔
  - ۸۔ \_\_\_\_\_ عشر کے لئے کوئی نصاب زکوٰۃ کی طرح مقرر نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر دینا ہوگا۔
  - ۹۔ \_\_\_\_\_ عشر کے لئے "دین" سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے۔
  - ۱۰۔ \_\_\_\_\_ عشر کے لئے عقل، بلوغ اور زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پیداوار پر عشر ہے۔ (بالاتفاق)
- عشر کے مندرجہ بالا مسائل میں درج ذیل نکات پر سب کا اتفاق ہے۔
- ۱۔ \_\_\_\_\_ زکوٰۃ الارض "عشر" فرض ہے۔
  - ۲۔ \_\_\_\_\_ عشر صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔
  - ۳۔ \_\_\_\_\_ عشر کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔
  - ۴۔ \_\_\_\_\_ عشر صرف ٹیکس نہیں عبادت ہے۔
  - ۵۔ \_\_\_\_\_ عشر کے لئے عقل اور بلوغ کی اور ملکیت کی شرط نہیں ہے۔ وقف زمین کی پیداوار پر بھی عشر ہے۔
- کیونکہ اسلام عشر کا تعلق پیداوار سے ہے نہ کہ زمین سے۔
- ۶۔ \_\_\_\_\_ شرح عشر دس فیصد اور پانچ فیصد پر سب کا اتفاق ہے کہ قدرتی پانی سے ہو تو دس فیصد۔ اور سیرابی کے لئے اخراجات ہوں تو پانچ فیصد۔

عشر کے جن مسائل پر ائمہ مجتہدین نے راسے کا اختلاف کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ ترکاریوں اور سبز یوں پر ائمہ اربعہ میں سے صرف امام ابو حنیفہ رحمہ کے مسلک میں عشر ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین (امام ابو یوسف و محمد رحمہ) اس کو عشر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ کے مسلک کی دلیل تو بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں عموم ہے۔ قرآن بمید کی آیات کا مفہوم بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحب کی راسے سے اختلاف کرنے والے دلیل میں یہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

عن معاذ أمته كتب إلى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله عن الخضروات

وهي البقول قال ليس فيه شيء - (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ انھوں نے لکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خضروات یعنی ترکاریوں کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

عن علي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ليس في الخضروات صدقة - (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبز یوں۔ ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲۔ غلوں اور پھلوں پر عشر کے لئے ”دین“ سے فارغ ہونا امام ابو حنیفہ رحمہ۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے

نزدیک شرط نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کی راسے اس مسئلہ میں مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ اموال کی طرح عشر کے لئے دین سے فارغ ہونا شرط ہے۔

ایک روایت امام ابو حنیفہ رحمہ سے بھی امام احمد بن حنبل رحمہ کے موافق ہے۔

روى ابن المبارك عن أبي حنيفة أن الدين يمنع وجوب العشر فيمنع على

هذه الرواية - (۳)

ابن المبارک نے ابو حنیفہ رحمہ سے یہ روایت کی ہے کہ دین وجوب عشر کو روک دیتا ہے لہذا اس روایت

کی بناء پر دین مانع عشر ہوگا۔



۳۔ عشر کے لئے کسی نصاب کا نہ ہونا ائمہ اربعہ میں سے صرف امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔۔۔۔۔ صاحبین بھی زکوٰۃ اموال کی طرح عشر میں بھی نصاب کے قائل ہیں۔ امام صاحب کے قول کی دلیل آیت قرآنی اور حدیث کا عموم ہے دیگر ائمہ کی دلیل یہ حدیثیں ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسة اوسق  
من التمر صدقة . (۱۱)

ابو سعید خدری رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ اوسق سے کم پھوار میں زکوٰۃ نہیں  
حضرت ابو سعید خدری رضی سے ہی دوسری روایت ان الفاظ میں ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی حب ولا تمر صدقة حق يبلغ خمسة  
اوسق . (۱۲) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غلے اور پھوارے میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ پانچ اوسق تک پہنچ جائے۔  
ایک اوسق شاطلمصاع کا ہوتا ہے۔ تین سو مصاع سے کم وزن میں عشر نہیں ہوگا۔

عشر کے سلسلہ میں یہ بنیادی حقیقت سامنے رہنی چاہئے کہ زمین پر زکوٰۃ نہیں ہے۔۔۔۔۔ زمین کی پیداوار  
حاصل کرنے کے لئے اصل مال وہ "بیج" ہے جو زمین میں بویا گیا۔ اصل مال یعنی بیج کا حاصل اور منافع یہ پیداوار  
ہے۔ جب کبھی کٹ کر صاف ہو کہ ہر طرح کے نقصانات سے بچ کر گھر آجائے تو اس کے اوپر یہ پیداوار کے  
منافع کا حق عشر کی صورت میں ادا کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوا ہے۔

شرح عشر میں سیرابی کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ اگر سیرابی قدرتی ذرائع سے ہوئی ہے جس  
کا شہکار کی محنت اور خرچ نہیں ہوا ہے تو شرح عشر درجس فیصد ہے اور محنت و خرچ ہوا ہے تو پانچ فیصد ہے۔

## عشری زمینیں

اس صورت میں ایسی ہیں جن میں زمین عشری ہوتی ہے۔

۱۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے جو زمینیں موروثی ہیں

۲۔ جو زمینیں بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳۔ وہ موردی زمینیں جو شاہی وقت سے تو موردی نہیں ہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئی ہیں؟

۴۔ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں۔ یا بطریق ہبہ یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا۔ یا ہبہ کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔ وہ سب زمینیں عشری ہیں۔

۵۔ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں کے خرید و فروخت کے ذریعہ آئی ہیں اور اوپر جا کر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔

۶۔ مسلمانوں کے قبضہ میں دراثہ یا بذریعہ خرید و فروخت ہیں۔ لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کی تھی۔

۷۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمان کی ملکیت تھی۔

۸۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی؟

۹۔ مسلمانوں نے غیر مزدور زمین کو جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی دریا پانی یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوئی ہے۔

۱۰۔ مسلمانوں نے اپنے رہائشی مکانات کو مزدور بنایا۔ (۱)

مسلمانوں کی ملوکہ و مقبوضہ زمینیں جو شرعاً عشری قرار پاتی ہیں۔ وہ جب تک ان کے قبضہ میں رہیں گی عشری رہیں گی۔ ان میں حکومت کی تبدیلی سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ عشر انسانی حکومت کا نہیں بلکہ اللہ اور رسول کا مقرر کردہ حق ہے۔

## خراج

سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۷ میں پیداوار کی زکوٰۃ کا حکم اہل ایمان کو دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں پر عشر کے بجائے خراج ہے۔ خراج ہر قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے بخلاف عشر کے کہ وہ زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج موقوف اور خراج مقاسمہ۔

خراج موقوف: — وہ ٹیکس ہے جو قابل کاشت زمین پر نقد رقم کی صورت میں لگایا جائے۔

خراج مقاسمہ: — وہ ٹیکس ہے جو بٹائی کی صورت میں پیداوار پر لگایا جائے۔

امول یہ ہے کہ جو وظیفہ خراج یا عشر کسی زمین پر لگادیا گیا وہ مالک کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔

اس لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو وہ خراجی ہی رہے گی۔ عشری نہ ہوگی۔

لیکن اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خرید لے تو وہ عشری نہ رہے گی۔ کیونکہ عشر ایک عبادت

ہے اور اس کا تعلق اسلام سے ہے۔ (۱)

کسی زمین کے خراجی ہونے کی چار صورتیں ہیں۔

۱ — کسی غیر مسلم ملک پر امام المسلمین کا قبضہ ہو جائے اور وہ وہاں کی زمینوں کو غیر مسلم باشندگان ملک کے

پاس ہی رہنے دے۔

۲ — کسی غیر مسلم ملک کے باشندے بطور خود امام المسلمین سے صلح کر کے ذمتی بننا قبول کر لیں۔

۳ — کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لی۔ تو اس صورت میں وہ زمین خراجی ہی رہے گی۔

۴ — کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان سے عشری زمین خرید لی تو اب وہ زمین خراجی بن جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک عشر اور خراج ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا عشر واجب ہو گا یا خراج۔ مگر

امام مالک رحمہ۔ امام شافعی رحمہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ کے نزدیک مسلمانوں کی مملوکہ ہر زمین کی پیداوار پر عشر فرض ہے۔

چاہے وہ زمین عشری ہو یا خراجی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ کے مسلک کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یجتمع علی مسلم خراج وعشر۔ (۲)

کہ مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

(۱) ملاحظہ فرمائیں بدائع الصنائع ۵۵/۲

(۲) رواہ ابن عساکر فی الکامل، از فتح القدیر جلد ۲



## مَراجِع ومَآخذ

- (۱) قرآن مجید
- (۲) تفسیر مظہری۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔
- (۳) مشکوٰۃ المصابیح۔ شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ ۷۲۷ھ میں ترتیب سے فارغ ہوئے۔ (تورمہ)
- (۴) الجامع الصغیر مسلم۔ ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری۔ نیشاپوری ۲۰۶ تا ۲۶۱ھ۔ دارعربیہ دہلی
- (۵) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ ملا علی قاری علامہ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی۔ متوفی ۵۸۷ھ۔  
ناشر زکریا یوسف مطبع الامام قسطنطنیہ۔
- (۶) الجامع الصغیر السنن ترمذی۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ متوفی ۲۷۹ھ۔
- (۷) کتاب العشر والزکوٰۃ۔ مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ
- (۸) شرح فتح القدر علی الہدایہ۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الحنفی السیداسی  
الاسکندری بن الہمام متوفی ۸۶۱ھ مطبع مصطفیٰ ۱۳۵۶ھ۔



# اسلام کا نظام عشر و خراج

از — محمد ابو الخیر مکتبوی، خادم التدریس، مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور

(منظم گڈھ، یوپی)

عشر و خراج اسلامی حکومت کے اہل تاج الفان میں سے ہیں۔ عشر کا لفظی معنی دسواں حصہ ہے لیکن جن صورتوں میں بیسواں حصہ (نصف عشر) واجب ہوتا ہے ان کا ذکر بھی فقہاء نے عشر ہی کے عنوان سے کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں :

”باب العشر وهو واحد الاجزاء العشرة والمراد به ههنا ما

ينسب اليه لتشمل الترجمة نصف العشر“

اور امام اکمل الدین اپنی کتاب العنایہ شرح الہدایہ میں فرماتے ہیں :

”والعشر بضم العين احد اجزاء العشر والخراج اسم لما

يخرج من غلة الارض“

عشر اور خراج زمین کی موخت ہونے میں دونوں شریک ہیں البتہ عشر کے اندر عبادت کا معنی ہے اور خراج میں صغار و ذلت کا معنی۔ اسی لیے عشر کی ابتدا مسلم ہی سے کی جاسکتی ہے اور کافر پر عشر کا وجوب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس میں وجوب عبادت کی اہلیت نہیں۔

ملک العلماء امام علاء الدین کا سانی فرماتے ہیں :

”الارض لاتخلو عن مونة اما العشر واما الخراج والابتداء بالعشر

في ارض المسلم اولى لان في العشر معنى العبادة وفي الخراج معنى الصلوة

اور علی اعتبار سے یہ فرق بھی ہے کہ عشر کا وجوب پیداواری پر ہوتا ہے اور خراج مؤلف کے

لیے پیداوار شرط نہیں :

”ومن شرائط المعلية وجود الخراج حتى ان الارض لو لم تخرج

شيئا لم يجب العشر لان الواجب جزء من الخراج وايجاب جزء

من الخراج ولا خراج معال

عشر وخراج کی فرضیت کے سبب میں بھی تھوڑا سا فرق ہے کہ عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا حقیقتاً

نامی ہونا ہے یعنی زمین سے پیداوار حاصل ہو جائے اور خراج کی فرضیت کا سبب زمین کا حقیقتاً یا تقدیراً

نامی ہونا ہے، یعنی اگر اسباب کے صمیم و سالم ہونے اور آلات حرث کے پائے جانے کی وجہ سے

زراعت پر قدرت ہو گئی تو تقدیراً حاصل ہو گیا :

”واما سبب فرضيته (العشر) فالارض النامية بالخارج حقيقة

وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقة او تقدیراً

یہی وجہ ہے کہ اگر پیداوار صلاک ہو جائے تو اس میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج، کیوں کہ نما

حقیقتہً و تقدیراً فوت ہو گیا۔ اور عشر زمین میں اگر زراعت پر قدرت کے باوجود کھیتی نہ کی تو عشر واجب نہ

ہوگا، کیوں کہ حقیقتہً پیداوار کا حصول ہی نہ ہوا، اور خراجی زمین ہوتی تو خراج واجب ہو جاتا، کیوں کہ

تقدیراً نما پالیا گیا۔ البتہ خراجی زمین ایسی ہو کہ اس سے پانی رستا ہو یا سیلاب میں ڈوب گئی ہو، جس

میں کھیتی ممکن نہ ہو یا زمین بنجر ہے یا سب کچھ درست ہونے کے بعد زمین ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں تک

پانی پہنچنا ناممکن نہیں اور اتنی بارش نہیں ہوتی جو کافی ہو، تو اس میں خراج نہیں کیوں کہ اس میں نما نہیں ہے

حقیقتہً نہ تقدیراً۔



## عشری و سراجی زمین میں بنیادی فرق :

### اراضی عشری

مسلمان فاتح جب کسی ملک کو فتح کرتا ہے تو اس کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں :

۱۔ ملک مسلحہ کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے اور ان کی زمینیں بدستوران ہی کی ملک ہیں، تو یہ عشری ہیں، جیسے مدینہ طیبہ، کہ وہاں کے باشندوں نے خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی، اور ان کی اطاعت قبول کی :

”الارض التي اسلم عليها اهلها طوعاً“

۲۔ ملک عنوة و قہراً فتح ہوا اور اس کی زمینیں غائبین مسلمین کے درمیان تقسیم کر دی گئیں، تو یہ عشری ہیں۔ کیوں کہ زمین مونت سے خالی نہیں ہوتی، عشر یا خراج لازم ہے اور مسلم کی زمین میں عشری سے ابتداء کی جائے سکتی ہے۔

۳۔ مسلمان نے اپنے گھر کو باغیچہ بنالیا، اور عشری پانی سے سیراب ہوتا ہے تو عشری ہے، (اگر سراجی پانی سے سیراب کرتا ہے تو خراجی ہے) گویا اس صورت میں عشری و سراجی ہونے کا مدار پانی پر ہے۔ تمام صورتوں میں نہیں ہے اور ضابطہ یہ ہے اگر زمین کا عشری ہونا منصوص علیہ ہے تو وہ عشری ہے خواہ سراجی پانی سے سیراب کی جائے اور اگر خراجی ہونا منصوص علیہ ہے خواہ عشری پانی سے سیراب کی جائے اور جو منصوص علیہ نہیں ہے اس کا مدار پانی پر ہے اگر عشری ہے تو عشری، اگر سراجی ہے تو خراجی، اور اگر کبھی عشری پانی سے کبھی خراجی پانی سے تو مسلم کے لیے عشری زیادہ لائق ہے۔

علامہ شافعیؒ فرماتے ہیں :

”قال في الكافي لان المؤنة في غير المنصوص عليه تدور مع الماء“

فان كانت تسقى بماء بئر او عين فهي مشربة وان كانت تسقى بانهار  
الاعاجم فخراجية ولو بهذا مرة وبهذه مرة فالعشرا حق بالمسلم  
اھو مقتضاہ ان المنصوص علی انه مشري كارض العرب ونحوھا او  
علی انه خراجي كارض السواد ونحوھا لا یعتبر فیہ الماء۔

اور علامہ ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے اس قول "وفي الجامع الصغير كل ارض  
فتحت عنوة فوصل اليها ماء الانهار فهي ارض خراج الخ" کے تحت تفصیلی گفتگو کرنے  
کے بعد ماحصل کلام جو ذکر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے :

"والعاصل ان التي فتحت عنوة ان اقر الكفار عليها لا يوظف عليهم  
الا الخراج ولو سقيت بماء المطر وان قسمت بين المسلمين لا يوظف  
الا العشر وان سقيت بماء الانهار واذا كان كذلك فبالضرورة  
يراد الارض التي احياها محي فان الذي فتحت عنوة مما يستلزم  
فيها التوظيف غير المقسومة والمقرر اهلها عليها ليس الاموات  
التي احييت ويصير المعنى كل ارض فتحت عنوة صارت ارض خراج  
اذا اقام اهلها عليها وكل ارض لم تفتح عنوة بل احياها مسلم  
ان كان صفتها انها يصل اليها ماء الانهار فهي خراجية او  
ماء عين ونحوه فهي مشربة۔"

## عشرى پانی

بارش کا پانی، خود مسلم نے کنواں کھودا، یا چشمہ جاری کیا، اسی طرح دجلہ اور فرات اور  
وہ سارے بڑے بڑے دریا جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

علاء بن ہمام نے اپنی کتاب فتح القدر میں امام محمد کا قول ذکر کیا ہے :  
 " ان محمد اقال فیمن احیا امرنا میتة بیئر حفرها او عین  
 استخرجها او ماء دجلة والفرات او باقی الانہار العظام التي  
 لا یملکها احد او بالمطرفہی عشریۃ "۔

## حِراجی پانی

وہ چھوٹی چھوٹی نہریں جنہیں کفار نے کھودا ہے، جن پر ان کا قبضہ ہوتا ہے، جیسے نہر ملک  
 نہر یرز و برد و غیرہ، شامی نے تعریف نقل کرنے کے بعد حاصل کلام یہ ذکر کیا ہے :  
 " والعاصل ان ماء الحراج ما كان للكفرة يد عليه شمر حرمنا  
 قہراً وما سواه عشری لعدم ثبوت الید علیہ فلم یکن غنیمۃ "۔  
 شامی نے جو حاصل کلام ذکر کیا ہے اس پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بارش اور بجاہ کا  
 پانی تو ایسا ہے کہ اس پر کفار کا پہلے قبضہ نہ تھا لیکن کنوے اور پٹھے ان پر تو قبضہ تھا پھر ان سے قہراً  
 لینا پایا گیا تو اس کو حِراجی ہونا چاہیے، اس سوال کا جواب خود ابن ہمام نے دیا ہے، جس کو شامی  
 نے نقل کیا ہے کہ :

"واعباب فی الفتح بانہ لا یلزم ذالک فی کل عین و بیئر فان اکثر ما  
 كان من حفر الکفرة قد دثر وما نواف الان اما معلوما لحدوث بعد  
 الاسلام او مجهول الحال فیجب الحكم فیہ بانہ اسلامي اضافة  
 للحادث إلى اقرب وقتہ الممكنین "۔

۴۔ ارض موت جس کو مسلم نے باذن امام زندہ کیا تو ابو یوسف کے قول پر اگر یہ عشری زمین کے  
 میز میں ہے یعنی اس کے ہر طرف عشری زمین ہے تو یہ عشری ہے اور اگر خراجی زمین کے میز میں ہے تو  
 خراجی ہے اور امام محمد کے قول پر اگر عشری پانی سے سیراب کرتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی ہے



شامی نے امام ابو یوسف کے قول کو معتمد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :

"ان احياء مسلم يعتبر قربة عند ابى يوسف وعند محمد يعتبر  
الماء والمعتمد الاول"

یہیں اس کا بیان لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق بصرہ کی زمینیں  
سرائی ہونی چاہیے کیوں کہ وہ خراجی کے زیریں ہے بیساکہ خراجی زمینوں کے بیان میں اس کی تفہیم  
آجائے گی۔ لیکن اجماع صحابہ کی وجہ سے بصرہ کو خاص کر لیا گیا ہے :

"وقياس قول ابى يوسف ان تكون البصرة خراجية لانها من حيز  
ارض الخراج وان احياء المسلمون لانها ترك القياس  
باجماع الصحابة حيث وضعوا عليه العشر  
اور شامی میں ہے :

"والبصرة احياء المسلمون لانها بنيت في ايام عمر بن الخطاب  
وهي في حيز ارض الخراج"

۵۔ عرب کی ساری زمینیں عشری ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد  
خلفاء راشدین نے ارض عرب سے خراج نہیں وصول کیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ عشری ہے :

"اما العشرية فمنها ارض العرب كلها وانتا كانت هذه  
ارض عشر لان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء  
الراشدين بعده لم يأخذوا من ارض العرب خراجا  
فذلك لانها عشرية  
اور ابن ہمام فرماتے ہیں :

"ولانه كما اشرق على العرب فكذا لاخراج على ارضهم"

ممدود عرب کا جانتا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا عشری ہونا متیقن ہو سکے۔ شامی نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے :

”جزيرة العرب خمسة اقسام تهامة، نجد، حجاز، عروص  
يمن فاما تهامة فهي الناحية الجنوبية من الحجاز اما نجد  
فهي الناحية التي بين الحجاز والعراق واما الحجاز فهو  
حبل يقع من اليمن حتى يتصل بالشام وفيه المدينة ومكان  
واما العروص فهو اليمامة إلى البحرين“

### خرابی زمینیں

ا۔ اگر ملک عنوة و قہراً فتح کیا گیا اور امام نے اس کی زمینیں ان کے مالکوں کے قبضے میں باقی رکھیں تو ان کی زمینیں ہمیشہ کے لیے خرابی ہو گئیں، وہ اسلام لائیں یا نہ لائیں :

”الارض التي فتحت عنوة وقهراً فمن الامام عليهم وتركها  
وفي يدا ربابها فانه يصنع على جماعتهم الجزية اذا لم يسلموا  
وعلى اراضيهم الخراج اسلموا ولم يسلموا“

اس ضابطے کا تقاضا یہ ہے کہ مکہ کی زمینیں خرابی ہوں، کیوں کہ وہ عنوة فتح ہوا ہے (جیسا کہ ابن ہمام نے دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے، کہ وہ عنوة فتح ہوا ہے، یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو دلائل ہم پیش کیے ہیں ان کی روشنی میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ مکہ عنوة فتح نہیں ہوا ہے) اور ان کی ملکیت برقرار رکھی گئی اور تقسیم نہیں کیا گیا، لیکن فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قیاس متردک ہے، کیوں کہ آپ نے اس پر خراج نہیں مقرر کیا :

”ومكة مخصصة من هذا العموم فان رسول صلي الله عليه وسلم  
فتحها عنوة وتركها لاهلها ولم يؤخذ الخراج“

اور بدائع میں ہے :

"فصارت مكة مخصوصة بذلك تعظيما للحرم"

۲۔ ملک توحمة فتح کیا اور ان کی زمینوں پر ان کی ملکیت باقی بھی رکھی یا ان سے ان کی زمینوں میں دراہم و دنانیر کے ایک مخصوص مقدار پر صلح کر لی تو یہ بھی خراجی ہے۔

۳۔ یا ان کفار کو تو نکال دیا، البتہ دوسرے کفار کو وہاں بسا دیا، کیوں کہ یہ ان ہی کے قائم مقام ہو گئے :

"وما فتح عنوة وافترا هله عليه او نقتل اليه كفارا آخر

او فتح صلحا خراجية"

۴۔ ارض موات جس کو مسلم نے زندہ کیا اور خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے :

"الارض الميتة التي احياها المسلم وهي تسقى بماء الخراج"

۵۔ یا ذمی نے مردہ زمین کو قابل کاشت بنایا۔

۶۔ یا اس نے اپنا گھر باغیچہ بنایا۔

"وفي دار جعلت بستانا خراج ان كانت لذمي مطلقا او المسلم سقاها

بماءه اى الخراج ولو ان المسلم او الذمي سقاها مرة بماء

العشر ومرة بماء الخراج فالمسلم احق بالعشر والذمي

بالخراج كما في المعراج"

۷۔ نصاریٰ بنی تغلب کی زمینیں خراجی ہے مالک کا مال بدلنے سے زمین کے خراجی ہونے میں کچھ تغیر نہ ہوگا۔

أرض نصارى بنى تغلب لان عمر صالحهم على ان ياخذوا راضيهم

العشر مضامنا وذلك خراج في الحقيقة"

۸۔ باستثناء بصرہ عراق کی ساری زمینیں خراجی ہیں، اس لیے کہ جب عمرؓ نے اسے فتح



کیا تو صحابہؓ کی موجودگی میں منسراج مقرر کیا گویا اس کے خرابی ہونے میں اجماع ہو گیا :

”دارض السواد کلھا ارض خراج“

شامی نے عراق کے حدود، تقویم البلدان کے حوالہ سے جو نقل کی ہے وہ یہ ہے :

”وامتداد العراق طولاً شمالاً وجنوباً من الحديثة إلى

دجلة إلى عبادان وامتدادہ عرضاً غرباً وشرقاً من القادسية

إلى حلوان“

## مَحْوَ رَيَنَجَم

(۱) — نصاب عشر کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے امام صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں، بلکہ ہر اس چیز میں عشر واجب ہے جسے زمین اگاتی ہو اور اس سے نماء کا قصد کیا جاتا ہو وہ قلیل ہو یا کثیر، رطب ہو یا یابس عام طور سے ایک سال تک رہ جاتا ہو یا نہ رہ پاتا ہو، کیل کیا جاتا ہو یا نہ کیا جاتا ہو، پہنے والے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو، یا بارش سے۔

”قال ابوحنيفة ربه في كل ما تنبت الارض ويبتغي به النماء

قليلًا كان وكثيرًا، رطبًا كان او يابسًا يبقى من سنة إلى سنة

اولا يوسق او لا يسقى سعيًا او بماء جاسر او سقته السماء اي

المطر، العشر“

البتہ اگر پیداوار اس قدر کم ہے کہ اسے عرف میں پیداوار کہا ہی نہ جاتا ہو مثلاً کل پیداوار نصف یا ایک نصاب ہے، تو اس میں وجوب عشر کا کوئی قائل نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے اس کے تفرع کا ہے :

"فَجِبَ اِی الْعِشْرَ فِیْمَا دُونَ النِّصَابِ بِشَرْطِ اَنْ یَبْلُغَ صَاعًا  
وَقَلِیلَ نَصْفَةٍ"

- امام صاحب کی دلیل آیت :

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَنْفِقُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا  
لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ مِنْ اَلْفٍ"

اور اللہ تعالیٰ کا قول :

"وَآتُوا حَقَّهُ یَوْمَ حَصَادِهِ"

کا عموم ہے اور حدیث بھی :

"مَا مَقْتَهُ السَّمَاءُ فِیْهِ الْعِشْرُ وَمَا سَقَى بِغَرْبِ اَوْدِ الْیَمَةِ  
فَفِیْهِ نَصْفُ الْعِشْرِ"

اور :

مَا اخْرَجَتِ الْاَرْضُ مِنْ فِیْهِ الْعِشْرُ

قلیل و کثیر کے درمیان کوئی فصل نہیں کرتی، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب  
ارض نامیہ ہے، یعنی زمین سے پیداوار حاصل ہو جانا، اور نحو قلیل و کثیر دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔  
اور صحابین کے نزدیک وجوب عشر کے لیے نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے،  
ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع آٹھ رطل کا، ایک رطل نصف من عربی کا، لہذا  
چار من کا ایک صاع ہوا، اس اعتبار سے بارہ سو من کا پانچ وسق ہوگا، اور ان کی دلیل ایک طویل  
حدیث کا یہ ٹکڑا ہے جسے بخاریؒ نے روایت کیا ہے :

"لَیْسَ فِیْمَا دُونَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مَدَقَّةٌ"

صحابین فرماتے ہیں کہ اس میں صدقہ سے مراد عشر ہے اس لیے کہ زکوٰۃ التجارہ بالاتفاق پانچ  
وسق سے کم میں بھی واجب ہے، جب اس کی قیمت دو سو درہم ہو جائے، اور عقلی دلیل یہ دیتے

ہیں کہ یہ عشر صدقہ ہے اور صدقہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کا تعلق نما، ارض سے ہے اور یہ کافر پر واجب نہیں ہے، اور اسے مصارف صدقات ہی میں صرف کیا جاسکتا ہے، جب اس کا صدقہ ہونا ثابت ہوا تو اس کے لیے نصاب شرط ہونا چاہیے تاکہ غنی مستحق ہو سکے، اور امام صاحب کے نزدیک "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" میں صدقہ سے مراد زکاة التجارة ہے، عشر نہیں، اس لیے کہ عہد نبوت میں لوگ دسقی کے ذریعہ بیع کیا کرتے تھے اور ایک دسقی کی قیمت پالیس درہم ہوا کرتی تھی، اس اعتبار پر پانچ دسقی کی قیمت دو سو درہم ہوتی اور یہی زکاة کا نصاب ہے اسی لحاظ سے آپؐ نے "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" فرمایا ہے کہ پانچ دسقی سے کم میں صدقہ نہیں یعنی دو درہم سے کم قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اور صاحبین نے جو یہ فرمایا کہ یہ صدقہ ہے لہذا نصاب شرط ہونا چاہیے تاکہ صفت غنی متحقق ہو سکے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب عشر میں نفس مالک کا اعتبار نہیں ہے، تاہم صفت چہرہ رسد یہی وجہ ہے کہ مکاتب، صبی، مجنون، ما دون کی زمین میں عشر ہے، اور ان اراضی میں جو متعین یا غیر متعین افراد و اعیان پر وقف ہیں، اور ان اراضی میں بھی جو کسی فرد، کسی قوم پر وقف نہیں بلکہ رابطات و مساجد کے لیے وقف ہیں، اسی وجہ سے اگر عشری زمین میں غلہ پیدا ہوا، اور مالک زمین پر ایک فطر رقم دین کی ہے۔ جب بھی اس کے ذمے عشر ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ دین بیش از بیش مالک کے صفت غنی کو منعدم کر سکتا ہے، اور وہ ایجاب عشر میں معتبر نہیں۔

"وإذا أخرجت الأرض العشرية طعاماً وعلی صاحبها دین كثير

لم یسقط عنه العشر لان الذین یعدم غنی المالك بما

فی یدہ وقد بینا ان غنی المالك غیر معتبر لا یجاب العشر"

اسی لیے وجوب عشر میں مولان مول شرط نہیں، کیوں کہ وہ استثناء کے لیے ہے اور یہ کل

کا کل منار ہے۔

یہ نصاب مذکور ان چیزوں کے لیے ہے جو مکمل ہے، کبل کے اندر داخل ہوتی ہے۔



لیکن وہ چیزیں جو کیل کے اندر داخل نہیں ہوتیں، موسوعات میں سے نہیں ہیں، جیسے روئی، زعفران وغیرہ ان کے نصاب کے ذکر میں خود صاحبین کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اور وہ اس طرح کہ جتنے غلے موسوعات میں سے ہیں، یعنی دسقی میں داخل ہوتے ہیں، ان میں سے جو ادنیٰ ہے، پیداوار اس کے پانچ دسقی کی قیمت کے برابر ہو جائے، تو عشر واجب ہو جائے گا، ورنہ نہیں، اس لیے کہ پانچ دسقی منصوص ہے تو جب تک پانچ دسقی پر موری و معنوی طور سے عمل ممکن ہو گا، اس پر عمل کیا جائے گا، اور جب صورت عمل ممکن نہ رہ جائے تو معنوی طریقے سے عمل پر اکتفا کیا جائے گا اور وہ قیمت ہے، لہذا غیر موسوعات میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ عروض تجارت میں قیمت ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اور امام نمہ فرماتے ہیں کہ پیداوار کو دیکھا جائے گا کہ اس کے پیمانے کے کتنے درجات ہیں جو سب سے اعلیٰ درجہ ہو گا جب اس کا پانچ گنا ہو جائے تو عشر واجب ہو گا۔  
ان کی دلیل یہ ہے کہ موسوعات میں دسقی سے تقدیر کی دہرہ یہی ہے کہ وہ اپنے باب میں اعلیٰ پیمانہ (افصى ما يقدر به) ہے کیوں کہ سب سے ادنیٰ پیمانہ صاع ہے، پھر کیل ہے، پھر دسقی ہے، اور روئی کا سب سے آخری پیمانہ حمل ہے اس لیے کہ سب سے پہلا پیمانہ استار ہے پھر من عربی ہے، پھر حمل ہے، لہذا جب روئی پانچ حمل ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا، اور زعفران کا سب سے اعلیٰ پیمانہ من ہے، اس لیے کہ ادنیٰ پیمانہ سنجہ ہے، پھر استار ہے، پھر من ہے، لہذا زعفران جب پانچ من ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا۔

۲۔ رہا یہ سوال کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا بعض چیزوں پر نہیں ہے تو شمس الائمہ سرخسی نے یہ فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وجوب عشر سے پانچ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ (۱) سعف یعنی کھجور وغیرہ کی شاخیں (۲) تین یعنی گہو، دھان وغیرہ کی ڈنٹھل (۳) شیش یعنی گھاس (۴) قصب یعنی بانس (۵) خطب یعنی بلانے کی لکڑی جیسے جھاڑ، پنار کا درخت وغیرہ

”والمستثنى عند أبي حنيفة خمسة أشياء، السعف فانه من



اسی اصول کے پیش نظر صاحب درختاران چیزوں کو شمار کراتے ہوئے جن میں عشر نہیں ہے فرماتے ہیں:

”نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وسمغ وقطران  
وخطی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطیخ وقشاء وادویة  
کعبہ وشوفیز“

ہاں اگر کسی نے ان اشیاء خمسہ سے زمین کا نما، واستغلاں مقصود بنالیا تو ان میں بھی عشر واجب ہو جائے گا، کیوں کہ مانع مرتفع ہو گیا، اس لیے بدائع میں کہا ہے:

”قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي يقطع  
فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انه یجب فیہا العشر لان ذلك  
عنة وافرة“  
شامی نے کہا ہے:

”فلو استعمل ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب  
او الحشیش وكان یقطع ذلك ویبیعه كان فیہ العشر عما یب  
البيان“

اس اعتبار سے پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ اگرچہ یہ پانی میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان کا تعلق زمین سے ہوتا ہے، لہذا ”مِمَّا اخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ“ میں داخل ہیں اور چوں کہ مقصود ہوتے ہیں، اس لیے اس میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

۳۔۔۔ آج کل عام طور سے زراعتی اراضی پر تالاب کھود دیئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیسوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی



جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہونچایا جاتا ہے۔  
اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ  
ہوں گے، یا اس پر زکوٰۃ کے اموال کا حکم جاری ہوگا ؟

ظاہر یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا، کیوں کہ زمین مچھلیاں نہیں اگاتی بلکہ  
تالاب کا مالک چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لاکر ڈالتا ہے، اور کچھ مچھلیاں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں، پھر یہ  
سب بڑھتی ہیں تو مالک اس سے تجارت کر کے نفع حاصل کرتا ہے لہذا یہ ”مِنْ مَّطَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ“  
میں داخل ہے جس سے مال تجارت مراد ہے نہ کہ ”مِمَّا اخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ“ میں، جس سے عشر  
مراد ہے، اور حدیث ”مَا اخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعَشْرُ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین جسے اگائے  
اسی میں عشر ہے۔

اور یہ اشکال کہ پھر شہد میں کیوں عشر ہے جب کہ وہ خارج من الارض نہیں اور اسی وجہ سے امام  
مالک و شافعی اس میں عشر کے قائل نہیں کہ وہ خارج من الارض نہیں، بلکہ متولد من الحيوان ہے تو اس کا جواب  
یہ ہے کہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شہد کا وجود انوار و شمار سے ہوتا ہے ”شعر کل من كل الثمرات“ اور  
انوار و شمار خارج من الارض ہیں، اور ان میں عشر ہے لہذا اس میں بھی عشر ہونا چاہیے :

”لأن النمل يتناول من الأنوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما  
يتولد منهما“

اور عمل میں وجوب عشر کے سلسلے میں احادیث کثرت سے ہیں، جنہیں ابن ہمام نے بسط  
و تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، اور غلغا، راشدین وغیرہم کا اس پر عمل بھی نقل کیا ہے، فلیراجع شہ۔  
ہم۔ رشیم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں ان درختوں  
سے کاٹیکار کو کافی نفع ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ رشیم کی اس کاشت پر عشر ہے یا نہیں ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر عشر واجب نہیں اس لیے کہ یہ خارج من الارض نہیں، اور نہ ہی

عسل کی طرح ہے کیوں کہ وہ انوار و شمار سے وجود میں آتی ہے اور اس کا وجود اوراق سے ہے اور اس میں عشر نہیں، لہذا اس میں بھی عشر نہیں، صاحب ہدایہ نے عسل میں عشر ثابت کرنے کے بعد فرمایا :

”بمخلاف دود القز لا ینتاول من الاوراق ولا عشر فیہا ملہ“

۵۔ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے، یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں، یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں یا عمارت فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

ایسے درخت جو باغات ہیں اور ان سے مقصد پھل ہیں تو پھلوں میں عشر ہے، درختوں میں نہیں اور ایسے درخت جو پھلدار تو نہیں ہوتے البتہ عمارت فرنیچر وغیرہ کے کام میں لائے جانے کے لیے لگائے جاتے ہیں، ان میں عشر ہے کیوں کہ اس سے استنما، واسیہ تغلال مقصود ہو گیا ہے، اور وہ درخت جو صرف جلانے کے کام کے لیے ہے اور کچھ کام نہیں تو اس میں عشر نہیں، کیوں کہ اس سے استنما واسیہ تغلال مقصود نہیں، پھر وہ مطلب ہے جس میں عشر نہیں۔

۶۔ سبزیاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی اور ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے کچھ پھر توڑے جاتے ہیں، پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں، اس طرح کے کاشت کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ان سے تجارت مقصود ہوتی ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنے بچوں پر کچھ سبزیاں اگالیتے ہیں۔ پہلی صورت جب کہ تجارت مقصود ہے تو اس میں بالاتفاق زکوٰۃ التجارة واجب ہے جب کہ زکوٰۃ کی شرطیں پائی جاتیں۔ اس لیے کہ وہ مال تجارت ہے اور اس میں وجوب زکوٰۃ متعین ہے۔ خواہ ضروریات ہی کیوں نہ ہوں۔

”لان الضروریات ادا کانت للتجارة تعجب فیہما الزکوٰۃ بالاتفاق“

دوسری صورت جب کہ تجارت مقصود نہیں تو صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے کیوں کہ ان کے یہاں ان ہی پھلوں میں عشر ہے جو عام طور سے ایک سال تک بغیر عالجہ کثیرہ کے باقی رہ جاتے ہوں، جیسے گیہوں، بو وغیرہ :

”وقالا يجب العشر الا في مالہ ثمرة باقية تبقى من سنة إلى سنة  
ومعد البقاء ان يبقى سنة في الغالب من غير معالجة كثيرة كالحنطة  
والشعير والزرقة وغيرها دون الخوج والتفاح والسفرجل ونحوها“  
علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں :

”وليس في الخضروات عند فم عشر الخضروات كالرياحين والا ورا د  
والبقول والخيار والقشء والبطيخ والبادنجان واشباه ذلك وعنده  
- اي ابي حنيفة - يجب في كل ذلك“

صاحبین دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے موسیٰ ابن طلحہ نے روایت کی ہے :

”ليس في الخضروات صدقات“

اور فرماتے ہیں کہ مقدمہ سے مراد عشر ہے، کیوں کہ زکوٰۃ کی نفی تو بالاتفاق مقصود نہیں ہے  
لہذا عشر متعین ہے اور امام صاحب کے نزدیک ان چیزوں میں عشر ہے کیوں کہ حدیث :  
”ما اخرجت الارض ففیه العشر“ و ”ما سقت السماء ففیه

العشر و ما سق بغرب او دالية ففیه نصف العشر“

مبوب و نفروات میں کوئی فرق نہیں کرتی، اور لیس فی الخضروات صدقة کا مفاد  
ایام یا عاشر کے لیے ولایت اخذ کی نفی ہے، یعنی جب کوئی شخص نفروات لے کر عاشر کے پاس  
سے گزرتا ہے، اور عاشر نے عین نفروات میں سے عشر لینے کے بجائے اس کی قیمت لے لی تو اس  
کے جواز اخذ میں کوئی کلام نہیں، لیکن اگر مالک نے قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ جبراً اس  
سے عین نفروات میں فقراء کے لیے لینا پڑتا ہے، تو عاشر کو یہ حق نہیں ہے، لیس فی الخضروات  
صدقة کا مطلب یعنی صدقة یا خذ العاشر، اور وہ اس کی یہ ہے کہ عاشر کو جو ولایت  
اخذ حاصل ہے وہ فقراء کی منفعت ہی کے واسطے ہے اور اس صورت میں منفعت یقینی نہیں  
کیوں کہ عاشر غرض سے آبادی سے دور ہوتا ہے اور وہاں فقیر نہیں مل سکتے کہ ان پر خرچ





افراد پر ہو جائے بلکہ رباطات و مساجد پر جب بھی عشر ہے :

”ان كانت الارض لمالك او صبي او مجنون وجب العشر في الخارج  
منها عندنا وقال الشافعي لا شيء في الخارج من ارض المالك  
والعشر عند قياسي الزكاة لا يجب الا باعتبار المالك، اما  
عندنا فالعشر مؤنة الارض النامية كالخراج فالمالك فيه و  
الحرس سواء وكذلك الخارج من الارض الموقوفة على الرباطات و  
المساجد يجب العشر عندنا وعند الشافعي لا يجب الا في الموقوفة  
على اقوام باعيا نهم فانهم كالملاك اما الموقوفة على اقوام  
لغير اعيانهم فلا شيء فيها“

فقط ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# عشر و خراج

از: مولانا محبوب علی جویہی ————— مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، رام پور

جب کوئی ملک فتح ہو تو اس کی زمین دو قسم کی ہوگی ایک غیر مملوک جن کو ارض مباح کہا جاتا ہے، دوسرے وہ زمینیں جو لوگوں کی مملوک ہیں اور ان کے زیر تصرف ہیں ایسی ہی ممالک فذوہ کی دستمیں ہیں ایک وہ جنہیں قہر و غلبہ یعنی لڑکر فتح کیا جائے، دوسرے وہ جو صلح و امان کے ساتھ فتح ہو جائیں اور ان میں جنگ نہ کرنا پڑے جو ممالک صلح و امان کے ساتھ فتح ہوئے وہاں کے باشندوں کی دینا سبتیں ہیں (۱) اہلیان ملک مسلمان ہو جائیں یا اپنے قدیمی مذہب پر قائم رہتے ہوئے صلح کے ساتھ اپنے ملک پر مسلمانوں کا تغلب اور تسلط تسلیم کر لیں اور مسلمان حاکم ان پر خراج مقرر کر دے اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہاں کی رعایا سے خود خراج اور جزیہ وصول کرے اس کے لئے اپنے کارندے مقرر کر دے، دوسرے یہ کہ وہاں کے حاکم کو برقرار رکھے اور اس سے خراج کی کوئی رقم مقرر کر لے۔ پھر خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مؤلف (۲) خراج مقاسمت خراج مؤلف میں رقم نقد مقرر کی جاتی ہے اور خراج مقاسمہ میں غلہ اور پیداوار مقرر کی جاتی ہے۔ اور جو ملک لڑکر فتح ہوئے اس کے متعلق بادشاہ اسلام کو اختیار ہے کہ اسے غانمیں کے درمیان تقسیم کر دے اور یا انچواں حصہ بیت المال کے لئے رکھ لے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہاں کے ساکنین کو جن کی زمینیں تھیں ان پر انھیں کو قابض اور متصرف رکھا جائے اور ان کے خراج مقرر کر لیا جائے جیسے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کی زمینوں کے ساتھ کیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جو ملک طاق سے فتح ہوئے ان کی زمینوں کو مال غنیمت بنا کر غانمیں میں تقسیم کرے نہ مملوکین سے انھیں کی ایک ان پر قائم رکھے بلکہ ان کو بیت المال میں شامل کرے اور پھر بیت المال کی طرف سے ان میں



الحمد لله الذي جعلنا من عباده المخلصين

ان کے ساتھ ہو گا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس زمین کے قریب جو زمین ہوگی اس کا اعتبار ہو گا جو ملک بزور یعنی جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور بادشاہ اسلام نے وہاں کی زمینیں وہیں کے باشندوں کے پاس رہنے دیں اور غنائم میں انہیں تقسیم نہیں کیا تو وہ سب زمینیں خراجی ہوں گی اور ہمیشہ خراجی ہی رہیں گی۔ اور جو ملک صلح سے فتح ہوئے اور وہاں کے باشندے اپنے مذہب قدیم پر قائم رہے اور مسلمان نہ ہوئے اور بادشاہ اسلام نے ان کو ان کی زمینوں پر قابض اور قائم رکھا تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور لوگ حسب سابق ان زمینوں کے مالک رہیں گے اور بیع و ہبہ کے حقوق ان کو حاصل رہیں گے جیسا کہ غلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں یہ عمل مفتوحہ علاقہ کے باشندوں کے ساتھ کیا ہے اور جو ممالک صلح کے ساتھ اس طور سے حکومت اسلامی کے زیر نگین آئے کہ وہاں کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بھی بدستوران کی ملک رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہو گا۔ جیسے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ مقدسہ آنے کی دعوت دی تو ایسی زمینیں بھی عشری ہوں گی اگر حاکم مسلم ملک فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دے تو وہ بھی عشری ہوں گی مگر ہندوستان کی زمینوں کے متعلق کسی مورخ نے اس قسم کا واقعہ ہوتا بیان نہیں کیا عشر میں عبادت اور ٹیکس دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں اور خراج میں صرف ٹیکس کی حیثیت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے عشر غیر مسلم پر نہیں ہوتا اور خراج اولاً مسلم پر نہیں ہوتا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عشری زمینوں میں نمو حقیقی معتبر ہے اور خراجی زمینوں میں نمو حقیقی اور تقدیری دونوں کا اعتبار ہے :

”كما هو مذكور في الفقه والآثار المنقولة من عمل رسول الله صلى الله عليه

وسلم والصحابه والتابعين رضوان الله عليهم اجمعين“

## محور دوم

حضرت محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ نے سندھ اور ہند کے جن حصوں کو فتح کیا ان میں سے وہ حصے جو صلح سے فتح ہونے ان کے حکمرانوں اور باشندوں سے جو ان کے شرائط طے ہونے ان پر



ہی آپ نے عمل کیا عام طور سے آپ نے اس حصے کے باشندوں کو قابض و مالک و متصرف برقرار رکھا اور ان سے خراج مقرر کر لیا۔ دوسری صورت یہ بھی ہوئی کہ وہاں کے حاکم کو اس زمین کا حاکم برقرار رکھا اور ان سے ٹیکس مقرر کر لیا اس طرح ان کو اپنا یا جگہ دار بنالیا وہ حاکم ان زمینداروں کو خود وصولیابی کرتے اور حکومت اسلامی کو مقررہ ٹیکس ادا کر دیتے اور جو بچتا وہ خود لے لیتے۔ وہ زمینیں جن کے مالک لاوارث مر گئے یا وہ زمینیں جو بختیں یا وہ زمینیں جن میں جنگلات واقع تھے یا وہ زمینیں جو غیر مسلم حکمرانوں سے جنگ کے بعد ملتی یہ بیت المال کی ملکیت ہوتی تھیں انہیں زمینوں میں سے مسلم حکمران جاگیریں اور جائدادیں دیتے تھے یہ زمینیں اگر مسلمانوں کو دی جاتی تھیں تو ان پر عشر ہوتا تھا اور یہ عمل فقہ اسلام کے مطابق ہے حضرت محمد بن قاسم کے زمانے سے انگریزوں کے تسلط و تغلب تک قریب قریب یہی معاملہ مسلم حکمرانوں کا رہا تاریخ سے کسی جگہ کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ مسلم حکمرانوں نے کوئی ملک فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو بے دخل کر کے ان کی اراضی مسلم فاتح غازی پر تقسیم کر دی ہوں بلکہ وہی طریقہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا تھا کہ بعض مخصوص زمینوں کو چھوڑ کر مفتوحہ علاقوں پر مقامی باشندوں کو حسب سابق بحال رکھا گیا اور ان کے مالکانہ تصرفات میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی گئی کہیں خراج مؤظف اور کہیں خراج مقاسمہ ان پر مقرر کیا گیا چوں کہ خراج مؤظف میں ہولت تھی اس لئے اس کا رواج زائد رہا۔ اس سے پہلے خراج مقاسمہ کا طریقہ عام تھا۔ اور منغل دور میں بھی خراج مؤظف کا طریقہ جاری کیا گیا۔ علامہ الدین خلجی اور کچھ دیگر حکمرانوں نے خراج مؤظف کا طریقہ اختیار کیا۔ انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کرنے کے بعد مغلیہ دور کے طریقہ کار کو مکمل بدلنے میں دشواری محسوس کی۔ اکبر بادشاہ کے دور میں راجہ ٹوڈرل جو ہندوستان کی اراضیات کے متعلق قانون بنائے تھے وہ اپنی افادیت اور سہولت کی وجہ سے پورے ہندوستان میں جاری اور نافذ تھے اس میں نقد رقم زمیندار سے وصول کی جاتی تھی لیکن انگریزوں کو اپنے مفاد کی خاطر ترمیم بھی ضروری تھی بعض مقامات پر جو جاگیر دار یا تعلقہ دار تھے وہ خود مالک زمین بن گئے اور انگریزی قانون نے بھی ان کو مالک تسلیم کر لیا۔ ۱۸۵۶ء میں اودھ پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اول اول انگریزی گورنمنٹ تعلقہ داروں اور جاگیر داروں سے بدگمان تھی اور خیال تھا انہیں بٹا کر گورنمنٹ براہ راست کا شتکاروں سے معاملہ کرے لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اکثر جاگیر داروں اور تعلقہ داروں نے حکومت برطانیہ کا ساتھ دیا اس لئے گورنمنٹ



ان سے خوش ہو گئی اور ان کو ان کی جائدادوں پر مالکانہ قبضہ کے ساتھ بحال رکھا اور ان پر مال گزاری مقرر کر دی اس نظام کو نظام زمینداری کے نام سے موسوم کیا گیا اس سے ان علاقوں میں دو قسمیں ہو گئیں ایک زمینوں کے مالک یعنی زمیندار دوسرے زمین میں کام کرنے والے یعنی کاشتکاران کا کوئی قبضہ یا تصرف زمین پر نہیں مانا جاتا تھا۔ شمالی ہند میں اس کا رواج زائد تھا برخلاف اس کے جنوبی ہند میں بیشتر آراضی خود کاشتکاروں کی ملک ہوتی اور سرکار ان میں سے ہر ایک سے الگ الگ مال گزاری مقرر کرتی اور وصول بھی کرتی اس نظام کو رعیت داری کے نام سے موسوم کیا جاتا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے وقت مالکانہ آراضی کو اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور بہت سے مقامات پر اسی پرانے طریقہ جاگیر داری اور ٹھیکیداری کو جاری رکھا اس سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی جو زمینیں عشری تھیں وہ ویسی ہی عشری رہیں۔

۱۹۲۲ء میں انگریزوں نے ایک قانون کے ذریعہ حقیت آراضی میں کاشتکاروں کے حقوق بھی قائم کر دیے اب کاشتکار بھی زمینداروں کے ساتھ کسی حد تک شریک و ہمہ گئے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ کاشتکار سمجھتا تھا کہ زمین پر میرا کوئی حق نہیں ہے اس لئے وہ زمین کے بنائے سنوارنے اور پیداوار کو بڑھانے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتا تھا جس سے پیداوار میں کمی واقع ہو رہی تھی دوسرے کاشتکاروں کی بے چینی کو بھی ختم کرنا تھا تیسرے زمینداروں کی طاقت کو گھٹانا تھا مگر کاشتکار اب بھی بالکل مطمئن نہ تھا۔ آخر کار آزادی ملک کے بعد زمیندار اور تعلقدار بالکل ختم کر دیے گئے اور جبراً اس معاوضہ دے کر ان کی ملکیت بالکل ختم کر دی گئی اور کاشتکاروں کو زمین پر مالکانہ حقوق دے دیے گئے اس لئے اب سرکار اور کاشتکار دو ہی باقی رہ گئے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جنوبی ہند میں عموماً پہلے ہی سے کاشتکار زمین کے مالک تھے اور جہاں نہیں تھے وہاں اس قانون کے ذریعہ مالک بن گئے۔

## محور سوم

۱۔ انگریزی دور میں مختلف قوانین نے آہستہ آہستہ بٹائی دار اور کاشتکار کو آہستہ آہستہ زمین کا مالک بنادیا اور جو اصل ٹھیکیداری یا تعلقدار یا زمیندار تھے ان کے حقوق کم ہوتے چلے گئے بالآخر کانگریس گورنمنٹ نے ان کو بالکل محروم کر دیا جس کی تفصیل محور دوم میں آچکی۔

۲۔ خاتمہ زمینداری جو ایک بھیانک ظلم تھا اس کی وجہ سے زمیندار، ٹھیکیدار اور تعلقدار بیک بینی و دو گوشت اپنی اپنی ملکیتوں سے محروم ہونے کی وجہ سے افلاس کے دائرہ میں داخل ہو گئے۔ صرف وہ لوگ جنھوں نے باغات یا کاشتکاری کی زمینیں پہلے سے حاصل کر لی تھیں وہ ایک کاشتکار کی حیثیت میں باقی رہ گئے اور جو کل مالگزار ادا کرتے تھے وہ زمینوں کے مالک بن گئے۔ اس کی وجہ سے ان کی معاشرتی اور اقتصادی حالت اچھی ہو گئی اور تعلیمی میدان میں اس کی بدولت وہ ترقی کر گئے۔ ”تملك الايام مند اولها بين الناس“ اس قانونی عمل سے مسلمان خصوصیت کے ساتھ متاثر ہوئے اور ان کی شان و شوکت اور اقتصادی برتری ختم ہو گئی کیونکہ مسلمان کاشتکار زمینداری، تعلقداری اور ٹھیکہ داری پر ہی تھا۔ برخلاف ہندو زمینداروں کے کہ وہ تجارت، صنعت و حرفت، سودی کاروبار اس دور میں بھی جاری رکھے ہوئے تھے اس لئے خاتمہ زمینداری سے وہ زائد متاثر نہیں ہوئے مزید برآں گورنمنٹ کانگریس نے مسلمانوں کے لئے ملازمت اور دیگر ترقی کے راستے مسدود کر دیئے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے لئے ملازمت تجارت ٹھیکہ داری، اور اعلیٰ تعلیم کے دروازے کھول دیئے جس کی وجہ سے اکثریت کے افراد ہر شعبہ زندگی میں کافی ترقی کر گئے اور مسلمان غربت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبتے چلے گئے اسی وجہ سے مسلمانوں میں اچھی قیادت بھی نہیں ابھری اور مسلمان افراتفری اور انتشار کا شکار ہو گئے۔

## محور چہارم

۱۔ جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں پہلے سے چلی آرہی ہیں یا کسی مسلمان نے کسی مسلمان سے خریدی ہیں یا وہ زمینیں جو مسلم حکمرانوں نے مسلمانوں کو بطور عطیات دی تھیں اور وہ ان کے پاس باقی ہیں یا وہ زمینیں جن کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا لیکن نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے قبضے میں چلی آرہی ہیں وہ سب عشری ہیں ان پر احکام عشر جاری ہوں گے اور وہ زمینیں جو مسلمان نے کسی کافر سے خریدی ہیں وہ خراجی ہوں گی اور وہ زمینیں جو مسلمان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے بعد کو گورنمنٹ نے ان پر قبضہ کر لیا اور پھر کسی مسلمان کو الٹ کر دیں وہ بھی خراجی ہیں اسی طرح اگر کسی کافر کو دے دیں اور اس سے کسی مسلمان نے خریدیں تو وہ بھی خراجی ہوں گی کیوں کہ استیلا، کافر کا مال مسلم پر اس کافر کو مالک بنا دیتا ہے اس لئے وہ زمینیں عشری نہیں رہیں۔

۲۔ ایسی زمینوں کے متعلق حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کے قریب جو زمینیں ہیں ان کا اعتبار



ہوگا یعنی جو عشری زمینوں کے قریب ہیں ان پر عشر اور جو خراجی زمینوں کے قریب ہیں ان پر خراج اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ان کی سیرابی جس قسم کے پانی سے ہوگی اسی کا نکم ہوگا عشری پانی سے سیراب ہونے پر عشری کا اور خراجی پانی سے سیراب ہونے پر خراجی کا۔ علامہ شامیؒ کے قول سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۳۔۔۔ حکومت اسلامیہ جیسے پاکستان کو جو لوگان دیا جائے اور دیتے وقت ادا خراج کی نیت ہو تو خراج ادا ہو جائے گا اور غیر مسلم حکومتوں کو لوگان دینے سے خراج ادا نہیں ہوگا۔

۴۔۔۔ خراجی زمینوں میں جن میں پانی پہنچتا ہے فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گہوں یا جو یا جو چیز بھی اس زمین میں بونی جائے اور ترکاری میں فی جریب پانچ درہم انگور اور کھجور کے باغات میں فی جریب دس درہم یا در کھٹے ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ دس درہم پینتیس ماشہ کے ہوتے ہیں اس طرح ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی ہوتی ہے۔ یہ خراج فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں پر فرمایا تھا ان کے علاوہ دوسرے پھلوں کے باغات یا اور قابل کاشت چیزیں ان کے متعلق فقہائے فرمایا ہے کہ پیداوار کا کم از کم پانچواں حصہ جو پیداوار کے نصف حصہ سے زائد نہ ہو مسلمانوں کو ہندوستان میں پیداوار کا پانچواں حصہ ان زمینوں پر لگانا چاہئے جو خراجی زمینیں ہیں اور اس کو جو خراج کے مصارف ہیں وہیں پر خرچ کرنا چاہئے جیسے یتیموں بیواؤں کی مدد مدارس اسلامیہ اور طلبہ کے مصارف اور دیگر رفاہ عام کے کام خراج کی ادائیگی مسلمان کے لئے بھی عبادت نہیں کیوں کہ وہ صرف زمین کا ٹیکس ہے لیکن اس حق کی ادائیگی پر اجر کا مستحق ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۵۔۔۔ موجودہ زمانے میں اگر ایک طرف کاشت کے مصارف زائد ہو گئے ہیں تو دوسری طرف پیداوار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے چنانچہ ہمارے اطراف میں جن کھیتوں میں ایک کوئنٹل یا ڈیڑھ کوئنٹل فی بیگہ پیدا ہوتا تھا آج ان میں چار اور پانچ کوئنٹل تک پیدا ہو رہا ہے اس لئے وہی مسئلہ رہے گا کہ بغیر مصارف نکالے ہوئے کل پیداوار کا عشر یا خراج دینا ہوگا۔

۶۔۔۔ جو زمینیں بٹائی پردی جاتی ہیں ان کی پیداوار کا عشر مالک اور کاشتکار دونوں پر ان کے حصوں کے بقدر ہوگا۔ بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں اور اگر ایک مسلمان ہے تو مسلمان پر عشر ہوگا اس کے حصے کے بعد غیر مسلم پر نہیں۔

محو: پنجم : ۱۔۔۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیداوار کے ہر حصہ پر عشر ہے



خواد زائد ہونا کم جیسا کہ قرآن پاک کی آیات اور بہت سی احادیث مبارکہ کے عموم سے پتہ چلتا ہے لیکن صاحبین اور دیگر ائمہ کے نزدیک پیداوار کی مقدار پانچ وسق یعنی ساٹھ صاع جس کے تقریباً ۱۲ کونٹل پیداوار ہوتی ہے عشر نہیں ہے اس سے زیادہ میں عشر ہے مگر فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

۲۔۔۔ ایسی چیزیں جو خود رو ہوں اور ان کے ذریعہ زمین سے حصول منفعت مقصود نہ ہو جیسے گھاس اس میں عشر نہیں ہے، وہ چیزیں جن کی کاشت کی جاتی ہے۔ اور وہ چیزیں جن سے حصول منفعت مقصود ہو ان پر عشر ہے جیسے وہ بانس جو بوٹے جاتے ہیں یا وہ درخت جو لکڑی یا پھل حاصل کرنے کی غرض سے لگائے جاتے ہیں ان پر عشر ہے ایسے ہی وہ گھاس اور چارہ جو اگایا جاتا ہے اس پر بھی عشر ہے مکھانہ، منگھاڑا ان سب پر عشر ہوگا۔

۳۔۔۔ تالاب بنا کر جو پھلیاں پالی جاتی ہیں ان پر زکوٰۃ اموال کا حکم ہوگا عشر کا نہیں کیونکہ پھلی زمین سے پیدا نہیں ہوتی۔

۴۔۔۔ ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے جو درخت لگائے جاتے ہیں ان سے بلاد اسطفاستغلال مقصود نہیں ہے بلکہ ان سے ان کیڑوں کی غذا حاصل کرنا مقصود ہے جن سے ریشم حاصل کیا جاتا ہے اس لئے ان کیڑوں سے حاصل شدہ ریشم پر تجارت مال کے قاعدہ کے تحت زکوٰۃ اموال واجب ہوگی عشر نہیں۔

۵۔۔۔ وہ درخت جن سے پھل حاصل کئے جاتے ہیں یا وہ لکڑی جو فرنیچر کے کام آتی ہے یا وہ لکڑی جو دیگر منافع کے لئے بوئی جاتی ہے ان پر بھی عشر ہوگا حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی علی نے لکھا ہے :

”المراد ما لا یقصد بہ استغلال الارض غالباً کالتبن نعم لو قصد الاستغلال

بشیئ منها کما اذا اتخذ الجنان مقصبتہ ومشجرة“

۶۔۔۔ سبزیاں خواہ اپنے مکان میں اگائی جائیں یا افتادہ زمین میں چھتوں پر ہوں یا فضا میں تجارت کے لئے ہوں یا اپنے کھانے کے لئے جنگل میں ہوں یا اپنے گھر میں کم ہوں یا زائد امام اعظمؒ کے نزدیک عشر دینا ہوگا۔ یہ بات کہ بعض چیزوں میں پیداوار میں تسلسل رہتا ہے تو جتنے پھل توڑتے جائیں اس میں سے عشر نکالتے جائیں امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے اور یہی مفتی ہے البتہ کسی مقام پر اسلامی حکومت ہو تو ایسی چیزوں کا عشر گورنٹ نہیں لے گی صاحب پیداوار خود ہی مستحقین کو تقسیم کرے گا۔

۷۔۔۔ آراضی موقوفہ میں اگر وہ عشر ہی ہیں تو عشر ہے اور اگر وہ خراجی ہیں تو ان میں خراج ہے خواہ وقف فی سبیل اللہ ہوں یا وقف علی الاولاد۔ درمختار میں ہے :

”ويجب الخراج في ارض الوقف والعصى، والمصدون لخراج العشر

لو عشرية“

اور شامی نے اسی پر لکھا ہے :

”بان الملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج فيجب في الاراضي

الموقوفة لعموم قوله تعالى انفقوا من طيبات ما كسبتم وما اخرجنا لكم

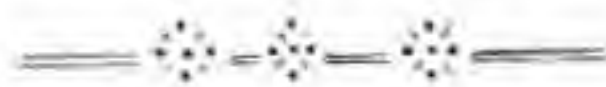
من الارض وقوله تعالى واتوا حقه يوم حصاده“

اور اسی میں ہے :

”لان العشر يجب في الخارج لاعمى الارض فكل ملك الارض وعنده

سواء كان في اليد او“

نوٹ :- بارش کا پانی قدرتی چشموں کا پانی بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو خود بہتی ہیں اور ان کے جاری ہونے میں کسی کو دخل نہیں ہے اور عادتاً وہ کسی کی ملک بھی نہیں ہوتی ہیں اور مسلمانوں کے کندھانے ہوئے کنوئیں یہ سب عشری ہیں پھر وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنے خرچ و محنت سے بڑی نہروں سے نکالی ہیں اور وہ عادتاً نہر نکالنے والوں کی ملک سمجھی جاتی ہیں ان سب کا پانی خراجی ہے۔



# ہندوستان کی زمینوں

میں

عشر و خراج کا مسئلہ

انہاء: ————— مولانا شاہین جمالی۔ مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار۔ میرٹھ۔

مختصر

(۱) ہندوستان کی زمینوں کا عشری یا خراجی ہونا کافی عرصے سے مختلف فیہ مسئلہ بنا ہوا ہے، اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند اور نظام علوم سہارن پور کے دارالافتاء سے اب تک یہی فتویٰ صادر ہوتا رہا ہے کہ یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ اگرچہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے اخیر میں یہاں کی عشری زمینوں میں احتیاطاً عشر ادا کرنے کا فتویٰ صادر فرمایا تھا، تاہم ایک طویل عرصے تک وہ عدم وجوب عشری کا فتویٰ دیتے رہے تھے۔ (۱)

حال میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے اس میں بھی عدم وجوب عشر کی بات کہی گئی ہے۔ اس فتویٰ پر حضرت مفتی نظام الدین اور مفتی احمد علی سعید کے بھی دستخط ہیں۔ (۲)

اس کے برعکس حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ، حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ قطعیت کے ساتھ ہندوستان کی عشری زمینوں پر وجوب عشر کے فتوے صادر فرماتے رہے۔ اور بعد میں حضرت مولانا عبد الحمید رحمانی رحہ نائب امیر شریعت بہار



داڑیہ نے اس مسئلہ کی خوب تنقیح و تحقیق فرمادی اور "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں انھوں نے تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد واضح طور پر یہ فیصلہ دیا کہ ہندوستان کی زیادہ تر زمینوں پر عشر واجب ہے، انھوں نے یہاں تک لکھا کہ "ایسے مجتہد اور مفتی بھی ملتے ہیں جن کا فتویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان چوں کہ دارالحرب ہے لہذا یہاں کی زمین عشری ہے نہ حرامی۔ بسوخت عقل و حیرت کہ ایسے چہ بوالعجبی ست" (۱)

مالعین و جوہ عشر کے فتاویٰ کی بنیاد غالباً حضرت شیخ جلال الدین تھانی سری کے آٹھ درقی رسالہ "آزمی ہند" اور حضرت مولانا شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کے رسالے اذ فقہائے اہلک کی بعض عبارتوں یا حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب "مآلایہ" ص ۹۳ کی عبارت "ہم چہین احکام عشر زمین عشری کہ دیوں دیا رنست پڑ ہے۔"

ان رسائل کے دلائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم وجوب عشر کی بنیاد ان حضرات کے نزدیک (۱) ہندوستان میں استیلا، کفار (۲) اس کے دارلحرب ہونے (۳) زمین ہند کے ارض ہونے (۴) غائر قانون زمین داری کے نفاذ کے سبب زمینوں پر ملک مسلم نہ ہونے پر ہے۔

مگر غور کیا جائے تو مذکورہ تینوں بنیادیں عدم ملک مسلم میں جمع ہو جاتی ہیں اور عدم وجوب عشر کی بنیاد صرف عدم ملک مسلم ہی رہ جاتی ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تفصیل طور پر مذکورہ چاروں بنیادیں عدم وجوب عشر کی حقیقی بنیادیں قرار دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ استیلا، کفار اور ارض حوزہ یعنی وہ زمین جو سرکاری تحویل میں ہو اور بیت المال کے تحت ہونے کے سبب کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں داخل نہ ہو یا وہ دارالحرب کی زمین ہو تو یہ سب صورتیں محققین فقہاء کی تصریحات کے مطابق وجوب عشر میں مانع نہیں ہیں۔

**استیلا و کفار** جہاں تک استیلا، کفار کا سوال ہے تو اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کے تسلط کے بعد انگریزی سرکار کی طرف سے زمینوں کے بحق سرکار ضبط ہونے کا اعلان کیا گیا، جس کا ظاہر ہی مطلب اس وقت کے بعض علماء نے یہ سمجھا کہ مسلم بادشاہوں کے وقت سے جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں، وہ

سرکاری اعلان کے بعد ملک مسلم سے نکل کر ملک سرکاری میں داخل ہو گئیں اس لیے اب ان زمینوں پر عشر و حشر واجب نہیں ہے۔ ۱۱۶

لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سرکاری اعلان کی حیثیت مالکانہ یعنی ہی نہیں بلکہ صرف بادشاہانہ اور مستظمانہ تھی اور اس حیثیت سے ان زمینوں پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا ملک تمام باقی نہیں رہا، لیکن وجوب عشر کے لیے ملک تمام کی شرط ہی معتبر نہیں بلکہ ملک ناقص اور قبضہ ظاہری ہی وجوب عشر کے لیے حسب تصریحات فقہاء کافی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرمایا:

”مبطل کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ آرامی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ ملکمانہ حاکمانہ و مستظمانہ اور احقر کے نزدیک قرآن قویہ سے اس کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو آرامی عشری بحالہا عشری رہیں“ (۱)

ارض حوزہ کا مسئلہ رہا ارض حوزہ کا مسئلہ جس کو عدم ادائے عشر و خراج کے لیے حضرت شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ نے بنیاد قرار دیا ہے۔

ارض حوزہ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس کے مالک کی وفات کے بعد اس کا وارث کوئی نہ ہو اور وہ بیت المال کی تحویل میں آجائے یا کسی مقام کو بذریعہ لشکر کشی فتح کیا جائے اور وہاں کی زمین قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے واسطے باقی چھوڑ دی جائے۔ (۲)

اور اس تعریف پر ہندوستان کی زمینوں کی موجودہ پوزیشن ایسی نہیں ہے تو اس پر ارض حوزہ کا اطلاق کمونکر ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اس کے ارض حوزہ ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے اور احتمال کی بنیاد پر قطعیت کے ساتھ عدم عشر و خراج کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے واسطے دلیل خاص اور نقل کی ضرورت ہے۔ قال قول بعدم الوجوب فی

خصوص الارض من یحتاج الی دلیل خاص و نقل صریح۔ (۳)

ہمارے موقف کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ

(۱) رسالہ اراضی ہند ص ۱۲ جواہر الفقہ ص ۲۰ بحوالہ شمع ثالثہ امداد الفتاویٰ ص ۲

(۲) نصاب ص ۳۹۵ (۳) رسالہ المحتار ص ۳۶۲

ملک ظاہر پیرس نے جب مصر کی زمینوں کے متعلق آرامی حوزہ کے احتمالی بنیاد پر تمام آراضی پر قبضہ کرنا چاہا تو امام نووی نے اس کی زبردست تردید کی اور اسے بتایا کہ علمائے مسلمین میں سے کسی ایک عالم کے نزدیک بھی یہ حلال نہیں ہے بلکہ جس شخص کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ اس کی ملک ہے اور کسی شخص کے لیے اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی زمیندار کو ثبوت ملکیت پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی۔ بالآخر ملک پیرس اپنے ارادے سے باز آ گیا۔

علامہ شامی اس مسئلہ پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں:

فهذا البحر الذي اتفقت علماء المذاهب على قبول نقله واعتراف بتحقيقه ومصله

نقل اجماع العلماء على عدم المطالبة بمسند عمل باليد الظاهر فيها وصحت

بحق الله - (۱)

پس یہ ماہر شریعت (امام نووی) جن کے قبول نقل پر تمام علماء مذاہب کا اتفاق ہے اور ان کی تحقیق و فضل کے سب معترف ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے صرف ظاہری قبضہ کی بنا پر ان زمینوں کے ملک ہونے کا اجماع نقل کیا ہے۔ لہذا ہندوستان کی زمینوں کو ارض حوزہ قرار دے کر عشر و خراج سے خارج کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان پر مسلمانوں کے ظاہری قبضے کی بنیاد پر انھیں ملک مسلم قرار دیا جائے گا اور حسبِ ضابطہ ان زمینداروں پر عشر لازم ہوگا۔

اور حضرت شیخ جمال الدین تھانی سری کے بقول یہ تسلیم کیا جائے کہ ابتدائے فتح میں زمین ہند "سواد عراق" کی طرح بیت المال کی ملک تھی اور اس کی حیثیت موقوفہ ہونے کی تھی، تب بھی ان کی رائے کے خلاف مسلک احناف کے مطابق ہندوستان کی زمینیں عشری یا خراجی قرار پاتی ہیں کیوں کہ "سواد عراق" عہد فاروقی میں قبضہ فتح ہوا تھا، اور حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینیں کاشت کاروں کے ملک میں باقی چھوڑ دی تھیں اور تمام صحابہ کرام کے سامنے وہاں کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (۲)

اس تحقیق کے اعتبار سے ارض ہندوستان کو ارض حوزہ قرار دینا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ ابتدائے فتح ہند میں مسلم بادشاہوں نے یہاں کی بہت سی زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر کے انھیں مالک بنادیا تھا اور ان سے شرعی طریقہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس کا پتہ حضرت محی الدین عالمگیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فرمان سے پتہ چلتا ہے جو ۹۷۹ھ میں محمد ہاشم صوبہ دار کے نام جاری ہوا تھا، یہ فرمان برلن کی شاہی لائبریری میں محفوظ ہے، جس کی نقل پروفیسر جادونا



سرکار نے جنرل اینڈ پروسیڈنگ آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جلد ۲۰ میں ۶ جون ۱۹۰۷ء کو شائع کیا تھا اور تاریخ ”مرآۃ احمدی“ میں اس فرمان کا مسودہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ اس کی دفعہ چہارم میں افتادہ زمین کے متعلق اگر اس کو مسلمانوں کے ساتھ بندوبست کیا جائے یہ حکم مذکور ہے :

"درین زمین مذکور قریب آرا منی عشری بود براد عشر مقرر نمایند" (۱)

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے اس مسئلہ کو بالکل واضح غلطیوں میں بیان فرمادیا ہے کہ  
 "ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں قائم تھیں تو چند بادشاہوں کو چھوڑ کر اکثر زمانوں میں "اسلامی محاصل"  
 اسلامی آئین کے مطابق لے جاتے تھے، اکبر کے بعد جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۷۹ھ میں اسلامی نظام  
 مال و بیت المال کو قائم کیا اور اسلامی نظام کے مطابق اسلامی طریق محاصل کو رداج دیا تو جس طرح  
 ہندوؤں پر جزیہ اور حصر اج قائم کر کے معصین جزیرہ و خراج کو مقرر کیا اسی طرح مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر کے  
 وصول کرنے کے لیے معصل مقرر ہوئے۔" (۱)

مولانا ہمایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلمی رسالہ ”سراج الہند“ میں شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب ”رفع الغریہ“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

"قد ثبت في كتاب التاريخ ان فتح السند كان في سنة ثلاث وتسعين وكان عنوةً إلا مَرْدُم

جَنَّتْهُ اسْلَمُوا طَرِيقًا عَلٰى مَا صَرَحُوا بِهِ فِي السَّارِخِ\*.

کتاب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۳۲۵ء میں جنگ و جہاد کے ذریعہ ہوئی۔ بحرِ مقامِ مردمِ جنت کے لوگوں کے جمنوں نے ادلِ فتح کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔

اسی سال میں مذکورہ حوالہ کے بعد لکھا ہے:

ازاں مست فقہائے اسلام آں دہے آب را کہ در تعرف مردم چہ بود عشری می گویند۔ اسی سبب سے فقہائے

اسلام اس علاقے کی بارانی زمین کو جو مردم چنے کے لوگوں کے تصرف میں تھی عشری کہتے ہیں)۔ (۴۶)

مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت برہن آباد کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ نفع کے وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ (۴)

لیکن اس کے بعد پھر انقلاب آیا اور بالآخر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر راجہ داسر کا بیٹا جیسیہ اور دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہی راجاؤں کو ان کی ریاستوں کا حاکم مقرر کر کے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کی اراضی پر خراج نہیں لگایا جاسکتا بلکہ اب وہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔ (۱)

اس پوری گفتگو کے نتائج کو سامنے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو سندھ کی زمینیں یا تو عشری ہیں یا خراجی۔ لیکن ان کے نہ عشری نہ خراجی ہونے کی کوئی حقیقی بنیاد موجود نہیں ہے، البتہ وہ زمینیں جن کے مسلمان ہندو زمانہ قدیم سے <sup>۱</sup> مالک ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ اراضی ہندو مالکان سے منتقل ہو کر ان کے قبضہ میں آئی ہیں تاکہ ان پر حسہ راجی ہونے کا حکم لگایا جاسکے، یا اول فتح کے وقت سے مسلمانوں کی ملک ہیں تاکہ انہیں عشری کہا جائے۔ احتمال بلاشبہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ لیکن چند وجوہ سے ترجیح اس کو ہوتی ہے کہ جن اراضی کے متعلق کافی ثبوت اس کا موجود نہیں کہ اول ہندوؤں کی ملکیت تھی پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسری صورت سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں، ان کو بطور استصحاب حال کے اول ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری کہا جائے (۲)۔

## دارالحرب کی بنیاد

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنیاد پر یہاں کی زمینوں کے غیر عشری ہونے کا مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر حضرت قاضی ثناء اللہ شریانی پتی نے یہاں کی زمینوں کے غیر عشری ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے:

ويحتمل ان يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب فان ادخلها ليست ارض خراج وعشر<sup>(۳)</sup>  
یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراج و عشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لیے ہو جو دارالحرب میں ہے کیوں کہ دارالحرب کی زمین نہ حسہ راجی ہے نہ عشری۔

شمس الائمہ سرخسی نے بھی امام محمد کی کتاب "میکبر" کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) جواہر الفقہ ۲/ ۲۵۷ (۲) ایضاً

(۳) شامی ۵۹۷

”وهذه أمم اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية - (۱۱)

اور یہ زمین اہل الحرب کی ہے اور اہل الحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی۔

اسی ”ماسب ہدایہ نے دارالحرب میں مسلمانوں کی زمین کو ”فنی“ کہا ہے اور دلیل یہ دی ہے :

ان العقائد اهل الدار وسلطانها اذ هو من جملة دار الحرب فلم يحس

فنی بده حقیقۃ - (۱۲)

دارالحرب کی زمین اہل حرب اور دہاں کے بادشاہ کے قبضہ میں ہے کیوں کہ زمین بھی بخلہ دارالحرب ہے پس وہ زمین

حقیقت میں مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں رہی۔

اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس میں عشر و خراج واجب نہ ہو۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا  
 جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہو چکا تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، قاضی ثناء اللہ یانی پتی اور دیگر  
 علماء کے فتاویٰ و واقعات سے یہ بالکل واضح ہے اور حضرت گنگوہیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ میں موجود ہے  
 حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے بقول قاضی ثناء اللہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر یہاں  
 کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے تھے اور یہ اس دور کے علماء کا متفقہ فیصلہ تھا۔ (۱۳)

اسی کے پیش نظر آج تک دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے اسی کی نقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن عجیب  
 بات یہ ہے کہ حضرت محدث العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے باوجود  
 ہندوستان کی بعض زمینوں میں وجوب عشر کے قائل ہیں۔ (۱۴)

اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالحرب ہونا وجوب عشر میں مانع نہیں ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے :

فكل أرض أسلم أهدبها عليها وهي من أرض العرب وأرض العجم فزمت لهم وهي

لهم من عشر ————— منزلة المدينة حين أسلم عليها أهلها وبمنزلة اليمن (۱۵)



ہر ایسی زمین کہ اس کے مالک نے اسلام قبول کر لیا ہو چاہے وہ عرب کی زمین ہو یا عجم کی وہ زمین عشری ہوگی اور ان کا حکم منزلہ مدینہ منورہ اور یمن کے ہوگا۔ جب کہ وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی فرائض و واجبات کی ادائیگی ہر مسلمان کا اسلامی فریضہ ہے، خواہ وہ دارالحرب میں رہتا ہو یا دارالاسلام میں۔ فرائض اسلامی کی ادائیگی میں اختلاف دارین سے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی امام سرخسی فرماتے ہیں:

ولو كان مسلمين في دار الحرب بامان فعامل احدهما صاحبه فهذا او مالوك انت  
العاملة بينهما في دار الاسلام على السواء لان المسلم ملتزم بحكم الاسلام حيث  
ما يكون - (۱)

اگر دو مسلمان دارالحرب میں امان سے رہتے ہوں اور ان دونوں نے آپس میں کوئی معاملہ کیا ہو پس یہ معاملہ اور ہر معاملہ جو ان دونوں کے درمیان دارالاسلام میں ہوا ہو برابر ہے اس لیے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں وہ اسلامی احکام کے پابند ہیں۔

اسی طرح قرآن و سنت کے نصوص کے اطلاق و عموم سے یہی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ لِّكُلِّ لَوْنٍ وَأَثَرًا حَقًّا يَوْمَ تَخْرُجُ الْأَرْضُ بِأَنْبَارٍ - (۲)

اور کائناتی کے دن اس کا حق ادا کر دو۔

اس آیت میں تمام محققین مفسرین نے بلا تخصیص مکان و جوب عشر کو بیان کیا ہے۔ (۳)  
دوسری جگہ حکم ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ - (۴)

(۱) شرح سمیر کبیر، ص ۱۲۸، (۲) الانعام، ۱۳۱، (۳) تفسیر طبری، ۱۵۸/۲، احکام القرآن لابن عربی، ۲۱۳، التفسیر

الکبیر للدرازی، ۲۱۳/۲، الجامع لاحکام القرآن لقرطبی، ۹۹/۲، تفسیر ابن کثیر، ۱۸۱/۲، تفسیر عبداللہ، ۹۸، تفسیر مظہری

۲۹۳/۲، رد المحتار، ۳۸/۸، احکام القرآن للمصباح، ۱۳۹/۲، (۴) البقرہ، آیت ۲۶۴

لے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی سے اور چیدا دار ہم نے زمین سے نکالی ہے اس میں سے خرچہ کرو۔

اسی طرح حدیث نبوی میں ادا کئے عشر کا عام حکم ہے :

نِصَاصَتِ السَّعَادِ وَالْعِيُونِ أَوْ كَانَ عَشْرًا الْعَشْرُ - ۱۱

تاہم ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ جب دارالحرب ادا کئے عشر میں مانع نہیں تو بعض فقہاء نے دارالحرب میں عشر و خراج کی جو نفی کی ہے اس کا مطلب کیا ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان فقہاء کو دارالحرب کے لفظ سے اشتباہ ہو گیا وہ یہ سمجھے کہ ہر قسم کے دارالحرب کا ایک ہی حکم ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے، جس دارالحرب میں عشر و خراج کچھ لازم نہیں۔ اس سے مراد وہ دارالحرب ہے جو اصل سے دارالحرب ہو اس پر کبھی نہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی ہو نہ وہاں کی زمین مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں ہوں، نہ وہاں وہ زمینیں خرید سکتے ہوں تو ظاہر ہے کہ ایسے دارالحرب کی زمینیں اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں ان پر عشر و خراج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

لیکن وہ دارالحرب جہاں کسی دور میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو اور وہاں مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں اپنی یا سرکار کی عطا کردہ زمینیں ہوں اور وہ انھیں خرید و فروخت کر سکتے ہوں تو اس کا حکم پہلی قسم کے دارالحرب سے مختلف ہوگا اور وہ یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کی زمینوں پر حسب قاعدہ شرعی عشر و خراج لازم ہوگا۔

اور ہندوستان چوں کہ دوسری قسم کے دارالحرب میں شامل ہے بلکہ بعض اعتبار سے دیکھا جائے تو دارالحرب ہی نہیں کیوں کہ جس حکومت میں مسلمان شریک ہوں، ملک کے سب سے بڑے عہدہ صدارت پر فائز ہوتے ہوں جہاں حکومت میں ان کے نمائندے داخل ہوتے ہوں اور حکومت کی تشکیل میں ان کی رائے معتبر ہو اور حد یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عالمی نظام قانوناً محفوظ ہو اور جو ایک امدادی ادارہ اور ویلفیئر اسٹیٹ کی حیثیت میں ہوں اسے حقیقی اور اصلی دارالحرب کہنے کے کوئی معنی نہیں۔

شرح سیر الکبیر کی عبارت سے یہ مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے :

لَا الْعَشْرُ وَالْخَرَاجُ إِلَّا عَلَى أَرْضِ الْمُسْلِمِينَ وَهَذِهِ أَرْضُ أَهْلِ الْحَرْبِ لَيْتَ

عَشْرِيَّةً ۝ لِاخْرَاجِيَّةً - ۱۲

یعنی عشر و حشر سراج مسلمانوں کی زمین میں ہو گیا ہے اور ہندوستان کی زمین جو مسلمانوں کے پاس ہیں وہ مسلمانوں کی کہلاتی ہیں پس اس میں عشر و خراج واجب ہو گا، باقی رہی آرامی اہل الحرب جس میں عشر و خراج نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے خط کے لیے ہو سکتا ہے کہ جہاں ابتدائے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس تک دارالاسلام رہ چکا ہے یہاں لاکھوں مسلمان آج تک اپنی زمینوں کے مالک چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہو گا، جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے، اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں، اس لیے شرح میر و شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر و خراج کے عائد ہوں گے شرح میر کی عبارت خود اس کے لیے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں سیدی حکیم الامت قدس سرہ کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب ہے۔ (۱)

### عدم ملک و قانون خاتمہ زمینداری

میری رائے میں اب تک جن بنیادوں پر بحث کی گئی ہے ان سب کی اصل یہی عدم ملک مسلم ہے اور خاتمہ زمینداری کا عام طور پر یہ مطلب لیا گیا ہے کہ اب ہندوستان کی زمینوں پر مسلمانوں کی ملکیت باقی نہیں رہی ہے اسی لیے ان پر عشر و خراج کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں۔ (۲)

مگر یہ اصلی بنیاد بھی عشر کے باب میں کوئی دزن نہیں رکھتی کیوں کہ فقہاء نے مراحت فرمائی ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے نہ کہ زمین کی ملکیت۔

وان المقصود حاصل وهو الخارج (۳) — وان لم یکن الارض مملوكة (۴)

البتہ زمین پر قبضہ متصرفانہ ضروری ہے تاکہ وہ پیداوار حاصل کرنے پر قادر ہو سکے ہی وجہ ہے کہ آرامی وقف اور ہستاجر و مستعیر پر بھی عشر واجب ہے جب کہ عشر ادا کرنے والا ان کا مالک بھی نہیں۔

ان الملك غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج، انی قولہ فکان ملک الارض وعدمہ

(۱) حوالہ الفقہ ۱۱۶، (۲) فتاویٰ محمودیہ ۳۰

(۳) حدیث ۰۰، (۴) غائبہ شرح حدیث



سواء كفاي البدائع - (۱)

اور ابن الہمام نے مزید صراحت فرمائی ہے کہ

فلا يلتفت الى كونه مالكا للارض وغير مالك كما اذا اجر العشرية عندهما يجب العشر

على المستاجر وليس بمالك وعنده على المجر وكما اذا استعار وزرع يجب العشر

على المستعير بالاتفاق - (۲)

فتاویٰ عالمگیری میں یہ ہے کہ

زمین کی ملکیت بھی عشر کے واجب ہونے میں شرط نہیں ہے اس لیے کہ وقف کی زمین میں بھی عشر واجب ہوتا ہے،

اور غلام ماذون اور مکاتب کی زمین میں بھی واجب ہوتا ہے - (۳)

ان سب تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ تفسیح زمین داری کے بعد اگر مسلمان ان زمینوں کے مالک بھی نہیں ہے

بلکہ زمین صرف ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں تب بھی ان پر عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔

مگر اس کے برعکس صورت حال یہ ہے کہ قانون خاتمہ زمین داری سے مسلمانوں کی ملکیت پر برائے نام ہی اثر

پڑا ہے، کیوں کہ ثبوت ملکیت کے لیے شرعی طور پر جو چیزیں علامت بنتی ہیں وہ خاتمہ زمین داری کے بعد بھی بدستور

موجود ہیں۔

محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

"مگر یہ سنو کہ اگر سرکار ملک ہے تو بیع و شرا، الگزار کرتا ہے، مگر اگر ملک مانع نہیں ہوتی، یہ دلیل ملک

الگزار کی ہے اور اگر زمین الگزار کو سرکار اپنی سرک یا مکان میں لیوے تو قیمت زمین کی رقبہ الگزار کو دیتی ہے

یہ دلیل الگزار کی بدیہی ہے اگر ملک سرکار ہوتی تو قیمت دینے کے کیا معنی ہووے گے؟ (۴)

پھر مزید تحریر فرماتے ہیں:

یہ لکھنا کہ الگزار کی عدم ادا پر سرکار دوسرے کو زمین دیتی ہے یہ دوسرے کو دینا اپنے حق کی تحصیل کے واسطے

ہے نہ اپنی زمین کا لینا جیسا کہ عدم ادا، خراج کے شرع ہیں زمین خراج دوسرے کو دے دیتے ہیں حالانکہ خراج

خراج ملک زمین کا لینا ہے، لہذا یہ دلیل ملک سرکار کی نہیں - (۵)

ایک سائل نے پوچھا کہ موجودہ زمین داریاں زمیندار کی ملک صحیح ہے یا نہیں؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

"موجودہ زمین داریاں بلاشبہ ان لوگوں کی ملک صحیح ہیں جن کا نام کاغذات سرکاری کے خانہ ملکیت میں درج ہے اور وہ ان میں انکاذ تصرفات کرتے ہیں..... اگر یہ حکومت نے بھی فتح اول سے آج تک اس ملکیت کو برقرار رکھا ہے جس پر اس سلطنت (کانگریس) کے ذمہ داروں کے بیانات کے علاوہ حکومت موجودہ (کانگریس) کا یہ طرز عمل خود شامد ہے کہ تمام انکاذ تصرفات جیسے بیچ و شرا، رہن و ہبہ اور وقف و صدقہ وغیرہ کے اختیارات کو ان کے حق میں تسلیم کیا اور بزور قانون خود ان کو نافذ کیا ہے اور کر رہی ہے بہت سے لوگوں نے حکومت سے بڑی بڑی رقمیں دے کر زمینیں خریدی ہیں اور بہت سے مواقع میں حکومت بھی اپنی مرزیت کے وقت ان کی زمینیں اور قیمت ادا کر کے خریدتی ہے یہ سب چیزیں ان کی ملکیت کا تین ثبوت ہیں یہ انکاذ قبضہ اور تصرفات بلائیکہ خود سب سے بڑی اندامی دلیل ملک کی ہے" اس فتویٰ پر تصدیقی دستخط کرنے والوں میں:

شارح مسلم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی - شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی - مولانا محمود الحسن ناظم امداد الغریب، سہارن پور - مولانا احتشام الحق میمنہ دہلی - مولانا ظریف احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور - مفتی جمیل احمد دارالافتاء خاندقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے نام شامل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تصدیقات کے بعد خاتمہ زمینداری کے بعد بھی مسلمانوں کی زمینیں جو ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں اور ان کی پیداوار سے عشر نکالنا ان پر لازم ہے اور قانون تنسیخ زمین داری کو عدم وجوب عشر کا سبب قرار دینا غلط ہے۔

### عشری اور سراجی زمینوں کی تفصیل

حضرت امام المسند مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اس سلسلے میں وضاحت فرمائی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان کی نو چالیس ہیں -

(۱) بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں -

- (۲) موردی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کہ کیوں کر قبضہ میں آئیں۔
- (۳) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مولیٰ ہیں اور ان کے بیچنے والے مسلمانوں نے بھی مسلمانوں سے مولیٰ ہیں۔
- (۴) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مولیٰ ہیں مگر معلوم نہیں کہ اس کے بیچنے والے مسلمانوں نے کس سے مولیٰ ہیں۔
- (۵) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کے ملک میں تھی۔
- (۶) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملکیت میں تھیں۔
- (۷) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مولیٰ ہیں اور ان کے بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے مولیٰ تھیں۔
- (۸) مسلمانوں نے غیر مسلم سے مولیٰ ہیں۔
- (۹) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے کسی غیر مسلم کی ملکیت میں تھیں۔
- پہلی پانچوں صورتوں میں اگر وہ بارش یا دریا کے پانی سے سینچی جائیں تو عشر فرض ہے اور جو مول کے پانی یا کنویں کے پانی سے سینچی جائیں تو نصف عشر فرض ہے اور اخیر کی چار صورتوں میں حسرتی ہیں۔ (۱۱)
- حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رح نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے تیرہ صورتیں تحریر فرمائی ہیں، یہاں مذکور تو صورتوں میں سے باقی ماندہ صرف چار صورتوں کو ہم ذکر کریں گے جن کو حضرت رحمانی رح نے بیان فرمایا ہے،
- (۱۰) بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔
- (۱۱) مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضے میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی دریا یا پانی سے یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔
- (۱۲) مسلمانوں نے اپنے سکونت مکانات کو مزروعہ بنایا اور اس کی سیرابی عشری پانی سے ہوئی یا بنا بر قول بعض کسی پانی سے سیراب ہوئی ہو۔
- (۱۳) جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہے اور اوپر جا کر معلوم ہوا کہ بادشاہان اسلام نے دی تھی۔ (۲)
- حضرت رحمانی رح کی تحقیق کے مطابق ان چاروں صورتوں میں عشر واجب ہے اس طرح مجموعی طور پر نو قسموں میں بالاتفاق وجوب عشر ثابت ہوتا ہے اور ایک صورت اختلافی رہ جاتی ہے اور وہ ہے حضرت لکھنوی کی تحریریں،





حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت بہار دارالاسیہ نے اس جواب پر اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ

” ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسری جہت سے بھی ادلتے فرم میں احتیاط کا تقاضا یہاں ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمان کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے اگرچہ خسراقی ہی زمین کیوں نہ ہوں چنانچہ بہت سے صحابہ و تابعین ارض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے۔ اس لیے جہاں پر اپنے امام کے مسلک سے علماء منکلات نہ ہو اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے کیوں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔“ (۱)

حضرت تھانوی قدس سرہ کے ایک فتویٰ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ استقصاب حال کی بنا پر عشر لازم ہوگا۔  
۳۔ عشر زمین زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر زمینداروں یا کاشت کاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ساقط نہ ہوگا بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف پر خرچ کریں اور بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموال تجارت اور نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ غیر مسلم حکومت وصول کرتی ہے تو معاملہ واضح ہے کہ نہ وہ زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مستحق یا اہل ہے، نہ وہ اس کے مصارف میں خرچ کرنے کی پابند ہے، اس لیے اس کے ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔ (۲)

علامہ حمایونی سندھی نے اپنے رسالہ ”سراج الہند فی خراج الہند“ میں تحریر فرمایا ہے:  
”والآنچہ حکام نصاریٰ می گیرند بایں در ادلتے خراج محسوب نمی گردد۔ لان الکافرین لیس لہم ولایتہ اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بالمصارف الخراج فی ادا ادى المسلمین الیہم مالا بلیۃ الخراج لایخرجون عن عہدہ لانہم لیسوا بمعقالتین لاهل الحرب ولا رافعین اعداء الاسلام عنہم وعن دارہم۔“

علامہ حمایونی نے جو کچھ حکم لکھا ہے وہ خراج کا ہے اس سے عشر کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ سرکاری مالگذاری

ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے بھی ایک سوال کے جواب میں یہی لکھا ہے :

”ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا، جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔“ (۱)

البتہ اس مسئلہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف رائے ظاہر فرمائی ہے :

”ہر در زمین کہ ملوکہ تو بآب باران کاشت کرد عشر غلہ برد واجب الادا امت مگر در صورتی کہ مستراح زمین مذکورہ حاکم

وقت دادہ شود دران وقت عشر ساقط است۔ بمک عبارت رد المحتار۔ لا یجتمع العشر مع الخراج۔“ (۲)

جو شخص اپنی زمین میں زراعت کرے اس پر ادا کرنا اور مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا دسواں حصہ کا واجب ہے، اگر زراعت

بذریعہ پانی برسات یا نہروں وغیرہ کے ہو اور اگر کنویں سے پانی نکھو کر اور خرچ کر کے زراعت کی ہو تو میسواں حصہ

واجب ہے لیکن جس صورت میں کہ خراج اس زمین کا حاکم وقت کو دینا پڑتا ہے اس وقت ادائے عشر وغیرہ ساقط ہے

جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں ہے۔ لا یجتمع العشر مع الخراج۔ (۳)

لیکن مولانا عبدالحی صاحب کے قول کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے خراج شرعی مراد لی ہو، خراج انگریزی نہیں

جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس ایسی زمین ہو کہ اس پر خراج شاہی وقت سے چلا آتا ہو اور اب موجودہ وقت

میں وہ خراج حاکم وقت کو ادا کرتا ہو تو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا۔

اور چونکہ موجودہ حکومت ہند کا زمین کی مالگداری وصول کرنا خراج شرعی نہیں ہے اس لیے کہ اس پر عشر

واجب کرنے سے لا یجتمع العشر مع الخراج کا اصول نہیں ٹوٹے گا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ وقت میں ہندوستان کی کسی زمین پر خراج شرعی نہیں ہے کیوں کہ کسی زمین کے

خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) عجمیوں کے ملکوں میں ہے جو ملک بھی ایسا ہو کہ امام کا اس پر غلبہ ہو گیا اور امام نے اس کو انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں

چھوڑ دیا یعنی کافروں کے ملک میں بدستور باقی رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی ہوں گی۔

(۲) عجمیوں کی ہر وہ زمین جس پر امام المسلمین سے صلح ہو گئی ہو اور وہ ذمی بن گئے ہوں تو وہ زمین بھی خراجی ہوگی۔ (۴)

(۱) حوادث الفتاویٰ، ص ۱۹۰، (۲) مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی، ص ۲۱۹

(۳) فتاویٰ مولانا عبدالحی، ص ۲۲۰، (۴) کتاب الخراج للامام ابی یوسف، ص ۸۴



یہ دونوں صورتیں موجودہ حالت میں ہندوستان میں مفقود ہیں کیوں کہ یہاں امام المسلمین کا اقتدار قائم نہیں ہے اور خراج اسلامی احکام میں سے ایک حکم ہے جو دارالاسلام میں رہنے والوں پر واجب ہوتا ہے اور ہندوستان جب دارالاسلام نہیں ہے تو یہاں خراج واجب ہونے کی صورت بھی نہیں پائی جائے گی۔  
امام سرخسی فرماتے ہیں :

ان خراج الارض لا یجب الاعلیٰ من هو من اهل دارنا لانه حکم من الاحکام المسلمین

وحکم المسلمین لا یجری الاعلیٰ من هو من دار الاسلام - (۱)

بنابریں مالگذاری کی شکل میں حکومت جو کچھ وصول کرتی ہے اس کی حیثیت خراج شرعی کی نہیں بلکہ انکم ٹیکس کی سی ہے لہذا مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔

۴۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ کا رجحان ہندوستان کی بعض زمینوں کے خراجی ہونے کا ہے۔

آرامنی ہند بعض عشری ہیں بعض حسراجی - (۲)

اسی طرح پچھلے صفحات میں تین قسم کی زمینوں کو مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اور مولانا عبدالصمد رحمانی رحمہ نے بھی خراجی قرار دیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ کچھ زمینیں ہندوستان میں خراجی ہیں۔

پھر ان زمینوں میں خراج کی مقدار اور خراج کی کون سی قسم متعین ہے۔ خراج مؤطف یا خراج مقاسمہ۔ اس میں کچھ تفصیل ہے :

محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات عہد غزنوی اور عہد غوری سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں۔ تحقیق سے اتنی بات ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمین عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئی اور ان پر حسراج عائد کیا گیا۔  
البتہ ”نزهة الخواطر“ اور ”آئینہ حقیقت نما“ کی تصریحات کے مطابق علاء الدین خلجی نے اس میں یہ تغیر کر ڈالا کہ مالکان آرامنی پر جو نقد حسراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے نقد خراج یعنی

خراج مؤلف جاری تھا اور علماء الدین حنبلی نے جو اس کو خراج مقسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضا مندی سے ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

وفى الكافى ليس للإمام ان يحول الخراج المؤلف الى خراج المقاسمة اقول وكذلك

عكسہ - (۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج مؤلف کا حکم جاری ہے، لہذا اس کی ادائیگی حسب دستور عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب یعنی ۱۲۵ مربع گز پر ایک درہم (۲ ۱/۲ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو (تین کلو دو سو چھیاسٹھ گرام) واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے ایسے گنجان باغ پرجن میں کاشت نہ ہو سکے دس درہم (ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی) اور زعفران جیسی قیمتی اشیاء اور انگور اور کھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہی ہوں سب پر خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پرجن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں یہی خراج مؤلف مقرر فرمایا تھا۔ (۱)

لیکن بطور بالا میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خراج مقرر کرنا اور اس کی وصولیابی کا نظام مرتب کرنا امام المسلمین کا کام ہے اور خراج دارالاسلام کے رہنے والوں پر عائد ہوتا ہے اور ہندوستان بلاشبہ دارالاسلام نہیں ہے، پس یہاں کی جو زمینیں خراجی قرار پاتی ہیں ان میں بھی عشر کا وجوب ہی مناسب ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عشر میں معنی عبادت پایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ زمین کی زکوٰۃ ہے، اسی لیے عشر مسلمانوں کے مناسب حال ہے۔

فلا یبتدأ بهذا الحق الا على المسلم بلا خلاف لان فيه معنى العبادة - (۲)

اور خراج کی حیثیت شرعی ٹیکس کی سی ہے اس میں معنی عبادت نہیں پایا جاتا اسی لیے وہ دارالاسلام کے غیر مسلم ذمیوں کے مناسب مال ہے، مسلمانوں کے شایان شان نہیں اسی واسطے ابتداً کسی مسلمان پر اس کی زمین میں خراج واجب نہیں کیا جاتا اور عشر کافر پر مقرر نہیں کیا جاتا کیوں کہ وہ عبادت کا مکلف نہیں ہے۔

۵۔ شریعت اسلام میں زمین کی پیداوار پر آسمانی بارش اور بڑے دریاؤں کے پانی سے سیرجائی کی صورت

میں پیداوار کا دسواں حصہ اور زراعت پر آنے والے مصارف کھاد - دوا - جوتائی اور کھیتی کی نگہداشت اور بطور خود آبپاشی کے ذرائع پمپنگ سیٹ یا نہروں سے سنبھائی کرنے پر جو بیسواں حصہ مقرر ہے وہ پیداوار کی زکوٰۃ ہے ایسا نہیں کہ مصارف زراعت کے بقدر پیداوار کو مخصوص کرنے کے بعد نصف عشر کو مقرر کیا گیا ہو، بلکہ عشر کی طرح نصف عشر بھی پورے پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔

لہذا کھیتی پر آنے والے اخراجات کی وجہ سے نصف عشر کی مقدار کو کم کرنا یا اصل پیداوار میں سے اخراجات کو منہا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے عشر نکالنا جائز نہیں ہے۔

امام اکمل الدین بابر قی نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو مصارف زراعت کے بقدر پیداوار کو الگ کرنے کے بعد باقی پیداوار سے زکوٰۃ ادا کرنے کو درست قرار دیتے ہیں بہت واضح دلیل کے ساتھ لکھا ہے کہ

”وجه قولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم بتفاوت الواجب بتفاوت المؤنة لانه قال ماسقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب ففيه نصف العشر — فاذا كان كذلك لم يمكن لرفعها معنی لارفعها يستلزم عدم التفاوت المنصوص عليه وهو باطل“۔

و بیانہ ان الخارج فیما سقته السماء اذا كان عشرين قفيزاً ففيه العشر قفيزاً  
واذا كان الخارج فیما سقى بغرب اربعين قفيزاً والمؤنة تساوي عشرين قفيزاً —  
فاذا رفعت كان الواجب قفيزين فلم يكن تفاوت بين ماسقته السماء وبين ماسقى  
بغرب و المنصوص خلافه فتبين ان ماسقى بغرب ففيه نصف العشر من غير اعتبار  
المؤنة — وهذا الحل من خواص هذا الشرح فليتأمل - (۱)

ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصارف زراعت کے فرق کے سبب حکم میں بھی فرق کیا ہے جیسا پھر آسمانی پانی سے سیرابی کی صورت میں پیداوار پر عشر اور چرس سے سنبھائی کی صورت میں نصف عشر کو واجب قرار دیا ہے ایسے جب بات یہی ہے تو مصارف کے بقدر علف کو علف دہ کر لینے کے کوئی معنی نہیں کیوں کہ مسرج کے بقدر پیداوار کو الگ کر کے باقی سے زکوٰۃ دینے کی صورت میں منصوص علیہ حکم (یعنی عشر اور نصف عشر) میں فرق ہی باقی نہیں رہے گا اور یہ اکل



باطل ہے۔

اس کی دمناحت یہ ہے کہ مثلاً آسمانی بارش سے سیراب شدہ زمین کی پیداوار بیس قفیز (تقریباً پونے آٹھ کونٹل) ہو تو اس میں عشر کی مقدار (پیداوار کے دسویں حصہ کے مطابق) دو قفیز ہوگی اور اگر پیداوار چرس وغیرہ سے سینچائی کے ذریعہ چالیس قفیز ہو اور مصارف آبپاشی کی مقدار بیس قفیز کے برابر ہو تو اب اگر اس خرچ کے بقدر بیس قفیز غلہ منہا کر لیا جائے تو مقدار زکوٰۃ دو قفیز ہی رہ جائے گی (جو کل پیداوار چالیس قفیز بیسویں حصہ کے مطابق ہے) پس آسمانی بارش کی پیداوار اور اپنے ذاتی ذرائع سے سینچائی کی پیداوار پر زکوٰۃ کی ایک ہی مقدار ہو جائے گی۔ دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ حالانکہ نص حدیث میں دونوں صورتوں کے دو الگ الگ حکم ہیں۔

پس یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ذاتی ذرائع سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں جو نصف عشر متعین ہے اس میں مصارف زراعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس مسئلہ کا یہ حل بس اسی شرح کی خصوصیت ہے اس پر غور کر لو۔ حافظ ابن الہمام نے اگرچہ صاحب نہایہ کے بیان کردہ صورت مسئلہ پر اشکال ظاہر کیا ہے لیکن مذکورہ مثال اور حکم مسئلہ کو جوں کا توں تسلیم کیا ہے۔

فیلزم اتحاد الواجب فیما سقی بغرب و فیما سقته السماء وهو خلاف حکم الشرع<sup>۱</sup>۔

۶۔ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک حصہ متعین مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشت کار کا۔ مثلاً دونوں نصفاً نصف ہو یا ایک تہائی ہو یا دو تہائی ہو، اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔ (۲)

اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو مسلمان مالک زمین پر اپنے حصہ کا عشر واجب ہوگا۔

حضرت گنگوہی رحمہ فرماتے ہیں:

”مزارعت کے مسئلہ میں عشر حصہ دار ہوتا ہے مالک و مزارع پر اگر کوئی کافر ہوگا تو اخوذ نہ ہوگا۔ مسلمان اپنے حصہ

دیوے گا“ (۳)

ابن الہمام نے فرمایا:

(۱) فتح القدیر ۹/۲ (۲) جواہر الفقہ ۲۴۳ بحوالہ بدائع الصنائع

(۳) فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۴

فان كان ذمياً فله على رب الارض بالاتفاق - (۱)

علامہ شامی نے اس کی علت یہ نقل کی ہے کہ کافر دائی عشر کا اہل نہیں اس لیے اس پر عشر واجب نہیں۔

کذا فی شرح دہرہ البحار ای لکوتہ لیس اہلاً للعشر - (۲)

## محورِ اوّل عشر و خراج

مفتی عبداللہ

مدرس مدرسہ عزیز، بہار شریف، نالندہ

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ جس طرح نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ فرض ہیں اسی طرح عشر بھی فرض ہے۔ اس وجہ کر بہت سے فقہائے عشر کو زکوٰۃ ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے لئے ”باب زکوٰۃ الزرع و الشار“ کا باب منعقد فرمایا ہے۔ عشر کی فرضیت بھی قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت ہے مثلاً:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انفقوا من طيبات ما كسبتم و معا اخرجنا لكم من الأرض“

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”و هو الذى انشا جنت معروشات (التي قوله تعالى) و انو حقه يوم جمع“

اور علامہ شانیؒ نے لکھا ہے:

”لانهم صرحوا بان فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والاجماع

والمعقول“

اور علامہ شامیؒ نے تفسیر ظہری میں ذکر فرمایا ہے:

”اجمع العلماء على وجوب العشر من النخل والكرم“

البتہ چونکہ شرفائے زمین دو قسم کی ہیں۔ عشری اور خراجی۔ اور ایک ہی زمین پر عشر و خراج لازم نہیں ہو سکتا۔

اس لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کونسی زمین عشری ہے اور کونسی زمین خراجی کتب فقہیہ تصبیح و طہاش سے جو کچھ مفہوم ہوتا



ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خراجی زمین کی دو قسم ہے :

۱۔ جب کفار کے ملک کو خلیفہ المسلمین (مسلمان بادشاہ) نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہو اور زمین کفار ہی کی ملکیت میں چھوڑ دیا ہو تو یہ زمین خراجی ہوگی اور مسلمان بادشاہ اس زمین کے خراج و محصول کوٹنے کا حقدار ہے (اس مذکورہ صورت سے عرب کی زمین مستثنیٰ ہیں)

۲۔ جس ملک کے باشندوں نے بغیر جنگ و جدال کے کسی مسلمان بادشاہ سے صلح کر کے ان کی اطاعت قبول کر لی ہو تو اس ملک کی زمین کفار ہی کی ملکیت میں رہے گی اور یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔ اسی طرح عشری زمین کی بھی ابتداء دو ہی صورتیں نکلتی ہیں :

۱۔ کسی ملک کے حربی کفار مسلمان ہو گئے ہوں تو مسلمان ہونے والوں کی زمینیں عشری ہوں گی۔  
 ۲۔ ملک عجم کے کسی ملک یا اس کے کسی حصہ پر بزورِ شمشیر فتح حاصل کر لیا ہو اور وہاں کی زمینوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہو تو ایسی زمینیں بھی عشری ہوں گی۔ ملک عجم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر عرب کی زمین پر مسلمان قابض ہو جائیں تو خواہ وہ مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہو یا کفار ہی کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا ہو بہر دو صورت وہ عشری ہی ہوں گی۔ یہ سب صورتیں مندرجہ ذیل عبارتوں سے مستفاد ہیں۔  
 شرح وقایہ میں ہے :

”ارض العرب وما اسلم اهلہ اوفتح عنوة وقسم بین حبیشا والبحرة  
 عشریہ والیسوا وما فتح عنوة واقرا اهلہ عنیہ او مالہم خراجہ“  
 در مختار میں لکھا ہے کہ :

”ارض العرب وما اسلم اهلہ طوعا اوفتح عنوة وقسم بین حبیشا... عشریہ“  
 اسی کے تحت شامی نے لکھا ہے :

”وقسم بین حبیشا احتریسہ، اذا قسم بین قوم کافریں غیر اهلہ  
 فاشہ من حیثہ  
 عامۃ ہی میں ہے :

”فارض العرب كلها عشرية وما سوى ذلك كل بلدة فتحت صلحا وقبلا والعزيمة  
فهي ايضا خراج وكل بلدة فتحت عنوة وقسمها الامام بين الغنميين فهي عشرية  
وكل بلدة فتحت عنوة واسلم اهلها قبل ان يحكم الامام فيهم بشئ كان الامام  
فيها بالخيار ان شاء قسمها بين الغنميين وتكون عشريه وان شاء من عليهم  
وبعد المن كان الامام بالخيار ان شاء وضع العشر وان شاء وضع الخراج وان كانت  
تسقى بماء الخراج كذا في فتاوى قاضي خان عالمگیریؒ  
امام ابی یوسفؒ اپنی کتاب کتاب الخراج میں تحریر فرماتے ہیں :

” ايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها في ايدي اهلها فهي  
ارض خراج وان قسمها بين الذين منهموها فهي ارض عشرية..... وكل ارض  
من ارض الاعاجم صالح عليها اهلها وصاروا ذمية فهي ارض خراج :  
اسی صفحہ پر دوسری جگہ لکھا ہے :

” وكل ارض اسلم اهلها عليها وهي من ارض العرب او العجم فهي لهم  
وهي ارض عشرية“  
اور ایک جگہ امام ابو یوسفؒ تحریر فرماتے ہیں :

” وكذلك كل من لا تقبل منه الجزية لا يقبل منه الاسلام او القتل  
من سيرة الاوثان من العرب فارضهم ارض عشرية وان ظهر عليها الامام  
لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على ارضين من ارض العرب وتركها  
فهي ارض عشرية حتى الساعة“

اول تو وقت کم ہے چون کہ سوالنامہ کافی تاخیر سے وصول ہوا، دوسری بات یہ کہ اب تک محوز دوم دوم کے سلسلے  
میں تاریخ دالوں اور ماہرین قانون سے ضروری قیامات حاصل کر کے آپ نے روانہ نہیں فرمایا ہے۔ اسی لئے ایک ہی  
محور کے جواب پر اکتفا کرتا ہوں۔ ❦ ❦ ❦

# جوابات

انہ: — مولانا انور علی اعظمی دارالعلوم مئو

## مخبر چہارم

۱ — علامہ عینی نے بنایہ میں عشری اور حسراجی زمینوں کی مندرجہ ذیل اقسام ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عشری زمینوں کی چھ قسمیں ہیں :

- (۱) عرب کی زمین جیسے حجاز اور یمن کی آراضی۔
  - (۲) وہ آراضی جن کے مالک بخوشی مسلمان ہو گئے ہوں۔
  - (۳) وہ زمین جو بزور طاقت حاصل کی گئی ہو اور غاصبین کے درمیان کر دی گئی ہو۔
  - (۴) ایسی مردار زمین جسے قابل کاشت بنایا گیا اور عشری پانی سے سیراب کیا جاتا ہو۔
  - (۵) خراجی زمین جس سے خراجی پانی ختم ہو گیا ہو اور وہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔
  - (۶) کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنادیا اور عشری پانی سے سیراب کرنے لگا۔
- خراجی زمین کی آٹھ قسمیں ہیں :

- (۱) ایسی زمین جس کو بزور طاقت حاصل کیا گیا ہو اور کافروں کے ہاتھ میں وظیفہ خراج کے ساتھ باقی رکھا گیا ہو۔
- (۲) ایسی زمین جس کو کافروں نے امیر المؤمنین کی اجازت سے قابل کاشت بنایا ہو۔
- (۳) کافر اپنے گھر کو باغ بنادے اگرچہ عشری پانی سے سیراب کرے۔
- (۴) کوئی کافر قوم خوشی خوشی خراج دینے پر آمادہ ہو جائے۔
- (۵) ایسی زمین جو خراجی پانی سے قابل کاشت بنائی جائے۔
- (۶) ایسی زمین جس کو مسلمان کافر سے خریدے۔
- (۷) عشری زمین جس کا پانی بند ہو جائے اور خراجی پانی سے سیراب کی جانے لگے۔



(۸) کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنادیا اور حسراجی پانی سے سیراب کرنے لگا۔ (۱)

کسی زمین کے عشری یا حسراجی کا فیصلہ اسی تفصیل کی روشنی میں کیا جائے گا۔

جو زمین نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہے اور یہ پتہ نہیں کہ کب اور کیسے آئی تو اسے عشری ہی مانا جائے گا کیوں کہ فقہاء کے نزدیک استعجاب بھی ایک دلیل ہے۔

۲۔ جن اراضی کا عشری اور خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان میں عشر نکالنا احوط ہے اور مسلمانوں کے حال سے زیادہ مناسب ہے۔

بدائع میں مذکور ہے:

والابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولى لان فی العشر معنی العبادة و فی الخراج معنی

الحقار۔ (۲)

۳۔ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری حسراج کے حکم میں داخل نہیں ہے کیوں کہ موجودہ سرکار اس کا معرف نہیں اور وہ اس کے مصارف میں استعمال بھی نہیں کرتی۔

۴۔ حضرت تھانویؒ کی تحقیق جدید کے مطابق حسراج کی ادائے گی بھی ایک حق شرعی ہے اس کی شرح قرب و جوار کی اراضی سے اندازہ کر کے متعین کی جائے گی۔ علامہ کا سانی صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور خراج میں صغار یعنی ماتحتی کا۔ ردالمحتار میں ہے:

ولو ترک السلطان او نائبه الخراج لرب الارض او وهب له ولو بشقاعة

جاز عند الثانی وحلله لو مصرفاً ولا تصدق به یغنی۔

یہ عبارت یہی بتا رہی ہے کہ اگر خود مصرف نہ ہو تو صدقہ کرنا پڑے گا، حالانکہ سلطان نے معاف کر دیا ہے لہذا خراج کی ادائے گی میں صرف اظہار ماتحتی ہی نہیں بلکہ حق شرعی بھی ملحوظ ہے۔

۵۔ کھاد اور دوا وغیرہ سے نہ تو عشر میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کیا جائے گا، کل پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے:

(۱) ماخذ ان حاشیہ شرح وقلیہ۔ مولانا عبدالعزیز لکھنوی ۲۹۵/۱

بلا رفع مؤن الزرع لتعريضهم بالعشر في كل الخارج قال في رد المحتار اي يجب  
العشر في الاول ونصفه في الثاني بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وكري الانهار  
واجرة الحافظ - (۱۱)

مزارعت کی بٹائی کی صورت میں عشر امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک رب الارض پر ہے اس لیے کہ امام صاحب  
مزارعت کو عقد فاسد قرار دیتے ہیں، غلہ کا مالک زمین والا ہوتا ہے اور مزارع اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے  
صاحبین کے نزدیک مزارعت ایک جائز عقد ہے۔ لہذا دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک ہوں گے اور چونکہ  
عشر پیداوار سے متعلق ہے اس لیے دونوں ہی اپنے اپنے حصہ سے وظیفہ کو ادا کریں گے۔ راقم السطور اس مسئلہ  
میں صاحبین کے قول کو لائق ترجیح سمجھتا ہے۔ شامی میں مذکور ہے:

ولكن ما ذكر من التفصيل يخالفه ما في البحر والمجتبى والمعراج والسراج والحقل  
والظهيرية وغيرهما من ان العشر على رب الارض عنده عليهما عندهما  
من غير ذكر هذا التفصيل وهو الظاهر لما في البدائع من المزارعة جائزة عندهما  
والعشر يجب في الخارج وبينهما فيجب العشر عليهما. (۱۲)

## مختصر

- ۱۔ عشر یا نصف عشر کا وجوب ارض عشریہ میں پیداوار کی ہر مقدار پر ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اس میں کسی  
نصاب کی شرط نہیں ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے احناف کے نزدیک مفتی برہنہ مذہب ہے۔ (۱۳)
- ۲۔ ہر وہ پیداوار جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو اس میں عشر واجب ہوتا ہے چنانچہ غلے اور پھل وجوب عشر  
کے حکم میں یکساں ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی زمین میں بانس، چری کی باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے تو اس میں بھی عشر  
واجب ہوگا۔ (۱۴)

چوں کہ عشر کا سبب ارض نامیہ ہے اور سنگھارا اور مکھانا پانی کی پیداوار ہیں اس لیے ان پر عشر کا حکم نہیں جاری

شامی پر ۶۹، امداد الفتاویٰ پر ۷۰، (۲) شامی پر ۷۱،

(۱۳) کفایۃ المفتی پر ۷۰، امداد الفتاویٰ پر ۷۱، ایضاً (۵) قامی حاشیہ پر ۷۱،

ہوگا، احادیث میں عشر یا نصف عشر کو انہیں اشیاء پر ناکہ کیا گیا ہے جو زمین کی پیداوار کہی جاتی ہیں۔  
 اسی طرح سے عمران بنحو میں واجب نہیں جو صرف زراعت کے کام آتے ہیں، عشر دواؤں میں بھی واجب  
 نہیں، نرکٹ وغیرہ میں واجب نہیں۔ (۱)  
 ۳۔ مچھلی خواہ کسی قسم کے پانی میں پالی گئی ہو اس میں عشر نہیں ہوگا، اس کو نیچے کے بعد حاصل شدہ قسم  
 پر زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا۔

لا شئ فیما تنخج من البحر كالعنب واللؤلؤ والصف - (۲)  
 ۴۔ ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں، صاحب ہدایہ شہد پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:  
 وفي العمل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعي لا يجب لانه متولد من  
 الحيوان فاشبه الابرسم ولنا قوله عليه السلام في العمل العشر ولان النحل  
 يتناول من الانوار والشعار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منها بخلاف دود  
 القز لانه يتناول الوراق ولا عشر فيها۔ (۳)  
 لہذا معلوم ہوا کہ ریشم وظیفہ عشر سے مستثنیٰ ہے۔

۵۔ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے یا فرونچر اور عمارت کے استعمال میں آتے ہیں اگر کسی عشری  
 زمین کو ایسے درختوں کے لیے خام کر دیا گیا ہو تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ وجوب عشر کے لیے قاضی خاں  
 ہر سال کاٹنے اور نیچنے کی شرط لگاتے ہیں۔

ولو جعل ارضه مقصبة ومشجرة يقطعها ويبيعها في كل سنة كان فيه العشر۔<sup>(۴)</sup>  
 لیکن عالمگیری میں یہی مسئلہ محیط الرخی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس میں ہر سال کاٹنے کی شرط نہیں  
 بلکہ مسئلہ کا مدار استئنا اور آمدنی کو قرار دیا ہے لہذا ایسی عشری زمین جو منوچر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ  
 کے لیے خام کر لی جائے اور یہ درخت تیار ہونے کے بعد کاٹے جائیں چاہے دس سال کیوں نہ لگ جائیں ان  
 میں عشر واجب ہوگا۔ (۵)

(۱) قاضی خاں ۱۲۹/۱ (۲) ایضاً (۳) ہدایہ ۱۸۲/۱

(۴) قاضی خاں ۱۲۹/۱ (۵) عالمگیری ۹۵/۱



۶۔ وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں ان میں عشر واجب ہوگا بہتر یہ ہے کہ جب توڑی جائیں عشر الگ کر دیا جائے اور مستحقین کو دے دیا جائے، البتہ اپنے گھر یا مکان کی چھتوں پر بوائے جانے والے درختوں یا سبزپوں میں عشر نہیں ہوگا۔

رجل فی دارہ شجرة مثمرة لا عشر فیہ وان کانت البلدة عشریة بخلاف ما

اذا کانت فی الارض - (۱)

۷۔ اوقاف کی اراضی میں عشر واجب ہے کیوں کہ عشر کا سبب ارض نامیہ ہے اور وہ یہاں موجود ہے دوسرے یہ کہ عشر کا تعلق پیداوار کی ملک سے ہوتا ہے لہذا اراضی موقوفہ علی الاولاد میں عشر واجب ہوگا اس لیے اولاد ان زمینوں کی پیداوار کی مالک ہوتی ہے اگرچہ زمین کی مالک نہیں ہوتی۔

يجب العشر فی الارضی الموقوفة<sup>(۱)</sup> وکذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب

لوجوبہ فی الارضی الموقوفة - (۲)

هذا ما عندی واقفہ اعلم بالصواب

(۱) قاضی خان ۱۲۹/۲ ، عالمگیری ۹۵/۱ (۲) قاضی خان ۱۲۹/۱

(۳) عالمگیری ۹۵/۱

# عشر کے کچھ احکام و مسائل

## (مختصر پنجم)

انہاء مولانا رفیق المنان قاسمی - جامعہ عربیہ احیاء العلوم - مبارکیور - اعظم گڑھ

### (۱) نصاب

و جب عشر کسی خاص نصاب کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو رائے ہیں۔ جہورائے کے نزدیک دیگر اموال زکوٰۃ کی طرح زرعی پیداوار کے لیے نصاب متعین ہے اس سے کم پیداوار میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں وجوب عشر کے لیے متعین نصاب کا ذکر ہے۔  
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

”لَیْسَ فِیْہَا دُونَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مَّعْقَةٍ۔ وَیُلْغِظُ اُخْرَ۔ لَیْسَ فِیْہَا حَبٌّ وَلَا تَمْرٌ مَّعْدَقَةٌ حَتّٰی یَبْلُغَ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ“

علامہ ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں:

”وَلَمَّا قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْہَا دُونَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مُّتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَہَذَا خَاصٌّ یَجِبُ تَقْدِیْمُہُ..... وَلَا مَنَہُ مَا لَمْ یَجِبْ فِیْہِ الصَّدَقَةُ فَلَمْ یَجِبْ فِیْہِ یَسِیْرُ کَسَائِرِ اَمْوَالِ الزَّکَاٰتِیَّةِ..... یَحْقُقُہُ اِنْ الصَّدَقَةُ اِنْعَامٌ تَجِبُ عَلَی الْاَغْنِیَاءِ بِمَا قَدْ ذَکَرْنَا فِیْہَا نَقْدٌ وَلَا یَحْصُلُ الْغَنَاءُ بِدُونَ النِّصَابِ کَسَائِرِ اَمْوَالِ الزَّکَاٰتِیَّةِ۔“ (۱)

جو حضرات نصاب کی شرط لگاتے ہیں تفصیلات میں ان کے مابین بھی کلی اتفاق نہیں، وہ پیداواری اشیاء جو از قبیل مکملات ہیں ان کا نصاب بالاتفاق پانچ دس ہے، اس میں بھی یہ امر مختلف فیہ ہے کہ یہ نصاب تحدیدی یا تقریبی؟

قال الحافظ اختلف فی هذا النصاب هل هو تحدید او تقریب وبالأول جزم احمد

وهو امع الوجهین للشافعية الا ان كان نقصا یسیرا جدا مما لا ینضبط فلا یضر

قاله ابن دقین العید وفتح النور فی شرح مسلم انه تقریب - (۱)

غیر کلی اشیاء میں کسی خاص نصاب کا اعتبار ہو گیا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں داؤد ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ ان میں کوئی نصاب مندرج نہیں، جس قدر بھی پیداوار ہو اس میں عشر واجب ہوگا۔

ان نصاب الحبوب والثمار خمسة اوسق لحديث الباب عند الشافعي ومالك واحمد

وابن يوسف ومحمد وداؤد ظاهري الا انهم اختلفوا فی ذلك فيما لا یكال ولا یوسق

فقال داؤد ان كل ما یدخل فیہ الكیل یراعی فیہ النصاب وما لا یدخل فیہ الكیل

ففی قلیله وكثیره الزکوة قال الحافظ هو منوع من الجمع بین الحدیثین - (۲)

حضرات شوافع کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

قال اصحاب الشافعي فی الزعفران تجب الزکاة فی قلیله وكثیره<sup>۳</sup> وفی شرح

الاحیاء الزعفران والنورس لازکاة فیہما علی الجدید المشهور وقال فی القدییم یجب

فان اوجبا فیہما فالمذہب انه لا یعتبر النصاب بل یجب فی القلیل وقلیل

فیہ قولان - (۴)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

" قال الشافعی اخبرنی هشام بن یوسف ان اهل حفاش اخرجوا کتابا من ابی بکر الصدیق

رضی اللہ عنہ فی قطعة ادیم یا مرهم بان یؤدوا عشر الودس قال الشافعی لا ارى

اثابت هذا؟ وهو یعمل بہ باليمن فان كان ثابثا عشر قلیله وكثیره - (۵)

(۱) اوجز المسالك ۱۳۶، (۲) حوالہ مذکور (۳) المغنی ۶۹۶

(۴) اوجز ۱۳۶ (۵) السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۱۶/۴



امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مکملی اشیا کے نصاب کے سلسلہ میں دو اقوال مردی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ موزونات میں پانچ وسق کے بقدر وزن ہی کو نصاب مانا جائے گا، واضح رہے کہ پانچ وسق کا وزن جہور فقہاء کے نزدیک سولہ سو (۱۶۰۰) رطل ہے اور احناف کے نزدیک چوبیس سو (۲۴۰۰) رطل ہے۔

نصاب الزیتون خمسة اوسق نص عليه احمد في رواية صالح ونصاب الزعفران والقطن وما الحق بهما من الموزونات الف وست مائة رطل بالعراقى لانه ليس بمضكىل فيقوم وزنه مقام كيله ذكره القاضى في المجرد - (۱)

امام احمد رحمہ کی دوسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ موزونات میں سب سے کم قیمت کیل کے پانچ وسق کی قیمت کو نصاب قرار دیا جائے گا، جیسے عروض تجارت میں سونے اور چاندی کے نصابوں میں سے جو کم قیمت کا ہوا ہے معیار نصاب بنایا جاتا ہے۔ ائمہ احناف میں امام ابو یوسف رحمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

وحكى عنه اذا بلغت قيمته نصابا من ادنى ما تخرجه الارض مما فيه الزكاة ففيه الزكاة وهذا قول ابى يوسف في الزعفران لانه لم يمكن اعتباره بنفسه فاعتبر بغيره كالعروض تقوم بادن النصابين من الاثمان - (۲)

اما ما لا يدخل تحت الكيل كالقطن والزعفران فقد اختلفا فيما بينهما قال ابو يوسف يعتبر فيه القيمة وهو ان يبلغ قيمة الخارج قيمة خمسة اوسق من ادنى ما يدخل تحت الوسق من الجيوب ..... لا بى يوسف ان الاصل هو اعتبار الوسق لان النص ورد به غير انه ان امكن اعتباره ضرورة ومعنى يعتبر وان لم يمكن يجب اعتباره معنى وهو قيمة الموسوق - (۳)

امام محمد رحمہ کے نزدیک غیر مکملی اشیا میں سے جس چیز کا عشر نکالنا ہو اس کی قدر و پیمائش کے سب سے بڑے پیمانے کو ایک وسق کے حکم میں رکھا جائے گا۔

قال محمد يعتبر خمسة امثال اعل ما يقدر به ذلك الشيء فالقطن يعتبر بالاحمال فاذا بلغ خمسة امثال يجب والا فلا ويعتبر كل حمل ثلث مائة من فتكون جملة

الف وخمس مائة منا والزعفران يعتبر بالامن فاذا بلغ خمسة امنان يجب والا فلا  
وكذلك في السكر يعتبر خمسة امنان وجه قول محمد ان التقدير بالموسق في  
الموسوقة لكون الموسق اتقى ما يقدر به في بابه واقوى ما يقدر به في غير الموسق  
ما ذكرنا فوجب التقدير به۔ (۱)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصاب کا اعتبار نہیں، پیداوار کی قلیل و کثیر ہر مقدار پر عشر واجب ہے،  
مجاہد رحمہ اللہ، زہری رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ کا قول بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

عن مجاهد قال فيما اخرجت الارض فيما قل منه او اكثر العشر ونصف العشر — عن  
حماد قال: في كل شيء اخرجت الارض العشر ونصف العشر — عن ابراهيم قال: في كل  
شيء اخرجت الارض زكاة حتى في عشر وستجات بقل — عن الزهري انه كان لا يوت  
في الفريثا وقال العشر ونصف العشر — عن معمر قال كتب بذلك عمر بن  
عبد العزيز الى اهل اليمن۔ (۲)

ان حضرات کا استدلال ان آیات و احادیث سے ہے جن میں علی الاطلاق زرعی پیداوار سے عشر و مدو لگانے  
کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا،

يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم — و مما اخرجنا لكم

من الارض (البقرہ ۲۶۷) — كلوا من ثمره اذا اشمر واتوا حقه يوم حصاده۔ (الانعام: ۱۴۱)  
ان آیات میں زرعی پیداوار کا ایک حصہ خرچ کرنے اور اس کا حق واجب ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم کسی معین مقدار  
کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر قلیل و کثیر مقدار کو عام ہے جس کا مقتضایہ ہے کہ پیداوار کی ہر مقدار میں عشر واجب ہو۔  
اس سلسلہ کی احادیث میں بھی ایسا ہی عموم ہے جس سے قلیل و کثیر کا فرق مٹ جاتا ہے اور ہر مقدار پر وجوب  
ثابت ہوتا ہے۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال فيما سقت السماء والعيون او كان  
عشر يا العشر وما سقى بالنضح نصف العشر<sup>۳</sup> — فيما سقت الانهار والغيم العشر

وفيما سقى بالسانية نصف العشر - (۱)

قرآن و حدیث کے ان نصوص سے استدلال کرتے ہوئے علامہ علامہ الدین ابو بکر بن مسعود کا سانی فرماتے ہیں:-  
 ولا بی حنیفة عموم قوله تعالى: يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم  
 و مما اخرجنا لكم من الارض\* وقوله عز وجل: واتوا حقه يوم حصاده - وقول النبي  
 صلى الله عليه وسلم: ما سقت السماء ففيه العشر وما سقى بغرب او دالية  
 ففيه نصف العشر من غير فصل بين القليل والكثير - (۲)

فقہائے احناف کا مختار و مفتی بہ مذہب یہی ہے اور اس کی معقول و مضبوط بنیادیں موجود ہیں احتیاط و حق فقہاء  
 کی رعایت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مشہور مالکی فقیہ و محدث علامہ ابن العربی رحمہ فرماتے ہیں کہ

" اقوى المذاهب ابى حنيفة دليلا و احوطها للمساكين و اولاه اقيامها شكر النعمة وعليه

يدل عموم الآية والحديث - (۳)

انہی طرح علامہ فخر الدین رازی شافعی رحمہ فرماتے ہیں:

قال ابو حنيفة العشر واجب في القليل والكثير واحتج بهذه الآية فقال قوله تعالى:

"واتوا حقه يوم حصاده" يقتضى ثبوت حق في القليل والكثير فاذا كان ذلك الحق هو

الزكاة وجب القول بوجوب الزكاة في القليل والكثير - (۴)

رہ گئی وہ حدیث جس میں پانچ دست سے کم میں صدقہ کی نفی کی گئی ہے تو احناف کے نقطہ نظر سے اسے کسی ایسے معنی پر محمول  
 کیا جائے گا جو نصوص کتاب و سنت کے عموم کے متعارض نہ ہو، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عشر کا نصاب نہیں بلکہ  
 تجارتی غلہ جات کی زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے، عہد نبوی میں پانچ دست غلہ کی قیمت کم و بیش دو سو درہم کے مساوی تھی  
 جو عروض تجارت کا نصاب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کے لیے غلہ کا نصاب الگ سے پانچ دست متعین کیا۔

ابو حنيفة يقول قاويل الحديث زكاة التجارة فانهم كانوا يتبايعون بالاوساق

(۱) مسلم ۳۱۶/۱ (۲) بدائع الصنائع ۵۹/۲ (۳) بحوالہ اوجز المسالك ۱۳۸/۲

(۴) تفسیر ابن کبیر -



کما ورد به الحدیث فقيمة خمسة اوسق ما تادهم<sup>(۱)</sup> — قال الجصاص فی احکام القرآن قد روی "فیعادون خمسة اوسق زکوة" فجائز ان یرید به زکاة التجارة بان یرکون سأل سائل عن اقل من خمسة اوسق طعام او تمر للتجارة فاخبر ان لا زکوة فیہ فنقل الراوی کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وترك ذکر السبب کما یوجد ذلک فی کثیر من الاخبار۔<sup>(۲)</sup>

صاحب بدائع علامہ کامانی حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الحدیث فالجواب عن التعلق به من وجهین احدهما انه من الاحاد فلا یقبل فی معارضة الكتاب والخبر المشهور — والثانی ان المراد من الصدقة الزکاة لان مطلق اسم الصدقة لا ینصرف الا الی الزکاة المعهودة ونحن به نقول ان مادون خمسة اوسق من طعام او تمر للتجارة لا یجب فیہ الزکاة ما لم یرتفع قیمتها ما تادی درهم او یحتل الزکاة فیحمل علیہا عملاً بالدلائل بقدر الامکان۔<sup>(۳)</sup>

عشر میں عدم نصاب و عدم وجوب کی ایک وجہ ترجیح یہ ہے کہ جب خاص اور عام نصوص میں تعارض ہو اور ان میں سے کون زمانہ مقدم ہے اس کا پتہ نہ چلے تو احتیاطاً کا تقاضا یہ ہے کہ خبر عام کو ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جائے، نیز عام و خاص کے متعارض ہونے کی صورت میں مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ کو ترجیح دینا اور اسی پر عمل کرنا بہتر ہے بحکم حدیث "دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔"

علامہ جصاص رازی رح احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

اذا روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران احدهما عام والاخر خاص واتفق الفقهاء علی استعمال احدهما واختلف فی استعمال الآخر فالمتفق علی استعماله قاض علی المختلف فیہ فلما کان خبر العشر متفقاً علی استعماله واختلفوا فی خبر القدر کان استعمال خبر العشر علی عمومہ اولی وکان قاضیاً علی المختلف فیہ فاما ان یرکون الآخر منسوخاً او یرکون تأویلہ محمولاً علی معنی لا یریبنا فی شیعاً من خبر العشر۔<sup>(۴)</sup>

(۱) البیروط للشرعی ۳/۴ (۲) اوجز المسالك ۱۳۸/۴ (۳) بدائع ۵۹/۴ (۴) بحوالہ اوجز المسالك ۱۳۶/۴

علامہ عینی فرماتے ہیں :

ومن الامعاب من جعله مفسوخا ولهم في تفسيره قاعدة فقالوا اذا ورد حديثان احدهما عام والاخر خاص فان علم تقديم العام على الخاص حصر العام به وان علم تقديم الخاص يفسخ بالعام قال محمد بن شجاع البلخي هذا اذا علم التاريخ اما اذا لم يعلم فان العلم يجعل آخر المافيه من الاحتياط وطهنا لم يعلم تاريخه نجعل العام آخر احتياطاً (۱)

قائلین نصاب کہتے ہیں کہ دونوں قسم کے نصوص میں کوئی تعارض نہیں ہے اخلاف کے پیش کردہ کتاب وسنت کے نصوص میں صرف وجوب عشر کا بیان ہے اور مقدار نصاب کا اس میں کوئی ذکر نہیں گویا مقدار کے حق میں یہ نصوص محل ہیں جن کے اجمال کی تفصیل وتوضیح "نفسہ ادق" والی حدیث سے ہوتی ہے اس لیے اس پر عمل کرنا کسی بھی نص شرعی کے خلاف نہیں۔

پھر عشر بھی زکوٰۃ ہی کی طرح اللہ کی طرف سے عائد کردہ ایک مالی فریضہ ہے اس لیے بحکم حدیث "تؤخذ من اغنیاءہم وترد الی فقراءہم" وجوب عشر کے لیے بھی دیگر اموال زکاتیہ کی طرح ایک معیار نصاب کا تعین ضروری ہے تاکہ غنا کا تحقق ہو سکے۔

واحتاج ابی حنیفۃ فی النصاب بهذا العموم فیہ ضعف فان الحدیث انما خرج

مخرج تبیین القدر الواجب منه - (۲)

ولانہ مال تجب فیہ الصدقة فلم تجب فی سیرہ کما اثر الاموال الزکائیۃ

..... والنصاب اعتبر لیبلغ حداً یحقق المراسۃ منه فلہذا اعتبر فیہ

یحققہ ان الصدقة انما تجب علی الاغنیاء بما قد ذکرنا فیما تقدم ولا یحصل

الغنی بدون النصاب کما اثر الاموال الزکائیۃ - (۳)

لیکن فقہائے اخلاف کے نقطہ نظر سے یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں، آیت عشر ظاہر المعنیٰ ہے جو اپنے منطوق کے اعتبار سے پیداوار کی ہر مقدار کو شامل ہے اس میں پیداوار الٰہی بھی ہو اور جتنی بھی ہو (کا ایک حصہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے) مقدار واجب کے حق میں تو یہاں ابہام و اجمال ہے جس کی توضیح وتفسیر اور معنی کی تعیین حدیث "ما سقناہ"

ہو جاتی ہے لیکن پیداوار کی کس مقدار میں عشر واجب ہے اس اعتبار سے کوئی ابہام نہیں، مذکورہ آیت مجمل نہیں بلکہ مفسر و ظاہر المعنی ہے۔ وہ ہر قلیل و کثیر پیداوار کو عام ہے اور آیت کے اس عموم کی تخصیص اور اس کے اطلاق کی تفسیر نسخ کے مترادف ہے اور نص کتاب اللہ کے نسخ و تبدیل کے لیے خبر واحد کافی نہیں، اس کے لیے اتنے ہی مضبوط و محکم دلیل کی ضرورت ہے مثلاً اجماع، خبر متواتر یا کم از کم خبر مشہور و مستفیض، نص قرآنی و خبر واحد میں تعارض کی صورت میں خبر واحد قابل رد ہے یا واجب التاویل۔

حدیث "لا صدقة فيما دون خمسة اوسق" نہ خبر متواتر ہے نہ خبر مشہور، نہ ہی اسے اجماع کی سند حاصل ہے اس لیے اس کے ذریعہ آیت عشر کے عموم کو بدلا نہیں جاسکتا۔

اس پہلو سے اگر قطع نظر کر لیا جائے تو بھی یہ حدیث آیت عشر کے لیے بیان و تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیوں کہ بیان و تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبین پر پورے طور پر منطبق اور اس کے جملہ افراد کو شامل ہو، آیت سے تمام پیداواری اشیاء میں عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے چاہے وہ موسوت ہوں، موزون ہوں یا معدود، اگر وجوب عشر کے لیے نصاب کو ضروری قرار دیا جائے اور نصاب کے حق میں آیت کو مجمل مانا جائے تو اس کا بیان ایسا ہونا چاہیے جس سے تمام اقسام کی پیداواری اشیاء کا نصاب معلوم ہو جائے اور کوئی بھی قابل عشر چیز اس کے دائرہ سے باہر نہ رہ جائے، لیکن حدیث مذکور صرف موسقات کے نصاب سے بحث کرتی ہے، پیداوار کی بقیہ تمام اقسام کے نصاب کے بیان سے وہ بالکل خاموش ہے، پھر اس بیان کا فائدہ کیا ہوا؟ جب کہ موزونات و معدودات وغیرہ کا نصاب پھر بھی مجہول رہا۔

اگر اس حدیث کو آیت کا مخصص مانا جائے تو صرف موسقات ہی اس کے دائرہ عمل میں آئیں گی، پیداوار کی بقیہ اقسام میں آیت کا عموم علیٰ حالہ باقی رہے گا جس کا مقتضایہ ہے کہ موسقات کے علاوہ بقیہ تمام پیداواری اشیاء میں بلا لحاظ ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہو، جیسا کہ ظاہر یہ اور بعض شوافع کہتے ہیں، لیکن قائلین نصاب کی اکثریت اسے قبول نہیں کرتی ہے بعض نے تو غیر موسقات میں وجوب عشر کا کسر انکار کر دیا ہے اور بعض نے قیاس و تعلیل کے ذریعہ نصاب متعین کرنے کی کوشش کی۔

فالجواب ان لا يمكن حمله على البيان ما تضمنه عام يتناول ما يبدخل تحت الوسق

وما لا يبدخل وما رويتم من خبر المقدار خاص فمما يبدخل تحت الوسق فلا يصلح بياناً للمقدار

الذي يجب فيه العشر لأن من شأن البيان أن يكون شاملاً لجميع ما يقع تحت البيان

وهذا ليس كذلك على ما بينا فنعلم انه لم يرد مورد البيان. (إبراهيم العنبري)



ان فیما سقت السماء العشر عام فی ایجابہ فی الموسوق وغیرہ وخبر الخمسة اوسق خاص فی الموسوق دون غیرہ فقیر جائز ان یکون بیانا لقدر ما یجب فیہ العشر لان حکم البیان ان یکون شاملا لجميع ما یقتضی البیان فلما کان خبر الاوساق مقصورا علی ذکر مقدار الوسق دون غیرہ وکان خبر العشر عموما فی الموسوق وغیرہ علمنا انه لم یرد مورد البیان لقدر ما یجب فیہ العشر وایضا فان ذلک یقتضی ان یکون ما یوسق یعتبر فی ایجاب الحق بلوغ مقداره خمسة اوسق وما لیس بموسوق یجب فی قلیلہ وکثیرہ لقوله علیه السلام "فیما سقت السماء العشر" وفقّد ما یوجب تخصیص مقدار ما لا یند حل فی الاوساق وهذا قول ملحوظ والقائل به ساقط لاتفاق

السلف والخلف ۱۱

جہاں تک عقلی استدلال اور عشر و زکوٰۃ پر قیاس کرنے کی بات ہے تو احناف کے نزدیک وہ بھی نادرست اور قیاس مع الفارق ہے، زکوٰۃ ایک خالص مالی عبادت ہے جب کہ عشر کی حیثیت زرعی ٹیکس کی سی ہے گو کہ اس میں عباد کا پہلو بھی ہے، احکام عشر میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، جہت عبادت کے پیش نظر وجوب عشر کے لیے مسلمان ہونا شرط قرار دیا گیا، غیر مسلم پر عشر نہیں ہے چاہے وہ عشری زمین کا مالک ہو جائے اور اسی پہلو کے لحاظ سے عشر کے مصارف بھی وہی قرار دیئے گئے جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، لیکن زرعی ٹیکس ہونے کی حیثیت سے عشر کے احکام بہت سے امور میں زکوٰۃ سے مختلف ہیں، زکوٰۃ کے وجوب کے لیے عاقل و بالغ ہونا، مال زکوٰۃ پر مکمل ملکیت کا حاصل ہونا، حاجت اصلیدہ سے فارغ ہونا، بقدر نصاب مال زکوٰۃ پر سال گذر جانا، بنیادی شرائط ہیں، جب کہ عشر کے وجوب کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں، عشری زمین میں پیداوار کا حاصل ہونا ہی وجوب عشر کے لیے کافی ہے۔

نیز وجوب زکوٰۃ کے لیے تمکن علی النما، کافی ہے، بقدر نصاب مال زکوٰۃ پر اگر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے فی الواقع مال میں زیادتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، جب کہ وجوب عشر کے لیے حقیقت نما ضروری ہے عشری زمین سے اگر پیداوار حاصل نہ ہو تو ساہا سال گذر جانے کے بعد بھی عشر واجب نہ ہوگا، اسی طرح مال زکوٰۃ میں چاہے جتنا بھی اضافہ ہو جائے سال گذرنے سے پہلے اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب کہ عشری زمین سے اگر سال بھر

میں چار مرتبہ پیداوار حاصل ہو تو چار مرتبہ عشر ادا کرنا ہوگا، ان تمام امور میں عشر زکوٰۃ سے مختلف اور مشابہ اس لیے نصاب کے اعتبار سے بھی عشر کو خراج کے حکم میں رکھا جانا زیادہ قرین قیاس ہے، جس طرح خراج میں غنا و معیار غنا، نصاب کا اعتبار نہیں ایسے ہی عشر میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔

”ولا يعتبر فيه النصاب لعمرم الحديثين كما روينا ولان النصاب في اموال الزكاة كان معتبراً لحصول صفة الغنى للمالك مبها وذلك غير معتبر لا يحتاج العشر فان اصل المالك ههنا لا يعتبر فهو وخمس الركاز سواء — و ابو حنيفة رحمه الله قال العشر مؤنة الارض النامية و باعتبار الخارج قل او كثر تصير الارض نامية فيجب العشر كما يجب الخراج“ (۱)

امام محمدی رحمۃ اللہ علیہ قول امام اعظم رحمہ اللہ کے رجحان پر نظر و قیاس کے پہلو سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والنظر الصحيح ايضا يدل على ذلك وذلك اننا رأينا الزكوة تجب في الاموال والمرأى في مقاديرها معلوم بعد وقت معلوم وهو الحول فكانت تلك الاشياء تجب بمقدار معلوم و وقت معلوم ثم رأينا ما تخرج الارض يوخذ منه الزكاة في وقت ما تخرج ولا ينتظر به وقت فلما سقط ان يكون له وقت تجب فيه الزكاة بحلوله سقط ان يكون له مقدار و يجب الزكاة فيه ببلوغه فيكون حكم المقدار والميقات في هذا سواء اذا سقط احدهما سقط الآخر كما كانا في الاموال التي ذكرنا سواء فهذا هو النظر وهو قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى“ (۲)

### موجب عشر پیداوار

لکڑی، گھاس اور خود درخت کی وہ چیزیں جن کی کاشت نہیں کی جاتی اور عرف عام میں جنہیں پیداوار شمار نہیں کیا جاتا بالاتفاق موجب عشر نہیں ہیں اور پیداوار کی چار اقسام گہوں، جو، کھجور اور کشمش میں باجماع اہل سنت عشر واجب ہے۔ لیکن ان چار کے علاوہ پیداواری اشیاء میں وجوب و عدم وجوب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض اکابر سلف کے نزدیک ان چار کے علاوہ اور کسی بھی قسم کی پیداوار میں عشر واجب نہیں، علامہ ابن قدامہ مقدسی کے بقول عبد اللہ بن عمر، موسیٰ بن طلحہ، حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن مبارک اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ایک روایت ہی منقول ہے۔

ان حضرات کا مستدل درجہ ذیل روایات ہیں:

”قد روی عمرو بن شعيب عن ابيه عن عبد الله بن عمرو انه قال انما من رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة في الحنطة والشعير والتمر والزبيب وفي رواية العشر في التمر والزبيب والحنطة والشعير وعن موسى بن طلحة عن عمر انه قال انما من رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثهما الى اليمن يعلمان الناس امر دينهم فامرهم ان لا يأخذوا الصدقة الا من هذه الاربعة الحنطة والشعير والتمر والزبيب رواه عن كلهن الدارقطني“ (۱)

یہ حضرات چار مذکورہ منصوص اقسام کے علاوہ اور کسی بھی پیداوار میں عشر کو واجب قرار نہیں دیتے کیوں کہ ان کے نزدیک:

غير هذه الاربعة لانص فيها ولا اجماع ولا ما هو في معناها في غلبة الاقتيات بها و

كثرة نفعها وجودها فلم يحج قياسه عليها ولا الحاقه بها فيبقى على الاصل۔ (۲)

جمہور علماء امت کے نزدیک عشر انہیں چار اقسام میں محصور نہیں ہے بلکہ اور بہت سی چیزوں میں بھی وہ واجب ہوتا ہے، لیکن تفصیلاً میں یہاں بھی اختلاف ہے، ائمہ کرام نے اپنے اپنے ذوق اجتہاد کے مطابق الگ الگ اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک پھلوں میں صرف کھجور اور کشمش اور دانوں میں صرف وہ چیزیں موجب عشر ہیں جو غذائی ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں۔

قال مالك والشافعي لا زكاة في ثمر الا التمر والزبيب ولا في حب الا ما كان قوتا

في حالة الاختيار لذلك۔ (۳)



ومنهم من قال الزكاة في جميع المدخرات من الذبابة وهو قول مالك

والشافعي - (۱)

امام مالک رحمہ اللہ مؤطا میں فرماتے ہیں :

قال مالك والحبوب التي فيها الزكاة الحنطة والشعير والسلت والذرة والدخن والارز والعدس والجلبان واللوبيا والجلجلان وما شبه ذلك من الحبوب التي تصير طعاما فالزكاة تؤخذ منها كلها بعد ان تحصد وتصير حبا - (۲)

قال مالك والسنة التي لا اختلاف فيها عندنا والذي سمعت من اهل العلم انه ليس في شيء من الفواكه كلها (سوى التمر والزبيب) صدقة الرمان والفرسك والتين وما اشبه ذلك وما لم يشبه اذا كان من الفواكه - (۳)

امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام میں فرماتے ہیں :

قال الشافعي ما جمع ان يزرعه الادميون ويبيع ويذخر ويقتات ما كولا خبز او سويقا او طبيا خافيه الصدقة - (۴)

قال الشافعي وبهذا اناخذ في كل ثمرة يكون لها زبيب وثمر الحجاز فيما علمت كلما تمرا او زبيبا الا ان يكون شيئا لا عرفه - (۵)

حنابلہ کے راجح قول کے مطابق قابل عشرہ تمام چیزیں ہیں جو کیلی ہوں اور جنہیں خشک کر کے محفوظ رکھا جاسکتا ہو جو چیزیں ان اوصاف سے متصف نہ ہوں ان میں عشر واجب نہیں۔

ان الزكاة تجب فيما جمع هذه الارصاف الكيل والبقاء واليبس من الحبوب والثمار مما ينبت الادميون اذا نبت في ارضه سواء كان قوتا كالحنطة والشعير والسلت والارز والذرة والدخن او من القطنيات كالباقلاء والعدس والماش والحمص او من الاباريز كالكسفرة والكمون والكراديا او البزور كبز الكتان والقثاء والخيار

(۱) مبدایۃ المجتہد ۱۸۳/۱ (۲-۳) مؤطا مع الاجز ۲۳۹/۲-۲۵۰ مرتباً

(۲) ۲۶/۲ (۵) کتاب الام ۲۶/۲

أوجب البقول كالرشاد وحب الفجل والقرطم والتمر والسمسم وسائر الحبوب و  
تجب أيضا فيما جمع هذه الأوصاف من الثمار كالتمر والزبيب والمشمش واللوز  
والفستق والبندق ولا زكوة في سائر الفواكه كالخوخ والاحاص والكمثرى والتفاح  
والمشمش والستين والجوز ولا في الخضرا كالقثاء والخيار والباذنجان واللفت والجزر<sup>(۱)</sup>

اثر احناف میں سے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی کچھ ایسا ہی ہے لیکن دو امور میں صاحبین کا  
مذہب حنابلہ سے مختلف ہے۔ صاحبین کے نزدیک عشر کے لیے مکمل ہونا شرط نہیں، اس اعتبار سے ان کا مذہب  
حنابلہ کی نسبت زیادہ عام ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک موجب عشر وہی چیزیں ہوں گی جو مقصود بالذات ہوں اور بنفس نفیس  
ان سے استفادہ کیا جاتا ہو، اس اعتبار سے حنابلہ کا مذہب صاحبین کی نسبت عام ہوگا، گویا دونوں مذہبوں میں عموم  
وخصوص من وجہ کی نسبت ہوگی، روئی، زعفران وغیرہ غیر مکمل اشیاء میں حنابلہ کے نزدیک عشر واجب نہیں جب کہ  
صاحبین کے نزدیک واجب ہے، اور کھیرے، لکڑی، بیگن، مولیٰ وغیرہ کے سبج میں جو صرف زراعت کے کام آتے ہیں اور وہ  
خود مقصود نہیں ہوتے صاحبین کے نزدیک عشر واجب نہ ہوگا، جب کہ حنابلہ کے نزدیک واجب ہوگا۔

ونحوه قول أبي يوسف ومحمد فانهما قال لا شيء فيما تخرجه الارض الا ما  
كانت له ثمرة باقية يبلغ مكيلا خمسة اوسق - (۲)

وعند أبي يوسف ومحمد لا يجب الا في الحبوب وماله ثمرة باقية<sup>(۳)</sup> — والاصل  
عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى ان ماليت له ثمرة باقية مقصودة فلا  
شيء فيه كالبقول والخضر والرياحين انما العشر فيما له ثمرة باقية مقصودة - (۴)

خود امام محمد رحمہما اللہ کی تصنیف "کتاب الاصل" میں ہے :

وقال ابو يوسف ومحمد ليس في شيء من هذا زكاة الا فيما كان له ثمرة باقية وحتى  
يكونوا الثمر الباقي خمسة اوسق فصاعدا والوسق ستون صاعا قاما الزعفران ونحوه  
صا يوزن فانه اذا خرج منه ما يساوي خمسة اوسق ادنى ما يكون من قيمة الاوسق

(۱) المغنی ۲/ ۲۹۰ (۲) المغنی ۲/ ۲۹۱ (۳) مدائع الصنائع ۵۶۲

(۴) المبسوط للمرخی ۲/ ۲

ففيه العشر وهو قول ابي يوسف وقال محمد القصب الذي يكون منه الكسر  
اذا كان في ارض العشر فهو بمنزلة الزعفران وقال محمد ليس في الزعفران حتى  
يكون خمسة امعاء - (۱)

امام اعظم کا مسلک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ عام ہے، ان کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر وہ  
چیز جو خود رو نہ ہو بلکہ اس کی کاشت کی جاتی ہو اور وہ بذاتہ مقصود اور بنفس نفیس قابل استعمال و انتفاع ہو وہ موجب  
عشر ہے چاہے وہ کمیل ہو یا غیر کمیل، ماکول ہو یا غیر ماکول، قابل ادخار ہو یا نہ ہو۔

قال ابو حنيفة تجب الزكاة في كل ما يقصد بزراعتہ ثماء الارض الا الحطب  
والقصب والحشيش - (۲)

ومنهم من قال الزكاة في كل ما تخرجه الارض ما عدا الحشيش والحطب والقصب  
وهو ابو حنيفة - (۳)

الاصل عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى ان كل ما يستنبت في الجبان ويقصد به  
استغلال الارض ففيه العشر الحبوب والبقول والسطاب والرياحين والسطاب والروحة  
والزعفران والورد والورس في ذلك سواء وهو قول ابن عباس رضي الله عنه وقدر وعي  
انه حين كان واليا بالبصرة اخذ العشر من البقول من كل عشر دستجات - (۴)

يجب العشر ..... بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول لان فيه معنى المؤنة  
ولذا كان للامام اخذه جبراً ويؤخذ من التركة ويجب مع الدين وفي ارض صغير  
ومجنون ومكاتب وما دون ووقف الا في ما لا يقصد به استغلال الارض نحو حطب  
وقصب فارسي وحشيش وشين وسعف وسعف وقطران وخطمي واشنان وشجر  
قطن وميادنجان ومزربطبخ وقماء وادوية كحلبة وشونيز حتى لو اشغل ارضه بيها  
يجب العشر - (۵)

(۱) کتاب الاصل لمحمد ۱۶۳ (۲) المغنی ۶۹۲ ۳۱، بداية المجتهد ۱۸۴ (۳) المبسوط ۶۴ (۵) الدر المنار علی هامش  
رد المنار ۵ - علامہ عینی کہتے ہیں: قول ابی حنیفہ نہ ہا بر عمیم حتی و مجامعہ حمادہ و مرد عمر بن عبد العزیز و محمد بن عبد الوہاب و ابو حنیفہ (باقی آئندہ صفحہ پر)



امام اعظم کے سوا تمام مذکورہ ائمہ کرام کا مستدل وہی مذکورہ روایات ہیں جن میں صرف چار چیزوں کی صراحت ہے، کچھ نے وجوب عشر کو انہیں منصوصات تک محدود رکھا اور اکثریت نے قیاس و تعلیل کے ذریعہ اس حکم کی تعمیم کی، پھر کسی نے علت و مدار حکم "قوت مع الادفار" کو قرار دیا (جیسے امام مالک و شافعی) کسی نے "کیل مع الادفار" کو (جیسے ابن مبنی) اور کسی نے صرف ادفار کو (جیسے صاحبین) انبات کی شرط سب کے ہاں قدر مشترک ہے اور شئی مثبت کا مقصود بذاتہ ہونا صاحبین کے نزدیک شرط مستزاد، تنقیح مناط کے اس اختلاف کے باعث امتداد حکم اور اس کے دائرہ کی وسعت میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔

ان حضرات کا مستدل وہ روایات بھی ہیں جن میں خضر اوات سے صدقہ کی نفی کی گئی ہے۔

عن علی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ليس في الخضر اوات صدقة"  
وفى رواية عن عائشة وطلحة وانس من فوقها "ليس فيما انبتت الارض من الخضر  
صدقۃ" رواه عن الدارقطني - (۱)

امام اعظم کا استدلال عموم نص سے ہے اور اس کے خلاف جو روایات ہیں بر تقدیر صحت منقول اور دوسرے معافی پر محمول ہیں۔

ولابی حنیفة قوله تعالى "يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما  
اخرجنا لكم من الارض" واجب ما يتناول هذه الآية الخضر اوات لانها هي المخرجة  
من الارض حقيقة ..... وقوله تعالى "واتوا حقه يوم حصاده" والحصاد  
القطع واحق ما يحمل الحق عليه الخضر اوات لانها هي التي يجب ايتاء الحق منها  
يوم القطع واما العجوب فيتأخر ايتاء فيها الى وقت التنقية وقول النبي صلى الله  
عليه وسلم "ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب اورد الية ففيه نصف  
العشر" من غير فصل بين العجوب والخضر اوات ولان سبب الوجوب هو الارض النامية  
بالخارج والسماء بالخضر ابلغ لان ربيعها ارض واما الحديث فغريب فلا يجوز تخصيص

(۱) بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: داؤد و اصحابہ فیما لا یوسن۔ وحکاء عن یحیی بن آدم وغیرہ من السلف (انوار الہدایہ ص ۱۲۶)

الكتاب والخبر المشهور بمثله اذ يحمل على الزكاة او يحمل قوله " ليس منى  
الخصراوات صدقة " على انه ليس فيها صدقة تؤخذ بل اربابها هم الذين يأدونها  
بانفسهم فكان هذا نفي ولاية الاخذ للامام وبه نقول والله اعلم - (۱)

امام اعظمؒ کے موقف کی واضح تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ انعام میں زرع و نخل اور زیتون و رمان کے  
ذکر کے بعد ہی اس کے حق واجب (عشر) کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح طور پر رمان میں بھی عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے  
جس میں مخالفین احناف کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

وهو الذي انشأ جثث معروشت وغير معروشت والنخل والزرع مختلفا اكله  
والزيتون والرمان متساويا وغير متساوية كلوا من ثمره اذا اشعروا وتواحقه  
يوم حصاده ولا تسرفوا انه لا يحب السرفين (انعام : ۱۳۱)

امام رازی شافعیؒ تفہیم گیر ہیں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقوله تعالى: "واتواحقه يوم حصاده" بعد ذكر انواع الخمسة وهو العنب والنخل  
والزرع والزيتون والرمان يدل على وجوب الزكاة في الكل وهذا يقتضي وجوب الزكاة  
في الثمار كما كان ابو حنيفة رضي الله عنه يقول - (۲)

## فروع احکام

فقہائے احناف کے ہاں امام اعظمؒ ہی کا قول متنازعہ و معمول بہا ہے، احناف کے اصول کے مطابق زمین سے  
پیدا ہونے والی اشیاء میں چند اقسام عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

- (۱) خورد و غیر منبت اشیاء جن کی بالعموم کاشت نہیں کی جاتی۔
- (۲) پھل دار درختوں اور غذائی اجناس کے حامل پودوں کی لکڑیاں، شاخیں، پتیاں اور ڈنٹھل جب کہ بذات خود  
مقصود نہ ہوں بلکہ انھیں پھل اور اجناس ہی حاصل کرنے کے لیے لگایا اور بویا گیا ہو۔
- (۳) پھلوں اور سبزیوں کے وہ بیج جو سوائے زراعت کے اور کسی کام نہیں آتے۔

(۴) وہ غیر مزروع جڑی بوٹیاں جو سوائے دوا کے اور کسی قابل لحاظ استعمال میں نہیں آتیں۔

ومنها (شرائط العشر) ان يكون الخارج من الارض مما يقصد به زراعة نماء الارض وتستغل الارض به عدة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تستنى بها الارض ولا تستغل بها عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الارض - (۱)

والستنى عند ابى حنيفة خمسة اشياء السعف فانه من اغصان الاشجار وليس في الشجر شئ والتين فانه ساق للحب كالشجر للثمار والحشيش فانه ينقى من الارض ولا يقصد به استغلال الارض والطرفاء والقصب فانه لا يقصد استغلال الارض بهما عادة والمراد القصب الفارسي فاما قصب السكر ففيه العشر - (۲)

سئل فيما اذا كان لرجلين اشجار مثمرة قائمة في ارض عشرية فقطعاها وانتفعا بحطبها ..... فهل لا عشر فيها؟ الجواب: نعم لا عشر في الاشجار لانها بمنزلة جن الارض ولهذا تتبعها في البيع كما في الزيلعي والبحر وغيرهما من باب العشر ..... اقول، قوله لا عشر في الاشجار يعني المثمرة التي لم تعد للقطع - (۳)

وفي محيط السرخس كل شئ يتبع الارض في البيع بغير شرط فلا عشر فيه بمنزلة اجزاء الارض وكل شئ لا يتبع الارض الا بشرط ففيه العشر كالحبوب والثمار ثم البذور التي لا تصلح إلا للزراعة كبذر البطيخ والقثاء ونحوهما فلا عشر فيها لانها غير مقصودة في نفسها وانما المقصود ثمارها - (۴)

لا يجب العشر فيما كان من الادوية كالمرز والهيلجہ ولا في الكندر والصمغ - (۵)  
مذکورہ قسم کی چیزوں میں عشر واجب نہیں بشرط کہ زراعت بذات خود انھیں اشیا کے لیے نہ گئی ہو، ورنہ ان میں سے بھی وہ چیزیں جو مقصود بالذات ہوں اور جن کے ذریعہ زمین کو بار آور و نفع بخش بنانے کا ارادہ کیا جائے

(۱) مدائع ۵۸/۲۱ المبسوط ۲/۲ تنقیح الفتاویٰ حامدیہ ۹/۱ (۳) (۴) (۵) ایضاً

(۵) فتاویٰ قاضی خاں ۱۹۹/۱



## ان میں عشر واجب ہوگا۔

حتى قالوا في الارض اذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي يقطع في كل ثلث سنين  
اربع سنين انه يجب فيه العشر لان ذلك غلة وافرة ويجب في قصب السكر و  
قصب الذريرة لانه يطلب بهما نماء الارض - (۱)

ولو جعل ارضه مشجرة او مقصبة يقطعها ويبيعها في كل سنة كان فيه العشر  
وكذا الرجل فيه القت الدواب - (۲)

فاتخذ رجل من اهل القرية بعض الارض التي بيده مشجرة للقطع فهل يجب في  
ذلك العشر؟ الجواب، نعم - (۳)

فلو استنمى ارضه بقوام الخلان وما اشبه او بالقصب او الحشيش وكان يقطع  
ذلك ويبيعه كان فيه العشر غاية البيان ومثله في البدائع وغيرها قال في الشربلية  
وبيع ما يقطعه ليس بقيد - (۴)

بقیہ ہر قسم کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا چاہے وہ منبت ہو غیر منبت، مملوکہ اراضی سے حاصل ہو یا موقوفہ  
سے، سطح زمین پر پیدا ہو یا پانی میں، قابل ادخاد ہو یا جلد خراب ہو جانے والی، مکلف کی ملکیت ہو یا غیر مکلف کی  
بہر صورت عشر واجب ہوگا، بشرطے کہ پیداوار ایک صاع سے کم نہ ہو اور عشری زمین سے حاصل ہوئی ہو۔  
غیر عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہے، صحرا اور پہاڑ کو بھی عشری قرار دیا گیا ہے اس لیے ان سے  
حاصل شدہ قابل عشر چیزوں میں عشر واجب ہوگا۔

قوله "ارض غير خراج" اشار الى ان المانع من وجوب العشر كون الارض خراجية لانه  
لا يجتمع العشر والخراج فشم العشرية وما ليست بعشرية ولا خراجية كالجبل  
والعقازة لكن قد مناعن الخانية وغيرها ان الجبل عشرى وقد منا ايضا ان المراد انه  
لو استعمل فهو عشرى - (۵)

(۱) بدائع ۵۶۶ (۲) فتاویٰ قاضی خان ۱۹۶ (۳) تنقیح فتاویٰ حامدیه ۱۷۱

(۴) ردالمحتار ۵۷۶ (۵) فیجب فیما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعاً وقيل نصفه (شامی ۴۶۶)

(۶) فتاویٰ قاضی خان ۱۹۹

وما یجمع من شمار الاشجار التي لیست بمملوك كاشجار الجبل یجب فیہ العشر  
وما یتخرج من الجبال ان كان مما ینطبع كالذهب والفضة والصفرة والنحاس  
والحديد یجب فیہ الخمس وان كان لا ینطبع كالزرنیخ والكحل والزاج والیاقوت  
والفیروزج والزبرجد لاشی فیہ - (۱)

قلت افرأیت النخل اذا كانت فی الجبال اوفی ارض لیست لاحد ارض فلاة - (۲)

مکان، اس کے آس پاس کی زمین اور چھت پر لگائی جانے والی چیزوں کا حکم

عشر کی شرط سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکانات، ان کے آس پاس کی افتادہ زمین میں نیز چھتوں پر جو چیزیں لگائی جاتی ہیں ان میں عشر واجب نہیں، ہاں جن مکانات کی زمین کو یا قاعدہ باغ یا زرعی اراضی میں تبدیل کر دیا جائے اور ان کی سیرابی عشری پانی سے ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

رجل فی داره شجرة مثمرة لا عشر فیہ وان كانت البلدة عشریة بخلاف ما اذا كانت فی الارض - (۳)

سئل فی رجل له فی داره شجرة مثمرة او نخلة هل فیہا عشر؟ الجواب: لا عشر فیہا  
لانه تبع للدار ولا عشر فی الدار - (۴)

وخرج ثمرة شجر فی دار رجل ولو بستانا فی داره لانه تبع للدار کذا فی الخانیة  
عن القهستانی - (۵)

اخذ فراج من دار جعلت بستانا او مزرعة ان كانت لذی او لمسلم وقد سقاها بجمائه  
واخذ عشر ان سقاها المسلم بجماء العشر اربهما لاشی فی دار ومقبرة ولو  
لذی -

لو لم یجعل بستانا و فیہا نخل اکرارا لاشی فیہا - بحر - (رد المحتار ۵/۴)

(۲۱) فتاویٰ قاضی خان ۱۹۶/۱، تنقیح الفتاویٰ حامد ۱۶/۱ مع فاصاب رجل من المسلمین شیئا من مملوہا هل یكون فیہا عشر؟

قال نعم (کتاب الاصل ۱۵۶/۱) (۳) شامی ۱/۱ (۵) درمنا علی هامش التامی ۵۲۶

## آرامنی موقوفہ میں عشر

جیسا کہ گذر چکا آرامنی موقوفہ کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے کیوں کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت ارض شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کا حصول کافی ہے کیوں کہ اصلاً عشر زرعی ٹیکس کی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے اس کے لیے مکلف ہونا بھی ضروری نہیں، بچے اور دیوانے کی عشری زمین میں بھی عشر واجب ہے۔

” لا معتبر بالمالك في العشر وانما المعتبر بالخارج حتى يجب العشر في الاراضى الموقوفة التى لا مالك لها “ (۱)

يجب العشر في الاراضى الموقوفة واراضى الصبيان والمجانين ان كانت عشرية و ان كانت خراجية ففيها الخراج - (۲)

افاد ان ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب في الخارج لاني الارض فكان ملكه لها وعدمه سواء (بدائع) قلت هذا ظاهر فيما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غيرهم با لاجرة فيجوز فيه الخلاف لاني في الارض المستاجرة (۳)

## شہد کا حکم

شہد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، بعض اہل علم کے نزدیک اس میں عشر واجب نہیں کیوں کہ وہ زرعی پیداوار میں سے نہیں ہے بلکہ وہ شہد کی مکھی سے حاصل ہوتا ہے، امام مالک اور امام شافعی کا قول قدریم ہی ہے۔

وقال مالك والشافعي وابن ابي ليلى والحن بن صالح وابن المنذر لا زكاة فيه لانه

مائع خارج من حيوان اشبه اللبن - (۴)

اس سلسلہ میں بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں،

عن عبد الله بن ابي بكر بن حزم قال جاء كتاب من عمر بن عبد العزيز الى ابي وهو

(۱) مبسوط ۴/۳۰ (۲) فتاویٰ قاضی خان ۱۹۹/۱ (۳) شامی ۴۹۶/۳ (۴) المعنی ۴/۴۱



بمعنى ان لا ياخذ من الخيل ولا من العسل صدقة - (۱)  
لیکن امام عبدالرزاق نے مصنف میں اس کے بالکل برعکس نقل کیا ہے اس میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے الفاظ  
یوں نقل کیے گئے ہیں۔

انا قد وجدنا بيان صدقة العسل بار من الطائف فخذ منه العشر - (۲)

ایسے ہی علامہ جصاص رحمہ اللہ نے عمرو بن شعیب کی یہ روایت نقل کی ہے:

كتب اليمنا عمر بن عبد العزيز يا امرئنا ان نعطي زكاة العسل ونحن بالطوان العشر

يسند ذلك الى النبي صلى الله عليه وسلم - (۳)

شہد میں عشر کی نفی کے تعلق سے کچھ اور بھی روایات منقول ہیں لیکن وہ بالاتفاق ضعیف اور ناقابل احتجاج ہیں  
جہور علماء کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے، ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم  
یہی ہے۔

قال الجصاص في احكام القرآن اختلف في زكاة العسل فقال ابو حنيفة و ابو يوسف و  
محمد و الاوزاعي اذا كان في ارض العشر ففيه العشر وقال مالك و الثوري و الحسن  
بن صالح و الشافعي لا شيء فيه و عن عمر بن عبد العزيز مثله و روى عنه الرجوع عن  
ذلك و انه اخذ منه العشر حين كشف عن ذلك و ثبت عنده ما روى فيه -

وقال العيني في البناية وهو مروي عن عمر بن عبد العزيز و الاوزاعي و الزهري و  
ربيعة و مكحول و يحيى بن سعيد و ابن وهب من المالكية و سليمان بن موسى الفقيه  
الاحد بدمشق و اسحق و ابو عبيد - (۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والعمل على هذا عند اكثر اهل العلم وبه يقول احمد و اسحق - (۵)  
شہد میں عشر کے ذکر و اثبات کے سلسلہ میں متعدد احادیث مروی ہیں۔

(۱) مؤطا امام مالک مع الأوزع ۲۵۲/۲ کتاب الام للشافعی ۳۲/۲ (۲) بحوالہ ماویز ۲۵۳/۲ (۳) حوالہ منکور

(۴) اویز ۲۵۵/۲ (۵) ترمذی ۸۰/۲

عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "نفي العسل في كل عشرة اذن رقاً"  
وفى الباب من ابن هريزة وابن سياره المتعنى وعبد الله بن عمر - (۱)

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال جاء هلال احد بنى متعان الى رسول الله  
صلى الله عليه وسلم بعشور منحل له وكان سئله ان يعفى واديا يقال له سلية فحصى  
له رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك الوادى فلما دلى عمر بن الخطاب كتب سفيان  
بن وهب الى عمر بن الخطاب يسئله عن ذلك فكتب عمر ان ادى اليك ما كان يودى الى  
رسول الله صلى الله عليه وسلم من عشر فخله فاحم له سلية والا فانها هود باب  
غيث يا كله من يشاء - (۲)

عن سعيد بن ابى ذباب قال قد مت على رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم  
قلت يا رسول الله اجعل لقومى ما اسلموا عليه من امرالهم تفعل رسول الله صلى الله  
عليه وسلم واستعملنى عليهم ثم استعملنى ابو بكر ثم عمر قال وكان سعد من  
اهل السراة قال فكلمت قومى فى العسل فقلت لهم زكوة فانه لاخير فى ثمرة لاتزكى  
نقالوا كم؟ قال، فقلت العشر فاخذت منهم العشر فأتيت عمر بن الخطاب فخبرته  
مما كان فقبضه عمر فباعه ثم جعل ثمنه فى صدقات المسلمين - (۳)

روى عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم  
كان يورخذ فى زمانه من قريبا العسل من كل قرية من اوسطها وادابو عبید والاشم  
وابن ماجة وعن سليمان بن موسى ان ابا سياره المتعنى قال قلت يا رسول الله ان لى  
منحل اذ عشرةا..... رواه ابو عبید وابن ماجة وروى الاثرم..... ان عمر بن عمره  
فى العسل بالعشر - (۴)

سکرم کے نزدیک عشر فی العسل کے سلسلہ کی روایات کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں اور ان میں رد و قدح کی گنجائش ہے اس لیے

(۱) ترمذی ۸۶۰ - السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۲۶ (۲) ابو داؤد ۲۳۶، نسائی ۲۳۶ - بیہقی ۱۲۶

(۳) مسند شافعی ۹۲ - اوسم ۳۶۰، بیہقی ۱۲۶، مصنف ابن شیبہ ۱۳۶ (۴) المتعنى ۱۴۶

شہد جیسی حیوانی پیداوار کو "مخرج من الارض" کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :

"لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا الباب کثیر شئ" (۱)

امام بیہقیؒ نے زعفرانیؒ کے حوالہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

الحديث فی ان " فی العسل العشر " وفي " ان لا یؤخذ منه العشر " ضعیف الا عن حماد

بن عید العزیز واختیارى ان لا یؤخذ منه لان السن والآثار ثابتة فیما یؤخذ منه

ولیت فیہ ثابتة فکانه عفو - (۲)

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ میں ابن المنذر کا یہ قول نقل کیا ہے :

لیس فی وجوب الصدقة فی العسل خبر یثبت ولا اجماع فلا زکاة فیہ - (۳)

امام شافعیؒ اپنی نقل کردہ حدیث سعد بن ذبابؓ کی محنت کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی توجیہ کرتے ہیں :

قال الشافعی وسعد بن ذباب یحکی ما یدل علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لم یأمره باخذ الصدقة من العسل وانه شیء رأه فتطوع له به اهله - (۴)

نیز اسی حدیث کی بنا پر وہ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ

فان تطوع اهله بشئ قبل منهم وجعل فی صدقات المسلمین وقد قبل عمر بن

الخطاب من اهل الشام ان تطوعوا بالصدقة عن الخیل وكذلك الصدقة عن کل

شیء تقبل معن تطوع بها - (۵)

لیکن جمہور علماء اہل سنت کی نظر میں یہ روایات مجموعی حیثیت سے ثابت شدہ اور قابل احتجاج ہیں اگر اسناد

وروايت کے لحاظ سے ان میں کہیں کوئی سقم بھی ہو تو تعدد طرق و کثرت روایت سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے اس لیے ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

قال الاثرم سئل ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) انت تذهب إلى ان فی العسل زکاة ؟

(۱) من ترمذی ۸۰/۱ (۲) سنن کبریٰ للبیہقی ۱۴۶/۱ (۳) المعنی ۴۱۳/۲

(۴) الام للشافعی ۲۳/۲ (۵) ایضاً



قال نعم اذهب الى ان في العسل زكاة العشر قد اخذ عمر منهم الزكاة قلت ذلك علي  
انهم تطوعوا به ؟ قال لا بل اخذه منهم ويروى ذلك عن عمر بن عبد العزيز ومكحول  
والزهري وسليمان بن موسى والاوزاعي واسحاق - (۱)

قال العيني واحتجت اصحابنا بما رواه ابن ماجة ..... وبرواية ابى داود  
ايضا ..... والحديث سكت عليه ابوداود ولم يتكلم عليه فاقول حاله ان يكون  
حسنا وهو حجة وقول البخاري ليس في زكاة العسل حديث يصح لا يقدر مالم يبين<sup>(۲)</sup>  
علامہ ابن قیمؒ جہور کے موقف کی تائید اور اس سلسلہ کی روایات پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان هذه الآثار يقوى بعضها بعضا وقد تعددت مخارجها واختلفت طرقها ومرسلها  
بعضد بمسندها وقد سئل ابراهيم عن عبد الله والد منير عن سعد بن ابى  
ذباب يصح حديثه ؟ قال نعم ، قال هؤلاء ولانه يتولد من نور الشجر والزهر ويكال  
ويذخر فوجبت فيه الزكاة كالحبوب والثمار - (۳)

## ریشم میں عشر واجب ہو گا یا نہیں ؟

گذشتہ بحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ شہد میں عشر واجب ہے اور یہ حکم منصوص ہے، اب  
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم مورد نص ہی تک محدود ہے یا وہ معطل ہے کہ علت جامعہ کی بنا پر یہ حکم اسی طرح کی دوسری چیزوں  
پر بھی لگایا جاسکتا ہے پہلی بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی بالخصوص یہ فقہ حنفی کے ذوق و مزاج کے خلاف ہے۔

ان غير المنصوص عليه يقاس على المنصوص عليه لمعنى موثر يجمع بينها - (۴)  
اگر شہد کو بھی ہم منصوصات عشریہ میں سے تسلیم کر لیں تو ان کی تعداد پانچ ہو جائے گی، گہیہوں، جو، کھجور، کشمش  
اور شہد، ان میں سے چار اول الذکر تو راست طور پر مخرج من الارض ہیں جب کہ شہد براہ راست زمین سے نہیں نکلتا بلکہ وہ

(۱) العینی ۱/۱۴۶ (۲) علة الحديث والقادح فيه ولا يلزمها قول البخاري لان الصحيح ليس موقوفا عليه

وكم من ... صحيح لم يصححه البخاري ولانه لا يلزم من كونه غير صحيح ان لا يمنع به فان الحسن وان لم

يبلغ درجة الصحيح فهو محتج به (راجع ۲۵۶) (۳) ايضا ۳۱، هداية ۲۳۶

”مخرج من الحيوان المتعلق بالارض“ ہے، جبوب و شمار اور شہد کے درمیان یہ ابہ الامتیاز ہے، اس فرق کے باوجود شریعت نے ان دونوں قسم کی مختلف المخرج چیزوں کو ایک ہی حکم میں رکھا اور دونوں میں یکساں طور پر عشر کو واجب قرار دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

اگر راست طور پر مخرج من الارض ہونے کو عشر کی علت قرار دی جائے تو شہد میں بھی عشر واجب نہیں ہونا چاہیے، (جیسا کہ مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں) اور اگر زمین سے براہ راست نکلے نہ ہونے اور ایک حیوان کے واسطے سے حاصل ہونے کے باوجود شہد میں عشر واجب ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسی قسم کی دوسری چیزوں کو عشر سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور وجوب عشر کو انہیں اشیاء کے ساتھ خاص کر دیا جائے جو بلا واسطہ زمین سے نکلی ہوئی ہوں۔

شہد میں عشر کا وجوب اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ براہ راست زمین سے نکلا ہوا ہونا وجوب عشر کی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی عشری زمین سے متعلق حاصلات میں عشر واجب ہو سکتا ہے۔

یہاں قابل غور چیز یہ ہے کہ جبوب و شمار اور شہد میں قدر مشترک علت جامعہ کیا ہے جس کی وجہ سے واضح فرق کے باوجود ان دونوں قسموں کو وجوب عشر کے حق میں یکساں قرار دیا گیا؟ اگر اس قدر مشترک کا تعین ہو جائے تو شہد جیسی دوسری چیزوں کا حکم باسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

شہد اور دوسری چیزوں میں علت جامعہ جیسے بھی قرار دیا جائے وہ عشری آرامی میں بغرض استغلال ارضی تو ت کے درخت لگا کر ریشم کے کیڑوں کے واسطے سے پیدا کیے گئے ریشم میں پائی جاتی ہے۔

بعض عبارات فقہیہ میں یہ تصریح ملتی ہے کہ ریشم میں عشر واجب نہیں اور شہد و ریشم میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ شہد کی اصل کلیاں، چوں اور پھل ہیں شہد کی مکھی انہیں سے عرق کشید کر کے شہد تیار کرتی ہے اس لیے شہد بھی پھل کے مشابہ اور اس کے حکم میں ہوگا، لیکن ریشم کا کیڑا تو ت کی پتیاں کھا کر ریشم تیار کرتا ہے اور پتیوں میں چوں کہ عشر نہیں اس لیے ان سے بننے والے ریشم میں بھی عشر واجب نہ ہوگا۔

قال الشافعي رحمه الله لا يجب (العشر في العمل) لانه متولد من الحيوان فاشبه الأبرسيم

ولنا قوله عليه السلام "في العمل العشر" ولان النحل يتناول من الانوار والشمار

وفيهما العشر فكذا انما يتولد منهما بخلاف دود القمل لانه يتناول الاوراق ولا عشر

قال الشافعي رحمه لا عشرونه ..... وجه قوله ان سبب الوجوب هو الارض النامية  
بالخارج ولم يوجد لامتة ليس من نماء الارض بل هو متولد من الحيوان فلم تكن  
الارض نامية بها ..... اما قوله ليس من نماء الارض فنقول هو ملحق بنمائها  
لاعتبار الناس اعداد الارض لها ولا امتة يتولد من انواع الاشجار فكان كالشجر. (۱)

ان فقہی نصوص میں شہد کو مخرج من الحيوان ہونے کے باوصف دوسری عشری چیزوں کے مشابہ اور حکماً مماثل ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ شہد کی اصل انوار و شمار ہیں جو موجب عشر ہیں اس لیے شہد بھی انھیں کے حکم میں ہوگا۔ دوم یہ کہ شہد بھی عرف عام میں نماء الارض سمجھا جاتا ہے یعنی "ما يستعمل به الارض" کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

پہلی وجہ میری ناقص رائے میں کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتی، اولاً تو شہد کی مکھی پھلوں اور دانوں سے رس نہیں چوستی جو اصلاً قابل عشر ہے بلکہ وہ کلیوں اور پھولوں سے عرق کشید کرتی جو اصولاً محل عشر نہیں ہیں کیوں کہ مقصد زراعت پھل ہوتے ہیں پھول نہیں، پھر جو رس وہ چوستی ہے وہ اس قدر معمولی اور حقیر ہے کہ بذات خود اس کی کوئی حیثیت نہیں اگر کوئی شخص مختلف درختوں اور پودوں کے پھلوں اور پھولوں سے شہد کی مکھی کے اندازے اور اسی کے بقدر تھوڑا تھوڑا عرق کشید کر کے شہد سے بھی گراں قدر مشروب تیار کر لے تو بھی اس میں عشر واجب نہ ہوگا کیوں کہ جو چیز اس نے درخت سے حاصل کی وہ مقصود زراعت نہ ہونے کی وجہ سے قابل عشر نہ تھی۔

لیکن اگر اس وجہ کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس کے اعتبار سے شہد اور رشیم کے درمیان فرق کرنا بے حد مشکل ہے، یہ کہنا کہ رشیم کا کثیرا پتیاں کھا کر رشیم تیار کرتا ہے اور پتیوں میں عشر نہیں اس لیے رشیم میں بھی عشر نہ ہوگا، اور شہد کی مکھی انوار و شمار سے رس چوس کر شہد بناتی ہے اور انوار و شمار میں عشر ہے اس لیے شہد میں بھی عشر ہے اصول اخاف کی رو سے علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔

درخت کی پتیاں نہ بہر حال عشر سے مستثنیٰ ہیں نہ انوار و شمار مطلقاً موجب عشر ہیں، اصل یہ ہے کہ جو چیز بھی مقصود زراعت کی حیثیت حاصل کر لے وہ قابل عشر ہے چاہے وہ محبوب و شمار ہوں یا تنے، شاخیں، پتیاں اور ان میں پایا جانے والا رس۔



جبل و بیابان میں پائے جانے والے درختوں کے پھلوں اور پتیوں میں یقیناً فرق ہے، جنگلی درختوں سے توڑے گئے پھلوں میں عشر واجب ہے اور ان کی پتیوں میں واجب نہیں ہے، اس اعتبار سے شہد اور بیابانوں میں پائے جانے والے توت کے درختوں سے حاصل کیے گئے ریشم میں فرق کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اس ریشم کی اصل درخت کی وہ پتیاں ہیں جو مقصود زراعت نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عشر ہیں اور شہد و ریشم کے فرق کے سلسلے میں وارد نصوص فقہیہ کا عمل بھی غالباً یہی ہے، پہلے شاید شہد کی مکھیاں اور ریشم کے کیڑے پالنے کا کوئی باقاعدہ طریقہ دستیاب درآج نہ تھا، شہد کے حصول کا دار و مدار ان مکھیوں کی مہربانی پر تھا جہاں قدرت کو منظور ہوا انھوں نے اپنا کیمپ لگا دیا اور شہد تیار کرنا شروع کر دیا۔

کتب عمرانی سفیان بن عبد اللہ الشافعی انما النحل ذباب غیث یسرقہ اللہ تعالیٰ  
رزقا ای من یشاء فان ادوا الیک ما کانوا یثودونہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فاحم لهم وادیهم والافخل بین الناس و بینہما۔ (۱)

ریشم کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں رہا ہوگا، اس پس منظر میں فقہاء اقدمی نے شہد و ریشم کے درمیان فرق کا جو فتویٰ دیا اور ان کے عشری ہونے یا نہ ہونے میں ان کی اصل پھول پھل اور پتی کا لحاظ کیا وہ بجائے خود درست تھا۔ لیکن آج بدلے ہوئے حالات میں جب کہ توت کے درخت لگانے کا مقصود و مطلوب ہی پتیاں اور ان کے ذریعہ ریشم کی پیداوار ہوتی ہے، یہ تفریق میرے خیال میں صحیح نہ ہوگی۔

جن اشجار و نباتات کا مقصود زراعت لکڑیاں، شاخیں اور پتیاں ہی ہوں، ان میں بذات خود ہی چیزیں موجب عشر ہیں، حالاں کہ پھل اور دانے مطلوب ہونے کی صورت میں یہ چیزیں بالاتفاق عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

مٹر، چنا، سرسوں، میسقی، دھنیا اور اس قسم کی چیزوں کو اگر دانے حاصل کرنے کی غرض سے بویا جائے تو ان کی ڈنٹھل اور پتیوں میں عشر نہیں ہوتا لیکن اگر ان کی کاشت ساگ، مہری کے حصول اور اسے فروخت کرنے کی غرض سے ہو۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر ہوتا ہے تو احناف کے نزدیک ان میں بھی عشر ہوگا۔

خود توت کی پتیوں کے بارے میں کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ اگر انھیں کو مقصود زراعت اور استغلال ارمن کا ذریعہ بنالیا جائے تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

سئل فی اوراق الثوت هل یجب فیہا العشر ام لا ؟ الجواب : قال فی صور المسائل فغلا

عن الزاہدی ما صورہ قلت یمکن ان یلحق بہ اعمان الثوت و اوراقہا لانہ یقصد

بہا الاستغلال بخوارزم و خراسان وقد نص عليه في درر الفقه فقال، يجب العشر

في ادراق الصوت وانعسان الخلاف التقطع في اوان تقليم الكروم وغير ذلك۔ (۱)

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے تو بہ حالات موجود یہ درجہ ریشم میں بھی بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہے بلکہ یہ شہد سے کہیں زیادہ نفع بخش اور زمین کی زرخیزی کا باعث ہے، اس لیے اگر عشری زمین میں توٹ کی کاشت کیڑے پال کر ریشم پیدا کرنے کے لیے کی جائے تو بلاشبہ یہ بھی استثناء امرن کی ایک صورت ہے اور اس طرح حاصل ہونے والا ریشم "ما یستغل بہ الارض" کے عموم میں داخل اور اس میں عشر واجب ہوگا۔

## پھلی کی کاشت

آج کل عام طور پر زراعتی آراضی پر تالاب کھود دئے جاتے ہیں اور اس میں پھلی کی کاشت کی جاتی ہے، پھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان آراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے آراضی کو پھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر عشر کے احکام نافذ ہوں گے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟ (۲)

اس صورت میں پھلی کی کاشت کو میرے خیال میں زراعت ہی کے ساتھ ملحق کر کے اس پر عشر کے احکام نافذ کرنا زیادہ قرین صواب ہے، جب عشر کا سبب وجوب امرن نامیہ ہے اور احناف کے اصول کے مطابق محل عشر زمین سے براہ راست یا بالواسطہ لٹکنے والی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی کاشت کی جاتی ہو اور جن کے ذریعہ زمین کو زرخیز نفع بخش اور بار آور بنانا مقصود ہو تو عشری زمین میں پھلی کی کاشت اور اس کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے کیوں کہ وہ بھی یقینی طور پر "ما یستغل بہ الارض" میں داخل ہے۔

تجارت کی غرض سے خریدی گئی زندہ پھلیاں اگر گڈھے اور تالاب میں حفاظت کی غرض سے رکھی جائیں تو یقیناً وہ مال تجارت قرار پائیں گی اور شرائط زکوٰۃ کے پائے جانے کی صورت میں ان پر زکوٰۃ ہی واجب ہوگی، لیکن اگر پھلیوں کے چھوٹے بچے پرورش و افزائش کی غرض سے تالاب وغیرہ میں چھوٹے جائیں جیسا کہ رواج ہے تو انہیں



مال تجارت قرار دینا مشکل ہے چاہے انہیں بعد میں فروخت کرنے ہی کی نیت کیوں نہ ہو، کیوں کہ مچھلیوں کے چھوٹے بچے ناقابل استعمال ہونے کی وجہ سے کوئی قابل لحاظ حیثیت نہیں رکھتے، ان کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بھنڈی بیگن، مولی، ٹماٹر وغیرہ کے بیج جو سوائے زراعت کے کسی اور استعمال کے قابل نہیں ہوتے، مچھلیوں کے بچے پرورش کے لیے تالاب میں ڈالنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زمین میں بیج کی کاشت کرنا، میرے خیال میں بنیادی طور پر دونوں یکساں حیثیت کے حامل ہیں، جیسے زمین میں ڈالے گئے بیج میں نیت تجارت معتبر نہیں ایسے ہی ان مچھلیوں میں بھی نیت تجارت معتبر نہ ہوگی، کیوں کہ یہاں اولین مقصد نملہ و افزائش ہے نہ کہ بیع و تجارت۔

یہاں ایک اور پہلو بھی قابل لحاظ ہے، اگر عشری زمین سے کوئی پیداوار حاصل نہ ہو تو بہر حال عشر واجب نہیں لیکن نماوارض حاصل ہوتے رہنے کی صورت میں عشری زمین کا عشر کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر کسی مسلمان نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو عاریۃ کاشت کے لیے دے دی تو باوجود اسے کہ اس صورت میں زمین کا سارا نفع غیر مسلم کاشت کار کو ملے گا اور صاحب زمین کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگے گا، الٹ زمین پر اس کی پیداوار کا عشر واجب ہوگا، یہ عشر اس زمین کی پیداوار سے نہیں بلکہ اپنے گھر سے دینا پڑے گا۔

فان كان اعمار الارض من ذمی فالعشر علی المعیر لان العشر صدقة لا یمکن ایجابها علی

الکافر والمعیر صار مغفوتاً حق الفقراء بالاعارة من الکافر فكان هتاً من العشر۔ (۱۱)

مذکورہ مچھلی پالنے کی صورت پر غور کیا جائے کہ گہو، دھان وغیرہ کی زراعت سے زیادہ نفع مچھلی کی کاشت نظر آئی اور صاحب زمین نے تالاب کھود کر مچھلیاں پال لیں، اس طرح اس نے خود تو زمین سے امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ آمدنی کا بندوبست کر لیا، اب کیا یہ بات مناسب اور قرین انصاف ہوگی کہ اس زمین کی پیداوار سے فقرا کا جو حق متعلق ہے اس سے انہیں محروم کر دیا جائے اور مالک زمین کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ زراعت و استنماء ارض کے طریقے بدل کر فقرا کا حق بھی خود سمیٹ لے اور عشر کا حصہ بھی خود ہی مضمّن کر جائے۔

جب زمین پیادار سے بالکل بدست بردار ہو جانے کی صورت میں بھی عشر اور حق فقرا کی ادائے گی سے مفر نہیں تو اپنا حق ارض اصنافاً مضاعفاً محفوظ کر لینے کی صورت میں اس سے سفر کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ اور کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں عشری زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی صرف اسی کے لیے مختص ہوگی، اس میں فقرا کا حق



## خلاصہ جوابات

گذشتہ مباحث میں محورِ پنجم کے تحت آنے والے تمام سوالوں کے جوابات ضمناً آگئے ہیں مگر آسانی کے لیے ان کے جوابات مراد بھی اختصار کے ساتھ لکھے جلتے ہیں۔

۱۔ احناف کے قول منقار کے مطابق وجوب عشر کے لیے کسی متعین نصاب کی ضرورت نہیں، پیداوار کی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہے، البتہ امام ابو یوسف و امام محمد اور جمہور ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک پانچ دسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں ہے۔ ایک دسق بالاتفاق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع وزن میں احناف کے نزدیک ۸ رطل کا اور جمہور ائمہ بشمول امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک ۵ رطل کے بقدر ہوتا ہے۔ ایک رطل نئے میٹرک پیمانے سے ۴۰۰ گرام مانا گیا ہے، اس حساب سے پانچ دسق عمدہ گہوں وزن میں عند الاحناف ۱ کوئٹل ۲۰۰ کلو گرام اور امام ابو یوسف و جمہور کے نزدیک ۶ کوئٹل ۵۲ کلو گرام کے بقدر ہوگا۔ اگر عشر میں نصاب کا اعتبار کیا جائے تو احتیاطاً آخر الذکر مقدار معتبر ہوگی۔

۲۔ زمین سے اگائی جانے والی ہر وہ چیز جو مقصود و مطلوب ہو اور جو زمین کی آمدنی و زرخیزی کا باعث ہو وہ محل عشر ہے چاہے وہ سطح زمین پر اگنے والی ہو جیسے گہوں، دھان وغیرہ یا پانی میں پیدا ہونے والی جیسے سنگھاڑا، تال کھاد وغیرہ۔۔۔۔۔ خود رو گھاس یا بیکار قسم کے خود رو درخت اگر کسی زمین میں ہو جائیں تو ان میں عشر نہیں گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر ہے اور ویسے ہی کوئی درخت اگ گیا ہے تو نہیں۔ (جو اعر الفقہ ۱/۱۶۲)

۳۔ مذکورہ صورتوں میں ریشم اور مچلی کی پیداوار میرے خیال میں "ما یستعمل بالارض" میں داخل ہے اس میں عشر واجب ہونا چاہیے۔  
۵۔ درختوں میں اگر مقصود زراعت پھل ہیں تو پتے، شاخیں اور لکڑیاں عشر سے مستثنیٰ ہیں لیکن اگر زراعت سے مقصود بذات خود وہی چیزیں ہوں تو ان پر بھی عشر واجب ہوگا۔

۶۔ زراعتی عشری آرامنی میں جو سبزیاں بوئی جاتی ہیں ان میں عشر واجب ہوگا، مکان کے گرد و پیش کی افتالہ زمین اور چیت پر اگائی گئی سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

۷۔ اوقاف کی عشری آرامنی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے۔ (هذا ما عنی ولقد اعلم وعلما ہم)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مَحَوْر اَوَّل

# عشر و خراج کی حقیقت

از \_\_\_\_\_ محمد ارشد قاسمی

عشر و خراج میں سے خراج تازکنی حیثیت سے چوں کہ کافی قدیم اصطلاح ہے اس لئے پہلے خراج کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

### خراج کی حقیقت

اہل لغت کے یہاں خراج چند معانی حاصل، مال، مزدوری، محصول اور مال گزاری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور کبھی اجر و ثواب اور اللہ کا دیا ہوا رزق مراد ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے :

”ام تسئلہم خراجاً فخراج ربک خیر و هو خیر الرازقین“ ۱۰

اور ”قالوا ید القرنین ان یأجوج وماجوج مفسدون فی الارض فہل نجعل

لک خراجاً علی ان تجعل بیننا و بینہم سداً“ ۱۱

اکثر اہل لغت خرج اور خراج کو مرادف قرار دیتے ہیں ۱۲

۱۰ المؤمنون ۷۲ ۱۱ الکہف ۹۳

۱۲ لغات القرآن و مجمع بحار الأنوار، مفردات القرآن، القاموس۔

## خراج کی عام اصطلاحی تعریف

عام اصطلاح میں زمینوں پر مقرر محصول کو خراج کہا جاتا ہے ۱۔

## خراج کی تاریخی حیثیت

تاریخ جن محصولوں اور ٹیکسوں کی نشاندہی کرتی ہے ان میں خراج قدیم ترین ہے، چنانچہ اس کا وجود (مقدار و کیفیت کے تغیرات کے ساتھ) فراغت، بطالہ، رومیوں، برنطیوں اور فارسیوں کے ادوار حکومت میں ملتا ہے۔

## فراغت

اس ٹیکس کا موجد ریس ثانی ہے ۲۔ جس نے ملکی باشندوں کو تین طبقوں (دینی پیشواؤں، فوجیوں اور کاشتکاروں) میں تقسیم کیا، اور ہر ایک کے لئے اراضی کا ایک ایک حصہ مختص کر دیا اور محصول مرن کاشتکاروں پر عائد کیا، اس دور میں پیداوار کا دسواں حصہ بطور خراج وصول کیا جاتا تھا ۳۔

## بطالہ

ان کے دور میں خراج کے نظام میں قدرے تبدیلی ہوئی، اور مقدار میں کمی ہوئی، اور تین فیصد سے دس فیصد تک وصول کیا جاتا تھا ۴۔  
رومکہ: جب مصر پر رومیوں کی حکومت ہوئی تو خراج کی مقدار میں غیر معمولی اضافہ ہو کر

۱۔ کتاب المقریفات والنظام العالی الاسلامی المقارن ص ۲۷

۲۔ اس نے ۱۲۳۰ قبل عیسوی حکومت کی، اور ۱۲۷۰-۱۲۶۰ کی درمیانی مدت میں فوت ہوا۔

۳۔ استرابون ج ۱، الفقرة ۲-۳، ص ۱۷۲

۴۔ دیودور الکتاب الاول الفقرة ۳-۴، ۵، و ہالیہ مصر ص ۱۶



بیش فیصد ہو گیا ہے

## فیس

فارسیوں کے یہاں خراج کی مقدار تین فیصد سے چھ فیصد تک رہی، جب تک ان کے یہاں خراج مقاسمہ رائج رہا۔

لیکن قبائذ نے اس نظام کی تبدیلی کا فرمان جاری کیا اور علی جامہ کسری نے پہنایا، جس کے نتیجے میں بہت سی مفید ترمیمات ہوئیں۔

## خراج اور زمانہ رسالت و خلافت ابو بکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں اسلامی حکومت کی آمدنی زکوٰۃ، غنیمت اور جزیہ پر منحصر تھی، اس وقت خراج رائج نہیں ہوا تھا۔

## خراج اور عہد عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور اسلام کو غلبہ ہوا اسلامی حکومت کو وسعت ملی، ذرائع آمدنی دو چند ہوئے، اور مصارف میں غیر معمولی اضافہ ہوا، تو حضرت عمرؓ نے ملکی مالیات کے سلسلہ میں ایسی ٹھوس دور رس پالیسی وضع کرنے کے سلسلہ میں غور و فکر شروع کیا جو عوام و خواص کی مصلحتوں کی محافظ اور حکومت کی سلامتی کی ضامن ہو سکے، جس کے لئے مستقل سرمایہ کی فراہمی لازمی ہوئی، اس پس منظر میں حضرت عمرؓ نے خراج تجویز کیا جو اسلامی حکومت کے لئے ایک مستقل ذریعہ آمدنی بن سکے، جو ایک طویل غور و فکر، بحث و مباحثہ، اور استشارہ و استخارہ کے بعد طے ہوا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عراق و مصر کو اسلامی فوجوں نے فتح کیا تو امراتے حضرت عمرؓ کو خطوط لکھا اور مطالبہ کیا کہ ان زمینوں کو فاتحین پر تقسیم کئے جانے کے احکام صادر فرماتے جائیں،

کہ یہ زمینیں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی ہیں، اس لئے تقسیم ضروری ہے، ان امرار میں حضرت سعد بن وقاص اور عمر بن عاص رضی اللہ عنہما سرفہرست تھے۔

حضرت عمرؓ نے جواب میں صاف صاف یہ تحریر فرمایا کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے، البتہ دوسرے اموال منقولہ کو حسب ضابطہ شرعیہ تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے اتفاق کرنا اول و ہلہ میں بعض اکابر صحابہ (جیسے عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام، بلال بن رباح) کے لئے بھی مشکل ہو گیا پھر اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر تمام اکابر صحابہ انصار و مہاجرین کی ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، جس میں حضرت عمرؓ نے اس تجویز کی اہمیت و افادیت اور حکمت کو بھرپور مضبوط دلائل کی روشنی میں واضح کیا تو تمام صحابہ نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا، اور بغیر کسی اختلاف کے اجماع منعقد ہو گیا، جو جمہور امت کے نزدیک دلائل شرعیہ میں ایک دلیل ہے ۱۰

### خراج کا اولین نفاذ

جب تمام صحابہ کے اتفاق سے مسئلہ خراج طے ہو گیا تو سب سے پہلے اس کا نفاذ عراق میں تفصیلی ارضی جائزہ کے بعد عثمان ابن حنیف اور حذیفہ بن یمان کے بدست کیا گیا۔

اور عراق کی اراضی کی پیمائش مروجہ پیمانہ ”جریب“ سے کی گئی جس کا میزان تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب آیا، اور فی جریب ایک تفریق ایک درہم خراج عائد کیا گیا ۱۱

عراق کے بعد خراج کا نفاذ ”شام“ میں کیا گیا، اس کے بعد مصر میں عمر بن عاص کے ہاتھوں نافذ ہوا، لیکن مصر میں ”جریب“ کی جگہ ”فدان“ پیمانہ استعمال کیا گیا ۱۲

خراج کی شرعی تعریف  
جرجانی نے بایں الفاظ خراج کی تعریف کی ہے :

”هو الوظيفة المعينة التي توضع على أرض كذا وضع حوض على سواد

العراق“ ۱۰

اور مولانا حفظ الرحمن مزید وضاحتی تشریحات کے ساتھ خراج کا تعارف کراتے ہیں :  
 ”اور جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمین مفتوحین ہی کے قبضہ  
 میں رہنے دیں، اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی، اور وہ حکومت اسلامی کے ذمہ و عہد  
 میں داخل ہو کر ذمی بن گئے، ان کی زمین خراجی کہلاتی ہیں اور خلیفہ ان زمینوں پر جو محصول  
 مقرر کرتا ہے اس کو خراج کہا جاتا ہے“ ۱۱

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ”خراج“ دراصل ”فنی“ کی ہی ایک قسم ہے، کیونکہ اگر معمولی جنگ کے  
 بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی ”فنی“ میں ہی شمار ہوتا ہے، تو گویا جب غلبہ اسلام کے بعد خلیفہ  
 نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو غنائم میں تقسیم کرنے کے بجائے ان پر لگان مقرر کر کے ان ہی کے  
 قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی ”فنی“ ہی شمار ہوگا، تو اس صورت میں خراج کا وجود بھی قرآن عزیز کی اس  
 نص کے تحت آجاتا ہے :

”ما آفاء اللہ علی رسولہ من اهل القرى فله وللرسول ولذی القربى،

والیتمی والعسکین وامن السبیل کی لایکون دولة بین الأغنیاء“ ۱۲

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کریمہ سے خراج کا استخراج کیا ہے، اس آیت کی تلاوت  
 کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا :

”قد اشرك الله الدين يأتون من بعدكم في هذا الفئ، فلو

قسمته لم يبق لمن بعدكم شيء، ولئن بعيت لیبغفن الراعی

بصدعاء نصيبه من هذا الفئ ودمه في وجهه ۱۳

۱۰ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۱، کتاب الخراج ص ۶۹ کتاب الاموال ص ۶۸، شامی ج ۳ ص ۲۵۴

۱۱ کتاب الخراج ص ۶۹

۱۲ کتاب التعریفات ص ۳۳

۱۳ کتاب الخراج ص ۶۹

۱۴ نفس المصدر ص ۲۳-۲۴



## حضرت عمرؓ نے مزید آیتیں بھی تلاوت فرمائیں :

”للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم- الآية“ والذين  
 تبوءوا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم- الآية“ والذين  
 هاجروا من بعدهم يقولون: ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقون بالايمان  
 .... الآية“ ۱۰

سورہ حشر کی ان آیات کا ترجمہ جن سے خراج ثابت کیا جاتا ہے :

”جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پرستیوں والوں سے سوا اللہ کے واسطے اور رسول  
 کے، اور قرابت والے کے، اور یتیموں کے اور محتاجوں اور مسافر کے تاکہ نہ آئے لینے دینے  
 میں دو ملتندوں کے تم میں سے، اور جو دے تم کو رسول سولے لو، اور جس سے منع کرے  
 سو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے، واسطے ان مفلسوں  
 وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آتے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے،  
 ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے والوں کو اللہ کی اور  
 اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں وراپا  
 میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں  
 پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو ان (مہاجرین) کو دی جاتے اور مقدم رکھتے ہیں  
 ان کو اپنی جان سے اور اگر چہ ہوان پر فاقہ، اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی  
 لوگ ہیں مراد پانے والے، اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے  
 رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے  
 دلوں میں بے ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان“ ۱۱  
 حضرت عمرؓ کے قول قد اشرک الله الخ کا ترجمہ :

”یقیناً اللہ نے اس فتنے میں تمہارے بعد آنے والی نسلوں کو بھی شامل و شریک کیا ہے، اگر میں نے اس کو تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد والوں کے لئے کچھ نہیں رہ جائیگا اور اگر تقسیم نہیں کیا (بلکہ خراج مقرر کر دیا) تو صنعا میں رہنے والے چرواہے کو بھی اس فتنے میں سے اس کا حصہ باعزت طریقہ پر مل جائے گا۔“

## خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف۔

## خراج مقاسمہ

یہ زمین کی پیداوار میں سے بطور بٹائی کے ایک مقررہ حصہ ہے جو امام و حاکم کے متعین کردینے کے بعد زمین والوں سے لیا جاتا ہے جو پانچویں حصہ سے کم اور نصف سے زیادہ نہیں ہوتا۔

## خراج موظف

زمین کے رقبہ اور قوت افزائش کے اندازہ کے بعد جو نقد رقم متعین کر دی جائے۔

## خراج کی وہ مقدار جو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی

عراق کی زمینوں کی پیمائش کے بعد حضرت عمرؓ نے اس تفصیل سے خراج موظف مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا جو چیز بونی جائے، اور خضراوت کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو گنجان درختوں پر مثل ہو تو فی جریب دس درہم۔

۱۔ رد المحتار ج ۳ ص ۵۹۲ الہدایۃ ج ۱ ص ۵۹۲ وجواهر الفقہ، وفی الدر المختار وضع عمر

رضی اللہ عنہ علی السواد لکل جریب یبلغہ الماع صاعاً من براد و شعیر و درہماً و لجریب

الوطیبة خمسة درہم و لجریب الحکرم أو النخل متصلہ ضعفہا

(ای عشرۃ) ج ۳ ص ۵۹۱

جریب : ۱۲۲۵ مربع گز کی بھٹی،  
درہم : ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے،  
صاع : ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے،

## خراج کے تعین میں تین چیزوں کا لحاظ

- ۱۔ زمین کی قوت نما
  - ۲۔ پیداوار کی قسم و جنس
  - ۳۔ آب پاشی کی نوعیت
- جو حضرت عمرؓ کے فرامین و ارشادات سے واضح ہے۔

## عشر کی حقیقت

## عشر کی لغوی تعریف

هو واحد الأجزاء العشرة له عشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں۔

## عشر کی اصطلاحی تعریف

عشر اس حصہ مقررہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، اور پیداوار ہی میں لیا جاتا ہے، پس اگر عشری زمین، ندی، تالاب یا دریا سے سیراب شدہ ہے یا بارانی ہے یعنی صرف بارش کے ذریعہ پیداوار ہوتی ہے تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے، اور اگر چاہی ہے تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے ۱۱

۱۱ رد المحتار ج ۲ ص ۴۷

۱۲ کتاب الخراج ص ۶۹، رد المحتار ص ۶۶-۶۷ ج ۲، و ج ۳ ص ۳۵،



## عشر کے وجوب کے دلائل

### قرآن اور عشر

(۱) — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتکم، ومما اخرجنا  
لکم من الارض، ولا تيمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیہ  
إلا ان تفضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید“<sup>۱</sup>  
ترجمہ : اے ایمان والو خرچ کرو ستمری چیزیں اپنی کمائی سے اور اس چیز میں سے  
کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے، اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے  
کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کو نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ  
اللہ بے پرواہ ہے خوبوں والا“<sup>۲</sup>

قرآن کریم میں ”زکوٰۃ“ کے لئے ”انفاق“ کا استعمال بکثرت ہے، ابو بکر جصاص لکھتے ہیں :  
”قوله“ انفقوا“ المراد به الصدقة والدلیل علیہ قوله تعالى  
”ولا تيمموا الخبیث منه تنفقون“ یعنی تنفقون اولم یختلف  
السلف والخلف فی أن المراد به الصدقة“<sup>۳</sup>

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”انفقوا“ سے مراد صدقہ ہے، چوں کہ ولایتہ موال الخبیث  
منہ تنفقون سے مراد باتفاق سلف وخلف صدقہ ہی ہے۔  
(ب) — اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

”وهو الذی أنشأ جنات معروشات وغير معروشات والنخل والزرع  
مختلفا أکله، والزیتون والرمان منتشباہا وغير منتشباہ، کلوا  
من ثمره اذا أثمر وآتوا حقه يوم حصاده، ولا تسرفوا انه

لا یحب المسرفین“ ۱۰

ترجمہ: ”اور اسی نے پیدا کیا باغ جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں، اور جو ٹیٹوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل، اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی، کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لادیں، اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو، اور بے جا خرچ نہ کرو، اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے“

اکثر مفسرین اس آیت کریمہ میں ”حقہ“ سے مراد زکوٰۃ یعنی عشر یا نصف عشر قرار دیا ہے۔ ابو جعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں انس بن مالک (رحمہ) سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ”حق“ سے مراد فرضہ زکوٰۃ ہے۔

اور ابن عباسؓ سے متعدد طریق سے روایت ہے کہ ”حق“ سے مراد عشر و نصف عشر ہے، اور ابن عباس کی ایک روایت بایں الفاظ ہے:

یعنی بحقہ: زکاتہ المفروضہ یوم یکال ویعلم کیلہ“

اسی طرح جابر بن زید، حسن، سعید بن مسیب، محمد بن حنفیہ، طاؤس، قتادہ اور ضحاک سے ”حق“ کی تفسیر زکوٰۃ، صدقہ مفروضہ، عشر و نصف عشر منقول ہے، الفاظ کے تفاوت کے باوجود مراد وہی ایک ہی ہے ۱۱

اور یہی تفسیر قرطبی کی روایت کے مطابق ابن وہب اور ابن قاسم نے مالک سے نقل کی ہے، اور اسی کے قائل بعض شوافع ہیں ۱۲ اور یہی تفسیر امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے منقول ہے ۱۳

ایک شبہ کا ازالہ: بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے، مثلاً ابن جریر نے ابن عباسؓ

۱۰ الا انعام ۱۰۱ ۱۱ تفسیر الطبری ج ۲، ص ۱۵۸-۱۶۱

۱۲ قرطبی ج ۱، ص ۳۹۰ ۱۳ مباحث الصنائع ج ۲، ص ۵۲

سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نسخہا العشر ونصف العشر اسی طرح سعید ابن جریجر، حسن،  
سدی اور عطیہ العونی سے بھی نسخ منقول ہے،

لیکن جمہور مفسرین نے غیر منسوخ قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کے خلاف خود ابن عباس  
وغیرہ کی تفاسیر و اقوال نقل کئے گئے۔ اس لئے اس شبہ کا حل یہ ہے کہ ”نسخ“ جس اصطلاحی معنی  
”رفع حکم شرعی بدلیل شرعی متأخر“ میں مشہور ہے اس معنی میں صحابہ و تابعین و تبع  
تابعین کے دور میں معروف نہیں تھا، بلکہ ”عام“ کی تخصیص مطلق کی تفسیر، ”مہم“ کی تشریح، ”مسل“  
کی تفصیل، استثناء، شرط اور صفت کے ذکر کو بھی نسخ ہی قرار دیا جاتا ہے اس لئے جن مفسرین  
نے اس آیت پر نسخ کا اطلاق کیا ہے اسی عمومی معنی میں کیا ہے، کہ یقیناً ”حقہ“ غل ہے اس کی  
تفصیل احادیث میں عشر ونصف عشر سے کی گئی ہے۔

جیسا کہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے :

”وف تسمية هذا نسخاً نظراً لأنه قد كان شيئاً واجباً في الأصل“

ثم أنه فصل بيانه، وبين مقدار المخرج وكميته، قالوا وكان

في السنة الثانية من الهجرة والله اعلم“

کہ ”حقہ“ کو منسوخ قرار دینا مشکل ہے کیوں کہ یہ تو فی نفسہ واجب رہا ہی البتہ اس کی تفصیل  
و تشریح مع مقدار واجب کے کر دی گئی اور سہ میں یہ تفصیلات بیان کی گئیں۔

## حدیث اور عشر:

(۱) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

”ما سمعت السماء والعبير أو كان عشراً العشر وفيما سقى

بالتضيق نصف العشر“

الحجرات، ص ۵۵، (الامام الموفق بن ۱۰۸-۱۰۹ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰ ۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹ ۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸



(ب) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 ”وَمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَيْمُ الْعَشُورَ، وَفِي مَا سَقَى بِالسَّانِيَةِ نِصْفَ الْعَشْرِ“

## اجماع اور عشر

پوری امت مسلمہ عشر و نصف عشر کے وجوب پر فی الجملہ متفق ہے گو تفصیلات میں اختلاف ہے

## عشر کے وجوب کی حکمت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”وَمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعَيُونُ إِذْ كَانَ عَشْرِيَا الْعَشْرَ، وَمَا سَقَى بِالنِّصْفِ نِصْفَ الْعَشْرِ، فَإِنَّ الَّذِي هُوَ أَقَلُّ تَعَانِيًا وَأَكْثَرُ رِيْعًا، أَحَقُّ بِزِيَادَةِ الضَّرِيبَةِ، وَالَّذِي هُوَ أَكْثَرُ تَعَانِيًا وَأَقَلُّ رِيْعًا أَحَقُّ بِتَخْفِيفِهَا.“  
 ”اور جو کھیت بارش یا چشموں سے سیراب ہوں یا وہ زمین عشری ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے، اور جن کھیتوں میں ہاتھ سے پانی دیا جائے تو ان میں بیسواں حصہ ہے، کیوں کہ جس میں محنت کم ہے اور پیداوار زیادہ ہے اس میں لگان زیادہ ہونا چاہئے، اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے تو اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔“

## عشر کے وجوب کے شرائط

عشر کے واجب ہونے کی دو طرح کی شرطیں ہیں پہلی کا تعلق اہلیت سے ہے تو دوسری کا محلیت سے۔

تو عشر کا اہل مسلم ہے چوں کہ یہ عبادت ہے اس لئے اولیں شرط ”اسلام“ ہے، اسی طرح

عشر کے وجوب کا علم ”بھی ضروری ہے۔

### وضاحت

عقل و بلوغ عشر کے وجوب کے شرائط میں داخل نہیں ہیں، حتیٰ کہ ”صبی“ اور ”مجنون“ کی اراضی میں عشر واجب ہوگا، اور زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اراضی موقوفہ میں عشر واجب ہوگا۔ دوسری طرح کی شرطوں کا تعلق ملکیت سے ہے، اس میں زمین کا عشری ہونا پیداوار کا حقیقاً پایا جانا اور پیداوار کا مقصود بالذات ہونا داخل ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

”وشرط وجوبه نوعان الأول : شرط الأهلية وهو الاسلام فانه شرط ابتداء فلا يبتداء الاعلى مسلم بلا خلاف، والعلم بالفرضية؛ واما العقل والبلوغ فليس من شرائط الوجوب حتى يجب العشر في أرض الصبي والمجنون كذلك ملك الأرض ليس بشرط للوجوب لوجوبه في الأرضي الموقوفة“ ۱۔

”والنوع الثاني شرط المحلية وهو أن تكون عشريّة - ووجوبه الخارج - وأن يكون الخارج منها مما يقصد بزراعة نماء الأرض؛ هكذا في البحر الرائق“ ۲۔

### عشری زمینیں

ابو عبید نے عشری زمینوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے :

۱۔ وہ ملک جس کے باشندے محض دعوت اسلام پر مسلمان ہو گئے ہوں تو ان کی زمینیں بدستوران کی ملکیت میں رہیں گی، اور عشری قرار دی جائے گی، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین اور مکہ۔ باوجودیکہ مکہ قتال کے ذریعہ فتح ہوا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرما کر اموال مکہ کو بطور غنیمت تقسیم نہیں فرمایا، حتیٰ کہ یہاں کے لوگ اسلام لائے اور ان کی

ملکیت ہی قائم رہی۔ تو مکہ کی اراضی عشری تسلیم کی گئیں۔ عبارت یہ ہے :

”کل أرض أسلم عليها أهلها فهم مالكون بها كالمدينة، والطائف، واليمن، والبحرين، وكذلك مكة إلا أنها كانت فتحت بعد القتال، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم من عليهم، فلم يعرض لهم في أنفسهم، ولم يغنم أموالهم، فلما خلصت أموالهم ثم أسلموا بعد ذلك كان أسلامهم على ما في أيديهم، فلاحقت أرضوهم بالعشر“

۲۔ ہر وہ ملک جو قتال کے بعد فتح ہوا، اور امام نے بطور غنیمت اراضی کو فاتحین میں تقسیم کر دیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے ساتھ معاملہ فرمایا، تو یہ زمین جن میں تقسیم کر دی گئی وہ لوگ اس کے مالک قرار دیئے جاتے ہیں اور یہ اراضی عشری کہلاتی ہیں ایسے ہی سرحدیں اگر تقسیم کر دی جائیں تو عشری ہو جاتی ہیں۔ عبارت یہ ہے :

”كل أرض أخذت عنوة (ای فتحت بعد حرب و قتال بين أصحابها وبين المسلمين) ثم أن الإمام لم يرأن يجعلها فيئاً موقوفاً، ولكنه رأى أن يجعلها عشيمة فخمسها، وقسم أربعة أخماسها بين الذين افتتحوها خاصة، كفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بأرض خيبر (وكانت ملكاً لليهود قبل قتالهم) هذا أيضاً ملك إيمانهم ليس فيها غير العشر، وكذلك الثغور كلها إذا قسمت بين الذين افتتحوها خاصة، وعزل عنها الخمس لمن سمى الله تبارك وتعالى“

۳۔ وہ غیر آباد زمینیں جن کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہیں تھا امام نے کسی مسلمان کو بخش دیں یا خواہ یہ جزیرۃ العرب میں ہو یا اور کسی جگہ، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے یمن، یمامہ اور بصرہ اور ان جیسی اراضی میں عمل کیا۔ عبارت یہ ہے :

”كل أرض عادية (قديمة) لا ربلها ولا عامر، أقطعها الإمام“



رجلا اقطاعا، من جزيرة العرب او غيرهما كفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده فيما اقطعوا من بلاد اليمن، واليامة والبصرة وما اشبههما، ۱۰

۴ — ہر وہ غیر آباد زمین جس کو کسی مسلم نے آباد اور قابل کاشت بنالیا ہو۔

”كل أرض ميسرة، استخرجها (استحياها) رجل من المسلمين، فأحياها بالماء والنبات“ ۱۱

ان مذکورہ زمینوں کو شریعت نے عشری قرار دیا ہے جن کی تفصیلات احادیث سے ثابت ہیں عشری آرامنی کی تفصیل درمختار میں بایں الفاظ ہے :

”أرض العرب وہ اُسلم ائدہ، اوتحتج بنوة، وقسم بین حبشنا والبصرة عشرية“ ۱۲

جس کی تشریح ماشیہ ابن عابدی میں اس طرح ہے :

”فی مختصر تقویم البلدان، جزيرة العرب خمسة اقسام، تهامة ونجد وحجاز، وعروض، «یمن»، «أما تهامة فهي الناحية التي بین الحجاز والعراق، وأما الحجاز فهو ببلاد یمن، ومن الیمن حتی یتصل بالشام، وفيه المدينة وسمان وأما العروض فهو الیامة الى البحرین“ ۱۳

۵ — وہ آرامنی جن کو عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو، یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی زمین کو آباد کیا گیا تو قرب وجوار کی آرامنی کا حکم اس نوآباد زمین پر عائد کیا جائے گا، اگر عشری ہیں تو اس زمین پر بھی۔ زاور اگر خراجی ہیں تو خراج واجب ہوگا۔ اور علامہ شامیؒ نے ابو یوسفؒ کے قول کو معتمد قرار دیا ہے :

۱۰ الایموال ص ۵۲، فقد الزكاة ۳۰۶/۱ ۱۱ نفس المصنوعین

۱۲ الدر المختار ۲۵۲-۲۵۳، مع الرد

۱۳ رد المحتار علی الدر المختار ۲۵۲-۲۵۳

”ان ما أحياء مسلم يعتبر قريب عند أبي يوسف، وعند محمد

يعتبر الماء، والمعتمد الأول“ ۱۰

## عشری پانی کی تفصیل

بارش کا پانی، اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اور وہ بڑے دریا جن پر کسی کاغل دخل نہ ہو، اور نہ عادتاً وہ کسی کی ملک ہوتے ہوں، جیسے عراق میں دجلہ و فرات، اور ہندوستان میں گنگا و جمنا۔ یہ سب عشری پانی ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے :

”هو ماء السماء والبئر، والعين، والبحر الذي لا يدخل تحت

ولاية أحد“ ۱۱

## وضاحت

البتہ ان دنوں جو پانی نہروں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور حکومت کے محکمہ آب پاشی کی طرف سے اس پر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے تو جو آراضی ان نہروں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہیں ان کی پیداوار پر عشر کے بجائے نصف عشر واجب ہوگا۔

## خرابی زمینیں

ابو عبیدہ خراجی زمینوں کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں :

”وما سوى هذه البلاد، فلا تخلو من أن تكون أرض عنوة صيرت

فينا أرض السواد (سواد العراق)، والأهواز وفارس وكرمان وأصبهان

والري وأرض الشام - سوى مدنها - ومصر والمغرب -

أن تكون أرض صلح مثل : نجران وأيلة، وأذرج ودومة الجندل

وذلك وما اشبهها مما صالحهم رسول الله صلى الله عليه وسلم  
صلحا، او فعلته الاثمة بعده كبلاد الجزيرة وبعض بلاد أرمينية،  
وكثير من كور خراسان فهذا ان النوعان من الأرضين : الصلح  
والعنوة التي تصير فنيًا، تكونان عامًا للناس في الأعطية وأرزاق  
الذرية وما ينوب الإمام من أمور العامة، ۱

یعنی عشر زمینوں کے علاوہ یا تو کوئی ملک بذریعہ قتال فتح کیا گیا اور عام فاتحین پر امام نے  
تقسیم نہیں کیا بلکہ "فنی" کا حکم دے کر باقی رکھا، جیسے عراق، اہواز، فارس، کرمان، اصفہان، ری، شام  
سوی کچھ شہروں کے مصرعہ اکش وغیرہ۔

یا امام نے کسی ملک کے کافروں سے بغیر قتال کے صلح کر لیا کہ وہ اپنے دین پر رہیں گے،  
اور حکومت و سلطنت اسلامی رہے گی جیسے بحران، ایلم، اذرح، دومتہ الجندل اور فدک وغیرہ کہ رسول اللہ  
نے یا آپ کے بعد خلفائے صلح کر لی، جیسے ارمینیا اور علاقہ تہائے خراسان تو یہ دونوں طرح کی اراضی "فنی"،  
قرار دے کر عام لوگوں کی منفعت کے لئے خاص کر دی جاتی ہیں۔

یعنی یہ زمینیں خراجی ہیں، اور جو خراج وصول ہو گا وہ اسلامی مملکت کے خزانہ میں جمع ہو کر مسلمانوں  
کی عام ضروریات میں حسب فوائد و قوانین صرف کیا جائے گا۔ جس کی تفصیلات "خراج کی حقیقت" کے  
عنوان سے بیان ہو چکی۔

اور درمختار میں خراجی زمینوں کی تفصیل یہ ہے :

"وسواد العراق - وما فتح عنوة، وأقر عليه اهلاد او فتح صلحا

خراجیۃ، ۲

کہ کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور حسب دستور ان کو باقی رکھا گیا یا صلح کے ساتھ منسوخ ہو تو  
خراجی ہے۔ درمختار کی ایک اور عبارت ہے جس میں خراجی زمین کی قسم بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے :

"سوات اعیان ذمی باذن الامام خراجی، ولو أحياء، سلم اعتبار



قريبه، وكل منها ان سقى بماء العشر اخذ منه العشر الاراض كافر

نسقى بماء الخراج اخذ منه الخراج .. ۱۰

غیر آباد زمین کو اگر ذمی امام کی اجازت سے آباد و قابل کاشت بناتا ہے تو یہ زمین خراجی ہے، اور اگر مسلمان قابل کاشت بناتا ہے تو قرب و جوار کی زمین کا حکم عائد ہوگا، اور ان دونوں میں جو زمین بھی عشری پانی سے سیراب کی جائے گی عشر واجب ہوگا مگر ہاں اگر کافر کی زمین عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو عشر واجب نہ ہو کر خراج واجب ہوگا۔ اور اگر خراجی پانی سے یہ زمینیں سیراب کی جاتی ہیں تو خراج ہی وصول کیا جائیگا۔ ابو عبید اور در مختار کی ان عبارتوں سے خراجی زمینوں کی تفصیل اس طرح واضح ہوتی ہے :

- ۱۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستوران ہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی، جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگادیا جائے گا، اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی
- ۲۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کر کے اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی ۱۱
- ۳۔ غیر آباد زمین کو ذمی نے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنالیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔
- ۴۔ وہ زمین جو خراجی پانی سے سیراب کی جائے خراجی ہوگی۔

## خراجی پانی کی تفصیل

مفتی شفیع صاحب نے خراجی پانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

”وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں، اور وہ عادتاً انکے لئے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ و غیرہ۔۔۔“

چوں کہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے لہٰذا

اور علامہ ابن عابدین خراجی پانی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”ماء الخراج وهو ماء انهار حفرتها المعجم - والحاصل ان ماء الخراج ما كان

للكفرة ميد عليه شم حویناه قهرا ۱۰۰۰

خلاصہ یہ ہے کہ جس پانی پر کافروں کا تسلط رہا ہو اور پھر مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہو تو یہ پانی خراجی کہلائے گا۔

### خراج و عشر ہیں فرق

- ۱۔ عشر کے اندر عبادت کی حیثیت بھی ہے، اور خراج صرف ایک ٹیکس ہے۔
- ۲۔ عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور خراج (موظف) قابل کاشت زمین پر واجب ہوتا ہے۔ ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ اگر قابل کاشت زمین میں پیداوار کا نظم نہیں کیا گیا تو عشر واجب نہیں ہوگا اور خراج واجب ہو جائے گا۔
- ۳۔ عشر مسلمان پر واجب ہوتا ہے اور خراج ابتداء کافر پر واجب ہوتا ہے۔
- ۴۔ عشر زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا، اور خراج مصالح عامہ میں۔
- ۵۔ اگر ایک سال میں عشری زمین میں متعدد بار پیداوار ہوتی تو ہر پیداوار پر عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین میں باوجود کئی پیداوار ہونے کے خراج سال میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا۔
- ۶۔ جس زمین پر خراج ایک مرتبہ واجب ہو جاتا ہے پھر اس پر ہمیشہ خراج ہی رہتا ہے برخلاف عشر کے کہ اگر کافر نے عشری زمین خرید لی تو عشر اس پر عبادت کے اہل نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہو کر خراج واجب ہو جائے گا۔
- ۷۔ عشر قطعی دلائل سے ثابت ہے، اور خراج مجتہد فیہ ہے..... اگرچہ اجماع صحابہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے اس میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے۔

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق عشری اور خراجی زمینوں کی جو تعریفات

درج کی گئیں اور پھر عشر و خراج کے مابین جو فرق بیان کیا گیا ان تفصیلات کی روشنی میں خراجی اور عشری اراضی کے مابین فرق خود واضح ہو گیا۔

اور حد فاصل یہ ہے کہ جو اراضی ابتدائی طور پر مسلمانوں کی ملک میں ہوں (تمام مذکورہ صورتوں کے ساتھ) وہ عشری ہیں۔

اور جو اراضی کافروں کی ملک ہوں اور مسلم حکمران کے تسلط میں آجائیں اور کافروں کی ملک باقی رکھی جائے (مذکورہ شرائط کے تحت) وہ خراجی ہیں۔

ہاں جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو گئی وہ ہمیشہ خراجی ہی رہے گی البتہ اگر کسی عشری زمین کا مالک کافر (حربی) ہو جائے تو اس کافر کے حق میں اب یہ زمین عشری نہیں رہے گی۔

اس کے برخلاف اگر کسی خراجی زمین کا مالک مسلمان ہو جائے تو یہ زمین خراجی ہی رہے گی اور اس مسلمان پر خراج واجب ہو گا اس صورت میں عشر واجب نہیں ہو گا۔  
بحمد اللہ ان ہی سطور پر محور اول مکمل ہوتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ

## محور چہارم

(۱) موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ملوکہ اراضی میرے نزدیک عشری ہیں۔ (الایہ کہ کسی زمین کے بارے میں یقینی طور پر خراجی ہونے کا سبب معلوم ہو جائے۔  
مولانا عبید الصمد رحمانی نے عشری اراضی ہندوستان میں بہت ہی تلاش و جستجو محنت و تحقیق کے بعد ذکر فرماتے ہیں، جو یہ ہیں :

۱۔ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳۔ موروثی ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں، لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آگئی ہیں۔

۴۔ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں، یا بطریق ہبہ یا بطریق وصیت ان کو ملی ہیں، اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی، اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔



- ۵۔ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہیں، اور اوپر جا کر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔
- ۶۔ مسلمانوں کے قبضہ میں وارثانہ یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کی تھی۔
- ۷۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت تھی۔
- ۸۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔
- ۹۔ مسلمانوں نے غیر مزرعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کی ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی یا دریائی پانی سے یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے۔
- ۱۰۔ مسلمانوں نے اپنے سکونت مکانات کو مزرعہ بنایا ہے۔

## وضاحت

میرے نزدیک تقسیم ملک کے بعد سابقہ دس صورتوں کی حامل وہ اراضی جس کو مسلمان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے اور حکومت ہند نے ان کی اراضی کسی مسلمان کو دے دی تو بوجہ استیاء خراجی ہو جائیں گی۔ مفتی شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے کہ :

”اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداء میں دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیاء عشری نہ رہے گی، بلکہ خراجی ہو جائے گی۔“

حاصل یہ کہ ہندوستان کی اراضی کچھ عشری اور کچھ خراجی ہیں، لیکن خراجی ہونے کا سبب جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے عشر کا حکم ہی دیا جائے گا۔ محتاط فیصلہ یہی ہے۔

یہی رائے کہ کچھ زمینیں عشری اور کچھ خراجی ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی عزیز الرحمن صاحب، مفتی شفیع صاحب، مولانا یوسف، مولانا عبد الشکور صاحب اور مولانا عبدالصمد رحمانی کی ہے۔

حضرت تھانوی کا ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے :

”جوزمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں، اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں  
ارشاد شرا و ہلم جبر۔ وہ زمینیں عشری ہیں، اور درمیان میں اگر کوئی کافر مالک ہو گیا  
تھا وہ عشری نہ رہی، اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو، اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے، یہی بھاجا گا  
کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوتی ہے بدلیل استصحاب حال، بس وہ بھی عشری ہوگی“۔ لہ

مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتویٰ ہے :

”ہندوستان میں جو آرمینی ملوک مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیوں کہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین  
کا عشر ہے بس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے“

موصوف کا دوسرا فتویٰ ہے :

”ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے، البتہ جو زمین ملوک مسلمین ہے اس میں عشر

واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہئے“۔ لہ

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں :

”تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں

آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں، اور کسی دور میں اس پر

کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، وہ جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری

ہیں گی“۔ لہ

مولانا عبدالشکور صاحب نے ہندوستان کی زمینوں کی نوعالیں ذکر کی ہیں اور پانچ کو عشری

تو چار کو خراجی قرار دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے موردنی ہیں۔

۲۔ موردنی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کیوں کہ قبضہ میں آئیں۔

۳۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں، اور ان نیچے والے مسلمانوں نے بھی مسلمانوں سے

مول لی ہیں۔

۴۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ ان کے بیچنے والوں نے کسی مول لے لیں۔

۵۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں، اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں۔

۶۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۷۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لیں اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لی تھیں۔

۸۔ مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لیں۔

۹۔ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی ملک تھیں۔  
پہلی پانچ حالتیں عشری ہیں اور اخیر کی چاروں خراجی لے  
مولانا یوسف بنوری اراضی ہند کے متعلق لکھتے ہیں :

”فألاحظ أن عشر هذه الأراضى وليودى عشرها الى الفقراء“ ۱

دوسری رائے کچھ علماء کی یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی ملک اراضی ہند عشری ہیں، اور عشر واجب ہے، ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے۔

لیکن یہ قول از حد ضعیف ہے قابل توجہ نہیں ہے چوں کہ پھر تو فقہا رامت کے اجتہادات، کتب فقہ کی تفصیلات جو اراضی کے عشری و خراجی ہونے کے سلسلہ میں ہیں القط ہو جاتی ہیں۔  
تیسری رائے بعض علماء کی یہ ہے کہ اراضی ہند عشری ہیں اور نہ خراجی، چوں کہ یہ دار الحرب ہے اور دار الحرب کے متعلق علامہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ :

”فإن أرضها (دار الحرب) ليست أرض خراج عشر“ ۲

اور عشری نے شرح سیر کبیر میں فرمایا :



” اراضی اهل الحرب لیست بعشریہ ولاخراجیہ “ ۱؎

ان عبارتوں سے بعض اہل علم کو ہندوستان کی اراضی کے سلسلہ میں اشتباہ ہوا ہے، یہ رائے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علامہ انور شاہ کشمیری، شاہ عبدالعزیز، محمد اعلیٰ تھانوی اور قاضی شامہ اللہ پانی پتی کی نقل کی جاتی ہے، دارالعلوم دیوبند کے مفتی ظفر صاحب ابھی تک اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ علامہ انور شاہ کا قول مولانا بنوری نقل کرتے ہیں :

” قال الشيخ اعلم ان اراضی بلاد الهند لیست بعشریہ لانھا

اصبحت من دار الحرب . وھکذا انھو عندی من کتب الفقہ “ ۲؎

محمد اعلیٰ تھانوی کا قول شاہ صاحب نے نقل کیا ہے :

” بان اراضی الهند لیست بعشریہ ولاخراجیہ “ ۳؎

لیکن ان عبارتوں کا تعلق دارالحرب سے اور فقہاء کے نزدیک دارالحرب کی جو تعریف ہے کیا وہ موجودہ ہندوستان پر بالکل صاف آتی ہے ؟ یہ خود ایک اختلافی مسئلہ ہے، انگریزوں کے تسلط کے بعد بے شک شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا فتویٰ صادر ہوا کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے۔ لیکن کیا دارالحرب سے مراد وہ دارالحرب ہے جو علامہ شامی وغیرہ کی عبارت میں موجود ہے۔ اس سلسلہ میں مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں :

” غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ

دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے، اس پر نہ کسی وقت

مسلمانوں کی حکومت رہی، نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور

ہے، ایسے دارالحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی، بلکہ اہل حرب کفار

کی ملکیت ہوں گی، جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں ! اس لئے ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ

عشری ہیں نہ خراجی ! — ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، تقریباً

۸ سو برس یہ دارالاسلام رہا ہے، یہاں لاکھوں مسلمان اپنی زمینوں کے آج تک مالک

چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دارالحرب  
اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، جو دارالاسلام کے بعد دارالحرب بن گیا ہے، کہ اس میں  
املاک مسلمانوں کی موجود ہیں،

اس لئے شامی اور شرح سیر کی روایات اس پر منطبق نہیں ہوتیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں  
کی ملکیت ہی زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر وخراج کے عائد ہوں گے، حضرت تھانوی کی تحقیق  
بھی اسی کے قریب قریب ہے۔" ۱

دارالعلوم دیوبند سے اس مسئلہ میں جو طویل عرصہ سے فتویٰ دیا جا رہا ہے اس کی بنیاد بھی شامی  
و شرح سیر کی یہی عبارت ہے "فان ارضھا۔ لیست ارض خراج و عشر" خاص طور پر مطبوعہ فتاویٰ میں  
مفتی ظفر صاحب نے یہی فتویٰ دیا ہے، سوال یہ ہے اس عظیم درس گاہ سے جو یہ فتویٰ مسلمانان ہند کو دیا جا رہا  
ہے اس کی مکمل تحقیق اکابر علماء سے رابطہ قائم کر کے کیوں نہیں کی گئی۔  
خلاصہ یہ کہ آراضی ہند کے بارے میں کل تین رائے ہیں :

- ۱۔ مسلمانوں کی ملوکہ آراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی،
  - ۲۔ مسلمانوں کی ملوکہ آراضی عشری ہیں،
  - ۳۔ مسلمانوں کی ملوکہ آراضی کچھ عشری تو کچھ خراجی،
- اور تیسری رائے محقق اور راجح ہے۔

اور عشر واجب کرنے کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی ملوکہ تمام آراضی پر عشر واجب  
ہے الا یہ کہ کسی زمین کے متعلق خراجی ہونے کا سبب یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔ ہندوستان کی آراضی کا یہ حکم  
ہے۔ مالکان ان تفصیلات کو سامنے رکھ کر کافی حد تک تطبیق کر سکتے ہیں۔

لیکن مکمل جغرافیائی تطبیق تاریخی اور قانونی حیثیت کے عمیق و مفصل مطالعہ کی داعی ہے جو  
مورخین اور مقنین کا کام ہے، امید کہ اکیڈمی کے تحت یہ کام انجام پائے گا۔

(۲) جن آراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے احتیاطاً وہ عشری کے حکم میں ہوں گی

اور مسلمانوں کو عشر دینا چاہئے اتنا حقه یوم حمادہ کا عموم اسی کا متقاضی ہے جیسا کہ مولانا عبدالصمد رحمانی کی ذکر کردہ صورتوں میں یہ صورت بھی شامل ہے۔  
(۳) سرکار کو دی جانے والی مال گزاری خراج کے حکم میں نہیں ہے۔ مفتی شیخ صاحب کی تحریر ہے:

”وہ (مال گزاری) ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی“۔

(۴) ہندوستان کی جن اراضی کے متعلق خراجی ہوئے کا یقینی سبب معلوم ہو ان کا خراج اس شرح سے ادا کیا جائے:

عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (۱۲۲۵ مربع گز) پر ایک درہم (۳/۴ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو۔

خضر ادا کی ایک جریب پر ۵ درہم

اور باغات پر ۱۰ درہم

اور باقی اشیاء کا خراج اسی اندازہ سے لگایا جائے گا کہ پیدوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔

### وضاحت

ہند کی خراجی زمینوں کا خراج خود مالکان زمین نکال کر مدارس اسلامیہ اور علماء پر خرچ کریں گے۔

(ب) خراج عشر کی طرح عبادت نہیں ہے، جیسا کہ ”مول“ میں وضاحت کی گئی۔

ہاں مسلمان واجب شرعی سمجھ کر جب ادا کرے گا تو.. تو ہوگا اور اطاعت کے ثواب کا مستحق ہوگا۔  
(۵) جدید طریقہ زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے ”عشر میں کمی نہیں کی جاسکتی، کہ یہ عشر و نصف عشر“ منصوص ہے۔



اور نہ ان اخراجات کو اصل پیداوار سے منہا کیا جائے گا کہ فقہائے مراجعت کر دی ہے :

" ولا تحسب أجرة العمال ونفقة المبرء وكسرى الأنهار، وأجرة الحافظ

وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الأرض عشا

او نصفها. كذا في البحر الرائق " ۱۰

(۶) جن آراضی کی کاشت بٹائی پر ہوتی ہے، اگر یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ تخم زمیندار کا ہے تو احناف کے یہاں باتفاق عشر زمیندار پر واجب ہوگا۔

اور اگر تخم بٹائی دار کا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمیندار پر عشر واجب ہوگا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں پر اپنے حصہ میں عشر واجب ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے :

" والحاصل ان العشر عند الامام على رب الأرض مطلقا، وعندهما

كذلك لو البذر منه ولو من العاقل فعليهما " ۱۱

لیکن بدائع کی عبارت یہ ہے جس کو شامی نے نقل کیا ہے :

" ان المزارعة حائضة عندهما، والعشر يجب في الخارج والخارج

بينهما فيجب العشر عليهما " ۱۲

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے یہاں بہر صورت عشر زمیندار و بٹائی دار دونوں پر اپنے حصص کے بقدر واجب ہوگا۔

اور یہی رائے قابل عمل ہے، مفتی شفیع صاحب نے اسی کو بطور مستند بیان کیا ہے ۱۳۔ یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں مسلمان ہوں، اور اگر مزارعت کا ایک شریک غیر مسلم ہو تو مسلم اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نکالے گا۔ — واللہ اعلم علمہ اتم۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم

## محورِ پَنجَم

(۱) پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یا اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار ہے؟  
کتب فقہ میں اس مسئلہ میں ائمہ و فقہائے کے چار مسلک نقل کئے جاتے ہیں جن میں دو کافی مشہور ہیں۔  
۱۔ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے، یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، مجاہد، ابراہیم نخعیؒ،  
حماد بن ابوسلمان اور امام زفر (رحمہم اللہ) کا ہے۔  
معارف السنن میں ہے:

”وذكر ان ذلك مذهب عمر بن عبد العزيز، ومجاهد، وابراهيم النخعي  
اخرج ذلك عنهم عبد الرزاق وابن ابي شيبة والطحاوي وهو قول  
زفر“ ۱

اور یہ عبارت بھی ہے:

”وقال ابو حنيفة: في كل ما اخرجته الأرض صدقة قل أو كثر“ ۲  
المعنى اور فقہ الزکاۃ میں بھی یہ مسلک نقل کیا گیا ہے، البتہ ابن قدامہ نے نخعی میں عمر بن عبد العزیزؒ  
کا یہ مسلک نقل کر کے دوسرے نقل کر دیا ہے جو نمبر ۲ میں آ رہا ہے لیکن یہ ابن قدامہ کی چوک ہے ۳  
۲۔ پیداوار پر عشر واجب ہونے کے لئے نصاب شرط ہے اور نصاب کی مقدار پانچ دسق ہے،  
پانچ دسق سے کم پر عشر واجب نہیں۔

یہ مسلک ابن عمر، جابر، ابو امامہ بن سہل، جابر بن زید، حسن، کحول، مالک، ثوری، اوزاعی، ابن  
ابی لیلیٰ، شافعی، ابو یوسف، محمد، احمد بن حنبل اور دیگر مشاہیر علماء کا ہے ۴

۳۔ جو پیداوار دسق کے ذریعہ پانی جاسکتی ہے اس پر عشر واجب ہونے کے لئے پانچ دسق نصاب ہے،

۱۔ معارف السنن ۱/۲۰۰-۲۰۱ کتاب الفرائض

۲۔ المعنی ۲/۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲

۳۔ المعنی ۲/۲۸۶، فقہ الزکاۃ ۱/۳۰۰-۳۰۱ اس عبارت کے خوف سے نقل میں کی گئی۔

اور جو پیداوار "وسق" کے ذریعہ ناپی نہیں جاسکتی اس کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے۔ یہ مسئلہ  
داؤد ظاہری کا ہے۔

۴۔ نصاب کا اعتبار تمیز سبب، گندم اور جو میں ہوگا جو پانچ وسق ہے، اس کے علاوہ ہر پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یہ مسلک باقر اور ناصر کا ہے ۲۔  
ان چاروں مسالک میں سے پہلے دو ہی معروف و مشہور ہیں۔

## دلائل

قول اول کے دلائل

(۱) فرمان باری تعالیٰ ہے: "یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم، وما اخرجناکم من الارض"

اور ارشاد ہے: "وَأَتَوْقَهُ يَوْمَ الْحِسَابِ"۔

اسی طرح: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً"

یہ تمام آیات مطلق اور عام ہیں، ان میں کسی قسم کی تیسرے تخصیص نہیں ہے پیداوار کی ہر ذلیل و کثیر مقدار کو شامل ہیں۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرامین :

(١) فَيَمَّا سَقَّتِ السَّمَاءُ الْعِشْرَةَ ۖ

(٢) فيما سقت الأنهار والغيم العشر، وفيما سقى بالسانية نصف العشر<sup>٢٥</sup>

(٢) "فيماسقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر، وما سقى بالنفح

نصف العشر، هـ

له نفس المصدر له فقه الزكاة ١/٣٦٣ والبحر الذخارج ٢/١٦٩

٢٤٠ رواه البخاري ٢٤١ رواه مسلم من حديث جابر في باب ما فيه الزكاة من الأموال وأخرجه

الطحاوى ٥٥ رواة البخارى ومسلم عن ابن عمر.



(۴) "عن معاذ قال" بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن فأمرني أن آخذ مما سقت السماء وما سقى ببلاد العشر وما سقى بالدوالي نصف العشر" ۛ

(۵) "فيما سقت السماء العشر، وفيما سقى بنضح أو غريب نصف العشر في قليله وكثيره" ۛ

یہ ساری روایات مرفوع ہیں، جن کے راوی ابن عمر، جابر، انس اور معاذ رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے علاوہ موقوف روایات و آثار بھی مروی ہیں، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور نخعی کے آثار بالخصوص قابل توجہ و استدلال ہیں۔ (ج)

(۱) "عن ابراهيم انه قال" في كل ما أخرجته الأرض من قليل وكثير زكاة" ۛ

(۲) "عن بسر بن سعيد قال" فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فيما سقت السماء وفي البعل وفيما سقت العيون العشر، وفيما سقت السواقي نصف العشر" ۛ

(۳) ابو عبیدہ صحیح سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمان جاری کیا اس کی عبارت یہ ہے :

"ما كان عشرين تسقيه السماء والانهار وما كان يلقى من بعل ففيه العشر، وما كان يلقى بالنواضح ففيه نصف العشر" ۛ

(۴) "عن علي عن طريق عاصم بن ضمرة" فيما سقت السماء العشر، وفيما سقى بالدوالي والنواضح نصف العشر" ۛ

ۛ رواه ابن ماجه من طريق أبي واسئل عن مسروق عن معاذ .  
ۛ حديث أبي مطيع البلخي عن أبي حنيفة عن أبيان بن أبي عياش عن رجل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وجهالة الصحابي لا يضر، وأخرجه ابن خزيمة بهذا الاستناد من أنس مرفوعاً فزالت الجهالة . ۛ معارف السنن ۲/۲۰۴  
ۛ الأموال ۳۸۴ ۛ نفس المصدر ۳۸۴ ايضاً .

مذکورہ آیات، احادیث اور آثار میں عموم و اطلاق ہے اور یہ عموم و اطلاق ”تواتر“ کی حد تک ہے۔

- (۵) مزید برآں پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب کرنے میں فقراء کی مصالح کا لحاظ بھی ہے۔  
 (۲) پیداوار پر حولان حول کسی کے نزدیک شرط نہیں ہے اسی طرح نصاب کی شرط بھی نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ ”رکاز“ کا حکم ہے۔

### قول ثانی کے دلائل

- (۱) فرمان رسالت ہے: ”لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة“۔  
 یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں صریح حکم ہے کہ پانچ و سق سے کم پیداوار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔  
 قول ثانی کے قائلین کی یہی دلیل قوی ترین ہے۔

- (ب) دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے تمام ان باتوں میں جن پر زکوٰۃ واجب ہے نصاب کا اعتبار کیا ہے تاکہ ”غنی“ پر ہی زکوٰۃ واجب ہو اور غنا کا معیار نصاب ہے اس لئے پیداوار میں بھی نصاب کا اعتبار شریعت کی روح کے ہم آہنگ ہے۔

### قول ثالث کے دلائل

نصاب کا اعتبار کرنے میں اس قول کا استدلال ”لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة“ والی حدیث ہے اور جن چیزوں میں نصاب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اس میں ”فیما سقة السماء العشرة“ والی حدیث مستدل ہے۔ گویا اس مسلک کے قائل داؤد ظاہری نے دونوں حدیثوں میں تطبیق کی ایک شکل تجویز کر کے مسلک بنایا ہے۔

۱۔ معارف السنن ۲/۲۰۴ ۵۔ نفس المصدر ۶۔ رواۃ البخاری و مسلم وقال فی المنتقى

رواہ الجماعة من حدیث ابی سعید۔

۷۔ المعنى وفقه الزكاة ۸۔ فقه الزكاة ۱/۳۶۲

## قول اربع کے دلائل

”لیس فیما خمسة اوسق صدقة“ والی حدیث ہی مستدل ہے جن چار چیزوں میں نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے اور وجہ و دلیل یہ ہے کہ چوں کہ یہ چار ہی اجناس گندم، جو، تمر اور زبیب کالین دین و سق سے عام عرف میں ہوتا تھا اس لئے یہ حدیث ان کے ساتھ منقض ہے اور دیگر پیداوار میں ”فیما سقت السماء العشر“ والی حدیث پر عمل ہے۔ گویا یہ بھی تطبیق کی ایک شکل ہے۔

## تعقیب و ترجیح

مذکورہ چاروں اقوال میں سے دو پر امت کی اکثریت کا عمل ہے، حنفیہ کے نزدیک کسی نصاب کے اعتبار کے بغیر پیداوار کی ہر کم و بیش مقدار پر عشر واجب ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ، صاحبین کے نزدیک نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے جو پانچ و سق ہے، اس سے کم پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے۔

دونوں مسالک کے دلائل ذکر کئے گئے، اس کے بعد تمہور نے حنفیہ کے پیش کردہ دلائل کے جو جوابات دیئے ہیں، اور اس باب میں وارد احادیث میں تطبیق کی جو صورتیں بیان کی ہیں، ہم ان کو ذکر کرتے ہیں، اور حنفیہ نے جو ان اشکالات کے جوابات دیئے ہیں ان کو بھی ذکر کریں گے اور آخر میں حنفیہ کے مسلک کی حقانیت اور دلائل کی قوت و صحت کو آشکارا کریں گے نیز وجوہ ترجیح بیان کریں گے۔ تمہور نے ان آیات و احادیث کو جن سے عموم ثابت کیا جاتا ہے ”مہل“ قرار دیا ہے اور اس ”مہل کے لئے“ مفسر ”لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة“ کو تسلیم کیا ہے جو بلاشبہ حدیث صحیح ہے ۱۔

جواب : ان آیات کا عموم ”قطعی“ ہے اور احادیث کا عموم ”متواتر“ ہے ۲۔  
تو اگر ان کو ”مہل“ قرار دیا جائے اور خمسہ اوسق والی حدیث کو ”مفسر“ مانا جائے تو ضروری ہے کہ جس



شان کا ٹھل ہے اسی شان کا مفسر ہو حالانکہ ٹھل قطعی و متواتر ہے اور مفسر کا شمار اخبار اہل میں ہے اس لئے یہ تقریر درست نہیں ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ نصاب کا اعتبار نہ کرنے میں ختمہ اوسق والی حدیث صحیح کا ترک لازم آتا ہے۔ اس لئے ہم اس حدیث کو اصل قرار دیتے ہیں چوں کہ یہ صریح ہے اور فیما سقت السماء العشر والی حدیث کے متعلق حنفیہ کا یہ کہنا کہ یہ عام ہے اور ختمہ اوسق والی حدیث خاص ہے، اور عام و خاص دونوں قطعی ہیں، اس لئے تعارض کے وقت احتیاط کے تقاضے کے پیش نظر وجوب (پیداوار کی) مقدار پر اختیار کیا جائے۔ یہ درست نہیں ہے۔

کیوں کہ دونوں حدیثوں میں تعارض کے بجائے تطبیق ممکن ہے تطبیق کی ایک صورت سلامہ ابن قیم کے بایں الفاظ نقل کرتے ہیں :

"يجب العمل بكلا الحديثين، ولا يجوز معارضه أحدهما بالآخر، ولا الفاء أحدهما بالكلیة، وإن طاعة الرسول صلى الله عليه وسلم فرض في هذا وفي هذا، ولا تعارض بينهما - بحمد الله تعالى - بوجه من الوجوه، فإن قوله "فيما سقت السماء العشر" إنما أريد به التمييز بين ما يجب فيه العشر، وما يجب فيه نصفه، فنذكر المتوعين مضرباً بينهما في مقدار الواجب، وإما مقدار النصاب فسكت عنه في هذا الحديث وبيّنه نصاباً في الحديث الآخر"۔

کہ دونوں حدیثوں (فیما سقت السماء العشر) پر عمل کرنا ضروری ہے، اور ایک کو دوسرے کے معارض قرار دینا درست نہیں ہے اور نہ کسی ایک کو بالکلیہ ترک کر دینا صحیح ہے، چوں کہ رسول اللہ کے دونوں فرمانوں کی پیروی ضروری ہے، اور اللہ کے فضل سے دونوں حدیثوں میں کئی اسباب کی بناء پر تعارض نہیں ہے، چوں کہ فیما سقت السماء العشر سے صرف یہ فرق بیان کرنا ہے کہ کس قسم کی پیداوار میں عشر واجب اور کس قسم کی پیداوار پر نصف عشر واجب ہے، اور یہ حدیث نصاب کی مقدار کے بیان

کے سلسلہ میں کوئی روشنی نہیں ڈالتی، اس سلسلہ میں اس حدیث میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، اور نصاب کے مسئلہ کو باقاعدہ دوسری حدیث میں بطور "نص" بیان کر دیا گیا ہے اور وہ ہے "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة"۔

جواب : اس اعتراض کے جواب کے لئے بھی حنفیہ کا یہ جواب کافی ہے کہ اس تقریر سے صرف دونوں حدیثوں کے تعارض کو رفع کیا جا رہا ہے جب کہ "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" کا تعارض اس عموم سے ہو رہا ہے جو کتاب اللہ سے ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے عموم قطعی کو خبر واحد کے ذریعہ خاص نہیں کیا جاسکتا۔

پھر جو تطبیق بیان کی گئی اس کے قطعی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ حنفیہ بھی تطبیق کی اس تقریر کے بجائے دوسری تقریر کرتے ہیں ۱۔

نیز جمہور میں سے ابن قدامہ کہتے ہیں کہ : "فیما سقت السماء العشر" عام اور "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" خاص ہے، اس خاص کے ذریعہ عام کی تخصیص کی جائے گی، جیسا کہ "فی کل سائمة من الابل الزكاة" کے عموم کا تقاضا یہ تھا کہ اونٹوں کے اندر بھی کوئی نصاب نہ ہو، لیکن اس عام کی تخصیص "لیس فیما دون خمس ذود صدقة" سے کی گئی، اور پانچ اونٹ نصاب قرار دیا گیا۔

اسی طرح "فی الرقة ربع العشر" کے عموم کا تقاضا کے تحت چاندی کی ہر مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہوتا ہے، لیکن "لیس فیما دون خمسة اواق صدقة" کے ذریعہ تخصیص کی گئی، اور چاندی کا نصاب دو سو درہم مقرر کیا گیا ۲۔

جواب : ان دونوں مثالوں میں خبر واحد کے عموم کی تخصیص خبر واحد ہی کے ذریعہ کی گئی ہے جو ہمارے یہاں بھی درست ہے البتہ پیداوار کے مسئلہ میں کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد کے ذریعہ کی جا رہی ہے، جو ہمارے یہاں درست نہیں۔

۱۔ جس کو علامہ النور شاہ کے حوالے سے آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

## امام ابو حنیفہؒ کے مسئلہ کی ترجیح کے اسباب

علماء احناف فرماتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں جمہور کی دلیل "خاص" ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل "عام" ہے، تو عام و خاص میں تعارض پایا گیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ تعارض کے وقت ترجیح کی کوشش اس وقت کی جاتی ہے جب کہ تاریخ معلوم نہ ہو، اور اگر معلوم ہو تو متاخر "ناسخ" ہوتا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں تاریخ کا علم نہیں ہے، تو عام کو خاص پر بر بنائے احتیاط ترجیح دی جائے گی۔ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر "سلف" کا تعامل "شاہد ہے چونکہ یہی رائے مجاہد، زہری، نخعی اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام شہروں کو فرمان جاری کیا کہ پیداوار کی ہر کم و بیش مقدار میں سے عشر وصول کیا جائے :

"كتب عمر ابن عبد العزيز الى البلدان ان يؤخذ العشر في كل

قليل وكثير"۔

اور اس فرمان پر کسی کی نیکر نقل نہیں کی گئی ہے تو ثابت ہوا کہ امت نے اس فرمان عمری کو شرف قبول بخشا۔

- عشر خراج کی نظیر ہے، اور خراج پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہوتا ہے اس لئے عشر کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے

- طحاوی اور جصاص کہتے ہیں کہ عشر میں حولان حول کی شرط کسی فقیر نے نہیں لگائی تو ضروری ہوا کہ "نصاب" کا اعتبار بھی "رکاز" اور غنیمت کی طرح نہ کیا جائے۔

- علامہ انور شاہ فرماتے ہیں کہ : "یس فیما دون خمسة اوسق صدقة" میں جمہور کے لئے حجت نہیں ہے، اس لئے کہ میرے نزدیک اس کا تحمل "عربہ" ہے اور اس کے متعدد

۱۔ بحسب الراية وفتح القدير والعوائد الظهيرية ومعارف السنن ۵ ۲۰۵ بحسب الراية وفتح الملهم

للمعتمدين ۲۰۵ ۲۰۵ معارف السنن ۵ ۲۰۵

۲۔ شرح معاني الآثار



قرینے میری نظر میں ہیں لے  
ایک تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق سے کم کے عریہ کی بیع کی اجازت  
دی ہے :

” ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی بیع العرایا فیما

دون خمسة اوسق “

تو جس کھجور کے باغ کے مالک نے بطور عریہ کسی فقیر کو کھجور کا کوئی درخت دیا اور پھر اس کے بدلہ  
فقیر کو خشک کھجوریں دے دیں تو کھجوروں کا یہ حصہ جو (جس کے بدلہ کھجوریں فقیر کو دے دی گئی ہیں) پانچ  
وسق سے کم ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں رہتی۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی تخریج امام طحاوی نے کیا ہے :

” ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی العربیۃ فی الوسق

والوسقین والثلاثۃ والأربعۃ، وقال : فی کل عشرۃ اقناؤقنوا،

یوضع فی المسجد للمساکین “ لے

اس حدیث کی تخریج شافعی، احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن منذر، خطابی اور بیہقی نے کی ہے  
اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو جگہ نقل کیا ہے لے  
شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو حنیفہ کی بہت قوی دلیل ہے لے

” لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة “ میں ” صدقة “ سے مراد وہ صدقہ ہے جس کو  
عامل و عاشر وصول کرتا ہے تو حدیث کا مفہوم ہو گا کہ عامل پانچ وسق سے کم پیداوار کی زکوٰۃ وصول نہیں  
کمرے گا بلکہ مالکان دیانتہ اس مقدار کی زکوٰۃ از خود ادا کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہو گا اور اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار  
نہیں ہو گا۔

(۳) کیا زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں؟  
 (الف) زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کافی الجملہ وجوب قرآن و سنت، اجماع و قیاس سے ثابت ہے،  
 البتہ تفصیلات میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مسالک ہیں :  
 ۱۔ ابن عمر اور سلف کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف چار پیداوار حنظلہ شعیر تمر اور  
 زبیب میں فرض ہے اور یہ حدیث :

”انما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم : الزكاة في الحنطة

والشعير والتمر والزبيب“ ۱۹

اس مسلک کی دلیل ہے۔

۲۔ مالک و شافعی کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو بطور غذا عام  
 احوال میں استعمال کی جائے اور ذخیرہ اندوزی کے لائق ہو  
 ”اور معاذ بن جبل کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے :

”اما القثاء والبطيخ، والرمان، والقصب، والخضر، فعضو

عفاعنه رسول الله صلى الله عليه وسلم“ ۲۰

یہ استدلال صاحب مہذب اور شارح مہذب نے پیش کیا ہے اور یہ حضرات دوسری دلیل بایں  
 الفاظ بیان کرتے ہیں :

”ان الاقوات تعظم منفعتها فهي كالانعام في العاشية“ ۲۱

یعنی جو پیداوار بطور غذا استعمال کی جاتی ہے اور غذا کو محفوظ کی جاتی ہے اس کی منفعت  
 زیادہ ہے اس لئے اسی پر زکوٰۃ کا فرض عائد ہوگا جیسے چوپایوں میں انعام (اہل بقر عنہم) کے  
 منافع زیادہ ہیں تو فرض زکوٰۃ عائد ہوا۔

(۳) امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ ہر اس پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے جو تین اوصاف سے متصف

۱۹ ابن ماجہ والدارقطنی روایہ ذیل الاوطار ۱۲۲/۱۲۳ ۲۰ رواہ البيهقي في سنن الكبرى

۲۱ الممہذب مع المجموع ۴۹۲/۵

ہو خشک ہونا، باقی رہنا، کیلی ہونا۔

” أن الزكاة تحب فيما جمع هذه الأوصاف : الكيل، والبقاء،

والليس“ ۱۰

خاتمہ کی دلیل ”فیما سقت السماء العشر“ کا عموم اور فرمان رسول ”خذ الحب

من الحب“ نیز ”ولیس فی حب ولا تصرف صدقة حتى يبلغ خصه أو سقى“ ۱۱ ہے ۱۰

ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن اشیاء پر ”حب“ (دائے غلہ)

کا لفظ صادق آئے اور کیل ہو سکے ان پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ منغنی میں ہے :

” فندل هذا الحديث على انتفاء الزكاة مما لا يتوسيق فيه

ای لا کیل“ ۱۱

(۳۱) امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے بشرطیکہ یہ پیداوار ایسی ہو جس کی کاشت کا مقصد نماہ الارض ہو۔ ”فی کل ما اخرج الله من الارض، مما يعقده بزيارته نعام الارض“ ۱۲

امام ابو حنیفہ کا استدلال ”ومما اخرجنا لكم من الارض“ کے عموم سے ہے جس میں

کسی پیداوار کی تخصیص نہیں ہے۔

فخر رازی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں :

” ظاهر الآية يدل على وجوب الزكاة في كل ما تنته الأرض

على ما هو قول أبي حنيفة واستدل به هذه الآية ظاهر

جدا“ ۱۳

دوسرا استدلال ”وآتوا حقه يوم حصاده“ ۱۴ ہے جس کا ذکر معروضات وغیر معروضات

والنخل، والزرع والنابتون والرممان کے بعد ہے، اور بالخصوص کٹائی کے روز خضراوات

ہی کی زکوٰۃ نکالنا ممکن ہے ورنہ اجناس کی زکوٰۃ کٹائی کے دن نکالنا ناممکن ہے :

۱۰ المعنی ۶۹۲/۲ ۱۱ رداء مسلم والنسائی، تعجب الراية ۶۹۲/۲ ۱۲ نفس المصدر

۱۳ الہدایۃ مع الفتح ۲/۵-۲ ۱۴ تفسیر الرازی ۴۵/۷



”واحق ما يحمل الحق عليه الخضراوات، لأنها التي يتيسر

ابتاء الحق منها يوم القطع أما الحبوب فيتأخر الايتاء فيها

الى يوم القنقية“ ۛ

تیسرا استدلال ”فيماسقت السماء العشر“ کا عموم ہے، جو ہر قسم کی قیود (بقاء، کیل، ادخار، غذا) سے آزاد ہے۔

### ترجیح

ان ذکر کردہ مسالک اربعہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک راجح ترین ہے یہی مسلک عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور نخعی کا ہے۔ قرآن و حدیث کا عموم اسی مسلک کی تائید کرتا ہے اور زکوٰۃ کی مشروعیت کی حکمت اسی کی متقاضی ہے، چوں کہ یہ بات حکمت سے بالاتر ہے کہ شریعت گندم و جو کے کاشتکاروں پر تو زکوٰۃ واجب کرے اور آم، سیب، نارنجی، موسمی کے گراں قدر باغات کے مالکوں پر زکوٰۃ واجب نہ کرے۔

اور مسالک شلثہ کے مستدلیں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ تمام کی تمام قرآن اور مشہور احادیث کے مقابلہ میں استناد کے قابل نہیں ہیں چوں کہ ان میں سے کوئی منقطع ہے تو کوئی ضعیف صحت کے باوجود عموم قرآن کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتیں ۛ حتیٰ کہ مالکیہ میں ابن العربی نے امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تائید فرمائی ۛ اور ابن عسری شرح ترمذی میں لکھتے ہیں :

”وأقوى المذاهب في المسألة مذهب أبي حنيفة وليد.

وأعطى لها للمساكين، وأولها قياماً بشكر النعمة، وهليلج

يبدل عموم الآية والحديث“ ۛ

ۛ بدائع الصنائع ۵/۵۹ ۛ تلخیص الجبیر للحافظ، فتح القدیر، مجمع الزوائد

ۛ احکام القرآن لابن العربی۔ القسم الثاني ص ۴۹۹

ۛ شرح الترمذی لابن العربی ۳/۱۳۵

خلاصہ یہ کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہی پر اعتبار سے قابل ترجیح ہے۔

(ب) گھاس، بانس، چارہ وغیرہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جیسا کہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کو ذکر کرتے ہوئے یہ بات بتائی گئی کہ ہر اس پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے جس کی کاشت کا مقصد نما، الارض ہو یعنی پیداوار مقصود ہو، اس لئے اگر گھاس، بانس، چارہ وغیرہ کی باقاعدہ کاشت کی جائے تو عشر واجب ہوگا، ہاں اگر خوردہ ہوں تو عشر واجب نہیں ہوگا۔ ہدایہ میں ہے :

”قال ابو حنیفۃ : فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر، سواہ سقی

سیحا و سقنتہ السماء الا الحطب، و العصب، و الحشیش“ ۱

چند ضمیمے کے بعد دوسری عبارت ہے :

”حتی لو اتخذها مقصبۃ أو شجرة أو منبتا للحشیش یجب فیہ العشر“ ۲

(ج) پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھار وغیرہ کا حکم صراحتہ (میرے پاس موجود مراجع و مصادر میں باوجود تلاش کے) نہیں مل سکا۔

البتہ قرآن و حدیث کے عموم کا تقاضہ ہے کہ (بالخصوص) حنفیہ کے نزدیک عشر واجب قرار دیا جائے

(واللہ اعلم)

۳ جن اراضی مزروعہ کو ٹھلی پالن بنایا جاتا ہے ان کی ٹھلیوں پر عشر یا زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟ جیسا کہ ابو عبید نقل کرتے ہیں :

”عن یونس بن عبید قال : کتب عمر بن عبد العزیز الی عاملہ علی عمان :

ان لا یأخذ من السمک شیئا حتی یتبلغ مائتی درہم . فاذا بلغ مائتی درہم

فخذ منه الزکاة“ ۳

اور یہی روایت امام احمد سے بھی منقول ہے ۴

۴ ریشم کی کاشت پر عشر؟

ریشم کی کاشت کو ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے "عسل" (شہد) پر قیاس کرتے ہوئے عشر واجب قرار دیا ہے :

"ولهذا أرى أن نعامل المنتجات الحيوانية كاللبن وملحقاتها

معاملة العسل فيؤخذ العشر من صافي إيرادها..<sup>۱</sup>

لیکن ائمہ اربعہ یا دیگر علماء متقدمین میں سے کسی نے ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں قرار دیا ہے ہدایہ میں ہے :

" وفي العسل العشر وقال الشافعي رحمه الله لا يجب لانه متولد

من الحيوان فأشبهه الأبريسم..<sup>۲</sup>

ڈاکٹر قرضاوی نے ریشم کو شہد پر جو قیاس کیلئے یہ قیاس صحیح نہیں ہے بلکہ قیاس مع الفارق ہے چونکہ شہد زردع و تمار کا کشید کردہ ہے اور زردع و تمار میں عشر ہے اس لئے ان سے ماہل کردہ شہد پر بھی عشر ہوگا۔

برخلاف ابریشم کے کہ ریشم کے کیرے ریشم پتوں سے بنتے ہیں اور پتوں پر عشر نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے :

" ولان النحل يتناول من الانوار والشعار وفيهما العشر فكذا فيما

يتولد منهما بخلاف دود القز لانه يتناول من الاوراق ولاعشر فيها..<sup>۳</sup>

بہر صورت میرے نزدیک ریشم کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

۵ جن درختوں پر پھل آتے ہیں، تو پھلوں پر عشر واجب ہے نہ کہ ان درختوں پر اور جو درخت جلانے کے کام یا فرنیچر بنانے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور باقاعدہ ان درختوں کی کاشت کی جاتی ہے تو عشر واجب ہوگا۔ ہدایہ میں ہے :

"حق لو اتخذها - مشجرة - يجب فيها العشر..<sup>۴</sup>

<sup>۱</sup> فقہ الزکاة ۲۲۰/۱ ۲۲۶/۲ ۲۲۷/۲ ۲۲۸/۲ ۲۲۹/۲ ۲۳۰/۲ ۲۳۱/۲ ۲۳۲/۲ ۲۳۳/۲ ۲۳۴/۲ ۲۳۵/۲ ۲۳۶/۲ ۲۳۷/۲ ۲۳۸/۲ ۲۳۹/۲ ۲۴۰/۲ ۲۴۱/۲ ۲۴۲/۲ ۲۴۳/۲ ۲۴۴/۲ ۲۴۵/۲ ۲۴۶/۲ ۲۴۷/۲ ۲۴۸/۲ ۲۴۹/۲ ۲۵۰/۲ ۲۵۱/۲ ۲۵۲/۲ ۲۵۳/۲ ۲۵۴/۲ ۲۵۵/۲ ۲۵۶/۲ ۲۵۷/۲ ۲۵۸/۲ ۲۵۹/۲ ۲۶۰/۲ ۲۶۱/۲ ۲۶۲/۲ ۲۶۳/۲ ۲۶۴/۲ ۲۶۵/۲ ۲۶۶/۲ ۲۶۷/۲ ۲۶۸/۲ ۲۶۹/۲ ۲۷۰/۲ ۲۷۱/۲ ۲۷۲/۲ ۲۷۳/۲ ۲۷۴/۲ ۲۷۵/۲ ۲۷۶/۲ ۲۷۷/۲ ۲۷۸/۲ ۲۷۹/۲ ۲۸۰/۲ ۲۸۱/۲ ۲۸۲/۲ ۲۸۳/۲ ۲۸۴/۲ ۲۸۵/۲ ۲۸۶/۲ ۲۸۷/۲ ۲۸۸/۲ ۲۸۹/۲ ۲۹۰/۲ ۲۹۱/۲ ۲۹۲/۲ ۲۹۳/۲ ۲۹۴/۲ ۲۹۵/۲ ۲۹۶/۲ ۲۹۷/۲ ۲۹۸/۲ ۲۹۹/۲ ۳۰۰/۲ ۳۰۱/۲ ۳۰۲/۲ ۳۰۳/۲ ۳۰۴/۲ ۳۰۵/۲ ۳۰۶/۲ ۳۰۷/۲ ۳۰۸/۲ ۳۰۹/۲ ۳۱۰/۲ ۳۱۱/۲ ۳۱۲/۲ ۳۱۳/۲ ۳۱۴/۲ ۳۱۵/۲ ۳۱۶/۲ ۳۱۷/۲ ۳۱۸/۲ ۳۱۹/۲ ۳۲۰/۲ ۳۲۱/۲ ۳۲۲/۲ ۳۲۳/۲ ۳۲۴/۲ ۳۲۵/۲ ۳۲۶/۲ ۳۲۷/۲ ۳۲۸/۲ ۳۲۹/۲ ۳۳۰/۲ ۳۳۱/۲ ۳۳۲/۲ ۳۳۳/۲ ۳۳۴/۲ ۳۳۵/۲ ۳۳۶/۲ ۳۳۷/۲ ۳۳۸/۲ ۳۳۹/۲ ۳۴۰/۲ ۳۴۱/۲ ۳۴۲/۲ ۳۴۳/۲ ۳۴۴/۲ ۳۴۵/۲ ۳۴۶/۲ ۳۴۷/۲ ۳۴۸/۲ ۳۴۹/۲ ۳۵۰/۲ ۳۵۱/۲ ۳۵۲/۲ ۳۵۳/۲ ۳۵۴/۲ ۳۵۵/۲ ۳۵۶/۲ ۳۵۷/۲ ۳۵۸/۲ ۳۵۹/۲ ۳۶۰/۲ ۳۶۱/۲ ۳۶۲/۲ ۳۶۳/۲ ۳۶۴/۲ ۳۶۵/۲ ۳۶۶/۲ ۳۶۷/۲ ۳۶۸/۲ ۳۶۹/۲ ۳۷۰/۲ ۳۷۱/۲ ۳۷۲/۲ ۳۷۳/۲ ۳۷۴/۲ ۳۷۵/۲ ۳۷۶/۲ ۳۷۷/۲ ۳۷۸/۲ ۳۷۹/۲ ۳۸۰/۲ ۳۸۱/۲ ۳۸۲/۲ ۳۸۳/۲ ۳۸۴/۲ ۳۸۵/۲ ۳۸۶/۲ ۳۸۷/۲ ۳۸۸/۲ ۳۸۹/۲ ۳۹۰/۲ ۳۹۱/۲ ۳۹۲/۲ ۳۹۳/۲ ۳۹۴/۲ ۳۹۵/۲ ۳۹۶/۲ ۳۹۷/۲ ۳۹۸/۲ ۳۹۹/۲ ۴۰۰/۲ ۴۰۱/۲ ۴۰۲/۲ ۴۰۳/۲ ۴۰۴/۲ ۴۰۵/۲ ۴۰۶/۲ ۴۰۷/۲ ۴۰۸/۲ ۴۰۹/۲ ۴۱۰/۲ ۴۱۱/۲ ۴۱۲/۲ ۴۱۳/۲ ۴۱۴/۲ ۴۱۵/۲ ۴۱۶/۲ ۴۱۷/۲ ۴۱۸/۲ ۴۱۹/۲ ۴۲۰/۲ ۴۲۱/۲ ۴۲۲/۲ ۴۲۳/۲ ۴۲۴/۲ ۴۲۵/۲ ۴۲۶/۲ ۴۲۷/۲ ۴۲۸/۲ ۴۲۹/۲ ۴۳۰/۲ ۴۳۱/۲ ۴۳۲/۲ ۴۳۳/۲ ۴۳۴/۲ ۴۳۵/۲ ۴۳۶/۲ ۴۳۷/۲ ۴۳۸/۲ ۴۳۹/۲ ۴۴۰/۲ ۴۴۱/۲ ۴۴۲/۲ ۴۴۳/۲ ۴۴۴/۲ ۴۴۵/۲ ۴۴۶/۲ ۴۴۷/۲ ۴۴۸/۲ ۴۴۹/۲ ۴۵۰/۲ ۴۵۱/۲ ۴۵۲/۲ ۴۵۳/۲ ۴۵۴/۲ ۴۵۵/۲ ۴۵۶/۲ ۴۵۷/۲ ۴۵۸/۲ ۴۵۹/۲ ۴۶۰/۲ ۴۶۱/۲ ۴۶۲/۲ ۴۶۳/۲ ۴۶۴/۲ ۴۶۵/۲ ۴۶۶/۲ ۴۶۷/۲ ۴۶۸/۲ ۴۶۹/۲ ۴۷۰/۲ ۴۷۱/۲ ۴۷۲/۲ ۴۷۳/۲ ۴۷۴/۲ ۴۷۵/۲ ۴۷۶/۲ ۴۷۷/۲ ۴۷۸/۲ ۴۷۹/۲ ۴۸۰/۲ ۴۸۱/۲ ۴۸۲/۲ ۴۸۳/۲ ۴۸۴/۲ ۴۸۵/۲ ۴۸۶/۲ ۴۸۷/۲ ۴۸۸/۲ ۴۸۹/۲ ۴۹۰/۲ ۴۹۱/۲ ۴۹۲/۲ ۴۹۳/۲ ۴۹۴/۲ ۴۹۵/۲ ۴۹۶/۲ ۴۹۷/۲ ۴۹۸/۲ ۴۹۹/۲ ۵۰۰/۲ ۵۰۱/۲ ۵۰۲/۲ ۵۰۳/۲ ۵۰۴/۲ ۵۰۵/۲ ۵۰۶/۲ ۵۰۷/۲ ۵۰۸/۲ ۵۰۹/۲ ۵۱۰/۲ ۵۱۱/۲ ۵۱۲/۲ ۵۱۳/۲ ۵۱۴/۲ ۵۱۵/۲ ۵۱۶/۲ ۵۱۷/۲ ۵۱۸/۲ ۵۱۹/۲ ۵۲۰/۲ ۵۲۱/۲ ۵۲۲/۲ ۵۲۳/۲ ۵۲۴/۲ ۵۲۵/۲ ۵۲۶/۲ ۵۲۷/۲ ۵۲۸/۲ ۵۲۹/۲ ۵۳۰/۲ ۵۳۱/۲ ۵۳۲/۲ ۵۳۳/۲ ۵۳۴/۲ ۵۳۵/۲ ۵۳۶/۲ ۵۳۷/۲ ۵۳۸/۲ ۵۳۹/۲ ۵۴۰/۲ ۵۴۱/۲ ۵۴۲/۲ ۵۴۳/۲ ۵۴۴/۲ ۵۴۵/۲ ۵۴۶/۲ ۵۴۷/۲ ۵۴۸/۲ ۵۴۹/۲ ۵۵۰/۲ ۵۵۱/۲ ۵۵۲/۲ ۵۵۳/۲ ۵۵۴/۲ ۵۵۵/۲ ۵۵۶/۲ ۵۵۷/۲ ۵۵۸/۲ ۵۵۹/۲ ۵۶۰/۲ ۵۶۱/۲ ۵۶۲/۲ ۵۶۳/۲ ۵۶۴/۲ ۵۶۵/۲ ۵۶۶/۲ ۵۶۷/۲ ۵۶۸/۲ ۵۶۹/۲ ۵۷۰/۲ ۵۷۱/۲ ۵۷۲/۲ ۵۷۳/۲ ۵۷۴/۲ ۵۷۵/۲ ۵۷۶/۲ ۵۷۷/۲ ۵۷۸/۲ ۵۷۹/۲ ۵۸۰/۲ ۵۸۱/۲ ۵۸۲/۲ ۵۸۳/۲ ۵۸۴/۲ ۵۸۵/۲ ۵۸۶/۲ ۵۸۷/۲ ۵۸۸/۲ ۵۸۹/۲ ۵۹۰/۲ ۵۹۱/۲ ۵۹۲/۲ ۵۹۳/۲ ۵۹۴/۲ ۵۹۵/۲ ۵۹۶/۲ ۵۹۷/۲ ۵۹۸/۲ ۵۹۹/۲ ۶۰۰/۲ ۶۰۱/۲ ۶۰۲/۲ ۶۰۳/۲ ۶۰۴/۲ ۶۰۵/۲ ۶۰۶/۲ ۶۰۷/۲ ۶۰۸/۲ ۶۰۹/۲ ۶۱۰/۲ ۶۱۱/۲ ۶۱۲/۲ ۶۱۳/۲ ۶۱۴/۲ ۶۱۵/۲ ۶۱۶/۲ ۶۱۷/۲ ۶۱۸/۲ ۶۱۹/۲ ۶۲۰/۲ ۶۲۱/۲ ۶۲۲/۲ ۶۲۳/۲ ۶۲۴/۲ ۶۲۵/۲ ۶۲۶/۲ ۶۲۷/۲ ۶۲۸/۲ ۶۲۹/۲ ۶۳۰/۲ ۶۳۱/۲ ۶۳۲/۲ ۶۳۳/۲ ۶۳۴/۲ ۶۳۵/۲ ۶۳۶/۲ ۶۳۷/۲ ۶۳۸/۲ ۶۳۹/۲ ۶۴۰/۲ ۶۴۱/۲ ۶۴۲/۲ ۶۴۳/۲ ۶۴۴/۲ ۶۴۵/۲ ۶۴۶/۲ ۶۴۷/۲ ۶۴۸/۲ ۶۴۹/۲ ۶۵۰/۲ ۶۵۱/۲ ۶۵۲/۲ ۶۵۳/۲ ۶۵۴/۲ ۶۵۵/۲ ۶۵۶/۲ ۶۵۷/۲ ۶۵۸/۲ ۶۵۹/۲ ۶۶۰/۲ ۶۶۱/۲ ۶۶۲/۲ ۶۶۳/۲ ۶۶۴/۲ ۶۶۵/۲ ۶۶۶/۲ ۶۶۷/۲ ۶۶۸/۲ ۶۶۹/۲ ۶۷۰/۲ ۶۷۱/۲ ۶۷۲/۲ ۶۷۳/۲ ۶۷۴/۲ ۶۷۵/۲ ۶۷۶/۲ ۶۷۷/۲ ۶۷۸/۲ ۶۷۹/۲ ۶۸۰/۲ ۶۸۱/۲ ۶۸۲/۲ ۶۸۳/۲ ۶۸۴/۲ ۶۸۵/۲ ۶۸۶/۲ ۶۸۷/۲ ۶۸۸/۲ ۶۸۹/۲ ۶۹۰/۲ ۶۹۱/۲ ۶۹۲/۲ ۶۹۳/۲ ۶۹۴/۲ ۶۹۵/۲ ۶۹۶/۲ ۶۹۷/۲ ۶۹۸/۲ ۶۹۹/۲ ۷۰۰/۲ ۷۰۱/۲ ۷۰۲/۲ ۷۰۳/۲ ۷۰۴/۲ ۷۰۵/۲ ۷۰۶/۲ ۷۰۷/۲ ۷۰۸/۲ ۷۰۹/۲ ۷۱۰/۲ ۷۱۱/۲ ۷۱۲/۲ ۷۱۳/۲ ۷۱۴/۲ ۷۱۵/۲ ۷۱۶/۲ ۷۱۷/۲ ۷۱۸/۲ ۷۱۹/۲ ۷۲۰/۲ ۷۲۱/۲ ۷۲۲/۲ ۷۲۳/۲ ۷۲۴/۲ ۷۲۵/۲ ۷۲۶/۲ ۷۲۷/۲ ۷۲۸/۲ ۷۲۹/۲ ۷۳۰/۲ ۷۳۱/۲ ۷۳۲/۲ ۷۳۳/۲ ۷۳۴/۲ ۷۳۵/۲ ۷۳۶/۲ ۷۳۷/۲ ۷۳۸/۲ ۷۳۹/۲ ۷۴۰/۲ ۷۴۱/۲ ۷۴۲/۲ ۷۴۳/۲ ۷۴۴/۲ ۷۴۵/۲ ۷۴۶/۲ ۷۴۷/۲ ۷۴۸/۲ ۷۴۹/۲ ۷۵۰/۲ ۷۵۱/۲ ۷۵۲/۲ ۷۵۳/۲ ۷۵۴/۲ ۷۵۵/۲ ۷۵۶/۲ ۷۵۷/۲ ۷۵۸/۲ ۷۵۹/۲ ۷۶۰/۲ ۷۶۱/۲ ۷۶۲/۲ ۷۶۳/۲ ۷۶۴/۲ ۷۶۵/۲ ۷۶۶/۲ ۷۶۷/۲ ۷۶۸/۲ ۷۶۹/۲ ۷۷۰/۲ ۷۷۱/۲ ۷۷۲/۲ ۷۷۳/۲ ۷۷۴/۲ ۷۷۵/۲ ۷۷۶/۲ ۷۷۷/۲ ۷۷۸/۲ ۷۷۹/۲ ۷۸۰/۲ ۷۸۱/۲ ۷۸۲/۲ ۷۸۳/۲ ۷۸۴/۲ ۷۸۵/۲ ۷۸۶/۲ ۷۸۷/۲ ۷۸۸/۲ ۷۸۹/۲ ۷۹۰/۲ ۷۹۱/۲ ۷۹۲/۲ ۷۹۳/۲ ۷۹۴/۲ ۷۹۵/۲ ۷۹۶/۲ ۷۹۷/۲ ۷۹۸/۲ ۷۹۹/۲ ۸۰۰/۲ ۸۰۱/۲ ۸۰۲/۲ ۸۰۳/۲ ۸۰۴/۲ ۸۰۵/۲ ۸۰۶/۲ ۸۰۷/۲ ۸۰۸/۲ ۸۰۹/۲ ۸۱۰/۲ ۸۱۱/۲ ۸۱۲/۲ ۸۱۳/۲ ۸۱۴/۲ ۸۱۵/۲ ۸۱۶/۲ ۸۱۷/۲ ۸۱۸/۲ ۸۱۹/۲ ۸۲۰/۲ ۸۲۱/۲ ۸۲۲/۲ ۸۲۳/۲ ۸۲۴/۲ ۸۲۵/۲ ۸۲۶/۲ ۸۲۷/۲ ۸۲۸/۲ ۸۲۹/۲ ۸۳۰/۲ ۸۳۱/۲ ۸۳۲/۲ ۸۳۳/۲ ۸۳۴/۲ ۸۳۵/۲ ۸۳۶/۲ ۸۳۷/۲ ۸۳۸/۲ ۸۳۹/۲ ۸۴۰/۲ ۸۴۱/۲ ۸۴۲/۲ ۸۴۳/۲ ۸۴۴/۲ ۸۴۵/۲ ۸۴۶/۲ ۸۴۷/۲ ۸۴۸/۲ ۸۴۹/۲ ۸۵۰/۲ ۸۵۱/۲ ۸۵۲/۲ ۸۵۳/۲ ۸۵۴/۲ ۸۵۵/۲ ۸۵۶/۲ ۸۵۷/۲ ۸۵۸/۲ ۸۵۹/۲ ۸۶۰/۲ ۸۶۱/۲ ۸۶۲/۲ ۸۶۳/۲ ۸۶۴/۲ ۸۶۵/۲ ۸۶۶/۲ ۸۶۷/۲ ۸۶۸/۲ ۸۶۹/۲ ۸۷۰/۲ ۸۷۱/۲ ۸۷۲/۲ ۸۷۳/۲ ۸۷۴/۲ ۸۷۵/۲ ۸۷۶/۲ ۸۷۷/۲ ۸۷۸/۲ ۸۷۹/۲ ۸۸۰/۲ ۸۸۱/۲ ۸۸۲/۲ ۸۸۳/۲ ۸۸۴/۲ ۸۸۵/۲ ۸۸۶/۲ ۸۸۷/۲ ۸۸۸/۲ ۸۸۹/۲ ۸۹۰/۲ ۸۹۱/۲ ۸۹۲/۲ ۸۹۳/۲ ۸۹۴/۲ ۸۹۵/۲ ۸۹۶/۲ ۸۹۷/۲ ۸۹۸/۲ ۸۹۹/۲ ۹۰۰/۲ ۹۰۱/۲ ۹۰۲/۲ ۹۰۳/۲ ۹۰۴/۲ ۹۰۵/۲ ۹۰۶/۲ ۹۰۷/۲ ۹۰۸/۲ ۹۰۹/۲ ۹۱۰/۲ ۹۱۱/۲ ۹۱۲/۲ ۹۱۳/۲ ۹۱۴/۲ ۹۱۵/۲ ۹۱۶/۲ ۹۱۷/۲ ۹۱۸/۲ ۹۱۹/۲ ۹۲۰/۲ ۹۲۱/۲ ۹۲۲/۲ ۹۲۳/۲ ۹۲۴/۲ ۹۲۵/۲ ۹۲۶/۲ ۹۲۷/۲ ۹۲۸/۲ ۹۲۹/۲ ۹۳۰/۲ ۹۳۱/۲ ۹۳۲/۲ ۹۳۳/۲ ۹۳۴/۲ ۹۳۵/۲ ۹۳۶/۲ ۹۳۷/۲ ۹۳۸/۲ ۹۳۹/۲ ۹۴۰/۲ ۹۴۱/۲ ۹۴۲/۲ ۹۴۳/۲ ۹۴۴/۲ ۹۴۵/۲ ۹۴۶/۲ ۹۴۷/۲ ۹۴۸/۲ ۹۴۹/۲ ۹۵۰/۲ ۹۵۱/۲ ۹۵۲/۲ ۹۵۳/۲ ۹۵۴/۲ ۹۵۵/۲ ۹۵۶/۲ ۹۵۷/۲ ۹۵۸/۲ ۹۵۹/۲ ۹۶۰/۲ ۹۶۱/۲ ۹۶۲/۲ ۹۶۳/۲ ۹۶۴/۲ ۹۶۵/۲ ۹۶۶/۲ ۹۶۷/۲ ۹۶۸/۲ ۹۶۹/۲ ۹۷۰/۲ ۹۷۱/۲ ۹۷۲/۲ ۹۷۳/۲ ۹۷۴/۲ ۹۷۵/۲ ۹۷۶/۲ ۹۷۷/۲ ۹۷۸/۲ ۹۷۹/۲ ۹۸۰/۲ ۹۸۱/۲ ۹۸۲/۲ ۹۸۳/۲ ۹۸۴/۲ ۹۸۵/۲ ۹۸۶/۲ ۹۸۷/۲ ۹۸۸/۲ ۹۸۹/۲ ۹۹۰/۲ ۹۹۱/۲ ۹۹۲/۲ ۹۹۳/۲ ۹۹۴/۲ ۹۹۵/۲ ۹۹۶/۲ ۹۹۷/۲ ۹۹۸/۲ ۹۹۹/۲ ۱۰۰۰/۲

<sup>۲</sup> نفس المصدر ۲۳۵



۶ حضرات کا حکم سوال ۲ کے جواب میں ضمناً لکھا جا چکا ہے۔

(الف) امام ابوحنیفہ کے نزدیک حضرات پر عشر واجب ہے، جن سبزیوں میں پھل توڑے جلتے ہیں اور کچھ نے پھل نکل آتے ہیں ان میں عشر نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے پھل بیک وقت توڑے جائیں ان کا عشر اسی وقت نکال دیا جائے۔

اور اگر اس میں دشواری ہو تو پھر سارے پھل ختم ہونے کے بعد مجموعی پھلوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر قیمت کا دسواں حصہ نکال دیا جائے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے :

”فی کل عشرة اثناء قتلہ یوضع فی المسجد للمساکین“ ۱۰

(ب) جس افتادہ زمین پر سبزیاں اگائی جائیں اگر ان کی شکل باقاعدہ زراعت کی سی ہو جاتی ہے تو عشر واجب ہوگا، اور جو سبزیاں مکانات کی چیتوں یا مکان کے اندرونی حصہ میں اگائی جائیں تو ان سبزیوں پر عشر واجب نہیں ہوگا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

”ولو کان فی دار رجل شجرة مشمرة لا عشر فیها“ ۱۱

۷ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، ردالمحتار میں ہے :

”فیجب فی الاراضی الموقوفة لحکم قولہ تعالیٰ ”انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما

اتواکم من الارض“ وقولہ ”انوا حقہ یوم حصادہ“ ۱۲

وقف علی الاولاد کی اراضی پر یعنی طور پر عشر واجب ہوگا، ہاں جو اراضی مدارس پر وقف ہیں ان کی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہوگا جب کہ اہل مدارس کی نگرانی میں کاشت کی جائے اور پیداوار مدارس کے مصارف میں صرف کی جائے لیکن اگر اس پر وقف اراضی کو کرایہ پر اٹھادیا گیا اور کرایہ دار پیداوار حاصل کریں تو اس پیداوار پر عشر واجب ہوگا، ردالمحتار میں ہے :

”المعتک غیر شرط فیہ من الشرط علی الخراج“ ۱۳

۱۰۔ صلی اللہ علی النبی الکریم

# اسلام کا نظام عشر و حراج

اور

آراضی ہندوپاک کا شرعی علم

انہما — مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب - دارالعلوم - حمید آباد

عالمی نظام مالیات میں زمین کا بڑا حصہ ہے اور اسلام بھی اس کی اہمیت تسلیم کرتا ہے، فرق یہ ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کے تمام نظام ہائے اقتصاد زمین اور زمین داروں کے ساتھ توازن پیدا نہیں کر سکے جس سے عالمی معیشت کو فروغ ہونے کے ساتھ ساتھ غریب انسانوں میں بھی خوش حالی اور فارغ البالی عام ہوتی، اسلام اسی توازن کا علم بردار ہے جو آج کے اقتصادی مارکیٹ میں نایاب ہے۔

اسلام نے ایک طرف زمینوں کو آباد کرنے کا جامع اور مکمل منصوبہ دیا اور انسانی معیشت کے مسائل کو زیادہ سے زیادہ متحرک بنانے کی کوشش کی تو دوسری طرف عام انسانوں کے ان سے مستفید ہونے کا ایسا کامل نظام پیش کیا جس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔

یہ اسلام کا نظام عشر و حراج ہے، عشر و حراج زمین پر لگاتے گئے ٹیکسوں کے دو نام ہیں، دونوں کا تعلق قابل کاشت زمینوں سے ہے جن کو انسان آباد کرتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے، اسلامی حکومت قابل کاشت زمینوں کی پیداوار کا ایک حصہ اس لیے لیتی ہے تاکہ غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کے ساتھ مملکت کے انتظامی اخراجات پورے کر سکے، اس لحاظ سے عشر و حراج دونوں مشترک ہیں، مگر اس کے علاوہ دونوں کے درمیان کئی لحاظ سے فرق ہے۔ مثلاً:

## عشر و خراج کے درمیانی امتیازات

۱۔ عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہو سکتا ہے۔ غیر مسلموں پر نہیں اگر کسی غیر مسلم نے مسلمان سے عشری زمین خرید بھی لی تو اس زمین سے عشر ساقط ہو جائے گا اور اس پر خراج لازم ہو جائے گا جب کہ خراج ابتدائی مرحلے میں صرف غیر مسلموں پر واجب ہو سکتا ہے، البتہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لے تو ثانوی مرحلے میں اس پر خراج واجب رہے گا اور اس زمین سے خراج ساقط نہ ہوگا۔ (۱)

۲۔ اس فرق کی وجہ وہ بنیادی امتیاز ہے جو عشر و خراج کے درمیان پایا جاتا ہے کہ عشر ٹیکس ہونے کے ساتھ ساتھ عباد کا بھی پہلو رکھتا ہے، ایک مسلمان اس ٹیکس کو ادا کر کے ایک طرف حکومت کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتا ہے تو دوسری طرف خدا کے یہاں ثواب کا استحقاق بھی حاصل کرتا ہے، اس کے برخلاف خراج ٹیکس ہونے کے ساتھ عقوبت و سزا کا پہلو بھی رکھتا ہے اسی لیے وہ ابتداء کسی مسلمان پر عائد نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر خراجی زمین خریدے اور اپنے کو خراج کی عقوبت میں گرفتار کر لے تو الگ بات ہے اسلام اس پر پابندی بھی عائد نہیں کرتا۔

۳۔ عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اگر کوئی زمین قابل کاشت ہونے کے باوجود مالک زمین کی سستی یا کسی غدر کی بنا پر آباد نہ ہو سکی اور مالک کو اس سے کوئی پیداوار نہ حاصل ہو سکی تو اس پر عشر واجب نہ ہوگا یا پیداوار ہوئی مگر اس کو سمیٹنے سے قبل ہی کسی آفت سمدی یا زنی کی بنا پر وہ تباہ ہو گئی تو اس سے عشر ساقط ہو جائے گا، جب کہ خراج کے بارے میں تفصیل ہے کہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خراج موظف (۲) خراج مقاسمہ

خراج موظف وہ خراج ہے جو سالانہ ٹیکس کے طور پر کوئی نقد مقرر ہو خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو۔ اور خراج مقاسمہ یہ ہے کہ پیداوار کی مخصوص شرح حکومت کو مطلوب ہو جو عام حالات میں خمس (پانچویں حصہ) سے کم نہیں اور نصف سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ان دونوں قسموں میں سے خراج موظف کا تعلق واقعی پیداوار سے نہیں ہوتا بلکہ زمین کی صلاحیت و قابلیت سے ہوتا ہے خواہ زمین آباد ہو سکے یا نہ ہو سکے، یہ خراج بہر صورت ادا کرنا ہوگا اگر مالک زمین کسی غفلت و کوتاہی کی بنا پر زمین



قابل کاشت ہونے کے باوجود آباد نہ کر سکا تو بھی اس پر حصر راج لازم رہے گا الا یہ کہ کسی آفتِ سماوی یا ارضی یا عذرِ شدید کی بنا پر یہ ہوا ہو تو اس کا خراج معاف ہو جائے گا۔ (۱۱)

البتہ خراج مقامہ جو ایک طرح سے حکومت کے ساتھ بٹائی کا معاملہ ہے اس کا تعلق فی پیداوار سے ہے، اگر کسی بنا پر زمین میں پیداوار نہ ہو سکی تو حصر راج معاف ہو جائے گا۔ (۱۲)

اس خراج میں ایک بات یہ بھی ہے کہ فصل کے وقت یہ خراج ادا کرنا پڑے گا خواہ سال میں تین بار ہو، جب کہ خراج مؤلف سال میں صرف ایک بار ادا کرنا پڑتا ہے خواہ سال میں کتنی ہی بار فصل ہوئی ہو۔ (۱۳)

۴۔ عشر و خراج کے مابین ایک فرق اس لحاظ سے بھی ہے کہ عشر میں مالک زمین یا کاشت کار کی محنتوں کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے اگر مالک زمین کو پانی خرید کر یا اخراجات ادا کر کے لانا پڑا اور اس کاشت میں کافی محنت و مشقت اور مصارف برداشت کرنے پڑے تو بیسواں حصہ واجب ہوگا۔<sup>(۱۴)</sup> جب کہ خراجی زمینوں میں اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

۵۔ عشر و خراج میں پانی کی نوعیت سے بھی فرق پڑتا ہے اگر زمین بارش کے پانی، کنوؤں، قدرتی چشموں یا دریاؤں اور ندیوں (جو قدرتی طور پر جاری ہیں نہ کہ ان کے جاری کرنے میں کسی کا دخل رہا ہو اور نہ وہ کسی کی ملک ہوں مثلاً عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں جیحون و کیون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا وغیرہ) سے سیراب کی گئی ہو اور کل یا غالب حصہ اسی قسم کے پانی کا لگا ہو تو اس زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، لیکن اگر زمین کو ان ندیوں، نہروں اور دریاؤں سے سیراب کیا گیا جن کو کسی نے کھودا اگر جاری کیا ہو یا کسی کی ملکیت میں ہو وہ زمین اگرچہ مسلمان کی ملکیت میں ہو مگر خراجی سمجھی جائے گی اور اس پر خراج ہی لازم ہوگا۔ (۱۵)

۶۔ عشر و حصر راج کے درمیان زمین کے لحاظ سے بھی فرق پڑے گا دونوں کے لیے کچھ مخصوص نوعیت کی زمینیں ہیں جس زمین میں عشر واجب ہوگا اس میں خراج واجب نہیں ہو سکتا اور جس میں خراج واجب ہوگا اس میں عشر نہیں۔

## عشری زمین

(۱۱) جسذریۃ العرب کی ساری زمین عشری ہے۔<sup>(۱۶)</sup>

(۱۱) رد المحتار، ۴۶۲، تحفۃ الفقہاء، ۳۹۰، بدائع الصالحات، ۵۳۶، ۱۲۱، مشامی، ۲۷۶، (۳) تحفۃ الفقہاء، ۳۹۶، رد المحتار، ۵۵۶

(۳) تحفۃ الفقہاء، ۳۹۶، بدائع الصالحات، ۵۳۶، مشامی، ۲۷۶، (۵) تحفۃ الفقہاء، ۳۹۲

تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ علاقے شامل ہیں:

تہامہ - نجد - حجاز - عرصہ - یمن۔

حجاز کی جنوبی جانب کا نام "تہامہ" ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے، اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچتا ہے اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل "عمان" شامل ہے، اور عرصہ یمامہ سے بحرین تک ہے یمن میں عدن بھی داخل ہے۔ (۱)

۲۔ اسی طرح وہ زمین بھی عشری ہے جس کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہو اور اسلامی حکومت نے ان کی زمینات کو انہی کی ملکیت میں بدستور رہنے دیا، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین یا کوئی بھی ایسا ملک جس کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہو، مکہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے اگرچہ وہ معمولی جنگ کے بعد فتح ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ احسان مکہ والوں کی زمین کو بھی عشری قرار دیا۔ (۲)

۳۔ وہ زمینیں بھی عشری ہیں جن کو بزور شمشیر فتح کر کے ختمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہو، چوں کہ یہ زمینیں ابتداً مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں اس لیے ان پر عشر کا وظیفہ عائد کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ (۳)

۴۔ اسی طرح وہ لاوارث اور غیر آباد زمینیں جو حکومت نے کسی مسلمان کو بطور جاگیر مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دی ہو تو یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔ (۴)

۵۔ وہ زمینیں جو ناقابل زراعت تھیں اور ان کا کوئی مالک نہ تھا ان کو کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے آباد کیا تو امام محمدؒ کے اصول کے مطابق اگر عشری پانی سے سیراب کی گئی ہوں تو عشری ہوں گی اور خراجی پانی سے کی گئی ہوں تو خراجی ہوں گی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق اگر زمین کے آس پاس عشری زمینیں ہوں تو وہ زمین بھی عشری ہوں گی اور اگر خراجی ہوں تو خراجی ہوں گی اور اگر آس پاس دونوں زمینیں ہوں تو وہ زمین عشری قرار پائے گی۔ (۵)

## خراجی زمینیں

(۱) وہ زمین خراجی ہے جس کو بزور فتح کیا گیا ہو اور اس کے مالک کا قبضہ برقرار رکھا گیا ہو

(۱) تحفۃ الفقہاء، ۴۶۲، (۲) جواہر الفقہ، ۲۵۱، بحوالہ ردالمحتار بابا عشر و الخراج (۳) تحفۃ الفقہاء، ۴۹۲، کتاب الاموال

(۴) تحفۃ الفقہاء، ۴۹۲، کتاب الاموال (۵) ردالمحتار، ۲۶۶



بشرطیکہ اس قسم کی زمینوں کے مالکین ملک کے فتح ہوتے ہی مسلمان نہ ہو گئے ہوں۔ خراج کے مقرر ہو جانے کے بعد اگر وہ مسلمان بھی ہو جائیں تو بھی خراج ساقط نہ ہوگا، مثلاً عراق، اہواز، فارس، اصبہان، رے اور شام کے علاقے۔  
 (۲) اسی طرح وہ زمینیں بھی جن کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا گیا ہو اور وہ دوسرے مالکین کے حوالے کر دی گئی ہوں۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو صلح نامے میں جو شرائط ہوں گی ان کا پاس دلحاذا کرنا لازمی ہوگا اگر صلح میں یہ طے ہوا کہ ملک کی زمینیں ان کے مالکین کے قبضے میں بدستور رہیں گی اور اسلامی حکومت ان کو ضبط نہیں کرے گی تو ان زمینوں پر خراج متعین کر دیا جائے گا اور وہ زمینیں خراجی قرار پائیں گی مثلاً عہد نبوی کی مفتوحات میں نجران، ابلہ، دومتہ الجندل، فذک وغیرہ اور بعد کی فتوحات میں آرمینیا کے بعض علاقے اور خراسان کا اکثر حصہ وغیرہ۔ (۱)

(۴) وہ زمین بھی خراجی ہوگی جو غیر آباد تھی اور کسی مسلمان نے اس کو خراجی پانی کے ذریعے آباد کیا۔  
 (۵) اسی طرح وہ غیر آباد زمینیں بھی خراجی ہیں جن کو کسی غیر مسلم شہری نے حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو یا کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں اچھی کارکردگی کے صلے میں حکومت نے دی ہوں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ (۲)

(۶) وہ زمین جس پر کسی غیر مسلم کارہائشی مکان تھا مگر اس نے اس کو توڑ کر باغ میں تبدیل کر دیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔  
 (۷) اور اگر کسی عسری زمین کو کسی غیر مسلم نے مسلمان سے خرید لی تو یہ زمین عسری نہیں رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔ (۳)

## خراج کی مقدار اور نوعیت

خراج کی دو قسمیں ہیں: خراج موظف اور خراج مقاسمہ

(۱) خراج مقاسمہ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ یہ بٹائی کی ایک قسم ہے کہ حکومت اسلامیہ غیر مسلموں کی زمینیں انہی کی ملکیت میں چھوڑ دے اور ان پر کل پیداوار کا ایک مخصوص حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دے خراج کی یہی وہ شکل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ اختیار فرمائی تھی۔ اس خراج کا حکم

(۱) کتاب الاموال ۵۱۴ و کتاب الخراج لابن یوسف ۶۹ (۲) تحفۃ الفقہاء ۴۹۴-۴۹۳

(۳) تحفۃ الفقہاء ۴۹۴



وعمولی کے باب میں عشر کی طرح ہے کہ جس طرح عشر کا تعلق خالص پیداوار سے ہے اس کا تعلق بھی پیداوار سے ہے پیداوار نہ ہونے کی صورت میں عشر کی طرح یہ بھی ساقط ہو جائے گا، البتہ مصارف کے باب میں یہ عشر سے جدا گانہ حکم رکھتا ہے عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، جب کہ خسراج کے مصارف تمام امور خیر ہیں۔ (۱)

(۲) خسراج مؤظف یہ ہے کہ زمین کی صلاحیت کے لحاظ سے سالانہ ٹیکس مقرر کر دیا جائے اس صورت میں خواہ

پیداوار ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کو یہ خراج ادا کرنا پڑے گا۔

خراج مؤظف کی مقدار کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ منقول ہے کہ

واما اذا اراد الامام توظيف الخراج على ارض ابتداء و زاد على وظيفه عرفانه لايحوز

عند ابي حنيفة وهو الصحيح لان عمر لم يزد لعا خبر بزيادة الطاقة - (۲)

امام کسی زمین پر ابتداء خراج لگانے کا ارادہ کرے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عمرؓ کی مقدار سے لگانا جائز نہیں

وہ صحیح ہے اس لیے کہ خسراج کے زیادہ طاقت رکھنے کے باوجود حضرت عمرؓ نے خراج نہیں بڑھایا۔

۱۔ فی فتح کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ سے جویمائش کے ماہر تھے عراق کی پیمائش

کرائی جس کی نڈائی حضرت حدیفؓ نے کی تو پہاڑ جنگل اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین کا کل رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ

اسبان میں سے شاہی جاگیروں، آتش کدوں کے اوقاف، الادارثوں، مغروروں اور باغیوں کی جائدادوں

اور زمینوں، شاہراہوں، درواک کے مصارف کی زمینوں اور جنگل کو خالص قرار دے کر رباہ عام کے لیے وقف کر دیا جس کا

تقریباً لاکھ سالانہ ہوتا تھا اور باقی تمام زمینوں کو مالکان کی ملکیت تسلیم کر کے ان پر حسب ذیل خراج مقرر فرمائے۔

| اہل ہوں | فی جریب | (سواد و بیگمہ خام) | پون بیگمہ پختہ | ۲ درم |
|---------|---------|--------------------|----------------|-------|
| چتر     | ۱       | ۱                  | ۱              | ۱     |
| میشکر   | ۲       | ۲                  | ۲              | ۲     |
| رونی    | ۳       | ۳                  | ۳              | ۳     |
| انگور   | ۴       | ۴                  | ۴              | ۴     |
| کھجور   | ۵       | ۵                  | ۵              | ۵     |

ترکاری      فی جریب      (سواد و بیگہ خام)      پون بیگہ پنچہ      ۸ درہم

اور عمدہ پیداوار اور عمدہ زمینوں کے اعتبار سے کسی کسی جگہ گیسوں پر فی جریب چار درہم اور جو پر دو درہم خراج مقرر ہوا، اس شرح سے حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم تھا۔

مصر کی حالت پیداوار نیل کے سبب سے چوں کہ بہت عمدہ رہتی تھی اس لیے وہاں کے لگان کی شرح اس سے زیادہ مقرر کی گئی تھی مگر اس اصول کے ساتھ کہ لگان کم سے کم ہو، زیادہ سے زیادہ نہ ہو اور چوں کہ نیل کی طغیانی اور غیر طغیانی سے سالانہ پیداوار میں فرق پڑتا تھا اس لیے ہر سال جب ادائے گی قسط کا وقت آتا تھا تو مقامی زمیندار، مکھی، کاشت کار اور ماہرین تخمینہ کو جمع کر کے سب کے مشورہ سے تخمینہ کرایا جاتا تھا۔ (۱)

ترکاری کے بارے میں صاحب ہدایہ کی تصریح یہ ہے کہ فی جریب پانچ درہم خراج حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا تھا۔ اسی کو ہمارے اکابر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی رشید احمد صاحب پاکستان نے بھی اختیار کیا ہے۔<sup>۲</sup> علامہ سمرقندی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (۴)

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت عمرؓ نے مقرر نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہائے کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ زمین کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے گا، جو شمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو اور اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں ہے تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔ (۵) اور اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار کی شرح اندازے سے کہیں زیادہ ہے تو مقررہ خراج میں اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے مناسب اضافہ کر دیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ (۶)

بحر الرائق کے حوالے سے پیچھے حضرت عمرؓ کا معمول اور امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ اندازہ سے بڑھ جانے کی صورت میں خراج موظف کی مقدار میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں خراجی زمینوں کی شرح پیداوار اندازے سے کافی بڑھ گئی تھی مگر پھر بھی حضرت عمرؓ نے اس میں اضافہ نہ فرمایا۔ (۷)

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام مولانا حفیظ الرحمن صاحب بحوالہ کتاب المخرج ۳۶/۲۸۱ (۲) ہدایہ ۱/۵۹۲ (۳) جواہر الفقہ ۲/۲۸۶

واعین الفتاویٰ ۳۴۶/۳۴۶ (۴) تحفۃ الفقہاء ۱/۴۹۹ (۵) ہدایہ باب العشر، الفروع کتاب السیر

(۶) تحفۃ الفقہاء ۱/۵۰۱ (۷) بحر الرائق ۱/۱۱۷

خراج کے باب میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر فتح کے وقت خراج موظف عالم کیا گیا تھا تو بعد میں حکومت مالکین اراضی کی مرضی کے بغیر اس کو منسوخ کر کے خراج مقاسمہ عالم نہیں کر سکتی اسی طرح اس کے برعکس بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں عہد شکنی لازم آئے گی البتہ رضامندی کی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱)

## ارضی ہندوپاک کا شرعی حکم

(محو رجہ ہارم)

یہ اسلام کے نظام عشر و خراج کی ملکی سی جھلک تھی جو پیش کی گئی، پوری تفصیل فقہ کی مبسوط کتابوں میں موجود ہے اصل مسئلہ جو اس روشنی میں ہمیں طے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوپاک کے اراضی کا شرعی حکم کیا ہے؟ مگر اس کے شرعی حکم کی دریافت کے لیے چند سوالات کا حل ہونا ضروری ہے مثلاً

۱۔ مشترکہ ہندوستان سب سے پہلے جس وقت محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا اس وقت یہاں کی زمینیں ان کے مالکین کے پاس چھوڑ دی گئیں یا حکومت کی تحویل میں آنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں؟  
۲۔ اور اگر ان کے مالکوں کے پاس ہی وہ زمینیں چھوڑ دی گئیں تو وہ فتح کے وقت ہی مسلمان ہو چکے تھے یا حالت کفر پر برقرار رہے؟

۳۔ محمد بن قاسم نے ان زمینوں پر کس قسم کا حاکم مقرر کیا تھا اور اس کی مقدار کیا تھی؟  
۴۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کی حدود کیا تھیں، ہندوستان کے دوسرے علاقے جو بعد میں فتح ہوئے ان کے ساتھ مسلم حکمرانوں نے کیا معاملہ کیا؟

۵۔ محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان کی زمینوں کی پوزیشن کیا رہی؟ حکومتوں کے انقلابات یا بغاوتوں کے مثبت یا منفی اثرات ان پر پڑے یا نہیں؟

۶۔ صدیوں کی طویل اسلامی حکومت کے بعد انگریزی تسلط سے یہاں کی زمینوں کی حیثیت پر کیا فرق پڑا؟  
۷۔ اور پھر آزادی اور تقسیم کے نتیجے میں ہندوستان اور پاکستان کی زمینوں کی پوزیشن کیا بنی؟  
یہ وہ سوالات ہیں جن کو حل کیے بغیر ارضی ہند کا شرعی حکم دریافت کرنا بہت مشکل ہے، مگر افسوس



کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے بہت کم سوالات ہیں جن کے جوابات ہم معلوم کر سکے ہیں، علمائے کرام نے بہت کم اس موضوع پر رسالے لکھے ہیں اور جن حضرات نے لکھے بھی ہیں تو پورے ہندوستان کے حالات پر نہیں بلکہ کسی خاص خطے کے حالات پر لکھے ہیں، جو کتابیں یا مقالات دیکھنے یا سننے میں آئیں وہ سب زیادہ سے زیادہ آرمینی ہند کے حالات سے بحث کرتے ہیں جن کی حدود میں سندھ کے علاوہ ملتان، بہاولپور اور پنجاب شامل تھے بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جز قرار دیا گیا تھا، ان کے علاوہ باقی ہندوستان جو بعد کے ادوار میں فتح ہوا ان کے حالات کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ملتی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب ”اسلام کا نظام آرمینی“ کے چھٹے باب میں ہندوپاک کی زمینوں پر بحث کرتے ہوئے مولانا ہمایونی رح کے ایک فلمی رسالہ ”سراج الہندی تحقیق خراج السندہ کا حوالہ دیا ہے اور جابجا اس کے اقتباسات بھی نوٹ کیے ہیں۔

محقق ہمایونی کے بارے میں تاریخی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے کہ وہ کون تھے؟ کیا تھے؟ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کا ہے۔

محقق ہمایونی نے اپنی کتاب میں جن کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مخدوم عبدالواحد سیوستانی رح کی کتاب ”بیاض واحدی“

(۲) شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب ”رفع الغریۃ“

(۳) مخدوم محمد عارف کی ایک بیاض

(۴) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب ”اتحاف الاکابر“

ان علماء میں شیخ ابوالحسن سندھی کو ابوالحسن دہری بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ راجہ داہر کی نسل سے ہیں، راجہ داہر قدیم ہندو سندھ کا حکمران تھا، محمد بن قاسم کے مقابلے میں اس کو شکست ہوئی، بعد میں راجہ داہر کا بیٹا جیسے مسلمان ہو گیا تھا سنا گیا ہے کہ ابھی تک سندھ میں ایک قوم ”دہری“ کے نام سے موسوم ہے جس کو لوگ عموماً ڈیری کہنے لگے ہیں، ممکن ہے کہ شیخ ابوالحسن سندھی اور یہ ڈیری قوم جیسے کی اولاد ہوں۔<sup>(۱)</sup>

محقق ہمایونی کے اس رسالہ کی بنا پر سندھ کے بارے میں صورت حال کافی واضح ہو گئی ہے اور علماء نے

اس کی روشنی میں بہت حد تک یقین کے ساتھ اراضی سندھ کے متعلق کلام کیا ہے اگر ہندوستان متحد ہونا اور تقسیم نہ ہوا ہوتا تو صرف ایک اندازے بحث کی جاسکتی تھی مگر تقسیم کے بعد مسلم اور غیر مسلم ملکوں (پاکستان اور ہندوستان) میں بٹ جانے کی بنا پر بہت سی نئی شکلیں پیدا ہو گئی ہیں۔

## ارضی پاکستان

- ۱۔ تقسیم کے بعد غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان کے درمیان تبادلہ اراضی کا معاہدہ ہوا تھا مگر جلد ہی ٹوٹ گیا اور وہ تمام زمینیں حکومت کے میرت المال کی ملک میں آ گئیں، پھر جب پاکستان نے وہ زمینیں مسلمانوں کے حوالے کیں تو ابتداء مسلمانوں پر عشر ہی واجب ہوتا ہے اس لیے وہ زمینیں عشری قرار پائیں گی۔
- ۲۔ غیر مسلموں کی متروکہ غیر آباد اراضی جو حکومت پاکستان نے کسی مسلمان کو عاریت یا اجارہ یا مزارعت کے طور پر دی ہوں نہ عشری ہیں نہ خراجی، اس لیے کہ یہ اراضی سلطانیہ میں داخل ہیں جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

وهذا نوع ثالث یعنی لا عشریة ولا خراجیة من الاراضی تسمى ارض الممکة وارضی الحدود وھومات اربابہ بلا وارث وآن لیت المال او فتح غنوة وابتی للمسلمین الی یوم

القیامۃ - ۱۱

- اور حکومت جو کچھ لگان ایسی زمینوں پر سے وصول کرتی ہے وہ اجرت الارض ہے عشر و خراج نہیں۔ (۲)
- ۳۔ اسی طرح وہ اراضی جو پاکستان بننے سے پہلے غیر آباد تھیں کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں پھر انگریزی حکومت نے اب رسائی کے مسائل مہیا کر کے وہ زمینیں قیمتاً یا بلا قیمت مسلمانوں کے درمیان مالکانہ طور پر تقسیم کر دیں تو وہ عشری ہیں اور جو غیر مسلموں کو دی گئیں وہ خراجی ہیں۔
- ۴۔ اسی طرح جو غیر آباد زمینیں حکومت پاکستان نے اپنے قیام کے بعد مسلمانوں کو بہ قیمت یا بلا قیمت مالکانہ طور پر دیں وہ بھی عشری ہیں بشرطے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق اس پاس کی زمینیں بھی عشری ہوں یا عشری و خراجی دونوں طرح کی زمینیں ہوں اور اگر قرب و جوار میں ساری زمینیں خراجی ہوں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

اور امام محمدؒ کے اصول کے مطابق ان غیر آباد زمینوں کو اگر عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو یہ عشری ہوں گی اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو خراجی ہوں گی۔

علامہ شامیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کے بارے میں کہا کہ  
وبالاول یفتی درمنتهی (۱) — اور فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

۵۔ ان اراضی کے علاوہ پاکستان کی وہ زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں ہیں وہ بلاشبہ خراجی ہیں۔

## اراضی ہند

۱۔ تقسیم کے بعد مسلمانوں کی متروکہ زمینیں حکومت ہند نے عموماً ان غیر مسلموں میں تقسیم کر دی تھیں جو پاکستان چھوڑ کر ہندوستان آئے تھے یہ زمینیں کافر کی ملکیت میں جانے کی بنا پر خراجی ہیں۔

۲۔ اسی طرح وہ زمینیں جو حکومت ہند نے مسلمانوں میں تقسیم کیں وہ بھی خراجی ہیں اس لیے کہ حکومت کافرہ کا استیلاء ان پر بہر حال ثابت اور اس کی وجہ سے اگر کوئی زمین عشری بھی ہوتی تو خراجی بن جاتی۔

ہندوستان اور پاکستان کی یہ زمینیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ان کے احکام کے بارے میں کوئی کلام نہیں ہے محل کلام ان کے علاوہ وہ زمینیں ہیں جو تقسیم کے قبل سے ہی مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور نسلًا بعد نسل وہ مسلمانوں ہی کی ملک میں چلی آرہی ہیں ان کے عشری و خراجی ہونے کا مدار اس تحقیق پر ہے کہ ہندوستان کی اولین فتوحات کے وقت وہ کس کی ملک میں تھیں، اگر وہ کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئیں یا مالک زمین فتح کے وقت ہی بخوشی مسلمان ہو گیا تو وہ عشری ہوں گی اور اگر وہ ہندو مالک کے قبضہ و ملک ہی میں رہیں اور ان پر حشر اچھا کیا گیا پھر اس نے مسلمانوں نے خریدا یا کسی جائز صورت سے حاصل کیا تو وہ خراجی ہوں گی۔ یا یہ صورت ہوئی کہ اول فتح کے وقت یہ غیر آباد اور کسی کی ملک میں نہ تھیں کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے ان کو آباد کیا اور عشری پانی سے سیراب کیا تو یہ زمینیں عشری ہوں گی اور خراجی پانی سے سیراب کیا تو خراجی ہوں گی یا ایسا ہوا ہو گا کہ یہ زمینیں غیر آباد رہیں ہوں گی اول فتح کے بعد کسی غیر مسلم نے ان کو حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو اور پھر مسلمان نے ان کو خریدا کر یا کسی جائز صورت سے ان کو حاصل کر لیا ہو تو یہ خراجی ہوں گی۔



مگر مشکل یہ ہے کہ پورے ہندوپاک میں مسلمان کی زمین کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ یہ زمین کس نوعیت سے اس کے پاس آئی کوئی آسان نہیں ہے وہ بھی جب کہ اس واقعہ پر صدیاں بیت رہی ہوں — ایسی صورت حال میں اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ جن علاقوں کی زمینوں کے بارے میں صورت حال معلوم ہو ان کے بارے میں اسی حساب سے فیصلہ کیا جائے اور جن علاقوں کے بارے میں یہ تفصیلات معلوم نہ ہوں وہاں استعجاب حال کو دلیل راہ بنایا جائے۔

محقق ہمایونی کی تحقیق کے مطابق سندھ کے اکثر علاقے (بعض علاقوں کا استثناء کر کے) بزور شمشیر فتح کیے گئے اور اس کی زمینیں وہاں کے رہنے والوں کی ملکیت میں برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر کیا گیا جو ہمایونی کی تصریح کے مطابق پیداوار کا پانچواں حصہ تھا، صرف بعض علاقے ایسے تھے جن کے باشندے اول فتح کے وقت ہی بخوشی مسلمان ہو گئے تھے، مثلاً مردم چنہ اور برہمن آباد وغیرہ کا علاقہ، تو ان علاقوں کی زمینیں عشری میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ہمایونی کے رسالے کے چند اقتباسات نقل کر دیے جائیں۔

قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السندکان فی سنة ثلاث وتسعين وکان عنوة

الامردم چندہ اسلموا طوعاً علی ما صرحوا بہ فی التاریخ۔

کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۹۳ھ میں جنگ و جہاد کے بعد ہوئی بجز مقام مردم چنہ کے

جنہوں نے تاریخی مراعت کے مطابق اول فتح کے وقت ہی بخوشی اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد علامہ ہمایونی اپنا فیصلہ تحریر کرتے ہیں :

”ازاں امت فقہائے اسلام آں روئے آب را کہ در تعرف مردم چندہ بود عین حق گویند (اسی بنا پر فقہائے اسلام

نے اس پوری ساطلی پٹی کو جواہل مردم چنہ کے تعرف میں تھی عشری قرار دیا ہے۔“

علامہ ہمایونی نے مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب ”بیان واحدی“ سے ایک عبارت نقل کی ہے کہ

مخدوم عبدالواحد نے شیخ ابوالحسن سندھی کے حوالے سے لکھا ہے :

ما سمعت من احد وما وجدت من کتاب ان محمد بن قاسم وضع العشر

علی ارض السند ولو وضع لنقل۔

میں نے کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا کہ محمد بن قاسم نے — جو کی زمینوں پر عشر لگایا ہوا اور اگر وہ

عشر لگاتے تو یقیناً ان کا حکم نافذ ہوتا اور وہ معروف و مشہور ہوتا۔

اس عبارت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ سندھ کی زمینوں پر اول فتح کے وقت عشر نہیں لگایا گیا تھا، ہمایونی نے

مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

الظاهر ان ارض السند والهند خراجية وخراجها الخمس كما حققه الشيخ المحقق  
الدهری فی رسالته للمعامة برفع الغریبة ونقل فیها عن جامع الفتاوی النامری  
ان ارضنا عشریة ولكن صنع هذا النقل - (۱)

ظاہر ہے کہ سندھ و سندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور ان کا خراج پیداوار کا پانچواں حصہ ہے جیسا کہ محقق دہری (شیخ  
ابوالحسن سندھی) نے اپنے رسالہ ”رفع الغریبہ“ میں ذکر کیا ہے اور اسی رسالہ میں جامع الفتاوی النامری کے حوالے  
سے یہ نقل کیا ہے کہ ہمدانی زمینیں (یعنی سندھ کی) عشری ہیں، لیکن مصنف رسالہ نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا۔

خواجہ مخدوم عارف کی اس عبارت میں بھی مدار تحقیق شیخ ابوالحسن سندھی ہی ہیں، اس عبارت میں خواجہ ابوالحسن  
کی تحقیق مراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں خراجی ہیں، مگر ہند سے مراد یہاں ہندوستان کے  
صرف وہ علاقے ہیں جو محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت سندھ میں شامل تھے، البتہ شیخ ابوالحسن نے جامع الفتاوی  
النامری کے بیان پر جو تنقید کی ہے وہ محل کلام ہے۔ صاحب فتاوی نامری نے اپنے علاقے کے بارے میں خبر دی  
ہے کہ ہمارے علاقے کی زمینیں عشری ہیں اس کو ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیوں کہ شیخ ابوالحسن کو جب  
خود یہ تسلیم ہے کہ سندھ کا پورا علاقہ خراجی نہیں ہے بلکہ بعض علاقوں کے لوگ اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے  
تھے، مثلاً خود انھوں نے مردم چیمہ کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے اول فتح کے دن ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔  
اسی طرح مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت ”برہمن آباد“ کے متعلق بھی کچھ اس قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا  
ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ بھی فتح کے وقت مسلمان ہو گئے تھے، اسی طرح بلاذری نے تاریخی حوالوں کی روشنی میں یہ بھی لکھا  
ہے کہ سندھ کے بعض علاقے مجاہدین کو جاگیر کے طور پر دیے گئے تھے اور مالکانہ طور پر ان کا قبضہ ان اراضی پر کر دیا گیا تھا۔  
اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے آخری عہد میں جب اسلامی  
حکومت کی گرفت سندھ پر ڈھیلی پڑی تو راجہ داہر کے بیٹے جیسیمہ نے بغاوت کر کے برہمن آباد پر قبضہ کر لیا اور خود مختار  
بادشاہ بن گیا اس کو دیکھ کر سندھ کی دوسری متعدد ریاستوں کے راجا بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے، یعنی سندھ کے  
یہ علاقے ایک بار پھر دار الحرب بن گئے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا دور آیا تو انھوں نے ان راجاؤں کے نام



طوط لکھے جس میں اول ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی پھر اطاعت کی، راجہ داہر کا بیٹا اس غائبانہ دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ دوسرے راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا اس طرح سندھ کے یہ علاقے دوبارہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں اس شان سے آئے کہ ان کے باشندے مسلمان تھے اور ان کی تمام زمینیں ان کی ملکیت میں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہی نو مسلم راجاؤں کو ان ریاستوں کا گورنر مقرر کیا اور ان کی زمینیں ان کی ملکیت میں برقرار رکھیں اسی صورت میں ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں کی زمینوں پر حنراج عائد نہیں کیا جاسکتا تھا، قاعدہ کے مطابق یہ زمینیں عشری ہی ہوں گی۔ (۱)

اس کے علاوہ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سے نئے شہر اور نئی بستیاں بسائی گئیں، ان کی زمینوں کے مالک ابتداءً مسلمان ہی ہوئے جنہوں نے حکومت کی اجازت سے ان کو آباد کیا اور بہت سی زمینیں عشری پانی سے سیراب کی گئیں تو یہ زمینیں بھی قاعدے کی رو سے عشری قرار پائیں گی۔

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ خود سندھ کا بھی ایک بڑا علاقہ عشری ہے۔ اس لیے سندھ کی صرف انہیں زمینوں پر حنراج عاید کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں یقین یا گمان غالب کے ساتھ معلوم ہو کہ یہ فتح اول کے وقت غیر مسلموں کے ملک میں رہیں اور بعد میں ہونے والی بغاوت میں وہاں کے لوگ شریک نہیں ہوئے تھے اور اس طرح اسلامی حکومت کی تشکیل کے وقت وہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن جن علاقوں کے بارے میں معلوم ہو کہ یہاں کے لوگ فتح اول کے وقت ہی مسلمان ہو گئے یا بعد میں ہونے والی بغاوت میں شرکت کے بعد اسلام لے آئے تھے ان کو عشری ہی کہنا ہوگا، جب تک کہ اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ درمیان میں ان زمینوں کے کسی حصے کو کسی غیر مسلم نے حنرید لیا تھا اس کے بعد مسلمان سمجھا سہا۔

اسی طرح سندھ یا ہندو پاک کی بقیہ وہ تمام اراضی جو بعد کے ادوار میں مفتوح ہوئیں اور جن کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں اور وہ نسلاً بعد نسل مسلمانوں ہی کے قبضے میں چلی آرہی ہیں اور درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے تو ان کو استعصاب حال کی بنا پر عشری ہی قرار دیا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ یہ زمینیں اول فتح کے وقت ہی سے مسلمانوں کے قبضے میں چلی آرہی ہیں۔

حضرت شاہ جلال تھا نیسری رح نے اپنی کتاب "احکام الاراضی" میں یہی ثابت کیا ہے کہ آج جو زمینیں مسلمانوں



کے پاس ہیں وہ عشری ہیں اور ان کے عشر کو محض اس بنا پر مشتبہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستان کی زمینوں کے ابتدائی مالکان غیر مسلم تھے پھر مسلمان ان کے ابتدائی مالک کیسے بن گئے؟ — اس لیے کہ اس مقام پر جہاں اور بہت سے احتمالات ہیں وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ زمینیں غیر آباد یا لاوارث ہو کر اسلامی حکومت کے بیت المال کی ملکیت میں چلی گئی ہوں پھر حکومت اسلامیہ نے کسی مسلمان کو ان خود یا فرمائش کی بنا پر یہ زمینیں جاگیر کے طور پر یا قیمت کے ساتھ دے دی ہوں اور اس طرح ان کا پہلا مالک مسلمان بنا ہو۔ (۱)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا صرف پاکستان کی اس قسم کی آرامنی کے بارے میں یہی خیال ہے، حضرت تھانویؒ نے بھی امداد الفتاویٰ میں ہندوپاک کی ان تمام زمینوں کو عشری قرار دیا ہے جو نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے پاس چلی آ رہی ہیں اور دلیل وہی استصحاب حال ہے (۲) — یوں امداد الفتاویٰ میں حضرت کے مختلف الجواب فتاویٰ منقول ہیں مگر حضرت کا رجحان عشری ہونے کی طرف ہے۔

مفتی رشید احمد پاکستانی نے بھی احسن الفتاویٰ میں اسی قسم کی بات لکھی ہے اور حضرت تھانویؒ کے موقف کی تائید کی ہے۔ (۳)

## حقیقت واقعی

لیکن اگر ہم کتب تاریخ کی مراجعت پر نظر رکھیں کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی عہد اور غوری حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر سراج عالم کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام آرامنی" کے باب دوم میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ اگر یہ تحقیق درست ہے تو ہندوستان کی بقیہ آرامنی کے بارے میں کم از کم اتنی بات ماننی پڑتی ہے کہ ان کے اولین مالکین غیر مسلم ہی تھے اور بعد کے ادوار میں اسلامی تبلیغ کے زیر اثر وہ خود ہی مسلمان ہوئے جیسا کہ حضرت خواجہ اجیری رح کے بارے میں مشہور ہے یا یہ کہ ان غیر مسلموں سے مسلمانوں نے خرید لیا یا کسی جائز صورت سے حاصل کیا۔ اس لحاظ سے ہندوستان کی آرامنی عموماً خرابی ہیں۔

یہ امکان ضرور ہے کہ بعض علاقوں کے اراضی مسلمان مجاہدین کو اولین فاتحین نے بطور عطا و جاگیر یا بہ قیمت دیے ہوں اور یہ بھی امکان ہے کہ ان اراضی کے اولین مالکین اگرچہ غیر مسلم تھے مگر ہو سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں یہ الادارت اور غیر آباد ہو گئی ہوں اور حکومت کی تحویل و ملک میں جانے کے بعد مسلمانوں کو عطا کے طور پر یا قیمت کے ساتھ دے دی گئی ہوں۔ مگر جب تک ان امکانات کے لیے کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا یا ان امکانات کو واقعہ کا درجہ دے کر ان اراضی کو عشری قرار دینا مشکل ہے، یہ امکانات محض احتمالات ہیں ان احتمالات کی بنا پر تاریخ کے معلوم حقائق کو رد کر دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے مناسب معلوم پڑتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی کو بالعموم خراجی قرار دیا جائے گجرات، راجپوتانہ اور پنجاب کے علاقے محمد بن قاسم ہی عہد میں فتح ہوئے تھے اور شیخ ابوالحسن سندھی کی تحقیق کے مطابق محمد بن قاسم نے اپنی مفتوحہ اراضی پر حصر (خمس) مقرر کیا تھا، اس کے بعد اگرچہ جیسید کی بغاوت کے نتیجے میں سندھ کی کئی ریاستوں کے حکمرانوں نے بغاوت کی مگر تاریخ سے یقین کے ساتھ معلوم نہیں پڑتا کہ گجرات اور پنجاب بھی اس میں شامل تھے یا نہیں؟۔ برہمن آباد کا تذکرہ فتوح البلدان میں موجود ہے اس لیے اس کی حد تک علاقے کو عشری قرار دیا جاسکتا ہے مگر ابن جزری نے جن دیگر ریاستوں کا ذکر کیا ہے ان میں گجرات اور پنجاب کا ہونا کوئی یقینی نہیں ہے اس لیے یہ علاقے بھی ہندوستان کی دیگر اراضی کی طرح خراجی ہوں گی۔ بہار میں درہنگہ مدھوبنی، سمستی پور، کھگڑیا اور بیگوسرائے کے علاقوں کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ درہنگہ مبارجہ کی جاگیر تھے اور ان علاقوں کے تمام کاشت کار اس کی رعایا سمجھے جاتے تھے، مبارجہ کے انتقال یا زمینداری کی تسلیح کے بعد لوگوں نے اپنے طور پر ان زمینوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو آباد کرتے رہے اس لیے اس پورے علاقے کی زمینیں بلاشبہ حصر خراجی ہیں۔

ہندوستان کی اراضی کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا آخری فیصلہ یہی ہے<sup>(۱)</sup>۔

## ہندوستانی اراضی میں خراج کی شرح

البتہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہندوستان کی اراضی بالعموم خراجی ہیں یہ سہل تھا ہے کہ خراج کی کون سی قسم ان اراضی پر عائد ہوگی؟ خراج مقاسمہ یا خراج مؤظف؟



اس کے جواب کے لیے بھی ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ ہمایونی کی کتاب "سراج الہند" سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سندھ کی آراضی پر محمد بن قاسم نے خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا ٹیس مقرر کیا تھا اس لیے جب تک آراضی خسراجی ہیں ان پر ٹیس ہی واجب رہے گا، بعد کے حکمرانوں کو اس وظیفہ کے بدلے کا اختیار نہیں ہوگا جیسا کہ فقہاء کی مراحت شروع میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ البتہ سندھ کے کسی علاقے کے بارے میں خراج کی کسی صورت کا ثبوت مل جائے تو پھر اسی صورت کا حکم لگے گا۔

سندھ کے علاوہ ہندوستان کی بقیہ تمام آراضی کے بارے میں اتنا تو معلوم ہے کہ اولین فاتحین نے ان کو سابق مالکین ہندو کی ملکیت میں برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کیا تھا مگر اس کی وضاحت نہیں ملتی کہ ان پر کس قسم کا خراج مقرر کیا تھا۔

البتہ نزمہ انخواطر اور آئینہ حقیقت نما وغیرہ میں علماء الدین خلجی کے عہد کی اصلاحات و تبدیلیوں کے ذیل میں دو اہم تبدیلیوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ پہلے سے جو فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علماء الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہیں دینے کا قانون جاری کیا۔

(۲) اسی طرح ایک یہ بھی تغیر ہوا کہ مالکان آراضی پر جو خسراج نقد مقرر تھا اس کے بجائے خراج مقاسمہ کا قانون جاری کیا۔

خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا، فیروز تغلق کے عہد میں تنخواہوں کا طریقہ تو پھر نقد کے بجائے جاگیروں سے جاری کر دیا گیا مگر اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس نے خسراج میں بھی کوئی تبدیلی کی یا نہیں؟<sup>(۱)</sup>

اس سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ علماء الدین خلجی سے قبل کی فتوحات میں جو خراج مقرر کیا گیا تھا وہ خراج نقد تھا جس کو اصطلاح میں خراج موظف کہا جاتا ہے خراج مقاسمہ نہ تھا، اس لیے اصول کے مطابق خسراج موظف ہی ہندوستانی آراضی کا اصل وظیفہ ہونا چاہیے۔ علماء الدین خلجی نے جو اپنے عہد میں خراج کو بدل دیا تھا اس کا اس کو ہرگز اختیار نہیں تھا اور نہ شرعی طور پر اس کا یہ تصرف نافذ ہو سکتا تھا اس لیے شرعاً اس کا تصرف باطل ہوگا اور ہندوستانی آراضی کا خراج خسراج موظف قرار پائے گا۔ خسراج موظف سے مراد وہی تفصیلات ہیں جو حضرت عمرؓ نے





اگر ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے تو ظاہر اقسام ثالث میں داخل ہونے سے اس کی زمین مسلمانوں کے پاس ہے جب کہ کسی غیر مسلم سے حاصل ہوئی ہو عشری ہے اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔<sup>(۱)</sup> ظاہر ہے کہ ہندوستان سنہ ۱۲۴۳ھ میں دارالاسلام نہ تھا بلکہ غیر دارالاسلام تھا اس لیے اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ حضرت نے غیر دارالاسلام کی وسیع المعنی تعبیر اختیار کی ہے جس میں دارالحرب کی جملہ انواع داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ حضرت کی ابتدائی تحقیق تھی مگر حضرت کا آخری راجع فیصلہ جو امداد الفتاویٰ میں جا بجا ملتا ہے وہ وہی ہے جو گذشتہ صفحات میں حضرت کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب ابتداء میں حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی کی تحقیق کے مطابق ہی فتویٰ دیتے تھے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے۔<sup>(۲)</sup> لیکن بعد میں انھوں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور پھر فتویٰ دینے لگے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر و حصران کچھ نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک مفصل فتویٰ نقل کر دیا جائے تاکہ ان کا پہلا مسلک رجوع کی داستان اور آخری موقف سب واضح ہو جائیں۔

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ پہونچا، پہلے ایک زمانہ تک سہی علم رہا کہ ہندوستان کی عشری زمینوں میں عشر واجب ہے اور حضرت رحمہ اللہ کی بعض تحریرات کے موافق یہ فیصلہ کیا اور بہت جگہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کی ملوکہ زمینوں کو عشری سمجھنا چاہیے اور عشر دینا چاہیے کیوں کہ آرمینی عشریہ میں عشر یا نصف عشر کا لانا، حکم آیت و آثار حقہ یوم حصادہ۔<sup>(۳)</sup> مثل زکوٰۃ کے فرض ہے پھر کچھ زمانہ کے بعد "مالا یرد منہ" حضرت قاضی شاہ الشریانی پٹی صاحب کی یہ تحقیق اور تصریح پڑھ کر ہم نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرما کر یہاں عشری زمینیں نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا، کیوں کہ قاضی صاحب شاہ ولی اللہ صاحب (م۔ ۷۶۰ھ) کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کے بمعمر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں، باہم کوئی خلاف نہیں ہے ضرور ہے یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں پھر اس کے ساتھ عموماً یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا، تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا

(۱) "مفتی شمس امداد الفتاویٰ" (۲) فتاویٰ دارالعلوم جدیدہ ۱۴۵۴ھ و ۱۸۷۴ھ (۳) سورۃ انعام۔ رکوع ۳

اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے متروک ہو گیلے، چند سال ہوتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ مسما یا کسی صاحب نے یہ فرمایا کہ شامی "باب السواکاز" میں یہ روایت ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر واجب نہیں ہے وہاں آرامی نہ عشری ہیں نہ خراجی، اس روایت کو دیکھا اور اس کو دیکھ کر حضرت قاضی شامی، اللہ ربانی پتی کی تحریر کی وجہ معلوم ہوئی کہ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے، کیوں کہ ہندوستان کو وہ حضرات دارالحرب سمجھتے تھے۔

اور عبارت مالا بدھ من کی یہ ہے:

ایمیں احکام عشر زمین عشریہ کر دیں دیار نیست مساکن عاشر کہ بطرق و شوارع باشد کہ نہ کور نہ کردہ شد۔<sup>(۱)</sup> اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمہ اللہ وجوب عشر کا حکم فرماتے تھے اور تحریر و تقریر اس کو ظاہر فرمایا ہے، غالباً جناب کو بھی یاد ہو گا یا معمول حضرت کا معلوم ہو گا اور اس میں شک نہیں کہ نصوص آیات و احادیث کا مقتضی بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ امام صاحب جمیع ما اخرجت الارض میں وجوب عشر کا حکم فرماتے ہیں اور جیسا کہ زکوٰۃ دارالحرب میں ساقط نہیں ہوتی بلکہ صاحب مال بطور خود ادا کرتا ہے اسی طرح عشر بھی ہر جگہ واجب ہونا چاہیے، ہاں چون کہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا ضروری ہے اور جب کہ یہ کہا جاوے کہ دارالحرب کی اراضی عشریہ نہیں ہیں تو پھر وجوب عشر کی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور حضرت اقدس رحمہ اللہ علیہ کا قول و فعل احتیاط پر مبنی کہا جائے۔ چنانچہ ہمارے مرشد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور اس بنا پر حضرت والد ماجد صاحب جو کچھ مواصل قدس سے بقدر حد بندہ کو دیا کرتے تھے کہ وہ دس بیس دھڑی تقریباً ہوتا تھا تو بندہ گھر کھدینا تھا کہ دس دھڑی میں سے ایک دھڑی اللہ واسطے دے دو۔ (۱)

## فتاویٰ دارالعلوم کے دلائل کا جائزہ

حضرت نے اس مفصل فتویٰ میں اپنا موقف پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ شرعی طور پر ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اور جن اکابر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عشر نکالنے کو کہتے تھے اور خود بھی نکالتے تھے تو ان کے قول و فعل



کو احتیاط و تقویٰ پر محمول کیا ہے اور اپنے موقف پر قاضی ثناء اللہ ربانی پتی کی کتاب "ملا بد منہ اور فتاویٰ شامی کی عبارت اور عشر کے بارے میں اکابر کی بے التفاتیوں سے استدلال فرمایا ہے، حضرت کا استدلال کافی مضبوط ہے، مگر اس پر کئی اعتبار سے غور کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ جہاں تک قاضی ثناء اللہ صاحب کی عبارت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ حضرت نے صرف عشر کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہندوستان کی ارامنی عشری نہیں ہیں، کیا یہاں کی ارامنی خسراجی بھی نہیں ہیں؟ تو اس کی نفی بھی آپ نے نہیں فرمائی ہے۔ البتہ اس تاویل پر کلام کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے عشر ایک خاص اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس سے ایک وسیع مفہوم یعنی مطلق وظیفہ ارض مراد لیا ہے، اس لیے کہ اگر قاضی صاحب کا مقصود صرف عشر کی نفی کرنا ہوتا تو ہندوستان کی اراضی کو خراج تسلیم کرتے تو خراج کے احکام اپنی کتاب میں ضرور ذکر فرماتے۔

مگر اس شبہ کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب کی کتاب "ملا بد منہ" صرف عبادات کے موضوع پر لکھی گئی ہے اس میں زندگی کے مسائل تحریر نہیں کیے گئے ہیں، بس نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، عقیقہ اور کچھ کفر و ایمان کے بارے میں اس میں بحثیں موجود ہیں، عشر بھی چوں کہ زکوٰۃ ہی کی طرح کی ایک عبادت ہے اس لیے بھی زکوٰۃ کے ذیل میں آنا چاہیے تھا مگر چوں کہ ہندوستان کی زمینیں عموماً عشری نہیں ہیں اس لیے اس کے احکام ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، اس کے برخلاف خراج خاص ٹیکس ہے جو موضوعی طور پر ایک قسم کی عقوبت ہے اس بنا پر عبادات کے ذیل میں خسراج کے احکام داخل کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

یہ الگ مسئلہ ہے کہ خراج مسلمانوں پر عائد ہو جانے کی بنا پر عبادت بن جائے گا یا اس وقت بھی محض وظیفہ ارض ہی رہے گا، فقہی عبارات کی روشنی میں (جیسا کہ اس بارے میں کچھ ہم آگے بھی عرض کریں گے انشاء اللہ) ایسا لگتا ہے کہ خراج مسلمان پر عائد ہو جانے کے باوجود بھی حقیقی طور پر عبادت نہیں بنتا، البتہ چوں کہ اس کے مصارف امور خیر ہیں اس بنا پر فقہاء لکھتے ہیں کہ اگرچہ اسلامی حکومت نہ ہو مگر خراج مسلمانوں کو اپنے طور پر نکالنا چاہیے اور اس رقم سے ان امور خیر میں حصہ لینا چاہیے جن سے مسلمانوں کا علمی، دینی، ملی و اقتصادی فائدہ ہو، لیکن یہ نکالنے کی تاکید محض مال اور انجام پر نگاہ کرتے ہوئے ہے اصالۃً یہ حکم نہیں ہے اسی لیے فقہاء نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر صاحب خراج خود مصرف ہو یعنی دینی یا ملی یا قومی مفادات میں مشغول ہو

تو خود بھی اس رقم سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یعنی خراج نکالنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خراج اپنی اصل کے لحاظ سے کبھی عبادت نہیں بنتا۔ اس لیے قاضی صاحب نے اگر اپنی کتاب میں خراج کے احکام ہندوستان کے خراجی ہونے باوجود نہیں کیے تو ان کی کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ان پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

۲۔ یہیں سے عشر کے بارے میں اکابر کی بے التفاتیوں کا راز بھی واضح کاف ہوتا ہے جن کو حضرت مفتی عزیز الرحمن نے بطور تائید پیش کیا ہے کہ ان حضرات کی بے توجہی اس کی دلیل تھی کہ ان کے نزدیک ہندوستان کی آزادی عشری نہیں تھیں، اس لیے عشر نکالنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ رہا خراج نکالنے کا معاملہ تو اس بارے میں حضرت مفتی صاحب نے سکوت کیا ہے مگر ایسا معلوم پڑتا ہے کہ وہ حضرات خراج بھی نہیں نکالا کرتے تھے درہ حقہ مفتی صاحب ضرور اس کا تذکرہ کرتے۔ خراج نہ نکالنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وہ حضرات امت اور دین کے کاموں میں مصروف تھے اس لیے وہ بجا طور پر خراج کے مصارف تھے، اس بنا پر ممکن ہے کہ وہ حضرات اپنے کو مصرف خراج سمجھ کر اس رقم کو خود ہی استعمال کر لیتے ہوں۔

اور اس کا بھی امکان ہے جو حضرت مفتی صاحب کا خیال ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے ہوں اس لیے یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اس بنا پر اکابر عشر خراج کسی کے لیے کوئی اہتمام نہیں کرتے ہوں۔

۳۔ شامی کی عبارت سے حضرت کا استدلال درست ہے، بلاشبہ علامہ شامی نے دارالحرب کی زمینوں کو غیر عشری و غیر خراجی قرار دیا ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ وہ دارالحرب ایسا ہو جو اصلی ہو یعنی شروع سے اب تک دارالحرب ہو، کبھی اسلامی حکومت وہاں نہ آئی ہوں۔ علامہ شامی نے مطلق دارالحرب لکھا ہے خواہ وہ دارالحرب اصل سے ہو یا ایک زمانے میں دارالاسلام تھا اور بعد میں دارالحرب بن گیا ہو، اس لیے شامی کی عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہر قسم کے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

ہمارے اکابر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی رشید صاحب پاکستانی دونوں بزرگوں نے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے استدلال پر تنقید کی ہے، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ شامی کی باب الرکاز والی عبارت میں دارالحرب سے مراد مطلق دارالحرب نہیں ہے بلکہ صرف وہ ہے جو ابتداء سے آج تک دارالحرب ہو، دارالحرب میں چوں کہ کسی مسلمان کے زمین خریدنے یا کسی زمین کا مالک ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے عشر کا سوال بھی



نہیں پیدا ہوتا ہے کافر تو وہ احکام عشر کے مخاطب نہیں بن سکتے ہیں۔

اس کی تائید کے لیے انھوں نے شمس الائمہ سرفسی کی کتاب شرح سیر کبیر کی عبارت پیش کی ہے اور اس پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ عبارت یہ ہے:

”لاہ العشر والخراج انما يجب فی ارض المسلمین وهذه ارضی اهل الحرب لیست

بعشریة ولا خراجیة۔“<sup>۱۱</sup>

اس لیے کہ عشر و خراج صرف مسلمانوں کی زمین میں واجب ہوتے ہیں اور یہ اہل حرب کی زمینیں ہیں جو نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔

میں نے اس عبارت پر بہت غور کیا مگر میرے ذہن نے اس نقطہ نظر کو قبول نہیں کیا جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قبول کرنا چاہتے ہیں، اس عبارت میں مسلمین کے مقابلے میں اہل الحرب لایا گیا ہے جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حرب سے مراد ایسا مقام ہے جہاں مسلمان نہ ہوں، ورنہ مسلمین سے مقابلہ بے معنی ہو جائے گا، جب کہ ہندوستان کا معاملہ ایسا نہیں ہے، یہاں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور آج بھی کروڑوں مسلمان یہاں رہ رہے ہیں اس لیے یہ اصلی دار الحرب نہیں ہے اور پرشامی کی عبارت منطبق نہیں ہے، مگر یہی مفہوم کوئی یقینی نہیں ہے۔<sup>۱۲</sup> بلکہ زیادہ واضح طور پر تو یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ یہاں اہل حرب اور مسلمین کا تقابل، دراصل دار الحرب اور دارالاسلام کے معنی میں ہے اور عبارت کا حاصل یہ ہے کہ عشر و خراج دارالاسلام میں واجب ہوتے ہیں، دار الحرب میں نہیں۔ اتنا واضح مطلب چھوڑ کر کوئی پیچیدہ مفہوم مراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اولین اکابرین میں سے کسی نے شامی کی عبارت کا وہ مفہوم نہیں سمجھا جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے سمجھنا چاہا ہے۔ خود حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اول دارالعلوم دیوبند اس درجہ کے فقیہ تھے کہ ان کے فہم پر ہم کو اعتماد کرنا چاہیے، انھوں نے نہ معلوم کتنی بار اس عبارت کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا اور پڑھا ہوگا، مگر ان کے ذہن میں دار الحرب کا وہ خاص مفہوم نہ آسکا جو حضرت مفتی شفیع صاحب کے ذہن میں آیا۔ ان کے علاوہ علامہ کشمیری کے ذہن میں بھی دار الحرب کا کوئی مقید مفہوم نہ آیا بلکہ انھوں نے بھی وہ عام مفہوم سمجھا جو حضرت مفتی صاحب سمجھ رہے تھے۔

۱۱ شرح سیر کبیر ۳۴۲

۱۲ جواہر الفقہ ۲۱۲/۲ و ۲۱۳



خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے وقت کے مجدد الفقہ تھے انھوں نے بھی اس عبارت کا یہی مطلب سمجھا  
حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ سابق میں نقل کیا جا چکا ہے۔ (۱)  
ایک دوسرے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

"البتہ در مختار کی باب الرکاز والی عبارت مشیر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو گریہ موقوف ہے دار الحرب

ہونے پر اور اس میں گنجائش کلام ہے۔" (۲)

اسی طرح کی ایک عبارت امداد الفتاویٰ ۱/۶، پر بھی ہے۔

ان عبارات سے صاف جھلکتا ہے کہ عبارت کا مفہوم حضرت کے ذہن میں وہی ہے جو اس کے ظاہر سے  
سمجھ میں آتا ہے اور جو دوسرے اکابر نے سمجھا ہے، البتہ ہندوستان کو دار الحرب مانا جائے یا نہیں اس میں حضرت  
کو خود تردد ہے۔

حضرت قاضی شاد المذہبی اپنی جہنوں نے ہندوستان سے عشر کی نفی کی ہے ممکن ہے کہ شامی کی اسی عبارت  
کی بنا پر کی ہو جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا خیال ہے تو گویا ان کے ذہن میں بھی شامی کی اسی عبارت کا  
مفہوم وہی ہے جو مفتی صاحب نے سمجھا ہے۔

ان اسباب کے پیش نظر شامی کی اس عبارت سے حضرت مفتی اول دارالعلوم دیوبند کے استدلال کو  
ہم درست سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اگر دار الحرب ہے تو اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی جیسا کہ اس دور کے  
بہت سے اکابر کا فتویٰ تھا۔

پس چہ باید کرد مگر حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ زمانہ کے بدلنے سے بدل چکا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز  
دہلوی رحمہ اللہ کے عہد سے ۱۲۰۰ تک کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس دوران ہندوستان دار الحرب  
رہا اور اس دوران جن اکابر نے بھی اس کے دار الحرب ہونے یا اس کے اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا فتویٰ  
دیا بالکل بجا دیا، شرعی طور پر اس وقت ہی حکم تھا اس لیے کہ اس دوران ہندوستان پر قانونی و عملی دونوں طور پر انگریزوں  
کا تسلط اور غلبہ ہو گیا اور برطانیہ کی نوآبادیات میں شامل ہو گیا تو یہ بلاشبہ دار الحرب بن گیا لیکن ۱۲۰۰ کے بعد

جب ہندوستان انگریزوں کے منجھے سے آزاد ہوا اور یہاں ایک جمہوری انداز کی حکومت قائم ہوئی جس میں تمام قوموں برابر طور پر حقوق حکومت و شہریت دیے گئے اور قانونی طور پر مسلمانوں کو ہندوستان کا سب سے بڑا عہدہ صدارت جمہوریہ پیش کیا گیا اور مسلمان صدر جمہوریہ یہاں رہا اور آج بھی مرکزی وزارتوں میں مسلمانوں کو حصہ دیا جاتا ہے مختلف ریاستوں کے مسلمان گورنر اور وزراء اعلیٰ ہوتے ہیں اس لیے قانونی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں خالص ہندوؤں کی حکومت ہے اور مسلمان یہاں کی حکومت میں شامل نہیں ہیں، قانونی طور پر تو مسلمان ہندوستان کا وزیر اعظم بھی بن سکتا ہے، فسادات کا مسئلہ کوئی قانونی مسئلہ نہیں ہے وہ لاقانونیت کی پیداوار ہے اس لیے لاقانونیت سے پیدا ہونے والے حالات کی بنا پر ہندوستان کی قانونی پوزیشن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، جب قانون کی زبان میں گفتگو ہوگی تو ہندوستان کو دارالحرب کہنا مشکل ہو جائے گا۔

اس لیے آج کے دور میں ہندوستان کا دارالحرب ہونا قطعی نہیں، اس بنا پر عشر و خراج کے احکام محض شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق چوں کہ ہندوستان کا بیشتر حصہ خراجی ہے اس لیے احتیاطاً مسلمانوں پر خراج عائد رہے گا اور مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## (۲) مجہول الحال آراضی کا حکم

جن آراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو وہ اگر مسلمانوں کے قبضے میں نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں اور درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت یا علم نہ ہو تو ان کو استصحاب حال کی دلیل کی بنا پر عشری ہی قرار دیا جائے گا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اکابر کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ادریوں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کا مزاج یہ ہے کہ جس زمین کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور عشری و خسراجی دونوں طرح کے امکانات سامنے آجاتے ہیں تو اگر وہ زمین مسلمان کی ملکیت میں ہوتی ہے تو اس کو عشری ہی قرار دیتے ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مسلک پیچھے ہم نقل کر چکے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے کوئی غیر آباد زمین آباد کی تو امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں کے لحاظ سے حکم لگایا جائے گا، اگر اس پاس کی زمینیں عشری ہیں تو اس زمین کو بھی عشری قرار دیا جائے گا، اور اگر خسراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی قرار دیا جائے گا اور اگر عشری و خراجی دونوں قسم کی زمینیں ہوں تو عشری کا حکم لگایا جائے گا۔ علامہ شامیؒ کے نزدیک امام ابو یوسف رحمہ کے قول پر فتویٰ ہے۔ (مد المحتار ۲/۶۷۴)



یہاں کی صورت حال یہی ہے کہ جب نوآباد زمین کے آس پاس عشری و خراجی دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو عشری و خراجی دونوں ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا، ایسے موقع پر مسلمان کے شایان شان اس کو عشری قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس جزئیے سے فقہاء کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے ایسی زمین جس کے بارے میں عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو اس کو عشری کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

### ۳۔ سرکاری محصول سے عشر و خراج ساقط نہیں ہوتے

سرکار کو دی جانے والی مال گزاری عشر تو بہر حال نہیں، اس پر تمام علماء کا تقریباً اتفاق ہے، اس لیے کہ حکومت عشر کہہ کر لیتی ہے اور نہ کوئی اس نیت سے دیتا ہے۔ اس کے علاوہ عشر عبادت ہے جس طرح انکم ٹیکس دینے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی اسی طرح عشر بھی ساقط نہ ہوگا، البتہ اگر حکومت اسلامیہ ہو اور عشر کہہ کر لیتی ہو اور مصارف عشر پر اس کو خرچ کرتی ہو تو عشر ادا ہو جائے گا۔ (۱)

لیکن اگر خراجی زمین سے سرکار مال گزاری لیتی ہے تو اس کو خراج قرار دیا جائے گا یا نہیں اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اول دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ یہ ہے کہ خراج ساقط ہو جائے گا اور حکومت کے لیے ہوئے محصول ہی کو خراج قرار دیا جائے گا جیسا کہ ان کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے۔

الجواب : عشری زمین سے محصول لینا مسقط عشر ہے۔ ہذا هو الاحتیاط، اں اگر زمین عشری ہی نہ ہو بلکہ خراجی

ہو تو محصول دے دینا کافی ہے، یعنی عشر اس میں واجب نہیں ہے۔ (۲)

ان کے علاوہ اکثر علماء اکرام کا خیال یہ ہے کہ خراج اگر حکومت اسلامیہ وصول کرتی ہو تو چوں کہ وہ عموماً امور خیر میں خرچ کرتی ہے اس لیے خراج ادا ہو جائے گا لیکن حکومت غیر مسلمہ (مثلاً ہندوستان کی حکومت) اگر زمین کی مالگزاری یا محصول لیتی ہے تو اس کو خراج نہیں کہا جائے گا بلکہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ ذاتی طور پر خراج ادا کریں، اور امور خیر میں خرچ کریں، محقق ہمایونی نے اپنی کتاب سراج الہندی خراج السندھ میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں پیش آنے والے شبہات کے تشفی بخش جوابات دیتے ہیں۔ اس کے بعد فیصلہ کن انداز میں لکھا ہے:



” پس بدان کہ بر ہر کسے کہ خراج لازم آید اور لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ میں ہستند صرف نماید تا عند اللہ از عہدہ آن بیرون آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد، اما آنچه حکام نصاری می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد۔“

لان الکافرین لیس لهم ولا یة اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمعارف

الخراج کما فی جامع الفصولین - (۱)

ہمایونی کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر حکومت غیر اسلامیہ خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو بھی خراج ادا نہیں ہوتا جبکہ ہندوستان میں خراج کے نام سے وصول بھی نہیں کرتے ہیں اس لیے اس کو خراج کہنا بدرجہ اولیٰ مشکل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی کے ایک فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

” عشر خراج از حقوق شرعیہ است پس چنان کہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہم چنین محصول سرکاری مستطاین

مقننہ باشد۔“ (۲)

## ۴۔ خراج کی شرعی حیثیت

گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے کہ ہندوستان کا اکثر علاقہ خراجی ہے اور چند مقامات کو چھوڑ کر اکثر زمینوں پر خراج موظف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ شرح سے ادا کیا جائے گا۔  
عشر کی ادائے گئی بلاشبہ عبادت ہے مگر خراج اپنی اصل کے لحاظ سے عبادت نہیں ہے لیکن چونکہ اس کے مصارف امور خیر ہیں اس لیے فقہاء لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر خراج اپنے تئیں نکالنا واجب ہے، گویا مسلمان پر عائد ہونے کے بعد خراج ثانوی درجہ میں عبادت بن جائے گا اور اس کی نیت کے مطابق اس کو ثواب ملے گا، البتہ اگر صاحب خراج خود مصارف میں سے کوئی مصرف ہے مثلاً عالم دین ہے تو وہ خراج اپنے مصرف میں لا سکتا ہے، اس کو خراج الگ سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاویٰ کے ایک سوال و جواب سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے

سوال:- آج کل خراج ادا کرنا واجب ہے یا نہیں، اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف و مقدار کیلے؟

الجواب :- فی الدر المختار يجوز ترك الخراج للمالك لا للعشرون رد المحتار ترك السلطان او نائبه  
الخراج لرب الارض او رهبه ولو بشعاعة جاء عند الثاني وحل له لمصرفا والاتفاق  
به به يفتى وما في الحاوي من ترجيح حله لغير المصرف خلاف المشهور - (۱)  
وفی الدر المختار وثالثها خراج الى قوله وثالثها حواه مقاتلون وفی رد المحتار  
الذي فی الهدایه وعلمة الكتب المعتمدة انه يصرف فی معالحتنا كالشغور وبناء  
القاطر والجود وكفاية العلماء والقناة والعتال ودفق المعاتلة وذراذهم - (۲)  
اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوتے ہیں:

۱۔ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہو تو اپنے مصرف میں خراج لا سکتا ہے۔

۲۔ اگر مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۳۔ مصارف خراج میں سے علماء بھی ہیں - (۳)

امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی نے خراج کو حق شرعی قرار دیا ہے۔

## ۵۔ اخراجات کی منہائی کا مسئلہ

آج جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا، وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں نہ کمی  
کی جاسکتی ہے اور نہ اصل پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کر کے عشر ادا کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔  
فقہاء کی عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے وہ مصرف سے پچائی میں آنے والے اخراجات کا اعتبار کرتے ہیں اور اس  
کی بنا پر عشر کو نصف عشر میں تبدیل کر دیتے ہیں مگر اس کے سوا دوسرے اخراجات جن کا تعلق پانی کے بجائے بذات  
خود کھیت سے ہے ان کا لحاظ نہیں کرتے، ان کی بنا پر نہ وہ وظیفہ عشر میں کوئی تبدیلی کرتے ہیں اور نہ اخراجات کو  
منہا کرنے کی اجازت دیتے ہیں جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے۔

وتجب فی سقی سماء وسیح بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول الخ یجب العشر ویجب

نصفه فی سقی غروب ودالیه لكثرة المؤنة الخ بلا دفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر

## مزارعت کی صورت میں عشر و خراج کس پر ہے

جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر و خراج کس پر واجب ہے<sup>۱</sup> کی تعیین کے لیے ہمیں مزارعت کی مختلف صورتوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ فقہانے مجموعی طور پر مزارعت کی سات صورتیں لکھی ہیں:

(۱) ارض و بذرا یک کے ہوں اور بقرو عمل دوسرے کے۔

(۲) ارض ایک کی باقی سب دوسرے کا۔

(۳) عمل ایک کا باقی سب دوسرے کا۔

(۴) ارض و بقرا یک کے بذرو عمل دوسرے کے۔

(۵) بقرو بذرا یک کے ارض و عمل دوسرے کے۔

(۶) بقرا یک کے باقی سب دوسرے کا۔

(۷) بذرا یک کا باقی سب دوسرے کا۔

ان سات صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں مزارعت صحیحہ کی ہیں اور آخری مزارعہ فاسدہ کی۔

اس وضاحت کے بعد عشر و خراج کے احکام اس طرح عائد ہوں گے خراج مؤلف تو ہر صورت میں زمیندار پر ہوگا، خواہ مزارعہ فاسدہ ہو یا مزارعہ صحیحہ، جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

ثم اعلم ان هذا في العشر اما الخراج فعلى رب الارض اجماعاً۔ (۲)

یہاں خراج سے مراد علماء کے بیان کے مطابق خراج مؤلف ہے اس لیے کہ فقہی تصریحات سے ثابت

ہے کہ خراج مقاسمہ اور عشر دونوں کے احکام ماخذ میں ایک ہی جیسے ہیں۔ (۳)

اور عشر و خراج مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے کہ مزارعت صحیحہ میں مفتی بقول کے مطابق زمین دار اور بٹائی دار دونوں اپنے

اپنے حصے کا عشر و خراج نکالیں گے۔ (۴)

(۱) رد المحتار ۵/۱۹۵ (۲) رد المحتار ۶/۷۲ (۳) رد المحتار ۴/۲۵۹

(۴) رد المحتار ۶/۷۲



اور مزارعت فاسدہ میں اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہے تو عشر و خراج مقاسمہ دونوں زمیندار پر واجب ہیں اور اگر بیج بٹائی دار کی طرف سے ہے تو یہ اجارۃ الارض کے حکم میں ہے یعنی اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ زمیندار پر ہے اور اگر اجرت کم لیتا ہے، مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ مستاجر پر ہے، ہمارے زمانے میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے، مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اس لیے عشر و خراج مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔ (۱)

اپنی تفصیلات کے ساتھ ہمارے اکابر نے بھی فتویٰ دیا ہے، ہمارے اکابر کی کتب فتاویٰ میں اس قسم کے متعدد فتاویٰ موجود ہیں۔

اگر زمیندار اور بٹائی دار میں ایک غیر مسلم ہو تو غیر مسلم پر عشر واجب نہ ہوگا اور موجودہ ہندوستان میں خراج بھی واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ خراج غیر مسلموں سے حکومت اسلامیہ وصول کرتی ہے اور وہ ہندوستان میں مفقود ہے اور جو مسلمان ہے اس پر عشر واجب ہے تو وہ اپنے حصے کا عشر ادا کرے، غیر مسلم پر کچھ واجب نہیں ہے۔

### (محور پنجم)

## ا۔ عشر کے لیے کوئی نصاب نہیں

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے بشرطیکہ وہ ایک صاع (۵۳۸ گرام) سے زیادہ ہو، اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کے الفاظ عام ہیں۔

مما اخرجنا لكم من الارض -

وأتوا حقه يوم حصاده -

صاحبین رحمہ کے نزدیک اشیاء کے لحاظ سے مختلف نصاب ہیں، مگر فقہاء نے امام ابو حنیفہ رحمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی ہمارے علمائے دیوبند کا پسندیدہ مسلک بھی۔ شامی کی عبارت ہے:

قال في شرح التنوير ويجب العشر في عمل وان قل (الناس قال) بلا شرط نصاب  
وبقاء وحولان حول وفي رد المحتار (وقوله بلا شرط نصاب وبقاء) فيجب فيما دون  
النصاب بشرط ان يبلغ صاعا وقبل نصفه - (۱)

## ۲۔ عشر کس قسم کی پیداوار پر واجب ہے

عشر ہر ایسی پیداوار میں واجب ہے جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادتہ اس کی کاشت کر کے  
نفع اٹھایا جاتا ہو، خود رو گھاس یا بیکار قسم کے درخت اگر باغ یا ملکیت میں ہو جائیں تو ان پر عشر نہیں، گھاس اور بانس  
اور جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ اگر آمدنی کی غرض سے لگائے گئے ہوں تو ان میں عشر واجب ہے ورنہ نہیں  
مثلاً صرف اپنے جانوروں کو کھلانے کے لیے گھاس یا چارہ اگایا گیا ہو اس سے کوئی آمدنی مقصود نہ ہو تو عشر واجب  
نہیں ہے، یہی حکم پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھارا وغیرہ کا بھی ہوگا۔

يجب العشر في سقي سماء اي مطر وسيع كنهر بلا شرط نصاب الى قوله الا فيما  
لا يقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتين وسعف و  
قطران وخطمي واشنان وشجر قطن وباذنجان وبذر بطيخ وقثاء وادوية كحلبة  
حق لو اشغل ارضه بها يجب العشر - (۲)  
اذا اتخذ ارضه معصرة او مشجرة او منبتا للحشيش وساق اليه العار ومتع  
منه الناس يجب فيه العشر - (۳)

## ۳۔ مچھلی کی کاشت پر عشر نہیں

قواعد فقہیہ اور عشری تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مچھلی کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے،  
اس طرح دیگر اموال و عروض کی طرح زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ عشر و حنراج کا تعلق بالواسطہ بلا واسطہ زمین کی پیداوار  
سے ہے جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض - الآية

(۲) وآتوا حقه يوم حصاده - الآية

جب کہ مچھلی کی کاشت کا زمین سے کوئی تعلق نہیں — اسی بنا پر فقہاء نے پانی، پٹرول یا تیل کے چشموں میں عشر کو واجب نہیں کہا ہے، ان چشموں کے آس پاس جو قابل زراعت یا آباد زمینیں ہیں ان میں عشر و خراج واجب ہوں گے، مگر خود ان چشموں کی پیداوار پر عشر نہیں ہے اس لیے کریم زمین پیدا نہیں ہیں۔

ولا في عين قيرار زفت و نقط دهن يعلم الماء مطلقا في ارض عشر او خراج  
ولكن في حريمها الصالح للزراعة من ارض الخراج خراج لان فيها تعلق الخراج  
بالتمكن من الزراعة واما العشر فيجب في حريمها العشرى ان زراعته والا لا  
لتعلقه بالخارج - (درمثار)

(قوله ولا في عين قير) لانه ليس من انزال الارض انما هو عين قوارة كعين الماء  
فلا عشر فيها ولا خراج - (۱)

اس سلسلے میں ہمیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے اس مکتوب سے بھی روشنی ملتی ہے جو انھوں نے اپنے ایک گورنر کے پاس لکھا تھا۔

ان لا ياخذ من السمك شيئا حتى يبلغ ما شئ درهم فاذا بلغ ما شئ درهم  
فخدمته الزكاة - (۲)

نہ مچھلی کی پیداوار سے کچھ اس وقت تک نہ لیا جائے جب تک کہ وہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہنچ جائے پس جب نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں سے زکوٰۃ وصول کرو۔

معلوم ہوا کہ مچھلی کی کاشت میں زکوٰۃ واجب ہے نہ کہ عشر۔

## ۴۔ شہنشاہ کے باغات کا حکم

فقہاء کی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رشم میں عشر واجب نہیں ہے جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے سمجھ



میں آتا ہے:

يجب العشر في عمل وان قل (در مختار) وصرح بالعمل اشارة الى خلاف مالك والشافعي  
حيث قال لا ليس فيه شيء لانه متولد من حيوان فاشبهه الابرئيم ودليلنا مبسوط  
في الفتح - (۱)

اور ہدایہ میں ہے:

وفي العمل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعي لا يجب لانه متولد  
من الحيوان فاشبهه الابرئيم ولنا قوله عليه الصلاة والسلام في العمل العشر  
ولان النحل يتناول الاموار والثمار وفيها العشر فكذا فيما يتولد منها بخلاف دود  
الفقر لانه يتناول الادراق ولا عشرينها - (۲)

لیکن یہ شکل کہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، ان کی پھل  
سے تو کوئی معتد بہ منفعت حاصل نہیں ہوتی مگر ریشم کی اس کاشت سے کاشت کاروں کو کافی نفع ہوتا ہے ایسی صورت  
میں چوں کہ ان آمدنیوں کا تعلق براہ راست زمین سے ہو گیا اور زمین کا ایک حصہ باقاعدہ طور پر اس کے لیے مشغول  
کر دیا گیا تو اس صورت میں ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب ہونا چاہیے اس کی دو دلیلیں سمجھ میں آتی ہیں۔  
۱۔ اس لیے کہ اس صورت میں معاملہ صرف ریشم یا اس کے کیڑے کا نہیں رہا بلکہ زمین کے اس حصے کا بھی ہے  
جس میں توت کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی مقصد کے لیے لگائے گئے ہیں اس لیے معاملہ اخرینا  
لکم من الارض کا یہ مصداق بن سکتا ہے اور عشر ان کی پیداوار پر واجب ہوگی۔

۲۔ دوسرے جب اس طور پر ہم غور کرتے ہیں کہ ایک طرف فقہاء نے شہد میں عشر کو واجب قرار دیا ہے، دوسری  
طرف سائے جانوروں کے دودھ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب کہ دودھ اور شہد دونوں جانوری سے  
پیدا ہوتے ہیں اس فرق کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ دودھ میں زکوٰۃ اس لیے واجب نہیں کہ اس کی اصل یعنی حیوانات  
سائے میں زکوٰۃ واجب ہے اور شہد میں عشر اس لیے واجب ہے کہ اس کی اصل یعنی مکھیوں میں عشر یا زکوٰۃ  
واجب نہیں ہے، گویا فرق کی بنیاد یہ کہ جس کی اصل میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب

ہوگی اور جس کی اصل میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً زمین میں زکوٰۃ نہیں ہے تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

اس کی روشنی میں ریشم کے کیڑوں کو سمجھا جاسکتا ہے کہ کیڑوں میں عشر یا زکوٰۃ واجب نہیں ہے تو اس کی پیداوار میں شہد کی طرح عشر واجب ہونا چاہیے، زکوٰۃ اس لیے نہیں کہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف درختوں سے مواد چوس کر شہد نکالتی ہے اسی کی طرح ریشم کے کیڑے تو ت کے درختوں سے مواد لے کر ریشم تیار کرتے ہیں، اس طرح دونوں کا تعلق درختوں ہی سے ہے اس لیے شہد کی طرح ریشم کی کاشت پر بھی عشر واجب ہونا چاہیے۔

### ۵۔ ثمر دار اور بے ثمر باغات کا مسئلہ

ایسے باغات جن کے درختوں سے پھل مقصود ہوتے ہیں ان میں تو بلاشبہ عشر واجب ہے، اسی طرح وہ باغات جن سے پھل تو مقصود نہ ہو مگر اس کے درخت عمارت، فرنیچر وغیرہ میں کام آتے ہوں، قاعدہ کے مطابق ان میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے، اس لیے کہ ما سقته السماء اور مما اخرجنا لكم من الارض کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں۔ البتہ وہ باغات جن کے درخت محض جلانے کے کام آتے ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہے۔  
ہدایہ میں ہے:

قال ابو حنیفۃ فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر سواء سقی سیخا او سقته السماء

الا العصب والخطب والحشیش۔ (۱)

فتاویٰ دارالعلوم میں اس قسم کا ایک فتویٰ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”باغ کے ثمر میں عشر واجب ہے، سوختہ میں نہیں۔“ (۲)

البتہ اگر باغ اسی مقصد کے لیے لگایا گیا ہو کہ اس سے جلانے کے کام آنے والی لکڑیوں کو فروخت کرنا ہے تو

اس میں عشر واجب ہوگا۔

نحو خطب و قصب فارسی..... حتی لو اشغل ارضہ بہا یحب العشر (۳)

## ۶۔ سبزیوں میں عشر واجب ہے

سبزیوں جو زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرتیں، اگر ان کا مقصود تجارت ہے تو ان کو مال تجارت قرار دے کر زکوٰۃ واجب ہوگی، عشر واجب نہ ہوگا، اور اگر مقصود تجارت نہیں ہے بلکہ محض اپنے استعمال کے لیے ان کو اگایا گیا ہو تو اس صورت میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق عشر واجب ہے حول قلیل ہو یا کثیر۔

يجب العشر في عمل وان قل ..... بلا شرط نصاب وبقاء (در مختار) وفي الخصراوات

القول لا يتبع وهذا قول الامام وهو الصحيح كما في التحفة - (۱۱)

## ۷۔ اراضی وقف کی پیداوار پر عشر واجب ہے

ارضی اوقاف کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت ارض شرط نہیں ہے۔

ويجب مع الدين وفي ارض صغير ومجئون ..... ووقف (در مختار) افادان ملك الارض

ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب في الخارج لافى الارض

فكان ملك لها وعنده سواء - (۱۲)

والله اعلم بالصواب

(۱) رد المحتار ۶۸/۲ وكنزك في الهداية ۲۰۱/۱

(۲) بدائع. رد المحتار ۵۲۶



## خلاصہء عجوبات

### محور اول

عشری اور حسراجی زمینوں کے درمیان کئی لحاظ سے فرق ہے، تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

### محرطہء سارم

(۱) سندھ کا کچھ علاقہ عشری ہے اور ایک بڑا علاقہ حسراجی، جس کا خراج خراج مقاسمہ (یعنی خمس) ہے پاکستان کی وہ زمینیں جو حکومت نے مسلمانوں کو دیں یا مسلمانوں کے پاس نسلاً بعد نسل چلی آ رہی ہیں عشری ہیں۔ ہندوستان کا اکثر علاقہ خراجی ہے جس کا خراج خراج موقوف ہے، سوائے تجارت پنجاب اور راجپوتانہ کے کہ ان علاقوں کا خراج خمس پیداوار ہے، مگر یہ کہ ہندوستان کی کسی زمین کے بارے میں یہ ثبوت مل جائے کہ یہ فتح اول سے آج تک مسلمانوں کے پاس چلی آ رہی ہے تو وہ عشری ہوگی، ورنہ نہیں۔

(۲) جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے وہ عشری ہے۔

(۳) سرکار کو دی جانے والی مال گزاری خراج کے حکم میں نہیں ہے۔

(۴) ہندوستانی زمینوں کا خراج حسراج موقوف ہے جو تو ظیف عمری کے مطابق نکالا جائے گا، خسراج مسلمانوں پر عائد ہونے کی بنا پر موضوعی طور پر عبادت نہیں بنتا، البتہ ثانوی مرحلہ میں نتیجہ کے طور پر بن سکتا ہے (۵) زراعت میں پانی کے علاوہ دوسرے ہونے والے اخراجات کی بنا پر عشر نصف عشر میں تبدیل نہ ہوگا ورنہ ان اخراجات کو پیداوار سے منہا کیا جائے گا، بلکہ کل پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر زمیندار اور بٹائی دار دونوں پر (اگر دونوں مسلمان ہوں) اپنے اپنے حصہ کے بقدر واجب ہے اور اگر کوئی غیر مسلم ہو تو غیر مسلم پر کچھ واجب نہیں صرف مسلمان اپنے حصے کا عشر نکالے گا۔

## محتور پنجم

- (۱) عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے اس کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔
- (۲) زمین سے ہونے والی صرف اس پیداوار پر عشر واجب ہے جس سے آمدنی مقصود ہو، خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو، ورنہ عشر واجب نہیں۔
- (۳) مچھلی کی کاشت پر عشر نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ واجب ہے، اگر شرائط زکوٰۃ پائی جائیں۔
- (۴) ایسی زمینیں جو صرف ریشم کی پیداوار کے لیے خاص کر لی جائیں، قاعدہ کے مطابق ان میں عشر واجب ہونا چاہیے۔
- (۵) پھل دار اور غیر پھل دار تمام ان باغات میں عشر واجب ہے جن سے آمدنی مقصود ہو اور شرائط عشر پائی جاتی ہوں، البتہ سوختہ لکڑیوں پر عشر نہیں ہے۔
- (۶) ہر قسم کی سبزیوں پر عشر واجب ہے اس کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔
- (۷) وقف کی زمینوں کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے۔

واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# عشر و خراج کی حقیقت

مفتی عزیز الرحمن چیمارنی \_\_\_\_\_ دارالافتاء موتیہاری

## محوِ راول

سوال ۱۔ شریعت کی اصطلاح میں عشر و خراج دو شرعی اصطلاحات ہیں۔

**عشر:** عشر کے اسی معنی دسواں حصہ کے ہے۔ مگر اس کی تفصیل واجبات شرعیہ کے اعتبار سے دو صورتوں پر مشتمل ہے، دسواں، بیسواں، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں کی زمینوں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کہتے ہیں۔

**خراج:** خراج زمین کے اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو امام کی طرف سے ایسی زمین پر لگائی جائے جس ملک کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو، اور وہاں کے باشندوں سے صلح ہو گئی ہو۔  
یحییٰ ابن آدم نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”انما أرض الخراج ما كان صلحا على يهود ومنه الى المسلمين“

علامہ ابن رجب منبلی نے خراج کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:



"هو الحال الذي يحيى ويؤتى به لأوقات محدودة ذكره ابن عطية نقله وقال

الاسمى الخراج الجعل مرة واحدة والخراج مارة لأوقات ما" ۱۷

ابو عبید کہتے ہیں کہ الخراج کلام عرب میں غلہ کو کہتے ہیں۔

"إنما هو الغلة التي يسمون غلة الأرض والدار والمملوك خراجاً" ۱۸

اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج کا فیصلہ کیا ضمان کی جگہ پر مسند امام احمد

میں ہے "انه قضى بالخراج بالنسيان" اور ذوالقرنین کے قصہ میں "فجعل نجعل لك خراجاً" ۱۹  
جس کو "خراجاً" بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "خراجاً" کا معنی اجر ہے۔ ازہری کہتے ہیں:

"الخراج اسم لما يخرج من الغرائض في الأموال ويقع على القرية

وعلى مال الفتي ويقع على الجزية (الخراج لابی يوسف)

اسی طرح قرآن میں ہے: "ام تسألهم خراجاً فخراج ربك خيراً" اس کو حمزہ اور کسائی کی

قراءت میں "ام تسألهم خراجاً فخراج ربك خيراً" پڑھا گیا ہے ۲۰

## فرضیت عشر

عشر کی فرضیت نص قرآنی اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہے:

"كلوا من ثمره اذا اشروا واتوا حقه يوم حصاده" ۲۱

اور دوسری جگہ ہے:

"يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا

لكم من الارض" ۲۲

عشر و خراج کی اجمالی تعریف کے بعد یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عشر و خراج میں قدر مشترک حکومت اسلامیہ کی طرف سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہے۔ مگر ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔

۲۱-۲۲ الاستخراج في احكام الخراج ۱۷۷

۲۳ المومنون ۲۷ بقرہ

## عشر و خراج میں فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ عشر کی فرضیت کا سبب اسلام ہے اور خراج کفر کی وجہ سے ہے جیسا کہ احکام القرآن میں ابو بکر جصاصؒ نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔  
 دوسرا فرق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو اہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عشر میں حیثیت عبادت ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور صاحب بدائع نے وجوب عشر کے شرائط میں اسلام کو شرط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

أُخذَ هذا الإسلامُ دأبه شرطُ ابتداءِ هذا الحقِّ فلا يبتدأ بهدا الحقُّ

الأعلى المسلمُ بلا خلافٍ لأنَّ فيه معنى العبادَةِ والكافر ليس من

أهل وجوبها ابتداءً فلا يبتدأ به عليه ؎

غرضیکہ عشر کے وجوب کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک قسم تو اہلیت ہے دوسری محلّیت کے اعتبار سے تو جس طرح اہلیت میں عشر کے لئے اسلام شرط ہے۔ غیر مسلم اہلیت اسلام کے فقدان کے سبب اس حکم کا مکلف نہیں۔ اسی طرح محلّیت کے اندر بھی فرق ہے۔ جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے :

” واما سبب فرضيته أى العشر فالأرض النامية بالخارج حقيقة

وسبب وجوب الخراج النامية بالخارج حقيقة أو تقديرًا حتى

لو أصاب الخارج آنية نهلك لا يجب منه العشر في أرض العشرية

ولا الخراج في الأرض الخراجية يفتوت السماء حقيقة وتقدر أولو كانت

الأرض عشرية نتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم

الخارج ولو كانت حراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرًا ؎

یعنی عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا پیداوار کے ساتھ حقیقت میں قابل کاشت ہونا ہے۔ مگر خراج کا سبب زمین کا حقیقتاً یا تقدیراً قابل کاشت ہونا ہے۔ اسی لئے اگر پیداوار نہ ہو خواہ زمین کے مالک کی غفلت

ہی کی وجہ سے ہودہ قابل کاشت زمین رہ گئی ہو تو مسلمان پر عشر لازم نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ عشر لمپداوار کا ایک جزر ہے مگر ایسی قابل کاشت زمین غفلت سے رہ گئی ہو تو بھی خراج لازم آئے گا۔ بشرطیکہ یہ خراج مؤظف (نقدی) ہو۔

البتہ خراج و عشر دونوں میں زمین کا قابل کاشت ہونا شرط ہے۔ اگر زمین بخر ہو یا ایسی زمین کہ اس میں پانی بھر رہے ہو جس سے کھیتی نہ ہو سکی تو اس صورت میں خراج نہیں لگے گا۔

### عشر اور زکوٰۃ

عشر اور خراج میں جو بنیادی فرق ہے اس کے ساتھ ہی عشر زکوٰۃ ہی کی طرح عبادت ہونے کے سبب زکوٰۃ اور عشر میں بھی اس طرح فرق ہے کہ زکوٰۃ اموال خالص عبادت ہے مگر عشر میں عبادت کے ساتھ ٹیکس کی بھی حیثیت ہے۔

### تیسرا فرق

عشر و خراج میں تیسرا فرق یہ ہے کہ عشر کے لئے وہی مصارف مخصوص ہیں جو زکوٰۃ کے منصوص ہیں مگر خراج مصالح مملکت اور مسلمان فوج کے اخراجات میں صرف ہوتا ہے۔ عشر مسلم معاشرہ کے اہل حاجت کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اور خراج مشاہرہ فوج اور امت کے مصالح عامہ پر۔

### چوتھا فرق

عشر کی مقدار عشر یا نصف عشر متعین ہے مگر خراج میں حاکم اسلام اور جن سے صلح ہوئی ہے ان کے درمیان جو مقرر ہو وہی خراج ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں پیداوار پر اور کہیں پھروں پر معاہدہ فرمایا۔ غرضیکہ امام اور خراج ادا کرنے والوں کے درمیان جو چیز معاہدے کی رو سے طے ہو جائے

### منشا خراج

ابو عبید نے الاموال اور یوسف قرضاوی نے ”فقہ الزکوٰۃ“ میں خراج کی مصلحتوں کو تفصیلاً



بیان کیا ہے۔ ان کی تحریروں کا مختصر حاصل یہ ہے کہ خراج کے اندر منشا شریعت کو آیت فنی میں اشارہ بیان کیا ہے کہ زمینوں کی ملکیت یا اس کا فائدہ افراد سے منتقل کر کے پوری ملت کو منتقل کر دی جائے۔ تاکہ اس کا فائدہ نسلاً بعد نسل ملت کو حاصل ہوتی رہے۔ اس کی مصلحتوں میں یہ بھی مصلحت ہے کہ چوں کہ زمانہ جاہلیت میں تقسیم اراضی بہ طریق ظالمانہ ہوتی تھی حکمرانوں اور ان کے زیر سایہ لوگوں میں جاگیروں کی شکل میں تقسیم ہوتی رہی۔ اور چند ہاتھوں میں اس کی منفعت سمٹ سمٹ کر رہ گئی تھی اس سے عامۃ الناس محروم ہو گئے تھے۔ اسی بنا پر بعض ائمہ مسلک کے یہاں خراجی زمین وقف مسلمین کے علم میں اس طرح ہے کہ جس زمین پر ایک مرتبہ خراج عائد ہو گیا یہ زمین اسی وقت تک ارباب زمین کے قبضہ میں رہے گی جب تک وہ خراج ادا کرتے رہیں گے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی یا اس کو مسلمانوں کی طرف منتقل کر دینے کے بعد بھی وہ خراجی ہی رہے گی۔

اسی لئے شام و عراق کے فتح ہونے کے بعد حضرت فاروق اعظم نے زمین فائین میں تقسیم نہیں کیا حالانکہ حضرت بلال اور ان کے ساتھی اس کا مطالبہ کرتے رہے۔ تو حضرت خلیفہ دوم نے استدلالاً سورہ حشر کی یہ آیت پیش کی :

”ما افاء اللہ علی رسولہ من اهل القرى فللہ وللرسول ولذی القربا

والیتمی والمساکین وابن السبیل لکی لا یكون دولة بین الاغنیاء منکم“

”للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من ديارهم و اموالهم۔“

”والذیر حادوا من بعدہم یقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین

سیقونا بالایمان“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اس فنی میں اللہ تعالیٰ نے بعد والوں کو شریک کیا۔ اگر میں اسے تقسیم کر دوں تو بعد والے کے لئے کچھ نہیں رہ جائے گا۔ اگر میں اسے باقی رکھتا ہوں تو اس میں سے صنعا کے ایک چرواہے کو بھی اس کا کچھ حصہ مل جائے گا۔

خراج کی حکمت میں ”دولة بین الاغنیاء منکم“ بھی ہے کہ دولت اور سرمایہ صرف چند میں محدود ہو کر نہ رہ جائے

بعض حضرات کو اشکال ہے کہ خراج منصوص بالسنۃ نہیں حالانکہ الخراج میں ابن آدم نے حدیث ذکر کی ہے جس کی اسناد حسن ہے "انہ قضی بالخراج بالضمان" اور اسی طرح دوسری حدیث ہے :

"ان النبی لعمامة ابوطیبه کم اهلہ فوضعوا عن من خراجہ"

اور سند امام احمد میں ہے :

"کتب النبی الی قمیصر کتاب مع دحیۃ یخیر بین احدی ثلث منہا ان یقرلہ

بخراج یبحری علیہ"۔

## عشری و خراجی زمین کی تحقیق

### عشری زمینیں

۱۔ عشری ہر وہ زمین ہے جس کے مالکوں نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں، جیسے مدینہ، طائف، یمن اور بحرین کی زمینیں، اسی طرح اراضی مکہ کو کہ عنوة اور قہراً فتح ہوا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احساناً یا حرم محترم کے احترام میں مکہ والوں کی جان و مال سے تعرض نہیں فرمایا۔

۲۔ دوسری قسم وہ زمینیں ہیں جو عنوة حاصل ہوئیں اور بعد میں امام نے ان کو مال غنیمت قرار دے کر خمس میں نکال کر مجاہدین و فاتحین میں تقسیم کر دیا۔

۳۔ مفتوحہ علاقوں کی سرحدی زمینوں میں سے خمس نکال کر فاتحین میں تقسیم کر دی گئیں تو اس کے بقیہ حصوں میں کبھی عشر ادا ہوگا۔

۴۔ اراضی عادیہ یعنی وہ قدیم زمینیں جو آباد ہو اور اس کا کوئی وارث یا مالک نہ ہو۔ اگر امام مسلمین نے کسی مسلمان کو عطاء دے دی تو وہ بھی عشری ہوگی جیسا کہ عہد رسالت کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں یمن، یامہ، بصرہ وغیرہ کی زمینیں بطور جاگیر اشخاص کو دی گئیں۔

۵۔ اراضی موات (ناقابل زراعت) وہ بجز زمینیں جس کو کسی مسلمان نے عشری پانی سے محنت کر کے

### قابل کاشت بنائی ہوئے

حدیث میں ہے: "من أحياء الأرض فهو له" <sup>۱</sup>  
 ایسی زمین تو ارثاً اس کے ورثاء میں منتقل ہوتی رہے گی۔ اس لئے کہ یہ اس کی مملوکہ اراضی ہوگی اس کو  
 بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے۔

۴۔ ملک کے فتح ہونے کے بعد وہاں کی آبادی کے کسی مکان یا افتادہ زمین باجارت امیر کی مسلمان  
 نے اس کو مزدور بنالیا تو امام ابو یوسف کے قول کی بنیاد پر ایسی زمین کے قرب وجوار میں عشری  
 زمینیں ہیں تو وہ عشری ہوگی۔ اور اگر ارد گرد میں خراجی زمین ہے تو خراجی — امام محمد کے  
 نزدیک اس کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار پانی پر ہے۔ اگر اس کو عشری پانی سے قابل  
 زراعت بنائی گئی تو عشری اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی ہوگی <sup>۲</sup>  
 ۵۔ لیکن اگر ایسی بجز زمین میں کوئی پتھر وغیرہ اعلیٰ گاڑے تو اس کی ملکیت ہوگی مگر اس نے  
 اس کو تین سال تک معطل رکھا۔ یعنی قابل زراعت نہیں بنایا تو اس کے بعد اس کو قابل زراعت  
 بنائے اس کی ہو جائے گی۔ اور اس کے عشری یا خراجی ہونے میں وہی اختلاف و امام ابو یوسف  
 اور امام محمد کے قول متعلقہ کی بنیاد پر ہو سکتا ہے، ہوگا۔

"والتعجير في غير احياء الأرض قال ابن مبارک: التعجير ان يضرب  
 على الأرض الاعلام والعتار فهذا الذى قيل فيه ان عطيتها ثلاث  
 سنين فهي لمن احيى بعد" <sup>۳</sup>

### خراجی زمینیں

اگر کوئی ملک صلحاً فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات معاہدہ صلح کے مطابق طے ہوں گے  
 ۱۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں کی ملک  
 میں رہیں گی جن کی ملکیت میں تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگادیا جائیگا۔ یہ خراجی ہوں گی



۲۔ اسی طرح اگر کوئی ملک قبلاً فتح ہوا اور فتح کے بعد امام مسلمین نے اس مفتوحہ ملک کی زمینوں کو فاتحین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور قائم رکھی، تو یہ سب زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ جیسے عراق، شام اور مصر کی اکثر زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم نے یہی معاملہ فرمایا، سوائے چند خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے، یا بیت المال میں رکھا، شامی کتاب العشر والخراج :

امام ابو یوسفؒ نے مختصر اور جامع الفاظ میں خراجی زمین کی اس طرح تعریف کی ہے :

" وأیما دار من دور الاعاجم قد ظهر علیہ الامام وترکھا فی ایدی اہلھا فہی أرض خراج وإن قسمھا بین الذی عنفوها فہی أرض عشر الا ترى ان عمر بن الخطاب ظهر علی أرض الاعاجم وترکھا فی ایدیہم فہی أرض خراج وكل أرض من أراضي الاعاجم صالح علیہا اہلھا وبصار واذمہ فہی أرض خراج "، ۱۰

اور دوسری جگہ رقمطراز ہیں :

" وایما قوم من اهل الشریک صالحہم الامام علی ان یسزلوا علی الحکم والقسم وان یودوا الخراج فہی اهل ذمہ وأرضہم أرض خراج ویؤخذ منہم ما صالحوا علیہ وفي لہم ولا یزاد علیہم "، ۱۱

اور دوسری قسم خراجی زمین کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں :

" وایما أرض افتتحتها الامام عنوة ..... ولم یري قسمتها وراى الصلاح لی اقرارها فی ایدی اہلھا کما فعل عمر بن الخطاب فی الواد قلہ ذالک وہی أرض خراج ولیس لہ ان یأخذھا بعد ذالک منہم وہی ملک لہم یتوارثونہا ویتبا بعونہا ویضع علیہم الخراج ولا یکفوا من ذالک ما لا یطیقون "، ۱۲

## عنبر کی مسک

حضرت یحییٰ ابن آدم نے خراج کن پر عائد ہوتا ہے اور کن پر عائد نہیں ہوتا، اس کو تفصیلًا بیان کیا ہے:

"فدیمایوضع علیہ الخراج من الارضین وما لا یوضع الارض امام ان تكون للمسلمین او للکفار۔ فاما أرض المسلمین فهي قسماں: احدهما أرض لها مالک معین من المسلمین وهي ما احياها المسلمون من غیر أرض العنوة أو ما أسلم علیها لم یکن علیهم خراج قبل الاسلام فهذه لخراج علیها وكذلك ما ملکها بعض المسلمین من الکفار ابتداء کأرض قاتلوا علیها الکفار وقسمها الامام بین الغانمین فکل هذه من أراضي المسلمين مملوكة لمن فی یدہ ولا خراج علی المسلم فی خالص ملکہ الذی لاحق لاحد وهذا لا یعلم فیہ خلاف ونص علیہ الامام أحمد فی احوال العوالم وفیمض أسلم علی أرض یدہ۔"

یہ بحث اس سلسلہ میں ہے کہ کس زمین پر خراج عائد ہوگا اور کس زمین پر عائد نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ زمین یا تو وہ مسلمان کی ہوگی یا کافر کی۔ اگر مسلمان کی ہے تو پھر اس کی دو قسمیں ہوں گی، ان میں سے ایک ایسی زمین ہوگی کہ جس کا مالک متعین ہوگا، اور وہ وہ زمین ہے کہ جس کو مسلمانوں نے لائق زراعت بنایا، اور اس ملک کی نہیں ہے جس کو عنوة فتح کیا گیا ہو یا وہ ایسی نہیں ہے کہ اس پر اسلام قبول کیا اور ان پر اسلام سے پہلے خراج نہیں تھا تو اس پر خراج نہیں ہوگا اور اسی طرح وہ زمین کہ ابتداء ہی بعض مسلمان بعض زمینوں کے مالک ہو گئے تو وہ زمین کس طرح کی ہوگی جس پر مسلمانوں نے کافروں سے قتال کیا اور

اس کو مسلمانوں میں امام نے تقسیم کر دیا، تو یہ سب زمین مسلمانوں میں جن کے ہاتھ میں ہوں گی وہ ان مسلمانوں کی ملوکہ آراضی بھی جائیں گی، اور مسلمانوں کی اپنی خاص ملک میں خراج عائد نہیں ہوتا۔ جس زمین پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو۔ یہ وہ رائے ہے جس میں کسی امام کا ائمہ مسلک میں اختلاف نہیں جاتا۔ اور امام احمدؒ نے احیاء موات اور مسلمانوں کے قبضہ میں جو زمین ہو اور اس پر اسلام لے لے اس میں متعینہ رائے بیان کی ہے کہ وہ شخص جس نے کسی زمین پر اسلام قبول کیا تو یہ اس کی ملک ہوگی اور اس سے خراج لیا جائے گا۔

مرتاضی عیاض نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ یہ اس زمین کے سلسلہ میں ہے جو اس کے اسلام لانے سے پہلے سے خراجی ہو تو اس کی اسلام قبول کرنے سے خراج ساقط نہیں ہوگا لہ  
امام احمد نے ارض صلح کو ارض خراجی قرار دیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیسے تو انہوں نے کہا :  
"الرجل یكون فی یدہ الارض فیسلم ویصلح علی أرضه فهذا هو

خراج۔" ۱۰

حرب کہتے ہیں کہ یہ میرے نزدیک ہے اور رہ گئے دوسرے لوگ تو میں نہیں جانتا کہ یہ کیسے ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب مسلمان نہیں ہوتا ہے اور اپنی زمین پر مصالحت کرتا ہے تو اس سے وہ لی جاتی ہے جس پر مصالحت ہوتی ہو۔ پھر جب وہ اسلام قبول کر لیتا ہے صلح کے بعد تو اس کی زمین عشری ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ خراج تو قہراً ہوتا ہے۔ حرب کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک مرتبہ امام احمد نے کہا کہ صلیبی زمین عشری ہے اس میں خراج کیسے عائد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ نے ایک قول میں فرمایا :

"اذا فتح المسلمون الارض عنوة فصارت فیئاً لهم فهو خراج۔ قال وأرض

العشر الرجل یسلم بنفسه من غیر قتال وفی یدہ الارض فهو عشر۔" ۱۱

کہ جب کسی زمین کو مسلمان عنوة فتح کریں تو وہ زمین ان کے لئے فتنی ہو جاتی ہے اور خراج ہے۔ اور کہا کہ ارض عشرہ ہے کہ آدمی خود اپنے کو سپرد کر دے (یا اسلام لے آئے) بغیر قتال کے اور اس کے ہاتھ میں زمین ہو تو وہ عشری ہے۔



امام احمد سے اس ذمی کے سلسلہ میں جو اسلام لے آئے اور ان کی زمینیں ہوں تو ان پر خراج عائد ہوگا۔ غرضیکہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کی ان بقیہ صورتوں میں مختلف اقوال ہیں لہ

## احناف کی رائے

بخاری میں کے حکم کے سلسلہ میں احناف کی رائے یہ ہے کہ :

” من أحيات مواتا في أرض الإسلام وسقاه من أرض الحراج ان عليه الخراج وهذا مبنوہ علی اہلہم فی ان الاعتبار فی وجوب الخراج

بالماء المسقى به لا بالأرض“

”یعنی جس نے کسی بجز زمین کو لائق زراعت بنایا اور اس کو خراجی زمین سے سیراب کیا تو اس پر

خراج ہوگا۔ مگر یہ مذہب ہے حضرت امام ابو یوسف کا جس پر اکثر احناف نے اعتبار کیا ہے۔ اور امام

محمدؐ کے نزدیک ارد گرد کی زمینوں کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے

علامہ شبانی نے ”کتاب العشر والخراج“ میں ان زمینوں کے بارے میں جو فتح کے وقت

کسی کی ملک میں نہیں تھی اور نہ قابل زراعت تھیں بعد میں امیر اسلامی کی اجازت سے اگر قابل کاشت

کر لی گئی تو پھر دیکھا جانے لگا کہ محنت کر کے قابل زراعت بنانے والے غیر مسلم ہیں تو یہ ان کی ملک بن جائے گی

اور ان پر خراج عائد ہو جائے گا۔ اور اگر مسلمان ہیں تو اس کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام محمدؐ کے

نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر دو پیش کی آرائشی عشری ہے تو وہ عشری ہوگی۔ اور اگر خراجی

ہے تو خراجی ہوگی۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک احياء موات میں مدار پانی ہے اگر عشری

زمین کے پانی سے سیراب کیا گیا تو عشری اور خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی۔ اور اگر عشری اور خراجی

دونوں پانی سے سیراب ہوئی تو اکثر کا اعتبار کر کے اس پر حکم لگایا جائے گا۔

فتی کا حکم: فتی قرار پانے والی زمین مسلمان زمین بخران، ایل، ذریح، دومتہ الجندل، فداک وغیرہ کو شمار کیا ہے

جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا تھا۔ آپ کے بعد ائمہ نے ہلا و جزیرہ، آرمینیا، خراسان وغیرہ والوں سے صلح کیا ہے

چوں کہ فقہ احناف میں پانی کے عشری یا خراجی ہونے کا اثر زمین کی بعض صورتوں پر بھی پڑتا ہے اور پانی کے عشری اور خراجی ہونے کی تحقیق سے دوسرے مسائل بھی واضح ہوں گے۔

### عشری اور خراجی پانی کی تحقیق

زمینوں کی طرح پانی میں بھی عشری اور خراجی ہونے کا ضابطہ ہے۔ عشری پانی، بارش کا پانی قدرتی چشمے، بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہیں اور جس کے بنانے میں حکومت یا کسی قوم کا عمل دخل نہیں، وہ نہ عادتاً کسی کی ملک ہیں اور نہ اس میں عمل دخل ہے، جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون، جیحون اور گنگا، جہنا، پنجاب کے بڑے دریا، عام فقہاء کے نزدیک عشری ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی خراجی ہیں اور جو نہر میں کسی حکومت یا جماعت نے اپنی محنت اور خرچہ سے نکالا وہ خراجی ہوں گی۔ (مگر اس طرح نہیں کہ دوسری ساری زمینیں خراجی ہو جائیں) چوں کہ نہر گنگا و جمن فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھیں، اس لئے ان کا پانی خراجی ہے۔

پانی کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والوں کے ذہن میں فقہاء کرام کے ان ضابطوں کے علاوہ یہ بھی رہنا چاہئے کہ ہندوستان میں جو نظام نہر ہے ان نہروں میں سے زیادہ تر انگریزوں کے دور حکومت میں آبپاشی کے لئے تیار کئے گئے، اور حکومت کی طرف سے اس پر محصول مال گزاری کے علاوہ محصول پٹوئی مقرر کیا گیا۔ بہار کے اندر تو سرکاری معاملہ یہی ہے۔ بقیہ صوبوں میں بھی غالباً یہی ہوگا۔ ”موسوعة الفقہ الاسلامی“ میں جامع صغیر کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے :

” فی الجامع الصغیر فی الأرض فتحت عنہ فیصل الیہ ما لا یشہار

فہی أرضہ آج وما لم یصل الیہ ما لا یشہار و اسلخہ سہہ علیہ

فہی أرض عشر لآن العشر یتعلق بالأرض النامیة ونماءها سہہا

فيعتبر السقي بماء العشر أو بماء الخراج ومن أحيا أرضاً مواتاً فهي عند  
 ابن يوسف معتبرة - وقال وإن أحياها بغير حشرها أو بعين استجرعها أو ماء  
 حلة أو الطرات أو الأنهار العظام السقي لا يملكها أحد فهي عشريّة  
 وكذا إذا أحياها بماء السماء وإن أحياها بماء الأنهار التي احتشرها  
 إلا عاجم فهي خراجية كما ذكر من اعتبار الماء إذ هو السبب المانع<sup>له</sup>

### عشرى اور خراجى ہونے کا ضابطہ

زمینوں کے عشرى یا خراجى ہونے کے لئے اصل میں یہی ضابطہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے اور آپ کے بعد صحابہ کرام نے اپنایا "کتاب الاموال" میں ابو عبید نے ان روایات و فیصلوں کو تفصیلاً  
 ذکر کیا ہے۔

اس اصل ضابطہ سے بہت کربعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مختلف  
 رویہ اختیار فرمایا ہے یہ صورتیں استثنائی ہیں، مثلاً مکہ مکرمہ قبر افتح ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 مکہ کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ سابقہ مالکان کو بدستوران کی ملکیت پر قائم رکھا، مذکورہ ضابطہ کا  
 تقاضا یہ تھا کہ آراضی مکہ مکرمہ پر خراج عائد کیا جائے مگر خراجی نہیں قرار دی گئیں، اس کی دو وجہیں فقہانے بیان کی ہیں  
 مکہ کی آراضی غیر خراجی قرار دینے میں ایک تو احسان تھا، دوسرے حرم پاک کا احترام ملحوظ تھا۔

دور فاروقی میں شہر بصرہ آباد کیا گیا اور اس کی زمینوں کو جو غیر آباد تھیں مسلمانوں نے قابل کاشت  
 بنایا اور یہ زمینیں عراق کی خراجی زمین کے متصل تھیں، اس لئے ضابطہ کا تقاضا تھا کہ وہ بھی خراجی ہوں، اعتبار  
 امام ابو یوسف کی رائے کے — مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔

زمینوں کے عشرى یا خراجى ہونے میں عہد سالت و خلفاء راشدین کے فیصلے

علامہ شامی نے "تقویم البلدان" کے حوالہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے کو شامل کیا ہے۔ یہاں



نجد، حجاز، عروض، یمن، حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے، حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے، حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچا ہے، اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے، اور عروض یامہ سے بحرین تک ہے، یمن میں عدن بھی داخل ہے، بعض حضرات نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عروض ساحل جدہ سے ملک شام تک بیان کیا ہے۔<sup>۱</sup> اسی طرح عراق عرب کی تمام زمینیں خراجی ہیں، فاروق اعظم نے تمام صحابہ کرام کے سامنے فتح کرنے کے بعد عراق عرب پر خراج کا حکم عائد کیا۔

عراق عرب کے مدد طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علت شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔<sup>۲</sup>

آراضی مصر و شام میں جن مالکان آراضی کو ان کی زمینوں پر بدستور ملکیت قائم رکھی گئی وہ خراجی ہیں۔

نصاری بنی نجران سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ خراج پر صلح فرمائی، جس کا نصف رجب میں اور نصف (ایک ہزار) ماہ محرم میں ادا کی گئی خراج کا فیصلہ فرمایا۔

نصاری بنی تغلب سے فاروق اعظم نے دو گنا عشر کے خراج پر صلح فرمائی۔<sup>۳</sup> اس زمین کا حکم جو آبادی سے باہر ہو اور اس کا کوئی مالک نہ ہو۔ البدائع الصنائع میں ہے:

” فی أرض خارج البلد لم تكن ملكاً لأحد ولا حقاً له حاصلاً  
تكون داخل البلد موات أصلاً وكذا ما كان خارج البلدة من  
موافقها محتطباً لأهلها أو مرفوعاً لهم لا يكون مواتاً لأن ما كان  
من مرافق أهل البلدة فهو حق أهل البلدة كقضاء دارهم ومعنى  
ظاهر الرواية ليس بشرط أن يكون بعيداً عن العمران حتى  
أن بحر الوجز الماء انحصر مائة أو أجمعة عظيمه لم تكن ملكاً

۱۔ رد المحتار باب العشر والخراج ۲/۲۵۰ ۲۔ بدائع الصنائع، شامی

۳۔ بدائع القول الشامی فی احکام الأراضی۔

لاحد متكون ارض موات في ظاهر الرواية

”شہر کے باہر اس زمین کے سلسلہ میں جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس کا کوئی خاص حق ہو، وہ شہر کے اندر اصل میں مردہ رہی ہو اور ایسے ہی جو شہر کے باہر۔ اس کے موافقت میں اس شہر والوں کے مخطب یا ان کے چوپائیوں کے لئے چراگاہ نہ ہو، اس لئے کہ شہر والوں کے مرافق میں جو وہ اہل شہر کا حق ہوتا ہے ان کے گھر کے صحن کی طرح۔ اور ظاہر روایت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ اگر دریا میں طغیانی آجائے تو اس کا پانی اس میں بھر جائے یا اہم عظیم ہو تو اس پر کسی کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ وہ مردہ زمین قرار دی جائے گی۔ ظاہر روایت میں!“

—\*—

## آراضی ہند کا تاریخی جائزہ

### محور دوم

- ۱۔ محمد بن قاسم سے لے کر ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کی مفتوحہ آراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کا کیا معاملہ رہا اس کا ایک تاریخی جائزہ۔  
ان آراضی پر عشر لازم کیا گیا یا خراج؟  
مفتوحہ آراضی مسلمانوں پر تقسیم کر دی گئیں یا ان پر حسب سابق غیر مسلموں کا قبضہ باقی رکھ کر کسی خاص قسم کا ٹیکس عائد کیا گیا؟
- ۲۔ انگریزوں کی عمل داری کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک آراضی ہند کی کیا نوعیت رہی؟  
ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اگر اس سلسلہ میں مختلف رویہ اپنایا گیا تو اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔

محمد بن قاسم سے عہد برطانیہ سے پہلے تک : محور دوم : سوال (۱) چوں کہ ہندوستان کے علاقہ ہندھ

میں سب سے پہلے مسلم مجاہدین دوراموی کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں آئے، محمد بن قاسم پہلی صدی ہجری کے اواخر میں چھ ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ کے راستے سندھ میں داخل ہوئے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کاچوں کہ علاقہ وسیع تھا، پنجاب، کشمیر، گجرات سندھ ہی اجزاء تھے، اس وسیع خطہ میں جیسا کہ گذشتہ دور میں (طوائف الملوکی) چھوٹے چھوٹے علاقوں کا کوئی نہ کوئی راجہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ان خطوں کے بہت سے راجاؤں نے محمد بن قاسم سے مقابلہ کیا، اور شکست کھا گئے۔ اور بعض راجاؤں نے جزیہ پر صلح کر لیا۔ مگر تقریباً ان ہر دو قسم کے علاقوں میں محمد بن قاسم نے وہاں کی زمینوں پر سابقہ ملکیت برقرار رکھتے ہوئے انھیں کے قبضہ میں چھوڑ دی۔

کتب تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض شہروں اور علاقوں کے لوگ صلح یا جنگ سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔ بہر صورت اجمالی طور پر یہ بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ان کی زمینوں کو ان کی ملکیت میں بدستور رکھا گیا۔ اور شرعی ضابطے سے جو ملک عنوة فتح ہوا اور اس کی آراضی وہاں کے باشندوں ہی کے ملک میں بدستور رہیں تو ان آراضی پر خراج عائد ہوگا۔ — یا وہ ملک صلحا فتح ہو تو پھر صلح معاہدہ کے تحت ان کی آراضی پر امام مسلمین جو خراج عائد کرے وہ اپنے اختیار سے کرے گا۔

اب دیکھنا چاہئے کہ سندھ اور پھر بعد کے فتوحات جو محمود غزنوی اور غوری عہد حکومت سے علامہ الدین غلامی تک ختم ہو جاتا ہے، ان فتوحات کے بعد زمینوں کے ساتھ حکمرانوں کا کیا رویہ رہا — حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے "القول المفید فی احکام الاراضی" میں سندھ کی زمینوں کے حالات اور ان کے حکم کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے سندھ کے بعض خطوں کو عشری اور بعض کو خراجی قرار دیا ہے۔ سندھ کے حالات پر اور علماء سندھ کے فتاویٰ پر نظر کرنے سے بہت حد تک یہ مسئلہ آسان نظر آتا ہے کہ اس کے تناظر میں کسی صحیح فیصلہ پر پہنچا جاسکے، مفتی صاحب مولانا ہمایونیؒ کے قلمی نسخہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ مولانا ہمایونیؒ نے اپنے رسالہ "سراج الہند فی تحقیق خراج الہند" میں شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب رفع القریۃ کی یہ عبارت نقل کی ہے :

"قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنة ثلاث

وتسعين وكان غنوة الامراء حينه الخلفاء فی سنة ثلاث وتسعين

ایام خلافة ولید بن عبد الملک فتح دیبل ولائک ان دیبل هو



مولانا ہمایونی رفع القریہ کی اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کی کتاب "اتحاد الکابر" اور مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب "بیاض واحدی" کا حوالہ دیتے ہوئے ان حضرات کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ علاقہ سندھ کی ساری زمینیں خراجی ہیں اور ان حضرات نے استدلال کیا ہے کہ سندھ کے بعض علاقے محمد بن قاسم نے عنوة فتح کئے اور بعض علاقے صلحا، اور ان ہر دو صورت میں مالکان زمین کی ملکیت برقرار رکھی، اور ان پر خراج مقرر کیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی تاریخی شواہد اور خود شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم اور راجہ داہر کے بیٹے جسے سیدہ کا دور عمر بن عبدالعزیز میں مسلمان ہو جانا اور محمد بن قاسم کے پاس دوسرے راجاؤں کی عوام کا اگر بغض مسلمان ہونا یہ امور اس بات پر ذہن کو مطمئن نہیں ہونے دیتے کہ مندرجہ بالا رائے تسلیم کر لی جائے اور پورے سندھ کے بارے میں خراجی زمین کا حکم لگا دیا جائے۔ اور جس طرح یہ ناقابل تسلیم ہے اسی طرح شیخ ابوالحسن سندھی نے جامع الفوائد الناصری کا قول نقل کیا ہے کہ سندھ کی آراضی عشری ہیں۔ اس لئے کہ جلد آراضی سندھ کے بارے میں یہ حکم لگانا بھی از روئے شرع تاریخ کے تناظر میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے پایہ سلطنت برہمن آباد کو عنوة فتح کیا اس کے بعد سندھ میں آباد بدھوں نے حجاج ابن یوسف کے پاس اپنے سفیروں کو بھیج کر امان طلب کر لی۔ اور محمد ابن قاسم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، مسلمان فوج کی رسد کا انتظام کیا اور صلح کر لی، اس میں بھی احتمال ہے کہ بہت سے لوگ قبل از صلح مسلمان ہو گئے ہوں، اسی طرح میوستان کے مسیحی لوگ اپنے راجہ بچے رائے کو چھوڑ کر مسلمان کے ساتھ ہو گئے۔ سندھ کا مشہور سیاست داں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر محمد بن قاسم سے ملا، اس نے یہ پیش گوئی کی کہ اس ملک کو مسلمان فتح کریں گے۔

محمد بن قاسم نے یہاں کے لوگوں کو تبدیلی مذہب پر بزور حکومت مجبور نہیں کیا، اور نہ ان کی آراضی ان کے قبضے سے لی، بلکہ ان کو ان پر قائم رکھا، اور فرمان خلیفہ کے بموجب وہی محمول ان پر مقرر کیا، جو اس سے پہلے وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ نتیجتاً اس سے ہم کم از کم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ نہ تو سندھ کی ساری آراضی عشری ہے نہ خراجی۔

## محمد بن قاسم کے سندھ سے واپس جانے کے بعد تبدیلی حالات

ولید بن عبدالملک کے بعد سلمان بن عبدالملک کے دور میں محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا، بلا اس تفصیل میں گئے کہ اس کے کیا اثرات تھے محمد بن قاسم کی واپسی کے نتیجے میں بغداد کی مرکزی خلافت کی گرفت سندھ پر کمزور پڑ جانے کے سبب راجہ داہر کے لڑکے جیسے نے بغاوت کر کے سندھ کے پایہ تخت برہمن آباد پر قبضہ کر لیا، اور اس کے قریب پاس کے علاقوں کو بھی قبضہ میں کر لیا، اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مورخین کی تحقیق ہے کہ اسی دور میں دوسرے چند عرب امرائے بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر کے خود مختار ہو گئے، اور صرف دو ریاستوں ملتان اور سندھ کے مشہور شہر منصورہ پر مسلم ولایت برقرار رہی۔

چوتھی صدی کے آخر میں نمود غزنوی تک سندھ اور اطراف سندھ میں چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کا پتہ چلتا ہے جن میں دیبل یا کھٹھ، غیغان یا سیوان، تمبل، بوقان، قندار یا قنوار، دیہند یا دیہاند، مکران، گجرات، کشمیر۔ عرب کے مشہور سیاح مسعودی کا ورود ہندوستان میں ۳۲۵ھ میں ہوا اس کا بیان ہے کہ ولجہ رائے کی حکومت میں صرف مسمو شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ داہر کے لڑکے جیسے کو خط لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی وہ اس غائبانہ خط سے متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں مجموعی طور پر یہ بات بھی نہیں کہی جاسکتی کہ سندھ کے سارے علاقے عنوة ہی فتح ہوئے اس لئے کہ ان میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو خود مسلمان کے ساتھ مل گئے۔ اس میں اس کا قوی احتمال ہے کہ انہوں نے صلح سے پہلے اسلام قبول کر لیا ہو جیسے می لوگوں کا حال ابھی گذرا۔ اسی طرح ولجہ رائے کی حکومت میں مسمو کے مسلمان جو کافی تعداد میں تھے۔ اسی طرح راجہ داہر کے لڑکے کا عمر بن عبدالعزیز کے خط پر اسلام قبول کر لینے سے ظاہر خود مختاری اور استیلاء کے بعد اس کا اسلام قبول کر لینا اس کی اور اس کے ساتھ دوسرے مسلمان ہونے والوں کی زمین کو عشری قرار دے گا۔ اسی طرح وہ بجز زمینیں جن کو مسلمان نے آباد کی ہوں گی اگر عشری پانی سے آباد کیا ہوگا تو وہ بھی عشری ہی قرار پائیں گی۔

اس کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس وقت سندھ میں جو زمینیں مسلمانوں کے پاس ہیں ہو سکتا ہے کہ محمد بن قاسم کے ان مغتوبہ علاقوں میں ہوں جو عنوة فتح ہوئی ہوں، اور اس کے ہندو مالکان کے



قبضہ میں رہی ہوں، اور ان پر اس وقت خراج ہی عائد کیا گیا ہو مگر بعد میں غیر آباد لاوارث ہو کر پھر بیت المال کے قبضہ میں آگئی ہوں۔ اور متولی بیت المال نے اپنی صواب دید سے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہو تو اس طرح اس زمین پر مسلمانوں کی یہ ملکیت اگر چہ فتح اول کے وقت تو نہیں تھی مگر انقلابات کے سبب مسلمانوں کی ملکیت میں داخل ہو گئی۔

غرضیکہ مسلمانوں کی جو ملوکہ اراضی خواہ ہندوستان کے کسی خطہ کی ہو نسلاً بعد نسل متوارثا علیٰ آرہی ہیں اور کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو استصحاب حال کی بنیاد پر پہلا مالک مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ سندھ کی زمینوں کے اکثر مالکان کا غیر مسلم ہونا مشہور ہے مگر جیسا کہ تاریخی اعتبار سے بہت سے لوگوں کا اسلام قبول کرنا بھی ثابت ہے۔ اس لئے محض اس وجہ سے کہ اس علاقہ کی زمینوں کے اکثر مالک ہندو تھے ساری زمینوں کے سلسلہ میں خراجی یا یہ کہ بہت سے مسلمان ہوئے اس بنا پر سب کو عشری قرار دے دینا خلاف حقیقت ہوگا۔ جیسا کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے بہت سے نام اور پتے ایسے بھی دیتے ہیں کہ جن کے بارے میں ان کو تحقیق ہے کہ یہ لوگ صلح سے پہلے یا اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی لئے حضرت شاہ جلال نقانیری نے احکام الاراضی میں لکھا ہے کہ جو زمینیں مسلمان زمینداروں کے پاس جس خطہ میں بھی نسلاً بعد نسل علیٰ آرہی ہے اس کو محض اس بنیاد پر مشتبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس علاقہ کی زمینوں پر ابتداءً فتح کے وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ قائم رکھا گیا تھا۔

ان تحقیقات کے باوجود ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ سندھ کے کن کن علاقوں میں محمد بن قاسم کے دور میں خراجی زمینیں تھیں اور کن علاقوں کی عشری۔ البتہ آئینہ حقیقت نامہ کے مصنف نے حجاج بن یوسف کے فرمان کا ایک جملہ نقل کیا ہے :

”جو لوگ اپنے مذہب پر قائم ہیں ان سے وہی مال گزاری و مول کر و جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔“

اس سے غیر مسلموں سے خراج لینے کا ثبوت جہاں ملتا ہے وہیں اس کا احتمال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ نحاسل غیر مسلموں کے ساتھ تھے، اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے یا تو وہ وہ لوگ تھے جنہوں نے



اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے ہوں یا سندھ میں محمد بن قاسم کے آنے کے بعد دوسرے خطہ کے لوگوں کو جب محمد بن قاسم کی آمد اور فتح کی خبر ہوئی ہو تو ان سے صلح و معاہدہ کے پہلے اسلام قبول کر چکے ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس فرمان سے ان کو مستثنیٰ کرنا مقصود تھا اور یہ خراج انھیں لوگوں کے لئے تھا جو اپنے مذہب پر قائم تھے۔ پھر یہ کہ محاصل کی کوئی نئی شرح کے بجائے سابقہ ہی مال گذاری کو قائم رکھا۔

حاصل یہ کہ سندھ کی نہ تو تمام آراضی خراجی کہی جاسکتی ہے اور نہ کل کی کل عشری! — مگر چونکہ انفرادی طور پر ہر ایک کی زمینوں کے بارے میں اس وقت کی صحیح حیثیت معلوم کرنا جب کہ فتوحات کو تقریباً ۱۳۱۳ء سو سال گذر چکے، کسی علاقہ میں سات آٹھ سو سال گذرے اور اس زمانہ میں صد ہا انقلابات پیش آنے لگتی بستیان بسیں اور اجڑیں، ان زمینوں پر کتنے زمانے تک کون قابض رہا اور کس کس کی ملکیت میں آتی رہیں اور کتنے زمانہ لاوارث پڑی رہیں وغیرہ — اس لئے متعینہ طور پر ہر ایک زمیندار کی زمینوں کے متعلق یقینی فیصلہ عشری یا خراجی ہونے کا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے فقہاء کرام نے استصحاب حال کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا ہے۔

کہ جو زمینیں بھی جس زمیندار کی ملکیت میں ہیں اور نسلاً بعد نسل قرناً بعد قرن اس کی ملکیت میں چلی ہیں اور اس کی ملکیت کسی غیر مسلم کے لئے ثابت نہیں تو اس کو معمول کیا جائے گا کہ اول فتح سے ہی اس کے پاس ہے، یا یہ کہ غیر مسلم کی ملکیت میں تھی مگر وہ بعد میں لاوارث ہو کر بیت المال کے قبضہ میں آگئی اور متولی بیت المال نے عطاءً جاگیر کے طور پر یا قیمتاً فروخت کر کے اس کا اول مسلمان مالک ہو گیا، اسی طرح برہمن آباد اور اس کے قریب کا علاقہ عشری قرار دیا جائے گا، چوں کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں راجہ داہر کا لڑکا مسلمان ہو گیا تھا۔ اور مسلمان ہونے سے پہلے برہمن آباد اور اس کے علاقے پر اس کا استیلاء ثابت ہو گیا تھا۔

### دوسرے مسلمان بادشاہوں کے دور کا حال

محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان کے دوسرے مفتوحہ علاقے محمود غزنوی اور غوری حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوتی ہیں — ان بادشاہوں کے دور میں اہل تاریخ کی کتابوں سے عشر و خراج کی وصولی کا نظام معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ عشری زمینوں سے عشر کی وصولی کا بہت

چاق و چوبند نظام رہا۔

چنانچہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ :

”نومسلموں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر بدستور قابض رکھا گیا، اور ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا۔“  
سلاطین دہلی کے دور میں بھی عشر کی وصولی کا ثبوت ملتا ہے۔ سید محمد صغریٰ بلگرامی کی استدعا پر سلطان التمش نے بلگرام میں عشر کی وصولی کے لئے فرمان جاری کیا۔ علامہ آزاد نے ”ماثر الکرام“ میں تحریر فرمایا ہے کہ :

”اذن عہد تارمان سلطان ابراہیم سکندر بودی دہ کیے پر گنہ بلگرام معمول بود۔“  
سلطان شمس الدین کے عہد سے لے کر سلطان ابراہیم بن سکندر بودی تک پر گنہ بلگرام میں عشر کی وصولی کا برابر نظام رہا، اسی طرح سلطان التمش کے بعد خاندان غلامان کے تمام بادشاہوں کے دور میں اور بادشاہان غلامان کے بعد خاندان غلجی کے تمام بادشاہوں کے دور میں — اور غلجی بادشاہوں کے بعد خاندان تغلق کے تمام بادشاہوں کے دور میں تغلقیوں کے خاندان سادات کے تمام بادشاہوں کے دور میں، اور ان کے بعد بودی خاندان کے تمام بادشاہوں کے زمانے میں وصولی کا نظام بدستور قائم رہا۔ — محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جو محمود غزنوی کے عہد سے غلام الدین غلجی تک فتح ہوئے، ان میں یہ بات مسلم ہے کہ ان علاقوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملک میں تھیں، وہ بدستور انھیں کی ملک میں رہیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا۔ — مگر غلام الدین غلجی نے جو اصلاحات و تغیرات کئے اس سلسلہ میں کتب تاریخ ”سیرۃ الخواطر“ اور ”آئینہ حقیقت“ نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ بادشاہوں کے زمانے میں فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور تھا مگر غلام الدین غلجی نے اس کو نقد تنخواہوں کی صورت میں کر دیا۔ — اسی طرح مالکان آراضی پر نقد خراج مقرر تھا مگر اس نے اس کی جگہ پریشانی کا وصول مقرر کر دیا۔ اس کے بعد غیر تغلق نے بھی مالکان آراضی کے سلسلہ میں نقد خراج ہی کو جاری رکھا۔ مگر فوج کی جو نقد تنخواہ کا اصول غلام الدین غلجی نے مقرر کیا تھا اس کو پھر جاگیروں کی شکل میں یعنی گذشتہ غلام الدین غلجی سے پہلے والا دستور مقرر کیا۔



دیکھنا چاہتے کہ ان تغیرات کے ذیل میں زمینوں کے احکام میں کیا تبدیلیاں ہوئیں اور ان تغیرات کے کیا اثرات باب احکام میں پڑتے ہیں۔

۱۔ جو جاگیریں فوج کو بعض تنخواہ دی گئیں اگر وہ مسلمان فوج کے پاس آئی تو یہ فرائض کے درجہ میں ہوں گی (خواہ بطور صلہ خدمت ہے) اس لئے مسلمان امیر کی طرف سے جو زمین کسی مسلمان کے ملک میں آئی وہ عشری ہوگی۔

۲۔ جو زمین غیر مسلم فوج کو حکومت نے بہ صلہ خدمت عطا کی وہ خراجی ہوگی۔ اس لئے کہ وہ مسلمان امیر کی عطائی ہے وہ ابتداءً اس کی ملکیت میں نہیں تھی۔

اسی لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ بعض زمینیں ایسی تھیں جن پر خراج مقرر تھا اور بعض پر عشر اور یہ دونوں چیزیں حکومت کی طرف سے وصول کرنے کے لئے مستقل نظام تھا،

علامہ آزاد بلگرامی نے عشر کی وصولی کے سلسلہ میں سلطان محمود ابن محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ کے ایک فرمان کا ذکر کیا ہے جس کو سلطان محمود نے عشر کی وصولی کے سلسلہ میں جاری کیا تھا، اس میں ہے:

”چنانچہ در عہد سلطان مانیر عشرین غلام دادہ اندمیراں جملہ بدہند سلسلہ

علامہ آزاد نے لکھا ہے کہ اس فرمان کو انھوں نے خود دیکھا ہے اور اسی اصل فرمان سے مندرجہ بالا الفاظ نقل کئے ہیں اس فرمان سے دو باتیں بخوبی معلوم ہوتی ہیں کہ فیروز شاہ کے علاوہ گذشتہ بادشاہوں کے دور میں بھی عشر کی وصولی کا نظام تھا اور دوسری بات یہ کہ زمین پر نقدی لگان نہیں تھا بلکہ غلہ ہی پیداوار سے دیا جاتا تھا علامہ آزاد کی تحریر کے مطابق عشر کی وصولی کا نظام بابر کے دور میں درہم برہم ہو گیا، اور ایک زمانہ تک یہی حال رہا لیکن حضرت عالمگیرؑ نے اپنے دور میں جب اصلاحات کی طرف توجہ دی تو تمام مالک خروارہ میں فرمان جاری فرمائے کہ تمام محاسل (عشر و خراج) احکام شرع کے مطابق وصول کئے جائیں اللہ حضرت عالمگیر کا ایک فرمان عشری زمینوں سے متعلق بعض احکام پر شمل من و عن برلن کی شاہی لائبریری میں موجود ہے نیز تاریخ مرآت احمدی میں بھی اس فرمان کی نقل محفوظ ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ کتاب العشر والخراج میں تحریر فرمایا ہے :



”ہندوستان میں جب اسلامی حکومتیں قائم تھیں تو چند بادشاہوں کو چھوڑ کر اکثر فرمانوں میں اسلامی  
محاصل اسلامی آئین کے مطابق لئے جاتے تھے۔ اکبر کے بعد حضرت عالمگیر نے سلسلہ میں اسلامی نظام  
بیت المال قائم کیا اور اسلامی نظام کے مطابق اسلامی طریق محاصل کو رواج دیا۔ تو جس طرح ہندوؤں  
پر جزیہ اور خراج قائم کر کے محصلین جزیہ و خراج کو مقرر کیا۔ اسی طرح مسلمان سے زکوٰۃ و عشر وصول کرنے  
کے لئے محصل مقرر کئے ۴۱

مقدمہ ”زمینہ الخواطر“ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب ”جنتہ المشرق“ میں ہندوستان کی  
زمینوں کا حال کسی حد تک تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ افسوس کہ وہ کتاب نہ مل سکی۔ غالباً دارالعلوم ندوہ کے  
کتب خانہ میں ہوگی۔

بہر صورت ان تاریخی شواہد سے مسلمان بادشاہوں کے دور میں دونوں قسم کے محاصل عشر و خراج  
کا پتہ اجمالاً تو ہوتا ہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم ہی کے دور سے ہندوستان میں ایسے  
مسلمان رہے ہیں جن کی آرائشی اپنی ملوکہ تھیں جن پر عشر واجب تھا۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً فتومات کے  
بعد مختلف طریقوں سے خدمات دینیہ یا دنیویہ کے صلہ میں مسلمان بادشاہوں کی طرف سے مختلف شعبوں یا منصبوں  
پر فائز لوگوں کو جاگیریں دی جاتی رہیں۔ جو ان کی ملک میں آنے کے بعد عشری زمینیں ہوتی جا رہی ہیں اس  
کے علاوہ بہت سی ایسی زمینیں جو ناقابل زراعت اور بنجر کی شکل میں پڑی ہوئی تھیں مسلمان ان کو قابل کاشت  
بناتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندو مالکان کی بھی بہت سی آرائشیاں امتداد زمانہ کے سبب لاوارث ہو کر  
بیت المال میں آتی رہیں، اور بیت المال سے باجارت امیر مسلمانوں کو ملتی رہیں اس طرح اس کا قوی امکان  
ہو گیا کہ موجودہ مسلمانوں کی ملوکہ آرائشی ان کی ملک میں ابتدا ہی سے عشری تھیں۔

### ہندوستان کے مختلف صوبے اور ان کی زمینوں کا حکم

سندھ، پنجاب، گجرات اور کشمیر کے متعلق گذشتہ تحقیق کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ان صوبوں  
کی کچھ زمینیں عشری اور کچھ زمینیں خراجی ہیں گوکہ تعین اور تشخیص کے دشوار ہونے کی وجہ سے استصحاب

حال کی بنیاد پر مسلمانوں کی موجودہ ملوکہ آراضی عشری کہلائیں گی، اسی طرح تقسیم ہند کے بعد پاکستان نے پنجاب میں تھل کا علاقہ، سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ، اور اندرون سندھ و پنجاب کے وہ نئے علاقے جن کو حکومت پاکستان نے آباد کرائے یہ سب مسلمانوں میں قیمتاً یا بلا قیمت تقسیم کر دیئے گئے۔ ان سب کے بارے میں عشری ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، مگر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں گجرات و کشمیر اور قنوج وغیرہ جو بھمن سندھ ہی محمد بن قاسم کے فتوحات میں شامل ہیں۔ اس لئے کہ یہ صوبے سندھ ہی کے جزا تھے تو ان صوبوں کے بارے میں بھی عشری اور خراجی ہونے کا احتمال ہے۔

اسی طرح دکن کے سلسلہ میں آئینہ دکن کے ان فیصلوں کے مطالعہ سے جو دور مغل حکومت کے ہیں یہی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی ملک میں بڑی بڑی جاگیریں تھیں، جن کو وہ دوسروں سے اور اکثر غیر مسلموں سے بٹائی یا اجارہ پر یا سالانہ محصول پر کھیتی کراتے تھے، اور یہ کھیتی کرانے والوں کے پاس نسلاً بعد نسل رہتی تھیں جس کی وجہ سے بعد میں اس کو موروثین زمین کی وجہ اپنی ملکیت سمجھ بیٹھتے تھے اور دوسروں سے فروخت بھی کرنا چاہتے تھے جس پر مالک آراضی عدالت میں مقدمات دعوی ملکیت دائر کر کے اپنی ملکیت کی واپسی کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور ان کے ان دعوؤں میں ثبوت و شہادت کے بعد اس دور کی عدالتوں نے حق موروثیت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مالکان آراضی کے حق میں فیصلے بھی دیئے ہیں اس کی ایک نظیر پیش خدمت ہے :

:- دکن :-

مقدمہ : سید احمد بادشاہ قادری ولد سید محی الدین شاہ، مدعا علیہ مرافع

بنام

شیخ حسین ولد غلام محی الدین،

مدعی مرافعہ علیہ

سند آراضی جو جاگیر میں واقع،

سند منجانب جاگیر دار بابت آراضی

جاگیر دار کے حقوق مالکانہ،

عطاء جاگیر دار نسبت آراضی واقع جاگیر،

جاگیر دار کے اختیارات، عطاء قبضہ، امتداد قبضہ

مدعی نے جو ایک سند نوشتہ جاگیر دار کی بنیاد پر ایک قطعہ آراضی و درختان متعلقہ مقبوضہ مورث کا دعوی



بوجہ بے دخلی دائر کیا۔ عدالت ابتدائی واپیل صدر نے دعویٰ ڈگری فرمایا۔ بر بنا مرافعہ ثانیہ تجویز ہوئی کہ چوں کہ جاگیر دار کو جاگیر کی نسبت وہ حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہوتے جو کسی مالک کو اپنی ملک کی نسبت حاصل ہوتے ہیں، اس لئے عطاء جاگیر دار بالکل ناجائز ہے اس سے کوئی حقیقت تو ریٹ پیدا نہیں ہوتی اور نہ امتداد قبضہ سے اثر ملکیت پیدا ہو سکتا ہے۔

مرافعہ علیہ کی جانب سے مولوی فدا حسین خاں صاحب و کلار حاضر مولوی میر افضل حسین صاحب، میر مجلس و مولوی مفتی سید نور الیض اللہ دین متفق الرائے مدعی بر بنائے سند مورخہ ۱۱۱۱ھ زمین درختان مندرجہ مصدر کا دعویٰ ہے۔ اور ہر دو عدالت پائے ماتحت نے اس کے حق میں ڈگری صادر کر دی ہے جس کا رافعہ ہے، ہماری رائے ہے کہ کاتب سند خود ایک جاگیر دار ہے جاگیر دار کو نسبت جاگیر کے وہ حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہیں جو کسی مالک کو اپنی ملک میں حاصل ہوتے ہیں، اس لئے عطاء جاگیر دار مذکور کی بحق مورث مدعی بالکل ناجائز ہے اور اس سے کوئی حقیقت بر بنا تو ریٹ مدعی کو حاصل نہیں ہوتی۔ وکیل مرافعہ علیہ یہ بحث کرتے ہیں کہ مورثان مدعی کا قبضہ بر بنا، سند مذکور بہت ہے۔

ہماری رائے ہے کہ شخص امتداد لمجاظ واقعات مذکور الصدر مدعی کے حقوق میں اثر ملکیت نہیں پیدا کرتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ مدعی اس وقت بے دخل ہے اور قبضہ دہانی کا دعویٰ کرتا ہے۔

اس فیصلہ کے یہاں تحریر کرنے کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم غور کریں کہ اس دور میں جو زمینیں مسلمانوں کی کسی کو بطور کاشت سے دی جاتی تھیں اس پر مسلمان کی ملکیت قائم رہتی تھی خواہ وہ اس کاشت کرانے والے جاگیر دار کے ہیں مدتوں رہتی ہوں اور تو ریٹاً وہ اس میں کاشت کراتے رہتے تھے، باوجود سند جاگیر داری کے جو کسی جاگیر دار نے دی ہو، اول مالک کی ملکیت سے اس کی ملکیت ختم نہ ہوتی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ مسلمانوں کی تمام زمینیں ایسی بہت سی تھیں جن کو انھوں نے دوسروں کو دے رکھی تھی۔ اور اس طرح کی جائیدادیں مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائیں تب بھی وہ عشری رہے گی۔

وہ ہم پہلو یہ ہے کہ دین میں بھی مسلمانوں اور نوابوں کی بہت زیادہ آراضیاں تھیں جو ایک مسلمان کی ملک جوئے کے سبب عشری ہونے پر دال ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا



کہ ایسی بھی بہت سی آراضیاں ہوں گی جن پر خراج مقرر کیا گیا ہوگا۔  
مزید کن کے حالات پر تاریخ کے اوراق سے سراغ لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں کی آراضی کن کن خطوں  
کی مشری ہیں اور کن کن علاقوں کی خراجی !

### صوبہ بہار

صوبہ بہار میں بہت سے علاقے مختلف راج کے نام سے مشہور رہے ہیں، مثلاً، ستھواں راج جو گویا  
گنچ کے قریب ہے، درہنگہ راج، ہتیار راج جو ضلع چپارن میں ہے اور اس طرح یہ مختلف راج ہیں بڑی بڑی آراضیاں  
تھیں۔ ان راجوں میں جو زمینیں جاگیرداروں کو دی جاتی تھیں ان جاگیرداروں کے گھروں کو بہار میں اکثر جگہوں  
پر دربار کہا جاتا تھا۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ راجا جو حکمران تھے بلکہ یہ جاگیردار تھے۔ اور ان بڑے بڑے  
جاگیرداروں نے جن لوگوں کو اپنی جاگیرداروں کے حصے دے رکھے تھے وہ سب ان جاگیرداروں کے اصل  
میں کارندے تھے جو ان کھیتوں کو کاشت کاروں کو بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ انگریزوں کے دور تک یہ طریقہ رائج  
رہا۔ اور مسلمانوں کے دور میں مسلمانوں کی مشری زمینوں پر جو عشر کے وصول کرنے کا اصول تھا اسی اصول پر حکومت  
برطانیہ کے انگریز کاشتکاروں سے دسواں وصول کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا عبدالصمد رحمانیؒ  
نے زکوٰۃ و عشر میں تحریر فرمایا ہے کہ :

”ہمارے صوبہ بہار میں تو اس عہد انگریزی میں بھی سرفے سے پہلے عشر کا رواج تھا۔ اگرچہ نادانیت ہے  
لوگ اس کو عشر نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ زمیندار کاشتکاروں سے بٹائی کی  
کھیت پر ایک مقدار ”دھیک“ کے نام سے وصول کرتے تھے، مگر وہ لوگ نادانی سے اس کو زمینداری  
کا حق سمجھتے تھے اور اپنے مصرف میں لاتے تھے، حالانکہ ”دھیک“ لفظی ترجمہ عشر کا ہے چونکہ ہندوستان  
کے سلاطین مغلیہ نے تمام مصطلحات کو فارسی میں رکھا تھا اس لئے عشر کا ترجمہ فارسی میں ”دھیک“  
کر دیا گیا۔ اور وہ زمیندار کی معرفت وصول ہوتا رہا۔ اسلامی حکومت کے بعد لوگ اصل حقیقت سے  
غافل ہو گئے۔ اور اس کو غلط طور پر استعمال کرنے لگے۔ سروے کے زمانہ میں اس کو ناجائز ابواب  
سمجھ کر عیاں ساقط کر دیا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اکثر علاقوں میں سروے سے بہت پہلے یہ چیز ختم  
ہو گئی ہو۔ بہر حال مشری زمین کے وجود اور تحقیق میں کوئی شک نہیں جو لوگ مشری کے وجود

کے منکر ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں "س۔

## مَحَوْرِ بِنَجْم

سوال ۱۱) کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یا اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا۔ اگر نصاب کا اعتبار ہوگا تو وہ نصاب کیا ہے ؟

جواب : آیت کریمہ کے الفاظ "وانتوا حقہ یوم حصاۃ" (فصل کی کٹائی اور پھل کے توڑنے کے دن ان کا معین حصہ ادا کیا کرو) اس کی تفسیر حضرت ابن عباس، حسن، انس بن مالک، جابر بن زید، سعید ابن مسیب، قتادہ، طاؤس، محمد بن حنفیہ، ضحاک اور زید بن اسلم سے یہ نقل کی گئی ہے :

"هذا أمر من الله باقتناء الصدقة المفروضة من الثمر والحب" س۔

علامہ زعفرانی نے اپنی تفسیر کشاف میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ "وانتوا حقہ یوم حصاۃ" میں حق سے مراد وہ حق تھا جو مسکینوں کو کٹائی کے وقت دیا جاتا تھا، — ابتداء میں یہ صدقہ واجب تھا مگر عشر اور نصف عشر کی فرضیت کے بعد یہ منسوخ ہو گیا۔

ابن العربی نے احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے :

"وقد أفادت هذه الآية وجوب الزكوة فيما سمي الله سبحانه

وأفادت بيان ما يجب فيه من مخرجات الأرض التي أجمعها في

قوله "ومما أخرجنا لكم من الأرض نسوها ههنا فكانت آية البقرة

عامة في الخراج كله مجملة في القادر وهذه الآية خاصة في مخرجات

الأرض جملة في القدر فبينه رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي

مربان يبين للناس ما نزل عليهم فقال فيما سقت السماء العشر

ومما سقى ينضح أو الآية نصف العشر" س۔

حاصل یہ ہے کہ آیت "ومما أخرجنا لكم من الأرض" سے ہر نکلنے والی چیز پر صدقہ کے حکم کا عموم ثابت

ہوتا تھا۔ مگر "وانتوا حقہ یوم حصادہ" سے خاص کر زمین سے نکلنے والی چیزوں کی قدر اجمال کے ساتھ تفسیر ہو گئی۔ اور اس قدر محل کی تشریح تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "فیماسقت السماء العشر وماسقی بنضح اود الیہ نصف العشر" کے ذریعہ فرمائی۔

ان کے علاوہ علامہ محمود آکوسی نے تفسیر روح المعانی ۸/۳۸ مطبوعہ بیروت اور قاضی شمس الدین پانی پتی نے تفسیر مظہری ۲/۲۹۳ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۷ء امام قرطبی نے تفسیر الجامع الاحکام القرآن ۹۹/۱ مطبوعہ مصر ۱۹۶۷ء وغیرہ حضرات مفسرین نے اس آیت کا مورد عشر اور نصف عشر کو قرار دیا۔

اس آیت کے اطلاق و اجمال میں اختلاف کے سبب ائمہ کے درمیان مقدار نصاب میں اختلاف ہو گیا۔ علاوہ ازیں احادیث و اختلاف اس کا سبب ہے۔

حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین کے درمیان دو بنیادی اختلاف ہے۔ عشر کے وجوب میں نصاب اور بقاء امام اعظم بلا شرط قلیل و کثیر اور بقاء کے عشر کو ہر چیز میں خواہ قلیل ہو یا کثیر باقی رہنے والی ہو یا نہیں۔ ہر حال میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ مگر صاحبین اور دوسرے ائمہ مسالک امام مالک، امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وجوب عشر میں نصاب شرط ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے :

"قال أبو حنیفۃ فی قلیل ما أخرجته الأرض وکثیرہ العشر سواء سقی

سیحاً أو سقته السماء الا الحطب و القصب و الحشیش" ۱۰

اور صاحب ۱۰۳ فرماتے ہیں :

"وقالا لا یجب العشر الا فیما لہ ثمرۃ باقیۃ إذا بلغ خمسة اوسق" ۱۱

صاحب بحر رقم طراز ہیں کہ اختلاف دو جگہوں پر ہے۔ اشتراط نصاب اور اشتراط بقاء میں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے مسئلہ میں حضرت امام اعظمؒ کے قول کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس کو بخاری نے ذکر کیا ہے :

"ما أخرجته الأرض ففیہ العشر"

اور اسی طرح : "فیماسقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر"



وہ فرماتے ہیں کہ اس میں آپؐ نے بلا تفصیل کے جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس میں عشر کا حکم فرمایا ہے۔ اور مسلم شریف میں ہے :

”فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَيْمُ الْعَشْرُ فِيمَا سَقَى بِالسَّائِيَةِ نِصْفُ الْعَشْرِ“

اس کے علاوہ عبدالرزاق نے اس سند کے ساتھ کہ :

”أَخْبَرَنَا مَعْمَرُ بْنُ سَمَاعٍ بْنِ الْخَضَلِ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ

فِيمَا أَنْبَتَتْ مِنْ قَلِيلٍ وَكَثِيرٍ الْعَشْرُ“

اور اسی کے مثل مجاہد و ابراہیم نخعی سے بھی اور ابن ابی شیبہ نے عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور نخعی سے ذکر کیا ہے ان دلائل کی بناء پر احناف نے امام صاحب کی رائے کو اقویٰ اور ائمتہ قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہیں۔ انھوں نے بھی آیت کو عمل قرار دیا ہے اور اس کی تفصیل حدیث ”لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة“ قرار دیا ہے۔ جب کہ یہ روایت بھی بخاری کی ہی ہے۔ اور مسلم کے الفاظ ”لیس فی حب ولا شبر صدقة حتى تبلغ خمسة اوسق“ بھی استدلال ہے۔

اصل یہ کہ اس میں عام اور خاص کا تعارض ہے جو لوگ خاص کو مطلق پیش کرتے ہیں وہ اساق کی حدیث کو موجب قرار دیتے ہیں۔ اور جو عام کو پیش کرتے ہیں یا وہ متعارض سمجھتے ہوئے تاریخ کے عدم علم کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں یا اگر ان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم ہو تو متاخر کو منسوخ قرار دیتے ہیں بحث کرتے ہوئے صاحب محرنے لکھا ہے کہ وجوب عشر میں عموم تسلیم کر لیا جاتے تو بھی ”فیما دون خمسة اوسق صدقة“ دلی روایت متعارض نہیں ہوگی، اس لئے کہ عموم وجوب میں احتیاط ہے۔ اصل مقدار جس میں اختلاف ہو اگر وہ پوری ہو جائے تو اور اگر نہ پوری ہو تو غرض مقصود سے نکلنا لازم نہ آئے گا۔

دوسری توجیہ یہ بھی ہے کہ ”فیما أنبتت من قليل أو كثير العشر“ اور ”لیس فیما دون خمسة اوسق“ دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ اور جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ”لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة“ میں صدقے سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ حکم نصاب زکوٰۃ کی مقدار کو بتانے کے لئے ہے۔ اس لئے کہ پیداوار پر جو چیز واجب ہوتی ہے شریعت نے اس کے لئے لفظ عشر متعین کر دیا۔ صاحب فتح القدیر نے یہ توجیہ ذکر کی ہے :

”وما ذكره المصنف من حمل مروييهما على نكوة التجارة لطيفة الجمع“

بین الحدیثین قبل لفظ الصدقة یشعر به فی الی المعروف فی الواجب

فیما اخرجت اسماء العشر لا الصدقة بخلاف الزکوۃ ۛ

اور ایک تاویل لیس فیما دون خمسة اوسق کی فقہائے یہ بھی کی ہے کہ اس میں زکوۃ تجارت کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ اوساق فروخت کرتے تھے اور ایک اوسق کی قیمت چالیس درہم ہوتا تھا۔  
صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں :

” و تاویل ما رویا زکوۃ التجارة لانهم كانوا یبتاعون بالاًوساق

وقیمة اوسق اربعون درهما فتكون قیمة خمسة اوسق مائتی درهم

وهو نصاب الزکوۃ ۛ

اور جن لوگوں نے وجوب عشر کے لئے غنی کو مشروط قرار دیا ہے اس لئے درست نہیں کہ جب عشر کے وجوب کے لئے مالک ہونا ہی مشروط نہیں تو غنی تو مالک کی صفت ہے اور ذات کو عارض ہے، جب ذات مشروط نہیں تو عارض کو مشروط قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں :

” ولا معتبر بالمالك فيه أى فی العشر جواب عن قوله فلیشترط النصاب

یعنی ان الفنی صفة المالك والمالك فی باب العشر غیر معتبر حتی یجب

فی اراضی المكاتب والعبی والمجنون والاراضی الموقوفة علی الریاطات

والمساجد فكیف بصفته وهو الفنی ۛ

غرضیکہ نصاب کے لئے غنی کی صفت وجوب عشر کے لئے مشروط نہیں ورنہ مکاتب اور اراضی موقوفہ میں عشر کیے واجب ہو سکتا ہے اور اسی لئے عشر میں حوالان حول بھی مشروط نہیں ”لأنه للسنة هو كله نماء“

## الحاصل

عشر میں مقدار نصاب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اور حضرت امام اعظم کی رائے کو اکثر احناف نے راجح قرار دیا ہے، حتیٰ کہ علامہ یوسف القرضاوی نے بھی فقہ الزکوۃ میں اسی کو راجح اور قابل عمل قرار دیا ہے۔

ازالۃ الخلفاء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے بعض ایسے اصحاب کو جو پانچ ادساق کے قائل نہیں یہ کہتے سنا ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد ابو بکر و عمر و عثمان و علیؓ کے دور میں عام طور پر اور زمانہ مابعد میں طویل عرصہ تک صدقات وصول کئے جاتے رہے لیکن کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ پانچ و سق سے کم میں صدقہ نہیں، بجز ابوسعید خدریؓ۔

اس روایت کے سلسلہ میں امام شافعیؒ نے صحت کا قول ضرور کیا ہے اور عمر و حزم کی کتاب میں حضرت جابرؓ سے یہ مروی بھی ہے مگر عجیب بات ہے کہ ائمہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ ان کے زمانہ میں یہ روایت ظاہر ہوئی ہو اور انھوں نے اس میں کلام کیا ہو۔

مسوۃ ۱ (۲) کیا زمین سے ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب ہے؟ جیسے گھاس، بالنس، دخت، جانوروں کے لئے لگایا جانے والا چارہ وغیرہ یا زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً سنگھار، مکھانہ وغیرہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

جواب: گھاس، بالنس جو خود رو ہوں ان میں فقہاء تہہور کی رائے ہے کہ عشر نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ "الخراج" میں رقم طراز ہیں:

”قال أبو يوسف وليس في القصب ولا في الحطب ولا في الحشيش

ولا في التبن ولا في السعف عشر ولا خمس ولا خراج منه

مگر فقہاء کرام کی دوسری عبارتوں سے قصب الزریرہ (کمئی) اور گنے وغیرہ پر عشر کے وجوب کا قول

ملتا ہے:

”وأما قصب الزريرة فإذا كان في أرض العشر عشر وإذا كان في أرض

الخراج ففيه الخراج. وأما قصب السكر ففيه العشر إذا كان في أرض

العشر وإذا كان في أرض الخراج ففيه الخراج لأنه مما يؤكل وأما قصب

الذريرة وإن لم يؤكل فله ثمن ومنفعة“



حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے الاموال کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ :  
 ”وجوب عشر کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا  
 رواج اور عادتاً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو، خود روگھاس اور بیکار قسم کی خود رو جھاڑ  
 بھنکار اگر کسی زمین پر آگ آتیں تو ان پر عشر نہیں، گھاس اور بانس کو آمدنی کے لئے اگایا گیا تو ان  
 میں عشر واجب ہوگا۔“

اور فتاویٰ عالمگیری نے لکڑی، گھاس بانس وغیرہ میں عدم منفعت کی صورت میں عدم وجوب  
 عشر کا قول کیا ہے، فرماتے ہیں :

”فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء السعف۔  
 لأن الارض لا تستعمل بهذه الاشياء بل تفسدها حتى لو تستعمل  
 بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النخل او فیہا دلب  
 أو صنوبر ونحوها وكان يقطعہ ویبيعہ یجب فیہ العشر کذا فی محیط  
 السرخسی“

مبتذکرہ بالافتہاء کی عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زمین سے جو چیزیں عادتاً کاشت کرنے کا رواج  
 نہیں ہے۔ اگر وہ خود رو بیکار ہیں تو ان پر عشر واجب نہ ہوگا، مگر انہیں فروخت کرنے اور نفع کی غرض سے یا وہ نفع بخش  
 ہیں تو ان پر عشر واجب ہوگا، اس لئے کہ حالت عشر منفعت ہے اور منفعت پائی جائے گی تو عشر کا بھی وجوب ہوگا،  
 حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک زمین سے پیدا کی جانے والی ہر چیز میں عشر ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اور  
 نفع بخش پیداوار مستثنیٰ نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

”ویجب العشر عند أبي حنيفة في كل ما يخرج من الأرض من الحنطة  
 والشعير والدخن والأرز وأحناف الحبوب والبقول والرياح والأورار  
 والرطاب وقصب السكر والزريعة والبطيخ والقثاء والخيار والباذ  
 نجان والعصفور واشباه ذلك مما له ثمره باقیہ أو غیر باقیہ قل او کثر

هكذا في فتاوى قاضي خان سواء يسقى بماء السماء او سيحايق فسي

المسقى ام لا يقع هكذا في شرح الطحاوي "لـ

اسی طرح مکھانہ اور سنگھاڑا میں بھی نفع بخش ہونے کے سبب عشر واجب ہوگا۔  
بعض فقہاء کی عبارت سے بعض چیزوں میں عدم وجوب عشر کا بھی قول ملتا ہے مثلاً صاحب عمر نے

تحریر فرمایا ہے :

"وكذا كل حب لا يصلح للزراعة كبرز البطيخ والقثاء لكونها غير

مقصودة في نفسها وكذا الاغصان فيما هو تابع للارض كالنخل والاشجار

اس کا مطلب یہ ہے کہ بطیخ (خربوزہ) اور قثاء (کڑھ) کے بیج پر عشر نہیں، اس لئے کہ یہ فیہ فی نفسہ مقصود نہیں اسی طرح کھجور کے درخت اور دوسرے درخت پر زمین کے تابع ہونے کے سبب اور ان سے حاصل پھلوں پر عشر واجب ہونے کی بناء پر عشر واجب نہ ہوگا۔

سوال (۳) آج کل عام طور پر زراعتی آراضی پر تالاب کھود دئے جاتے ہیں اور اس میں پھلی کی کاشت کی جاتی ہے، پھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان آراضی پر گہیوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے، اور منفعت کم، اس لئے آراضی کو پھلی کی کاشت کے لئے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہنچایا جاتا ہے — اب سوال یہ ہے کہ پھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر جاری و نافذ ہوں گے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟

جواب : فقہ کا مشہور اصول ہے "بتغیر الحكم بتغیر الشئ" شئی کے تغیر سے حکم میں تغیر واقع ہوتا ہے جیسے کوئی ذمی کا فراپنے گھر یا افتادہ زمین کو باغ یا کھیت بنائے تو اگر اس کی آبپاشی خراجی پانی سے کرے تو خراج، اور اگر عسری پانی سے کرے تو عشر واجب ہوگا۔ اور اگر دونوں قسم کے پانی سے کرے تو عسری ہوگی "لـ

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ زمین کے اندر نمو کی وجہ سے مکم بدل گیا اور عشر یا زکوٰۃ کے لئے نمو شرط ہے اس لئے جس عشری زمین میں تالاب کھود دیا جائے اور اس کو پھل پالنے کا ایک ذریعہ بنایا جائے اس تالاب کی قوت نمو اس زمین سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے جس زمین پر ناج یا پھل پیدا کئے جائیں۔ اس لئے اب یہ زمین زراعتی نہیں رہی چونکہ پھلیاں "مما اخرجنا لکم من الارض" میں سے نہیں ہیں بلکہ "مما کسبتم" میں اور اموال تجارت میں شمار کرتے ہوئے اس پر زکوٰۃ اموال واجب ہوگی۔

آثار سے پھلیوں کے پکڑنے اور خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ امام ابو یوسف نے الخسراج میں "فی بیع السمک فی الاحجام" کے تحت بہت سے آثار جمع کئے ہیں، اور جب انھیں پکڑ کے فروخت کیا جانا ثابت ہے تو ان پر اموال تجارت ہونے کے سبب زکوٰۃ کا بھی ثبوت ہو جائے گا۔

چنانچہ الخراج میں ہے :

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اُنہ قال لا تبایعوا السمک فی الحما

فإنه غرر" ۱

اور اسی کتاب میں دوسری روایت ہے :

"حدثنا ابو حنیفۃ عن حماد قال طلبت اِلی عبد الحمید بن عبد الرحمن

فکتب اِلی عمر بن عبد العزیز یسأله عن بیع صید الاحجام فکتب

الیہ عمران لا بأس بہ وسماہ الحبر" ۲

ایک اور اثر اسی کے مطابق ہے :

"من الحكم (بن عتیبة) عن ابراهیم قال ان اشتريت صیدا معصودا

ورأيت ببعته فلا بأس" ۳

الغرض بڑے دریاؤں سے پکڑی جانے والی پھلیوں کی تجارت کے ثبوت میں کوئی کلام نہیں ہے تو پھلیوں کے پالنے کے لئے جو تالاب کھودے جاتے ہیں اور کم زمین میں پھلی پال کر اچھی آمدنی کی جاتی ہے مثل اس تجارتی انڈسٹری کے ہے جو کھوڑی زمین میں کوئی چیز تیار کر کے نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی



ہے۔ اس لئے تالاب کی مچھلیوں کو مال تجارت پر محمول کرتے ہوئے اس کی آمدنی پر بشرط نصاب و مشروط زکوٰۃ کے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ————— رہ گئیں وہ مچھلیاں جو سمندروں سے بڑی بڑی کمپنیاں پکڑنے کا اہتمام کرتی ہیں، ان کی ملکیت پر بھی مثل عنبر اور موتی کے علی حسب اختلاف زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جیسا کہ عنبر کے بارے میں ابن عباس کی رائے میں غمس واجب ہوگا۔

اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے یحییٰ بن منیہ کو غمس لینے کے لئے لکھا تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس میں زکوٰۃ منقول ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمان کے اپنے عامل کو لکھا تھا کہ مچھلیوں کی زکوٰۃ نہ لی جائے جب تک کہ ان کی قیمت دو سو درہم نقدی نصاب کی قیمت نہ ہو جائے امام احمد سے بھی یہی رائے منقول ہے۔

## الحاصل

جو تالاب مچھلیوں کو پالنے کے لئے کھودے جاتے ہیں اور ان میں مچھلیوں کو پالا جاتا ہے، وہ اموال تجارت میں شمار ہوں گے، اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرط واجب نہ ہوگا۔

—•—

# عشر کے بعض احکام

## عشر سے متعلق محو پنجم کے جوابات

انہ۔۔۔۔۔ مولانا مفتی جمیل احمد ندوی۔ جامعہ عربیہ عین الاسلام نواہ، مبارکپور اعظم گڑھ

### وجوب عشر کے لیے نصاب شرط نہیں

وجوب عشر کے سلسلے میں جو آیات و احادیث وارد ہیں اُن کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر ایک میں عشر ہوگا، گریہ بھی ضروری ہوگا کہ پیداوار کیل و وزن کے معیار شرعی "نصف صاع" سے کم نہ ہو

لأنه لا تقدر في الشرع بمقادير

اس سے کم کا مقدار کے سلسلے میں شرع میں کوئی معیار نہیں۔

چنانچہ صدقہ فطر میں گندم نصف صاع دینے کا حکم ہے اس سے کم کا شریعت نے کوئی معیار مقرر نہیں کیا ہے، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"قوله بلا شرط نصاب) وبقاء فيجب فيعادون النصاب بشرط ان يبلغ صاعاً

وقيل نصفه وفي الخضراوات التي لا تبقى وهذا قول الامام وهو الصحيح كما

في التحفة ۲ (۲)

۱ یعنی ایک کلو ۶۶۰ گرام بعض کے نزدیک ایک کلو ۶۳۲ گرام ۲ ہدایہ ۶۳۴

۳ رد المحتار علی الدر المنار ۲/۵۴۵

عشر میں نصاب اور بقا، شرط نہیں، لہذا نصاب سے کم میں بھی عشر واجب ہوگا، بشرط کہ ایک صاع ہو اور کہا گیا ہے کہ نصف صاع ہو، اور خفراوات (ترکاریاں) جو باقی نہیں رہتیں ان میں بھی عشر ہوگا، یہی امام صاحب رحمہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ لکھتے ہیں:

”وَكَذَا النَّصَابُ لَيْسَ بِشَرْطٍ لَوْ جُوبَ الْعَشْرُ فَيَجِبُ الْعَشْرُ فِي كَثِيرٍ خَارِجٍ وَقَلِيلِهِ وَلَا يَشْتَرُطُ فِيهِ النَّصَابُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَ أَبِي يَرْسَفَ وَمُحَمَّدٍ لَا يَجِبُ فِي مَادُونَ خَمْسَةٌ أَوْ سِتٌّ إِذَا كَانَ مَعَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْكِيلِ كَالْحَنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْفَارَةِ وَالْأَرْزِ وَنَحْوِهَا“ (۱)

وجوب عشر کے لیے نصاب شرط نہیں، پس قلیل و کثیر ہر پیدوار میں عشر واجب ہوگا، نصاب کا شرط نہ ہونا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ دسق ہے، کم میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ان چیزوں میں سے جو کیل کے تحت آتی ہوں، مثلاً گندم، جو، باجرہ، چاول وغیرہ

آیات و احادیث کے عموم سے پتہ چلتا ہے کہ وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، سورہ بقرہ میں ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ“ (بقرہ ۲۶۷)

اے ایمان والو! خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمایا اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین سے۔

یہاں وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (ان چیزوں میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین سے) میں کم یا زیادہ کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی۔

سورہ النعام میں ہے:

”وَأَتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ“ ————— دو اس کا حق اس کٹائی کے دن



یہاں بھی عام ہے اور حق دینے کے سلسلے میں قلیل و کثیر کی تفصیل نہیں۔

”عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشیرا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر“<sup>(۱)</sup> سالم بن عبد اللہ اپنے والد عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں یا کنوئیں اور گڈھے اس میں عشر ہے اور جس کو پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

ومن الآثار ما اخرج عبد الرزاق عن عمر بن عبد العزیز قال فیما انبتت من قلیل وکثیر العشر واخرج نحوه عن مجاهد وعن ابراهیم النخعی واخرجه ابن ابی شیبۃ ایضاً عن عمر بن عبد العزیز ومجاهد وعن النخعی حتی فی کل عشر ومتجات دستجة کذا فی فتح القدیرو السہان ۵ (۲)

آثار میں سے وہ ہیں جن کی تخریج عبد الرزاقؓ نے عمر بن عبد العزیزؓ سے کی ہے کہ قلیل و کثیر جو بھی پیداوار ہو اس میں عشر ہے، اسی کے مثل مجاہدؓ و ابراہیم نخعیؓ سے بھی تخریج کی ہے۔ ابن ابی شیبہؓ نے بھی عمر بن عبد العزیزؓ، مجاہدؓ اور نخعیؓ سے اس کی تخریج کی ہے اور نخعیؓ نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ یہاں تک کہ ہر دس مٹھا کرکاری میں ایک مٹھا عشر ہے ایسے ہی فتح القدیرو اور برہان میں ہے۔

آیات اور احادیث و آثار کے عموم کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وجوب عشر کا سبب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ زمین کی پیداوار ہے اور یہ قلیل و کثیر میں فرق لازم نہیں کرتی۔ امام کا سانیؒ فرماتے ہیں:

”ولان سبب الوجوب وہی الارض النامیۃ بالخارج لا یرجب التفصیل بین القلیل و الکثیر“<sup>(۳)</sup>

اس لیے کہ وجوب کا سبب زمین کی پیدوار ہے اور یہ قلیل و کثیر میں فرق کو واجب نہیں کرتی۔

عموم عشر کی روایات عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، مجاہدؓ، حماد بن سلیمانؓ، عمر بن عبد العزیزؓ، ابراہیم

(۱) بخاری ۳۰۱۶، ترمذی ۱۳۸، ابن ماجہ ۱۳۱، ابوداؤد ۲۲۵

(۲) العرف الشدی علی الترمذی ۱۳۶، (۳) بدائع الصنائع ۵۹/۲

نخعی (۲)، ابن شہاب زہری (۲)، اور ابن ابی موسیٰ سے مروی ہیں۔ (۱۱)  
جو ائمہ مجتہدین قلیل و کثیر میں فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک پانچ وسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں ہے، ان کی مستدل یہ حدیث ہے :

”عن ابن سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فیما اقل  
من خمسة اوسق صدقة و لافى اقل من خمس من الابل صدقة ولا  
فی اقل من خمس اواق من الورق صدقة“ (۲)

ابو سعید خدری رحمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں، پانچ اوقیہ  
سے کم میں صدقہ نہیں، پانچ اوقیہ (دو سو درہم) چاندی سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔

امام کا سانی (۲) نے اس حدیث کے مفہوم و مراد پر بڑی عمدہ بحث کی ہے، فرماتے ہیں :

”واما الحديث فالجواب عن التعلق به من وجهين احدهما انه من الاحاد فلا يقين  
من معارضة الكتاب و الخبر المشهور فان قيل ما تلوثتم من الكتاب  
ورويتم من السنة يقتضيان الوجوب من غير التعرض لمقدار الموجب منه  
و ما روينا يقتضي المقدار فكان بياناً للمقدار ما يجب فيه العشر و البيان  
بخبر الواحد جائز كبيان العجل و المقتضاه فالجواب انه لا يمكن حمل على  
البيان لان ما تمسكنا به عام يتناول ما يدخل تحت الوسق و ما يدخل و ما رويتم  
من خبر المقدار خاص فيما يدخل تحت الوسق فلا يصلح بياناً للمقدار الذي يجب  
فيه العشر لان من شان البيان ان يكون شاملاً لجميع ما يقتضى البيان وهذا  
ليس كذلك على ما بينا فاعلم انه لم يرد مورد البيان و الثاني ان المراد من الصدقة  
الزكاة لان مطلق اسم الصدقة لا ينصرف الا الزكاة المعهودة و نحن به نقول  
ان مادون خمسة اوسق من طعام او ثمر للتجارة لا يجب فيه الزكاة ما لم يبلغ قيمتها  
ما تقي درهم او يحتمل الزكاة فيحمل عليها عملاً بالدلائل بقدر الامكان“ (۲)

حدیث کا جواب دو طرح سے ہے ایک یہ کہ وہ آحاد میں سے ہے لہذا کتاب الشہادہ اور خبر مشہور کے مقابلے میں قبول نہیں کی جائے گی، پس اگر کہا جائے کہ آپ نے جو آیت اور حدیث بیان کی ہے اس سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے مقدار واجب نہیں ثابت ہوتی اور ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں مقدار واجب کا تذکرہ ہے (۱) یہ روایت جن چیزوں میں عشر واجب ہوتا ہے ان کی مقدار واجب کا بیان ہو گئی اور خبر واحد کے ذریعہ بیان جائز ہے جیسے محل و منہا کا بیان، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں خبر واحد کو بیان پر محمول کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ہم نے جس سے استدلال کیا ہے وہ عام ہے وہ ان چیزوں کو بھی شامل ہے جو دسق کے تحت ہوں اور ان کو بھی جو دسق کے تحت نہ ہوں، اور آپ کی روایت کردہ حدیث خاص ہے اس صورت کے لیے جو صرف دسق کے تحت ہو لہذا یہ حدیث ان چیزوں کا بیان نہیں ہو سکتی جن میں عشر واجب ہوتا ہے اس لیے کہ بیان کی شان سے ہے کہ وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہو جو بیان کو چاہتی ہوں اور اس حدیث کا یہ معاملہ نہیں، لہذا معلوم ہو گیا کہ وہ مورد بیان میں نہیں وارد ہوئی۔

دوسرا جواب حدیث کا یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اس لیے کہ مطلق صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اس لیے کہ مطلق صدقہ سے زکوٰۃ ہی مراد ہوتی ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ پانچ دسق غذا یا کھجور جو تجارت کے لیے ہوں، سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں جب تک ان کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے، یا یوں کہا جائے کہ اس میں زکوٰۃ کا بھی احتمال تھا لہذا زکوٰۃ پر ہی محمول کیا گیا تمام دلائل پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وتأويل ما روياه زكوة التجارة لانهم كان يتبايعون بالاسواق وقيمة الوسط اربعون درهماً ولا معتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغناء ولهذا لا يشترط الحول لانه للاستنماء وهو كله نماء“ (۱)

صاحبین رحمہ کی روایات کی تاویل یہ ہے کہ وہاں زکوٰۃ تجارت مراد ہو اس لیے وہ لوگ دسق سے ہی لین دین کرتے تھے اور دسق کی قیمت ۴۰ درہم ہوتی ہے اور عشر میں مالک کا اعتبار نہیں ہے لہذا اس کی صفت غنا یعنی صاحب نصاب ہونا کیسے معتبر ہو سکتا ہے اسی لیے حوالان حول شرط نہیں کیوں کہ وہ افزائش کے لیے ہوتا ہے جب کہ عشری اراضی مکمل نہا ہیں۔





ہے، اگر احقر کا خیال غلط فہمی پر مبنی ہو تو تصحیح کا خواہش مند ہے۔ پانچ دسوق والی روایت میں جن تین چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ہر ایک میں لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہے، دو میں صدقہ سے زکوٰۃ مراد لیا جاتا مستفق علیہ ہے لہذا عین قرین قیاس ہے کہ تیسرے لفظ صدقہ سے بھی زکوٰۃ ہی مراد ہو نہ کہ عشر۔

— عشر اگرچہ زکوٰۃ ہی کی ایک نوع ہے مگر شرائط و تفصیلات میں فرق بھی ہے، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عشر میں اس کیفیت یا باع کا مالک ہونا شرط نہیں جس کی پیداوار کا عشر ادا کرنا ہے، جبکہ زکوٰۃ میں ملکیت شرط ہے غور طلب بات یہ ہے کہ جب مالک ہونا ہی شرط نہیں تو اس کی صفت غنا یعنی صاحب نصاب ہونا کیسے شرط ہوگا۔ ذات (موصوف) کے وجود کے بغیر صفت غنا کا وجود کیسے ہوگا، جبکہ ذات جو ہر ہے اور صفت عرض، عرض اپنے وجود میں جو ہر (یعنی موصوف) کی محتاج ہے۔

### کس پیداوار پر عشر ہے

زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر ہے بشرطے کہ اس کی زراعت کی جاتی ہو یا کی گئی ہو، چنانچہ وہ چیزیں جو زراعتی کہلاتی ہیں ان میں عشر ہوگا ہی، اگر بانس، گھاس، چارہ اور درخت وغیرہ کو باقاعدہ بویا جاتا ہو تو اس میں بھی عشر ہوگا۔

”ومنہا ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الارض وتشتغل الارض بہ عادة فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی لان هذه الاشیاء لا تسمی بہا الارض ولا تستغل بہا عادة لان الارض لا تنمو بہا بل تقصد فلم تكن نماء الارض حتی قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انه یجب فیہا العشر لان ذلك غلة وانرة ویجب فی قصب السكر وقصب الذریق لان یطلب بہما نماء الارض فوجد شرط الوجوب فیجب فاما کون الخارج ممالہ لثمرۃ باقیة فلیس بشرط لرجوب العشر بل یجب سواء کان الخارج له ثمرۃ باقیة او لیس له ثمرۃ

باقیة وهی الخضراوات كالبقول والربطاب والخيار والقشاعة والبصل والثوم  
ونحوه فی قول ابی حنیفة و عند ابی یوسف ومحمد لا یجب الا فی الحبوب  
وماله ثمرة باقیة واحتجاجا بماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال  
لیس فی الخضراوات صدقة ۱ (۱)

شرائط عشرین سے یہ ہے کہ زمین سے نکلنے والی چیز ایسی ہو جس کی زراعت سے نمو ارض کا قصد کیا گیا ہو اور جس  
سے زمین مادہ حاصل لیتی ہے لہذا لکڑی، گھاس اور بانس میں عشر نہیں ہے کیوں کہ ان سے حادثہ زمین کا  
بڑھنا اور حاصل لینا مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ زمین اس سے نمو نہیں پاتی بلکہ خراب ہو جاتی ہے، لہذا  
یہ نما، ارض نہ ہوئے البتہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر زمین میں بانس لگائے جائیں اور خلاف (بید کی ایک قسم) کا درخت  
لگایا جاتے جو ہر تین سال یا چار سال میں کاٹا جاتا ہے اس میں عشر ہوگا اس لیے کہ وہ افزا حاصل ہے اور گنا اور  
باجسہ کے درخت میں عشر ہوگا کیوں کہ ان سے نما ارض مقصود ہے، لہذا وجوب کی شرط پائی گئی پس عشر  
واجب ہوگا، البتہ یہ شرط کی پیداوار کے لیے ثمرہ باقیہ ہو (یعنی پیداوار جلد خراب ہونے والی نہ ہو بلکہ کچھ دن  
رک سکے) وجوب عشر کے لیے یہ شرط نہیں ہے لہذا عشر واجب ہوگا، پیداوار ہونے والی چیز کے لیے ثمرہ باقیہ ہو  
یا نہ ہو، مثلاً خضراوات جیسے ترکاریاں، تازہ کھجوریں، لکڑی، کھیر، پیاز، لہسن وغیرہ امام ابو حنیفہ رحمہ کے  
قول میں اور امام ابو یوسف رحمہ اور امام محمد رحمہ کے نزدیک عشر انہیں چیزوں میں واجب ہوگا جو کہ غلہ ہو یا جس  
کے لیے ثمرہ باقیہ ہو۔ دونوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا ہے کہ خضراوات میں صدقہ نہیں ہے۔

لیکن یہ حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے اور جن جن سندوں سے مروی ہے سب میں ضعف ہے،  
جامع ترمذی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”عن عیسیٰ بن طلحة عن معاذ انه كتب الى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله

عن الخضراوات وهی البقول فقال لیس فیہا شئ ۲ (۲)

(۱) بہ الدائع الصنائع ۵۸-۵۹

(۲) جامع الترمذی ۱۳۸۱ باب ما جاء فی الخضراوات



عیسیٰ بن طلحہ حضرت معاذ رحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبزیوں اور ترکاریوں کے متعلق خط لکھ کر معلوم کیا، آپ نے ارشاد فرمایا، اس میں کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں:

"اسناد هذا الحديث ليس بصحيح وليس بصحيح في هذا الباب من النبي صلى الله عليه وسلم شيء وإنما يروى هذا عن موسى بن طلحة عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلًا والعمل على هذا عند أهل العلم أنه ليس في الخضراوات صدقة قال أبو عيسى والحسن هو ابن عمارة وهو ضعيف عند أهل الحديث ضعفه شعبة وغيره وتركه عبد الله بن المبارك (۱)۔"

اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے اور اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح مروی نہیں، البتہ یہ روایت موسیٰ بن طلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کرتے ہیں اور عل اس پر ہے، اہل علم کے نزدیک کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے، فرمایا امام ترمذی رحمہ نے کہ حسن جو ابن عمارہ میں وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، شعبہ وغیرہ نے انھیں ضعیف کہا ہے اور عبد اللہ بن مبارک نے (ان سے روایت کرنے کو) ترک کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ کی اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی ساری حدیثوں میں صرف وہ حدیث صحیح ہے جو موسیٰ بن طلحہ سے مرسل مروی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل بھی صحیح نہیں، صاحب الدرایہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ فرماتے ہیں:

"و طریق موسیٰ اخرجها الحاکم والطبرانی والدارقطنی لکن قالوا عن موسیٰ بن طلحة عن معاذ واخرجه الدارقطنی والبيهقي عن طريق عن موسى بن طلحة عن انس واسناده ضعيف قال والمشهور رواية الثوري عن عمر بن عثمان عن موسى بن طلحة قال عندنا كتاب معاذ عن النبي فذكره وله طريق آخر في الدارقطنی عن عطاء بن السائب عن موسى بن طلحة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فرمى ان يؤخذ من الخضراوات صدقة وفي الباب عن علي بن عاصم ومحمد

ابن جحش فی الدارقطنی کلہا واسانیدہا ضعیفۃ (۱)

موسیٰ کی سند کو حاکم رحمہ اللہ اور دارقطنی نے تخریج کیا ہے، لیکن محدثین (موسیٰ بن طلحہ عن معاذ کے بھائی) موسیٰ بن طلحہ عن معاذ کہا ہے، دارقطنی اور بزار نے موسیٰ بن طلحہ عن انس رحمہ اللہ کی تخریج کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور کہا کہ مشہور سفیان ثوری عن عمرو بن عثمان عن موسیٰ بن طلحہ ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس معاذ رحمہ اللہ کی ایک تحریر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے پس حدیث مذکور کو ذکر کیا، اس حدیث کی دوسری سندیں بھی ہیں دارقطنی میں عن عطاء بن السائب عن موسیٰ بن طلحہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر اوت میں صدقہ لینے سے منع فرمایا ہے اور باب میں حضرت علی رحمہ اللہ حضرت عائشہ رحمہ اللہ اور محمد بن جحش رحمہ اللہ سے دارقطنی میں روایتیں منقول ہیں، سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

علامہ زلیعی رحمہ اللہ نے بھی نصب الراية میں ان احادیث کے منصف کی تصریح کی ہے، احکام القرآن لابن العربی، تحفۃ الاحوذی لعلامہ عبد الرحمن المبارکفوری میں بھی احادیث مذکورہ کے منصف اور قابل استدلال نہ ہونے کی صراحت ہے، چنانچہ علامہ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ جلد اول میں مفصل بحث کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ خضر اوت کو شامل کرتے ہوئے عموم عشر کا قول ہی صحیح اور بہتر ہے۔

حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود حدیث کا صحیح محل بھی تلاش کیا گیا ہے، امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”واما الحدیث فغریب فلا يجوز تخصیص الكتاب والخبر المشہور بمشہدہ او یعمل

على الزکاة او یعمل قوله لیس فی الخضر اوت صدقة علی انه لیس فیہا صدقة

تؤخذ بل اربابہا هم الذین یؤدونها بانفسہم فکان هذا نفی ولایة الاخذ للامام

وبہ نقول واللہ اعلم (۳)

حدیث غریب ہے لہذا اس جیسی حدیث سے کتاب اللہ یا خبر مشہور کی تخصیص جائز نہیں یا وہ زکوٰۃ پر محمول کی جائے

گی، یا یہ قول کہ ترکاریوں میں صدقہ نہیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان میں سے صدقہ وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس

کے مالکان خود ادا کریں گے، پس یہ امیر کے لینے کی ولایت کی نفی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں، واللہ اعلم۔

(۱) الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ علی هامش الہدایۃ ۲/ باب زکوٰۃ الذروع والثمار۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

"ومرويهما محمول على صدقة ياخذ العاشر وبه ياخذ ابر حنيفة (۱)"

صاحبین کی روایات اس صدقہ پر محمول ہیں جو عاشر وصول کرتا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ کا یہی مسلک ہے۔

ان مباحث اور مختلف توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں عشر ہے جس سے نمو برارض مقصود ہو۔ خواہ وہ غلہ اور پھل ہو یا سبزیوں و ترکاریاں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص عشری زمین میں بانس لگاتا اور پختا ہو یا جانوروں کے لیے گھاس و چارہ بوتاتا ہو یا فرنیچر بنانے یا جلانے کی لکڑیاں (درخت) بوتاتا ہو، اس میں بھی عشر ہوگا، لیکن اگر یہ چیزیں بغیر بوئے اور لگائے خود پیدا ہوئی ہوں تو ان میں عشر نہ ہوگا۔

"اما الحطب والقصب والحشيش لا تستئمت في الجنان عادة بل تنقى عنها

حتى لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر" (۲)

لکڑی، بانس اور گھاس عادتاً باغوں میں اگائے نہیں جاتے بلکہ باغ اس سے صاف کیے جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی

زمین بانس یا درخت لگانے اور گھاس اگانے کے لیے بنادی گئی تو اس بانس و گھاس و درخت میں عشر ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ اب یہ چیزیں زمین کا حاصل اور پیداوار بن گئی ہیں، پہلے زمین سے یہ صاف کی جاتی تھیں، اب

زمین اس کے لیے صاف کی جائے گی اور اس کی پیداوار کے لائق بنائی جائے گی۔

## پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں

اگر عشری زمین میں تالاب بنادیا گیا ہو اور اس میں سنگھاڑا یا مکھانہ کاشت کیا جائے یا پھل پالی جائے تو ان میں عشر نہ ہوگا کیوں کہ وجوب عشر کے سلسلے میں یہ اصول متفق علیہ ہے کہ وہ چیز زمین کا حاصل اور پیداوار یا اس سے ملحق ہو اور نمو، ارض اس سے مقصود ہو اور یہ چیزیں (سنگھاڑا، مکھانہ اور پھل) نہ زمین کی پیداوار اور حاصل ہیں نہ اس سے ملحق اور نہ ہی اس سے نمو برارض مقصود ہوتا ہے، لہذا ان میں عشر نہ ہوگا۔

درج ذیل فقہی قواعد و جزئیات سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۵۹/۲ (۲) ہدایہ ۲۰۱/۲

(۳) حوالہ مذکور و درمختار و ردالمحتار ۵۵۵، البحر الرائق ۵/۱۱۵، الفتاویٰ الہندیہ ۱۸۶/۱



” و منها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض

به عادة : (۱۱)

دوب عشر کے شرائط میں سے ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی اشیا، ایسی ہوں جن کی زراعت سے نمو، ارض اور زمین کا حاصل لینا عارۃً مقصود ہوتا ہو۔

” وان يكون الخارج منها مما يقصد بزراعته نماء الارض هكذا في البحر الرائق : (۱۲)

پیداوار ان چیزوں میں سے ہو جن کی زراعت سے عارۃً نماء ارض مقصود ہو۔

” كل ما يقصد بهما استغلال الارض لا يجب فيه العشر : (۱۳)

ہر وہ چیز جس سے زمین کا حاصل لینا مقصود ہو اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔

” كل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعير والدخن والارز الخ : (۱۴)

ہر وہ چیز جسے زمین نکالے جیسے گہوں، جو، باجرا اور چاول وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ سنگھارا، کھانا اور مچھلی ما تخرجه الارض (جسے زمین نے نکالا ہو) میں سے نہیں ہیں، بعض صورتوں میں

اسے انزال ارض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

” وليس في عين القير والنفط في أرض العشر شيء لانه ليس من انزال الأرض : (۱۵)

تارکول اور مٹی کا تیل و پٹرول کے چشمے جو عسری زمین میں ہوں ان میں عشر نہیں کہ وہ انزال ارض یعنی زمین کا حاصل نہیں۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے :

” اي ما يحصل من الارض كالحنطة ونحوها والنفط عين تنور كعين الماء : (۱۶)

اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین سے حاصل ہوں جیسے گندم وغیرہ اور مٹی کا تیل و پٹرول کا چشمہ ہوتا ہے جو پانی کے

چشمہ کی طرح بنتا ہے۔

لہذا چوں کہ یہ چیزیں زمین کا حاصل نہیں اس لیے عشر واجب نہ ہوگا، البتہ وہ سرے اموال میں شامل کر کے اگر

نصاب پورا ہوتا ہو زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

(۱۱) بدائع الصنائع ۵/۶ ۲۱ الفتاویٰ الہندیہ ۱۸۵/۱ ۳۱ البحر الرائق ۲۳۸/۱ ۳۱ الفتاویٰ قاضی خان علی الفتاویٰ

ہندیہ ۲۳۸/۱ ۵۱ ہدایہ ۲۰۳/۱ ۶۱ حاشیہ مشہورہ ۲۰۳/۱

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

”واعلم ان الاثمة ضبطوا ما يجب فيه العشر بقيدین احدهما ان يكون قوتًا

والثاني ان يكون في جنس ما ينبت الادميون ۛ (۱)

ائم نے وجوب عشر کے ضابطہ کو دو قیدوں کے ساتھ مقید کیا ہے ایک یہ کہ وہ خوراک ہو، دوسرے یہ کہ ان چیزوں

کی جنس سے ہو جنہیں لوگ اگاتے ہیں۔

احقر کا خیال ہے کہ نباتات زمین میں ہی اگنے یا اگانے والی چیزوں پر بولا جاتا ہے اور اس میں تو کوئی شبہ

نہیں کہ سنگھاڑا، بکھانا، پھلی یا اسی قسم کی پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں استغلال الارض اور نماہ الارض میں سے نہیں ہیں۔

سید سابق لکھتے ہیں:

”واشترط (ای الامام ابوحنيفةؒ) ان يقصد بمزراعته استغلال الارض ونماها

عادة ۛ (۲)

امام ابوحنيفہؒ کے نزدیک وجوب عشر کی شرط یہ ہے کہ اس کی زراعت سے زمین کا حاصل اور نما حاصل کرنا

عادًا مقصود ہو۔

ریشم میں عشر نہیں

ریشم اگرچہ عشری زمین پر لگے شہتوت کے درخت کے ریشم کے کیڑوں سے تیار ہوا ہو

مگر اس میں عشر نہیں ہے کیوں کہ یہ زمین کی پیداوار اور زمین کا حاصل ہے نہ زمین پر لگے درختوں کے پھل اور پھول

کے رس سے بنتا ہے بلکہ پتوں کے رس سے بنتا ہے جن میں عشر نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

”اما في العمل فله حد يث في العمل العشر ولان النحل يتناول من الانوار و

الشمار وفيها العشر فكذا فيما يتولد منهما بخلاف دود القز لانه يتناول

الاوراق ولاعشر فيها ۛ (۳)

شہد میں اس حدیث کی وجہ سے عشر واجب ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ شہد میں عشر ہے، علاوہ ازیں شہد کی مکھی کلیوں اور پھلوں سے رس حاصل کرتی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے لہذا جو ان دونوں سے پیدا ہو (یعنی شہد) اس میں بھی عشر ہوگا، لیکن ریشم کا کیراپتوں سے خوراک حاصل کرتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں ہے۔

## ہر پیداوار پر وجوب عشر

ہزریاں اور ترکاریاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتیں اور جن کی پیداوار میں بھی تسلسل رہتا ہے، کچھ پھل توڑ جاتے ہیں پھر دوسرے نکل آتے ہیں ان سب میں عشر واجب ہے، دیر تک باقی رہنے یا نہ رہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسی طرح جب جب پھل اور ترکاریاں نکلیں، ان میں عشر واجب ہوتا جائے گا، بشرطے کہ وزن و ناپ کے معیار شرعی نصف صاع کی مقدار ہو، سال گذرے یا نہ گذرے۔

(قوله بلا شرط نصاب) و بقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعاً و قيل نصف صاع وفي الخضراوات التي لا تبقى وهذا قول الامام وهو الصحيح كما في التحفة<sup>(۱)</sup> عشر من نصاب و بقاء بشرط نصاب، لہذا نصاب سے کم میں بھی عشر واجب ہوگا، بشرطے کہ ایک صاع ہوا ہو کہا گیا ہے کہ نصف صاع ہو، اور خضراوات (ترکاریاں) جو باقی نہیں رہتیں ان میں بھی عشر ہوگا یہی امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔

”حتى لو اخرجت الارض مراراً و جب فی کل مرة لا طلاق التصرف من قيد الحول و لان العشر في الخارج حقيقة في تكرار بتكرره“<sup>(۲)</sup>

اگر زمین کئی مرتبہ پیداوار نکالے تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا کیوں کہ نصوص حولان حول (سال گذرنے) کی شرط سے مطلق ہیں اور اس لیے کبھی عشر حقیقی پیداوار میں ہوتا ہے (نہ کہ ملکی) لہذا جب جب پیداوار ہوگی عشر واجب ہونا رہے گا۔

والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو اخرجت الارض في السنة مراراً و يجب العشر في كل مرة لان التصرف مطلق عن شرط الحول و لان العشر في الخارج



حقیقۃ فی تکرر الوجوب بتکرر الخارج ۱۱

وجوب عشر کے لیے مال گزنا شرط نہیں، لہذا اگر زمین سال میں کئی مرتبہ پیداوار نکالے تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا، اس لیے کہ عشر کی نصوص میں حوالان حول کی قید نہیں ہے اور اس لیے بھی ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا کہ عشر کا تعلق حقیقۃ پیداوار سے ہے لہذا مکرر پیداوار سے کرر وجوب ہوگا۔

## موقوفہ اراضی میں عشر کا حکم

اراضی موقوفہ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، خواہ مساجد و مدارس پر وقف ہوں یا فقراء و مساکین پر یا اولاد پر۔

”و کذا ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفة ویجب فی ارض المعاذون و المكاتب ۱۲“

زمین کی ملکیت وجوب عشر کے لیے شرط نہیں، لہذا اراضی موقوفہ میں بھی عشر واجب ہوگا اور مکاتب اور ماذون فی التجارۃ غلام کی زمین میں بھی عشر واجب ہوگا۔

(قوله و وقف) أفاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملک الخارج لانه یجب فی الخارج لافى الارض فکان ملکہ لها وعدمه سواء۔ ۱۳  
علامہ حصکفی کا یہ کہنا کہ وقف میں بھی عشر واجب ہوتا ہے یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ ملکیت زمین وجوب عشر کے لیے شرط نہیں ہے، ملکیت خارج (پیداوار) شرط ہے کیوں کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ کہ زمین میں، لہذا زمین کی ملکیت اور عدم ملکیت دونوں برابر ہے۔

”و کذا ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملک الخارج فیجب فی الاراضی الی لا مالک لها وهی الاراضی الموقوفة“ ۱۴

وجوب عشر کے لیے ملکیت زمین شرط نہیں ہے، پیداوار کی ملکیت شرط ہے، لہذا عشر اس زمین میں بھی واجب ہوگا،

(۱) بدائع الصنائع ۶۲۶ (۲) الفتاویٰ الہندیہ ۱۸۵۸

(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۵۳۶ (۴) بدائع الصنائع ۵۶۶

جس کا کوئی مالک نہیں اور وہ اراضی موقوفہ ہیں۔

امام کا سنی رو فرماتے ہیں کہ عشر کے سلسلے میں وارد آیات و احادیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر اراضی عشر پر عشر واجب رہے خواہ موقوفہ ہو یا غیر موقوفہ۔ (۱)

ایک سوال یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کا عشر کون ادا کرے، ظاہر ہے کہ اگر ان زمینوں پر متولی نے کاشت کرائی ہے تو وہی اس کی پیداوار سے عشر ادا کرے گا اور اگر کسی کو کرایہ پر دے کر کاشت کرائی ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق جو اجارہ پر زمین لیے ہوئے ہے وہی عشر ادا کرے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رو فرماتے ہیں:

”قلت هذا ظاهر فيما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غيرهم بالاجرة فيجری

فيه الخلاف الا ترى في الارض المستأجرة؟“ (۲)

میں کہتا ہوں یہ اس صورت میں ظاہر ہے جب اہل وقف نے زراعت کی ہو، لیکن اگر زراعت کرنے والا ان کے علاوہ ہو، اور اجرت پر زراعت کی ہو تو اس میں وہ اختلاف جاری ہوگا جو اجارہ والی زمین میں ہے۔

وہ یہ کہ:

”الشرع على المؤجر كخراج مؤظف وقال على المستأجر كمستعير مسلم وفي

الحادی بقولهما نأخذ؟“ (۳)

امام صاحب رو کے نزدیک عشر اجارہ پر دینے والے کے ذمہ ہوگا خراج مؤظف کے مانند اور صاحبین رو کہتے ہیں کہ اجارہ پر لینے والے کے ذمہ ہوگا، جیسے عاریتاً لینے والے مسلمان کے ذمہ ہوتا ہے، حادی میں ہے کہ ہم صاحبین رو کے قول کو ہی لیتے ہیں (یعنی ہی قول مفتی بہ ہے)۔

علامہ شامی رو کا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ (۴)

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اراضی موقوفہ میں وجوب عشر کا تذکرہ تقریباً تمام کتب فقہ و فتاویٰ میں موجود ہے لیکن بزاز نے اس کے خلاف بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔

(۱) بدائع الصنائع ۵۶۶ (۲) رد المحتار ۵۴۶ (۳) درمختار ۶۶۶

(۴) رد المحتار علی الدر المختار صفحہ مذکورہ

وفى بعض الفتاوى لا يجب عليهم العشرة قربى كزكاة ويجب الخراج لانه

مؤنة فاشبه صدقة الفطرة (۱)

بعض فتاویٰ میں ہے کہ اراستہ موقوفین عشر واجب نہ ہوگا اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کی طرح مبادت ہے، البتہ خراج واجب ہوگا اس لیے کہ وہ زمین کا کرایہ ہے لہذا صدقہ فطر کے مشابہ ہے۔

احقر کے خیال میں یہ قابل غور مسئلہ ہے اور زکوٰۃ پر قیاس کی گنجائش ہے، خاص طور سے اس صورت میں جب ورثہ (مثلاً وقف علی الاولاد) کے علاوہ دیگر وجوہ خیر (مثلاً مسجد و مدرسہ، فقراء و مساکین، مسافر خانہ وغیرہ) پر وقف ہو۔

امام نوویؒ کی یہ عبارت بھی دعوت فکر دیتی ہے :

”ثم البستان وغلة القرية الموقوفين على المساجد او الرباطات والقناطر او الفقراء او المساكين لا زكاة فيها اذ ليس لهما مالک يعنى هذا هو المذهب الصحيح المشهور الذى قطع به الجمهور ونقل ابن المنذر عن الشافعى رحمه الله تعالى وجوب الزكاة فيها فاما الموقوف على جماعة معين فتقدم بيانه بلب الخلط“ (۲)

باغ کے پھل اور گاؤں کا غلہ جو مساجد، مسافر خانوں، کمپوں یا فقراء و مساکین پر وقف ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ ان کا کوئی متعین مالک نہیں ہے، یہی مذہب صحیح مشہور ہے جس کے تطبیقی طور پر چہرہ قابل ہیں، اور ابن المنذر

(۱) ہزاریہ علی الفتاویٰ الہندیہ ص ۹۱ مطبعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، پاکستان

(۲) خلط یعنی متعدد اشخاص کا مال بغیر کسی امتیاز کے مخلوط ہو جانا، بعض ائمہ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے سلسلے میں مجموعی مال کا اعتبار ہوگا (روضۃ الطالبین لا امام السنوی ص ۱۴، باب الخلط) لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجموعی مال کا اعتبار نہیں کرتے، وقال ابو حنیفۃ الخلط لا تؤثر بحال و یزکیان زکاة الانفراد (ملیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء از: سیف الدین ابوبکر محمد بن احمد الشافعی القفال متوفی ۵۵۰ھ، ص ۵۳)۔

روضۃ الطالبین و عمدة المفسرین ص ۲۳۶ (۳) زکوٰۃ سے مراد یہاں عشر ہے کیوں کہ پہلوں اور فلاحات کی زکوٰۃ عشری کہلاتی ہے۔

(۴) احقر کے خیال میں ہزاریہ کی عبارت لرینہ قریبہ کزکاة، امام نوویؒ کی عبارت اذلیس لہا مالک معین کے مقلبے میں عدم وجوب کے سلسلے میں زیادہ لائق اعتناء ہے۔ جمیل۔



نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے وجوب زکوٰۃ کا قول نقل کیا ہے، رہی وہ زمین جو کسی متعین جماعت پر وقف کی گئی ہو تو اس کا بیان باب المخلط میں گزر چکا ہے۔

احقر کے خیال میں بزازیر کی عبارت لانہ قربة كنزكوة (عشر بھی زکوٰۃ کی طرح عبادت ہے) امام نووی کی عبارت اذ ليس لها مالك معين (اراضی موقوفہ کا کوئی معین مالک نہیں) کے مقابلے میں عدم وجوب عشر کے سلسلے میں زیادہ لائق اعتناء، اور قابل توجہ ہے کیوں کہ ابتدائی مباحث میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت شرط نہیں، جہاں تک عشر کے سلسلے میں وارد آیات و احادیث کے عموم کا تعلق ہے وہ زکوٰۃ میں بھی ہے۔

علاوہ ازیں جماعت معینہ کو وقف علی الاولاد کی صورت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

## مکانوں کی افتادہ زمین میں درخت لگانے کا حکم

مکانوں کے گرد و پیش افتادہ زمین پر یا چھتوں پر ترکاریاں و سبزیاں بونے اور لگانے کا جو طریقہ ہے اس میں عشر واجب نہیں۔

”ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فيها كذا في شرح المجمع

لابن الملك“ (۱)

اگر کسی کے گھر میں پھل دار درخت ہو اس میں عشر نہیں ہے۔

”رجل في داره شجرة مثمرة لا عشر فيه وان كانت البلدة عشرية بخلاف

ما اذا كانت في الاراضى“ (۲)

جس آدمی کے گھر میں پھل دار درخت ہو اس میں عشر نہیں ہے اگرچہ شہر عشری ہو، لیکن اگر یہ درخت عشری زمین میں ہو تو عشر ہوگا۔

”والشجرة المثمرة ان كانت في الدار لا عشر فيها بخلاف الكائنة في الاراضى

لان الساكن مع ما يتبعها عفو لا الاراضى“ (۳)

پھل دار درخت اگر گھر میں ہو تو عشر نہیں ہے اور اراضی میں ہو تو عشر واجب ہوگا، اس لیے کہ مکان مسکونہ اپنے  
توابع کے ساتھ معاف ہے نہ کہ اراضی۔

ردالمحتار کی درج ذیل عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر گھر میں لگے ہوئے یہ درخت باغ کی شکل اختیار کر لیں اور  
باغ معلوم ہونے لگیں تو بھی عشر واجب نہ ہوگا۔

”وخرج ثمرة شجر فی دار رجل ولو بستاناً فی داره لانه نفع للدار کذا فی

الخانیه عن القهستانی ۲ (۱)

مذکورہ حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ جو اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنے مکانات  
کی چھتوں پر سبزی و ترکاری اگا لیتے ہیں ان میں عشر واجب نہ ہوگا، وہ مکان کے تابع ہوں گے، جس طرح مکان میں  
عشر وغیرہ واجب نہیں، اسی طرح ان سبزیوں اور ترکاریوں میں بھی نہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## اسلام کا نظام عشر و خراج

محمد عبدالقیوم ————— مدرس مدرسہ عربیہ اصلاح السیاحین جمہاد شاہی ہستی

**عشر:** زکوٰۃ یا دوسرے لفظوں میں غریبوں کی چارہ گرمی، سیکینوں کی دیکیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی خبرگیری، یتیموں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی اعانت، نماز کے بعد اسلام کی عبادت کا دوسرا رکن ہے جس کا دوسرا نام صدقہ بھی ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

”خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ“ (توبہ ۳)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو ان کے مال میں سے کہ اس کے ذریعہ سے تم ان کو پاک و صاف رکھ سکو۔

جب مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوئیں، زمینیں اور جاگیریں ہاتھ آئیں تجارت کی آمدنی شروع ہوتی تو مکمل ہوا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ

مِنَ الْأَرْضِ“ (بقرہ ۲۷۴)

نیز فرمایا:

”وَآتِهِ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ“ اور دو اس کا حق جس دن کئے۔

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”فِي مَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعَشْرُ وَفِي مَا سَقَى بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعَشْرِ“



جس کھیتی کو آسمان کا پانی سیراب کرے اس میں دسواں حصہ ہے اور جس کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔

عشر اسلام کے نظام زکوٰۃ کا ایک اہم جزو ہے۔ بیت المال کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح اموال تجارت سونا چاندی و مویشی وغیرہ کی زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح زمین کے پیداوار کی زکوٰۃ نکالنی بھی فرض ہے۔

لفظ عشر کا اصلی معنی دسواں حصہ ہے مگر مذکور الصدر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل واجبات شرعیہ کی بیان فرمائی ہے ان کے مطابق عشری زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں :

۱۱ ایک وہ جس میں پیداوار کا دسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ اور

۱۲ دوسری قسم وہ جس میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسم کی زمینوں کی پیداوار پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر اور خراج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر مسلمانوں کی عشری زمینوں کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں کی خراجی زمینوں پر۔

عشر ٹیکس ہونے کے ساتھ ایک مالی عبادت ہے اور خراج محض اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے عشر کا مدار زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ اگر پیداوار نہ ہو، خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم ہوگا۔

اس کے برخلاف خراج محض ٹیکس ہے جو قابل زراعت زمین پر عائد ہوتا ہے اگر مالک زمین غفلت برتے گا اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کرے گا تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔

### منہ کا بطہ :

منہ کا بطہ یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد کیا گیا ہو پھر وہ مالک کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔ اسی لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خریدے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں پر خراج واجب ہے اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہو گیا تو اس سے بدستور سابق خراج ہی لیا جائے گا۔

اس ضابطہ کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر عشری ذاب ہے، لیکن چونکہ عشری میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہے، اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا فرض عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔ اب وہ زمین معلوم کرنی چاہئے جس پر عشر عائد ہوتا ہے اور جس پر خراج۔ واضح رہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں :

(۱) عشری (۲) خراجی

## عشری زمین

جس زمین کے لوگ طوعاً مسلمان ہو گئے یا قہراً فتح کر کے مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی، تو وہ زمین عشری ہے اس لئے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری ہیں اور خیبر کی زمینیں جو مجاہدین پر تقسیم ہوئیں وہ بھی عشری قرار پائیں۔ اسی طرح جو زمینیں ناقابل زراعت تھیں مسلمانوں نے اسے قابل زراعت بنالیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا موقع دیکھا جائے گا اگر وہ زمین کسی عشری زمین کے قریب ہوگی تو عشری قرار دی جائے گی۔ اور اگر کسی خراجی زمین کے قریب ہوگی تو خراجی سمجھی جائے گی۔

## خراجی زمین

وہ ہے جسے مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا ہو مگر فتح کے بعد اسلامی امیر نے اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی ہو جیسے شام، عراق و مصر کی زمینیں، بجز خاص حصوں کے جو مسلمان کو دیئے گئے یا بیت المال کے لئے رکھ لئے گئے۔ اسی طرح جن ناقابل زراعت زمینوں کو غیر مسلم اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنالیں گے وہ خراجی ہوں گی۔ اسی طرح اگر کوئی ملک مسلمانوں نے فتح کیا ہو تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگادیا جائے گا۔ اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی، کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔



اور جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قبر سے فتح کی گئی ہو پھر اس زمین میں نہروں کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے اور جس میں نہروں کا پانی نہیں پہنچا بلکہ وہیں کوئی چشمہ یا کنواں نکلا گیا تو وہ زمین عشری ہے۔ کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار زمین سے ہے۔ ساتھ ہے اور اس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے تو عشری پانی یا خراجی پانی سے سینچنے کا اعتبار ہوگا یعنی ہر پانی ہوگا وہی حکم ہوگا۔ (عین الہدایہ)

### عشری پانی

بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی عشری پانی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ عادتاً کسی کی ملک ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا ان کا پانی عشری پانی ہے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی بھی خراجی ہے۔

### خراجی پانی

وہ نہر جس جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور طاقت کے ذریعہ نکالی ہیں اور عادتاً وہ نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں گنگا و جمنا جیسے بڑے دریاؤں سے نکلنے والی نہر، نہر گنگ و نہر جمین وغیرہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے وہ غیر مسلموں کی ملک تھیں۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے جو عشری و خراجی زمینوں اور عشری و خراجی پانیوں کی تفصیل میں لکھا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا تعامل اس پر شاہد ہے۔

### چند استثنائی صورتیں

لیکن بعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرامؓ کے اجماع کی بنا پر مذکورہ بالا ضابطہ سے کسی قدر مختلف صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں۔ لہذا ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے مثلاً :

۱۔ کہ کرمہ فتح ہوا اور قبر اُفتح ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو احرام حرم کی وجہ سے یا کسی نامعلوم مصلحت کی وجہ سے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا اور ان پر



خراج مقرر نہیں فرمایا اس لئے کہ مکہ کی زمینیں عشری ہیں۔

۲۔ پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی بخران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا (بدائع الصنائع ۲/۵۶)۔

۴۔ شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں بسایا گیا غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کا احیا کیا اور قابل زراعت بنایا، مگر باجماع صحابہ کرامؓ اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔ حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں۔

۵۔ نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت فاروق اعظمؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کئے بجائے دو گنا عشر وصول کیا جائے، مگر شرعی حیثیت سے یہ دو گنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے منارف میں صرف ہوتا تھا۔ (بدائع)

قرآن و سنت کی نصوص کے عموم و اطلاق اور عشری و خراجی زمینوں کی تفصیلات سے یہ سمجھ میں آئے کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ اس لئے جو زمینیں تسلماً بعد تسلیم مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت مسترار دے کر عشری سمجھی جائیں اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا پھر کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں وہ خراجی سمجھی جائیں۔

بعض فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ دار الحرب کی زمینیں زعشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ اس سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ ہو جاتا ہے کہ کوئی ملک مسلمانوں کی بداعمالیوں کے نتیجے میں اسلامی اقتدار سے نکل کر دار الحرب بن گیا ہو تو مسلم مالکان اراضی بالکلیہ عشر و خراج سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ اور ایسے دار الحرب میں اپنی زمینوں پر قبضہ و تصرف کا حق رکھنے کے باوجود ان پر نہ عشر واجب ہوگا اور نہ خراج۔ تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصف عشر ادا کرے گا تو موجب ثواب و برکت ہوگا جس قدر بھی زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ چوں کہ ان کے نزدیک و موجب عشر کا مدار حقوق پر نہیں بلکہ ملک ہے یعنی ان کے نزدیک و موجب عشر کے لئے یہ شرط طلب ہے کہ زمین مسلمانوں کی ملک ہو اور جب اس کو

مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور اس کی زمین غائبین میں تقسیم ہوتی ہو۔ اس وقت سے آج تک برابر مسلمان ہی کی ملک چلی آرہی ہو اور شہداء و غیرہ ذالک اور ان کا استدلال انہیں پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ دارالمنقذی کے حوالہ سے زمینوں کی ایک تیسری قسم بھی بتلاتے ہیں جو غیر عشری اور غیر خراجی ہوتی ہے جس کا نام آراضی مملکت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب سرکار مسلم ہو اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہوتا ہے نہ خراج، تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا۔ اور اس استدلال کے وقت شاید یہ بات ان کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ آراضی مملکت کا حکم غیر عشری اور غیر خراجی ہونے کا اس لئے ہے کہ وہ بیت المال یا عامۃ المسلمین کی ہیں۔ نیز یہ کہ یہ حکم بھی مستکمل فرمایا ہے چونکہ صاحبین کے قول پر عشر مالک پیداوار پر ہوتا ہے مالک زمین پر نہیں۔

اس لئے یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ آراضی دارالحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے۔ اس پر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی۔ نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے۔ ایسے دارالحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی۔ بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں، اس لئے ایسے دارالحرب کی زمینیں عشری ہیں خراجی

”ان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھندہ اراضی

اہل الحرب“

کیوں کہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔

لیکن ایسا ملک جو تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہ چکا ہو جہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آئے ہوں اگر اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو تو وہ دارالحرب اصلی سے مختلف ہوگا۔ اور شرح سیر اور ثنائی باب الزکاة کی روایات اس پر منطبق نہیں ہوں گی بلکہ ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں موجود ہیں ان پر عشر و خراج کے احکام عائد ہوں گے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ :

۱۔ عشر زمین کی زکوٰۃ ہے جیسے سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر فرض ہے جس طرح سونے

چاندی اور مال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ لگانا فرض ہے اور مویشی کا جداگانہ قانون ہے اسی

طرح زکوٰۃ الارض کا قانون ان سب سے مختلف ہے بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی بیسواں حصہ

واجب ہوتا ہے بعض میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ، مگر ان دونوں کو صرف فقہاء میں بغرض جو بات عشر



ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔  
وجوب عشر کی شرطیں

### پہلی شرط

پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔ چوں کہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی کافر خریدے تو اس زمین پر بجائے عشر کے خراج عائد کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے کافر اس کا اہل نہیں اس لئے بمجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا اور نہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ :

”وظیفہ زمین کا جو ابتدا میں مقرر ہو جائے خواہ عشر ہو یا خراج وہ ہمیشہ کے لئے ناقابل تبدیل ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین کو خرید لیا تو مسلمان مالک ہو جانے کے باوجود وظیفہ اس زمین کا خراج ہی رہے گا۔“ (مبدائع)

### دوسری شرط

زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”لا یجتمع علی مسلم خراج وعشر“ یعنی مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے (رداۃ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر ج ۲۰)

### تیسری شرط

زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبر گیری یا حفاظت ہی نہیں کی بہر صورت عشر ساقط ہو جائیگا (مبدائع وغیرہ)

### چوتھی شرط

یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کا اگہانے اور پیدا کرنے کا عادتہ رواج ہو عقل اور بلوغ شرط شرط نہیں۔ عام احکام شرعیہ میں عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں دونوں شرطیں نہیں۔



زمین کا مالک اگر بچہ یا مخنون ہو مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کا ادا کرنا فرض ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ بچہ اور مخنون کے مال میں واجب نہیں ہوتی (بدائع)۔  
 اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کے لئے شرط نہیں اس لئے آرائشی وقت جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے۔ نیز جس شخص کی زمین اپنی نہیں کسی سے بطور عاریت کے لے لی ہے یا اجارہ اور کرایہ پر لے لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں۔ اعلیٰ خلاف فی المستاجر بین الامام وصاحبہ فی الحاوی بقولہما  
 شاخذ اور مختار

عشر کے لئے کوئی نصاب نہیں عشر کا ضابطہ شرعی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر نکالنا واجب ہے۔ اس کے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے گا۔ (بدائع وغیرہ)

### مقدار واجب

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

"ما سقته السماء فغیه العشر وما سقی بغرب اودالیه فغیه نصف العشر"

جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ: زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا۔ پیداوار نہ ہوتی تو کچھ واجب نہیں۔ (بدائع)  
 مسئلہ: عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں نکالا جائے، بونے کاٹنے اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادا عشر کے بعد نکالے جائیں۔

## عشر کے مصارف

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔ اور جس طرح ادا زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر دے کر قبضہ کر دیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے۔

## خراج

یہ اسلامی حکومت کا خراجی زمینوں کے مالکین پر عائد کردہ ٹیکس ہے۔ یہ محض ٹیکس ہے اس میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ چوں کہ یہ ابتدائے کافروں پر عائد ہوتا ہے اور کافر کسی شرعی عبادت کا اہل نہیں۔ یہ قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اگر مالک غفلت برتتا ہے اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کرتا ہے تو اس حالت میں بھی جو خراج موقوف مقرر ہے لازم ہوتا ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کر دی گئی ہو وہ اس صورت میں معاف نہیں ہوتی ہے جب کہ اپنی غفلت اور کوتاہی سے زمین کو خالی چھوڑ رکھتا ہے لیکن اگر زمین پر خراج مقاسمہ مقرر ہے جس کو بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بٹائی پیداوار کا حصہ ہے۔ پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ (شامی ۲/۴۲۰)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی ہوتی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو اسی زمین میں خراج نہیں۔ (بدائع)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ :

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔

## خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں :

(۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موقوف

## خراج مقاسمہ

اس کے معنی بٹائی کے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ نصف یا ثلث مقرر کر دیا جائے۔

## خراج موظف

اس کے معنی ہیں کہ نقد رقم مقرر کر دی جائے۔ فقہانے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جن خراجی زمینوں پر جس طرح کا خراج لگا دیا جائے پھر اس کو بدلنا جائز نہیں۔ مثلاً خراج مقاسمہ کو خراج موظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں۔ (شامی)

## مقدار خراج موظف

جب عراق فتح ہوا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو اس کی زمین کی پیمائش (سرنس) کا حکم دیا اور حضرت خذیفہؓ کو اس کام کا نگران مقرر فرمایا۔ پوری مفتوحہ زمین عراق کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ (ہدایہ باب العشر والخراج من البسر و کتاب الاموال ابو سعید رضی اللہ عنہ)

## جریب

ساتھ مربع گز کو جریب کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک کے مروجہ میگہ کے قریب ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے سیر گندم یا جو چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری کی جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے باغ جو ایسے گنجان درختوں پر مشتمل ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے تو فی جریب دس درہم۔ (بیانہ ۵۹۲)

ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکورہ صدر چیزوں کا خراج متعین فرمادیا۔ ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروق اعظمؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہانے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو



خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔ (ہدایہ باب العشر والخراج کتاب البیئر)

مسئلہ: اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا اور کوئی آفت پہنچ جائے جس سے وہ قابل کاشت

نہ رہے تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ: مسلمان کے لئے جائز ہے کہ کسی کافر سے خراجی زمین خریدے مگر مسلمان کے مالک ہو جانے

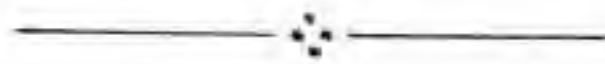
کے بعد بھی وظیفہ زمین کا نہ بدلے گا بدستور خراج ہی رہے گا۔ بہت سے صحابہ کرامؓ سے خراجی زمینوں کا خریدنا اور ان کا خرچ ادا کرتے رہنا ثابت ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ: خراج موظف ایک ہی رہے گا خواہ زمین سے کئی مرتبہ فصل پیدا کی جائے۔

## خراج کے مصارف

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف عام مصالح ملک اور اہل اسلام ہیں جس ملک میں اسلامی حکومت واقعہ نہ ہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو اپنی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کے اہل اسلام پر خرچ کرنا چاہئے۔ مدارس اسلامیہ اور علماء اور طلباء اس کے بہترین مصرف ہو سکتے ہیں۔

غیر اسلامی ملک میں عشر اور خراج سے سرکاری مال گذاری ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اسلام کا نظام عشر و خراج

اثر: مفتی محمد اسماعیل صاحب مجدد کو دروی ————— دارالعلوم عربیہ کنستھاریہ

## مخبر اول: عشر و خراج کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) ایاضی عشر و خراج کی تعریف اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

### اراضی خراج

”اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگادیا جائے گا اور یہ زمین ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی۔ کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے، اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی۔ اور اسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملکیت تھیں نہ قابل زراعت بعد میں اسکو اسلامی امیر کی اجازت سے کسی غیر مسلم نے قابل زراعت بنالیا یا اس نے کسی مکان کو باغ یا مزدور زمین بنالیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔ اسی طریقہ سے اگر مذکورہ زمین کو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی مسلمان نے خراجی زمینوں

کے قرب وجوار میں قابل زراعت بنالیا اور امام غزالی کے نزدیک اس کو اگر خراجی پانی سے قابل زراعت بتایا تو وہ بھی خراجی زمین ہے۔ علامہ رشائی نے قول امام ابو یوسفؒ کو معتد قرار دیا ہے (اسلام کا نظام اراضی بنیاد پر)۔

## اراضی عشر

کسی ملک کے صلح کے ذریعہ فتح ہونے کے ساتھ وہاں کے مالکان اراضی مسلمان ہو گئے تو وہ زمینیں بدستور سابق مالکوں کی ملک میں رہیں گی اور عشری کہلائیں گی اور اس پر عشر واجب ہو گا۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور مفتوحہ اراضی کو فسخ نکالنے کے بعد مسلمان مجاہدین میں بطور غنیمت تقسیم کر دیا گیا ہو تو وہ اراضی بھی عشری ہوں گی اور ان پر عشر واجب ہو گا۔ اسی طریقہ سے صلح سے یا جنگ سے کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت جو غیر ملوکہ نامتابل کاشت زمینیں تھیں اور وہ عشری اراضی کے قرب وجوار میں تھیں اور اس کو کسی مسلمان نے امیر مسلم کی اجازت سے قابل کاشت بنایا تو وہ زمین بھی عشری ہو گی۔

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی عشر و خراج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اراضی عشر مسلمان کی ملوکہ ہوتی ہیں اور اراضی خراج ملوکہ غیر مسلمین کی ملوکہ ہوتی ہیں باستثناء بعض صورتوں۔

## محور دوم : اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

۱۔ محمد بن قاسم سے لے کر برطانوی تسلط تک ہندوستانی اراضی مختلف قسم کی رہی بعض عشری رہی اور بعض خراجی اور انگریزی دور اقتدار میں اراضی ہند کی نوعیت مختلف رہی۔ اس تاریخی جائزہ کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب اسلام کا نظام اراضی میں تحریر فرمائی ہے۔

## محور سوم : ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان قوانین کا تفصیلی جائزہ تحریر فرمایا ہے جو مذکورہ عہد کے سلاطین نے اپنے اپنے دائرہ اقتدار کی اراضی کے خراج و لگان سے متعلق جاری کئے تھے اگر اس جزوی تبدیل کے باوجود باشندگان ملک کی ملکیت اراضی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اراضی بدستور اپنے مالکان کی ملکیت ہی میں عشری یا خراجی حیثیت کے ساتھ باقی رہیں اور قانون تسلیم زمینداری کی وجہ



سے کاشتکاروں کو دوسروں کی ملکوتہ اراضی غصب کر لینے کا اور سرکاری قانون کے سہارے اس کے قانونی مالک ہونے کا راستہ کھل گیا۔ جس کی وجہ سے بہت سے مالکان اراضی کو جبراً اپنی ملکوتہ اراضی سے محروم کر دیا گیا۔ (اسلام کا نظام اراضی / جواہر الفقہ دوم)

### محرر چہارم: اراضی ہند کی شرعی حیثیت

۱۔ ۲۔ قانون تسخیر زمینداری جو انگریز کے دور حکومت میں جاری ہوا اور آزادی کے بعد بھی اس پر عمل جاری ہے۔ اس قانون کے بعد ہندوستان کی آراضی کے عشری و خراجی ہونے نہ ہونے میں مفتیان کرام اور علماء کرام کا اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات اس قانون کے بعد اراضی کے ملک سرکار ہونے کی بنیاد پر نہ اس کو عشری کہتے ہیں نہ خراجی اور بعض حضرات دارالحرب ہونے کی بنیاد پر اس کو عشری و خراجی نہیں کہتے جبکہ محقق علماء کرام اس قانون کے بعد اور دارالحرب کی تقدیر پر بھی ہندی اراضی کو عشری یا خراجی ہی فرماتے ہیں۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ) ان میں سے بہت سوں نے ہندی اراضی کو بعض کو عشری اور بعض کو خراجی قرار دیا ہے یا اس کو احوط فرمایا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت و برکاتہم نے قانون تسخیر زمینداری کے بعد بھی دلائل کے اعتبار سے اقرب و اظہر اسی کو فرمایا کہ ملک مالکان ثابت ہے۔ البتہ اس قانون کے مطابق سرکار نے جو زمینیں زمینداروں سے لے کر کاشتکاروں کو دی ہیں وہ خراجی کہی جائیں گی۔ یہ سب تفصیل "اسلام کا نظام اراضی / فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲ / احسن الفتاویٰ ج ۴۴ میں موجود ہے۔ اراضی ہند نہ سب عشری ہیں نہ سب خراجی ہیں بلکہ بعض عشری ہیں بعض خراجی ہیں جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارشاد شریف، و لم یجرأ وہ زمینیں عشری ہیں اور جن اراضی کا درمیان میں کوئی کافر مالک ہوا ہے وہ خراجی ہیں چاہے وہ کافر انفرادی ملکیت سے مالک ہوا ہو یا سرکاری، حکومتی اقتدار کی شکل میں مالک ہوا ہو۔ اور جن زمینوں کے ماضی کے مالکان کی کچھ خبر نہ ہو سکے ان اراضی کو بدلیل استصحاب حال عشری ہی کہا جائے گا۔ (اسلام کا نظام اراضی)

۳۔ سرکاری محصول اراضی کے خراج میں محسوب ہونے نہ ہونے میں بھی اختلاف علماء کرام ہے۔ حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب اور علامہ عبدالغفور ہالوی سندھی وغیرہا اس کو خراجی اراضی کے خراج میں محسوب ہونے کی نفی فرماتے ہیں اور حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زمین محصول سرکاری کو خراجی زمین کے خراج میں محسوب فرماتے ہیں، اور اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سرکار بہت سے ایسے مصادر پر رقم کثیر خرچ کرتی ہے کہ جو مصارف خراج ہیں اور ان کا نفع مسلمانوں کو بھی برابر پہنچتا ہے۔ (اسلام کا نظام اراضی و اقتصاد رشیدیہ بر حسن الفتویٰ جہارم)

۴۔ خراج کی دو قسمیں ہیں، ۱۰ خراج مقاسمہ کہ خراجی اراضی کی پیداوار کا کم سے کم پانچواں حصہ ادا کیا جائے۔ (۲) خراج مؤظف، کہ غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب (ہیکٹر) ایک درہم نقد (یعنی ۲۰ ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز بھی اس زمین میں بونی جائے اور بنریوں کی زمین میں فی جریب (ہیکٹر) پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ پر فی جریب دس درہم چاندی ہوگی۔

رہی یہ بات کہ کون سی خراجی اراضی پر خراج مقاسمہ ہوگا اور کس پر خراج مؤظف تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے تجزیہ تفصیل (تاریخی) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کی اراضی خراج پر خراج مقاسمہ پیداوار کا ادا کرنا ہوگا اور دیگر عام صوبہ جات میں خراج مؤظف ادا کیا جائے گا۔

اور ہندوستانی مسلمان سرکاری مال گزاری کو مقدار خراج میں سے منہا کرنے کے بعد اپنے ذمہ عائد بقیرہ خراج کو مصارف خراج یعنی مدارس عربیہ کی تعمیر و تنخواہ میں، مساجد کے ائمہ و مؤذنین کی تنخواہ میں مساجد و مسافر خانہ کی تعمیر میں اسلامی عدالتوں کے مصارف میں دے سکتے ہیں۔ (شاہی سوم اسلام کا نظام اراضی) مسلمان پر عائد ہونے والا خراج مؤظف الارض اور زمینی ٹیکس ہی کہا جائیگا، اس میں عبادت کا پہلو نہ ہوگا۔ فقہاء کرام کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ جدید طریق زراعت کے غیر معمولی اخراجات کھاد، دوا وغیرہ کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا یا ان اخراجات عشر لگانے سے پہلے کل پیداوار میں سے منہا کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ عشر و نصف عشر کی تفریق پانی پر مبنی ہے نیز ان اخراجات کی صورت میں عموماً پیداوار میں ہونے والی زیادتی سے اس کی کمائی بھی ہوتی ہے۔

۶۔ اگر مالک اور مزارع دونوں مسلمان ہوں اور مزارعت صحیحہ ہو تو دونوں میں سے ہر ایک پر اس کے متعین



شدہ حصہ پیداوار کے مطابق عشر عائد ہوگا، اور غیر مسلم پر عشر واجب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ)  
 میر مسلم دستگیر ذی کے مسئلہ سے یہی معلوم ہوتا ہے :

فان كان ذميا فهو على رب الارض بالاتفاق (فتاویٰ رضویہ ۱۹۲/۲) یعنی البرہ ۵۵/۲) فكونه ليس

اهل للعشر يعني التعريف المختار (عن السندی منقولاً عن السراج) لان ايجاب

المشر على الذی غیر ممکن (التعريف المختار ۱/۱۳۸)

## مَحْوَ رِيْنَجَم

۱۔ اگر پیداوار نصف صاع سے زائد ہو تو اس پر عشر واجب ہے، نصف صاع سے چاہے جتنی زائد ہو اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق سوس کے اطلاق کی وجہ سے کوئی نصف شرط نہیں ہے (شامی دوم)

۲۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب نہیں ہے بلکہ جس پیداوار سے زمین کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو۔ لہذا خود روگھاس اور بیگار تم کے درختوں میں عشر واجب نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص گھاس، بانس یا خود رو تم کے درختوں کو آمدنی کی نیت سے قصداً اگانے تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ (شامی ۵۰/۲)

مکھانہ اور سنگھارا جیسی چیزیں زمین ہی کی پیداوار میں چاہے اس قسم کی کاشت کے لئے پانی کی کثرت ضروری ہے مگر اس کی جڑیں تو زمین ہی میں رہتی ہیں۔ اور زمین کی مقصود بالاستغلال میں عشر واجب ہوتا ہے، لہذا مکھانہ اور سنگھارا جیسی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا جب کہ بقصد اس کی کاشت کی گئی ہو۔ (شامی دوم)

۳۔ پھلی کی کاشت میں عشر واجب نہ ہوگا۔ کیوں کہ پھلی یہ (انزال الارض) زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے اور زمین کی پیداوار سے پرورش پانے والی چیز بھی نہیں ہے۔ لہذا اگر کوئی آدمی آرسی سی کے پختہ حوض میں اگر پھلیاں پانا چاہے تو بھی پال سکتا ہے۔ اور عشر کے وجوب میں اصل یہ ہے کہ وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ زمین کی پیداوار ہو۔ (شامی ۵۲/۲)

البتہ اس قسم کے تالاب میں پھلیاں یا ان کے بچے اگر تجارت کی نیت سے خرید کر تالاب میں ڈالے گئے ہوں تو ان کی مالیت پر تجارتی مال کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (حسن الفتاویٰ ۲۱/۲)



۴۔ جو چیز عادتہ مقصود بالزرع نہ ہو اور اس کو مقصود بنا کر کے اس کی کاشت بھی نہ کی گئی ہو تو اس میں تو عشر واجب نہیں ہوتا۔ اور ایسی غیر مقصود بالزرع چیز سے پرورش پلنے والی چیز میں بھی عشر واجب نہیں ہوتا جیسا کہ عام کتب فقہ حنفی میں مصرح ہے۔ مگر جب ایسی عادتہ غیر مقصود بالزرع کسی چیز ہی کو مقصود بنا کر اس کی کاشت کی جائے تو پھر اس میں عشر واجب ہوتا ہے جیسا کہ کوئی غیر پھل دار درختوں کا اور بانس ہی کا کھیت بنائے تاکہ اس سے جلانے یا عمارت کے لکڑے حاصل کرے تو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی آدمی ریشم کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے شہتوت کے پتوں ہی کو مقصود بن کر شہتوت کے درختوں کا پورا کھیت بنائے اور اس میں ان درختوں کے علاوہ دوسری چیز کی کھیتی نہ ہو تو ان پتوں میں بھی عشر واجب ہو جائے گا جیسا کہ "تنقیح الفتاویٰ الحمادیہ" میں ہے کہ :

"مسئل (۱) نسی أوراق التوت هل يجب فيها العشر أم لا (الجواب) قال في صور المسائل نقلًا عن الترهدي صاحب رتبة قلت ممكن ان يلحق به أغصان التوت عندنا واوراقها لأنه يقصد بها الاستغلال بخوارزم وخراسان و قد نص عليه في درر الفقه فقال يجب العشر في أوراق التوت وأغصان الخلاف التي تقطع في اوان تقليم الكروم وغير ذلك اه (العقود الدرية

من تنقيح الفتاوى الحمادية ۱/۱۱۱)

اور جب شہتوت کے اوراق کو مقصود بالزرع بنا کر اس سے ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم کی پیداوار حاصل کرنا مقصود ہو تو پھر اس ریشم میں عشر واجب ہو گا جیسا کہ عشری زمین کے شہد میں احناف کے نزدیک عشر واجب ہوتا ہے۔ (مدایہ رفیع القدیر ج ۲)

۵۔ پھلدار درختوں کے باغ میں تو زمین کی نوعیت کے مطابق پھلوں میں عشر یا خراج واجب ہوتا ہے۔ اور جو غیر پھلدار یا پھلدار درخت جلانے کے لئے یا عمارت و فرنیچر کا لکڑی حاصل کرنے کے لئے لگائے جائیں اور صرف ایسے درختوں ہی کا کھیت بنایا جائے اور اس میں درختوں کے درمیان اور کسی قسم کی کھیتی نہ ہو تو اس میں بھی عشری زمین ہو تو عشر واجب ہے۔ (رد المحتار ۵۰، ۵۱، ۲۶۱، العقود الدرية ۱/۹)

۶۔ عشری زمین کی سبزیوں کی پیداوار میں پانی کی نوعیت کے اعتبار سے عشر یا نصف العشر واجب ہو گا اور مکان کے گرد و پیش کی افتادہ زمین میں یا تھتوں پر لگائی جانے والی سبزیوں میں

کچھ واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ زمین عشری نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۲، ص ۵۳ ج ۲۔)

(الخانیہ مع السندیة ۲۷۷/۱)

۷۔ اراضی اوقاف اگر عشری ہیں تو اس کی پیدار میں بھی عشر واجب ہے۔

(رد المحتار ۲/۲۹، ۳/۲۵۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلیہ اتم واکرم

---

## عشر و خراج کا شرعی ضابطہ

ای۔ مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی مدرسہ شیخ العلوم بنگلور

عشر و خراج نظام اراضی سے متعلق اسلامی احکامات میں سے ہیں، شرعی قانون کے مطابق بعض زمینوں پر عشر لاگو ہوتا ہے اور بعض پر خراج عائد ہوتا ہے۔ کن زمینوں پر عشر آتا ہے اور کن پر خراج لاگو ہوتا ہے؟ اسی سوال کے جواب کی تفصیل و توضیح پیش کرنا اس موقع پر مقصود ہے۔

### عشری زمینیں کون سی ہیں؟

شریعت نے جن زمینوں کو عشری قرار دیا ہے، علماء نے ان کی تفصیل کرتے ہوئے ان کو چار قسموں پر منقسم کیا ہے،  
(۱) وہ زمین جس کے رہنے والے سب کے سب مسلمان ہو گئے ان کی زمینیں ان ہی کے قبضہ میں رہیں گی اور ان لوگوں کی زمینوں پر عشر آئے گا۔

قال الموفق قال ابن المنذر اجمع كل من حافظ عنه من اهل العلم على ان كل ارض  
اسلم اهلها عليها قبل فهرهم عليها انها لهم وان احكامهم احكام المسلمين وان  
عليهم فيما روي فيها الزكوة - ۱۱۱

(۲) وہ زمین جس کو قتال کے بعد فتح کیا گیا اور اس کو مال غنیمت کے قاعدہ کے موافق پانچ حصے بنا کر چار حصے مجاہدین کو دئے گئے اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کیا گیا تو یہ زمینیں جو مجاہدین کے قبضہ میں آئیں عشری قرار پائیں گی۔



امام ابو عبید نے "الاموال" میں اس صورت کا ذکر یوں کیا ہے:

كل ارض اخذت عشوة ثم ان الامام لم يبران يجعلها فيثا موقوفاً ولكن مراهي ان  
يجعلها غنيمة فخمسها وقسم اربعة اخماسها بين الذين افتتحوها خاصة  
فهذه ايضاً ملك ايما منهم ليس فيها غير العشر - (۱)

(۲) جو زمین کسی کی ملکیت میں نہ تھی اور نہ زراعت کے قابل تھی ملک کے فتح ہونے کے بعد اسلامی حکومت کا سربراہ  
اس کو کسی کے لیے دے دیا تو وہ زمین بھی عشری ہوگی۔

قال ابو عبید: كل ارض عادية لارب لها ولا عامر اقطعها الامام رجلاً اقطاعاً من جزيرة

العرب او غيرها (ذكره في النوع الثالث من الانواع الاربعة من الاراضي العشرية) (۲)

(۳) جو زمین غیر آباد پڑی ہو اس کو اگر مسلمان نے قابل زراعت بنا لیا تو وہ زمین بھی عشری ہے (اس میں کچھ  
تفصیلات ہیں جو آگے چل کر پیش کی جائیں گی)۔ (۳)

یہ چار قسم کی زمینیں ہیں جن پر عشر آتا ہے اور سنت نبوی و آثار صحابہ سے ان اقسام پر عشر کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## پہلی قسم کے عشری ہونے کی دلیل

پہلی قسم کی زمین کے عشری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور یمن کے لوگوں نے جب اسلام قبول کر لیا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عشر کو لازم کیا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

فكل ارض اسلم اهلها عليها وهي من ارض العرب او ارض العجم فهي لهم وهي

ارض عشر بمنزلة المدينة حين اسلم عليها اهلها وبمنزلة اليمن - (۴)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حيث اسلم اهلها مع رسول الله صلى الله

عليه وسلم وكانت ارضهم ارض عشر وكذلك الطائف والبحران - (۵)

(۱) کتاب الاموال لابو عبید ۵۱۲ ایضاً (۲) ایضاً

(۳) الخراج / ۷۵ (۵) الخراج / ۶۸

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ، طائف، یمن وغیرہ کی زمینوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا تھا اور یہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علاء بن الحضرمیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین یا ہجر کی طرف بھیجا، وہ فرماتے ہیں کہ وہاں مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج وصول کرتا تھا۔<sup>(۱)</sup> یہ بحرین یا ہجر کے مقامات بغیر قتال کے مفتوح ہوئے تھے اور وہاں کے لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے تھے ان سے حضرت علاء عشر وصول کرتے تھے اور جو مشرک ہی باقی رہے ان سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔

### دوسری قسم کے عشری ہونے کی دلیل

اور دوسری قسم کی زمین یعنی جو قتال کے ذریعہ مفتوح ہوئی اور مال غنیمت کے اصول کے مطابق پانچ حصوں میں تقسیم کر کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے گئے تو ان چار حصوں پر جو مجاہدین کی ملک ہیں عشر آتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر کو اسی طرح تقسیم فرمایا اور مجاہدین کی ارامنی پر عشر لازم قرار دیا تھا۔<sup>(۲)</sup>

### تیسری قسم کے عشری ہونے کی دلیل

اور جس زمین کو امیر المؤمنین نے کسی کو عطیہ دے دیا جب کہ وہ زمین کسی کی ملک نہیں تھی تو اس پر عشر لاگو ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب تمص کو فتح کیا تو وہ نہراں پر جمع ہوئے اور وہاں کی زمین کو قابل بنالیا اور اس کو حضرت عمرؓ عثمانؓ نے ناقہ فرمایا اور اس پر حسراج نہیں لیا جاتا تھا بلکہ عشر لاگو کیا گیا تھا، اسی طرح تمص کے بعض اور حصے بھی لشکریوں کو ان کی درخواست پر دے گئے اور ان پر عشر ادا کیا جاتا تھا۔<sup>(۳)</sup>

### چوتھی قسم کے عشری ہونے کی دلیل تفصیل

چوتھی قسم کی زمین یعنی جو زمین آبادی میں ہو اور اس کو کسی مسلمان نے قابل زراعت بنالیا تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔

وہ یہ کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ زمینیں عشری ہوں گی۔ اگر اس کے قرب و جوار کی زمینیں عشری ہوں اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو یہ بھی حنہ راجی قرار دی جائیں گی، اور اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو اس زمین کو عشری قرار دیا جائے گا۔ (۱)

اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ بالا زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار اس کو دیے جانے والے پانی پر ہے اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو وہ عشری ہے اور اگر حنہ راجی پانی دیا جاتا ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ (۲)  
علماء احناف نے ان دونوں قولوں میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اسی طرح شامی نے تصریح کی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ایسی زمین کے عشری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بصرہ کو صحابہ نے عشری زمین قرار دیا، حالانکہ اس کے قرب و جوار میں عراق کی خراجی زمینیں ہیں وچہ یہ ہے کہ یہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی تھیں یہ یحییٰ بن آدم نے کہا کہ:

وقد قال بعض اصحابنا في ارض البصرة ارضها ارض عشر لا منها استخرجت من انهار

الخراج لان البطائح تقطع ما بينهما وبين دجلة وشربها من البطائح ومن البحر

والبحر ليسا من انهار الخراج - (۳)

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بصرہ کو اگرچہ خراجی زمین قرار دینا چاہیے تاہم اجماع صحابہ کے پیش نظر وہ بھی اس کو خلاف قیاس عشری ہی قرار دیتے ہیں۔

## خراجی زمین کا ضابطہ

اوپر عشری زمینوں کا اصول و ضابطہ پیش کیا گیا تھا اب خراجی زمینوں کا اصول و ضابطہ بیان کیا جاتا ہے۔  
(۱) جس ملک کو مسلمان صلح کے ساتھ فتح کریں اس کی شرائط صلح میں اگر یہ بات ہو کہ اس کی زمینیں بدستور انہی غیر مسلم لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی تو اس شرط کے مطابق یہ زمینیں وہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملک ہوں گی اور ان پر حنہ راج عائد ہوگا۔



امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

ایما قوم من اهل الشرك صالحهم الامام على ان ينزلوا على الحكم والقسم وان يؤدوا

الخراج فہم اهل ذمة وارضہم ارض خراج - (۱)

(۲) جس ملک کو بعد قتال فتح کیا گیا اگر اس کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئیں اور امیر المؤمنین نے اسی کو مصلحت خیال کیا کہ یہاں کی زمینیں بدستور اپنی کفار کی ملکیت میں رہیں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

ایما ارض افتتحها الامام عنوة ————— وان لم یقسمتها و رأى الصلاح فی اقرارها فی

ایدی املہا کما فعل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی السواد فله ذلك وہی ارض

خراج ولیس لہ ان یأخذہا بعد ذلك منهم الخ - (۳)

(۳) جس غیر آباد زمین کو باذن امام غیر مسلم آباد کر لیں اور قابل کاشت بنالیں وہ زمین بھی خراجی ہوگی۔ (۴)

(۴) دو زمین جو مسلمان آباد کر لیں امام ابو یوسف ر ج کے مطابق اگر وہ خراجی زمینوں کے قریب میں ہو تو وہ حشر جی ہوگی اور امام محمد ر ج کے مطابق وہ اگر خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہے تو خراجی ہوگی۔ (۵)

## دلائل کی طرف

خراجی زمینوں کی پہلی قسم پر دلیل یہ ہے کہ خراج کا وظیفہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے لہذا جب امیر نے شرط کے مطابق ان کی زمین ان کی ملکیت میں رہنے دی تو اس کے لائق یہی ہے کہ خراج عائد کیا جائے۔

فی الہدایۃ: وكذا اذا صالحهم لان الحاجة الى استدام التوظيف على الكافر والخراج اليقین<sup>۱۵۱</sup>۔

مع قلت ودلیلہ ما اخرجہ یحیی بن آدم فی الخراج لہ بسندہ عن ابن ابی لیلی قال: قد راد الیہم عمر

ابن الخطاب ر اراضیہم وصالحہم علی الخراج (اعلاء السنن ۲/۲۸۱) فیہ دلالة واضحة علی ان الامام

اذا راد الیہم اراضیہم وصالحہم علی علیہ فہی ارض خراج -

(۱) الخراج لابی یوسف ۶/۶۸ (۲) ایضاً (۳) شامی ۴/۱۸۳ (۴) ایضاً (۵) غریبہ ۵/۵۷

اور بعد قتال کے فتح ہو تو کفار کے قبضہ میں جو زمینیں دی گئیں وہ خسراجی ہوتی ہیں کیوں کہ حضرت عمرؓ نے عراق ہجر  
شام کی زمینوں پر خراج ہی عائد کیا تھا۔ (۱۱)

اور جس زمین کو غیر مسلم آباد کر لیں وہ بھی خراجی ہوگی کیوں کہ غیر مسلم پر عشر نہیں ہوتا۔  
اور چوتھی قسم کی زمین کے خراجی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل بصرہ میں سے ایک ثقفی ابو عبد اللہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ  
عنہ سے عرض کیا کہ ہمارے قریب ایک زمین بصرہ میں ہے جو خراجی نہیں اگر آپ کی رائے ہو تو یہ مجھے عنایت فرمادیں تاکہ میں  
اپنے گھوڑوں کے لیے چراگاہ بنالوں، آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر یہ شخص جس طرح کہتا ہے وہ صحیح  
ہے تو اس زمین کا حصہ اس کو دے دیں اور اس خط کے جملے یہ تھے :

فان لم تکن ارض جزية ولا ارضاً جری الیہا ماء جزية فاعطها ایاہ۔ (۱۲)

اس میں حضرت عمرؓ کے یہ جملے بتاتے ہیں کہ پانی کے عشری یا خراجی ہونے کا ہی اثر و اعتبار ہے ورنہ "ولا ارضاً جری الیہا ماء جزية" کہنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی زمین کو خراجی پانی دیا جاتا ہے تو وہ زمین خسراجی  
ہوگی۔ یہ دلیل امام محمدؒ کے مطابق ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلماہم واعلم)

### امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ایک اختلاف کی تفصیل

یہاں یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ اس چوتھی صورت میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس  
صورت میں ہے جب کہ یہ آباد کردہ زمین خراجی یا عشری زمینوں کے جیز و قرب میں ہو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ  
قرب کا اعتبار کرتے ہوئے آباد کردہ زمین پر عشری ہونے کا (جب کہ وہ عشری زمین کے قرب میں ہو) اور خراجی ہونے  
کا (جب کہ خسراجی زمینوں کے پاس ہو) حکم لگاتے ہیں اور امام محمدؒ عشری یا خراجی پانی کا اعتبار کرتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔  
لیکن اگر یہ نئی آباد کردہ زمین عشری یا خراجی زمینوں کے قرب میں نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کا مسلک  
ایک ہے وہ یہ کہ پانی کے عشری یا خراجی ہونے پر اس زمین کے عشری یا خسراجی ہونے کا مدار ہوگا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ  
نے بھی کتاب الخراج میں پانی کے عشری یا خراجی ہونے پر مدار رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

(۱۱) الخراج لابن یوسف۔ الاموال لابن عبید وغیرہ۔

(۱۲) ابو عبید الاموال / ۲۴۴

ایما رجل احیا أرضاً فی أرض الموات من أرض الحجاز أو أرض العرب التي أسلم أهلها  
 علیها وهي أرض عشر نهي له وان كانت من الارمن التي افتتحها المسلمون معاً  
 فی ایدی اهل الشرك فان احياها وساق اليها الماء من المياه التي كانت فی ایدی اهل  
 الشرك فهي أرض خراج وان احياها بغير ذلك الماء بئر احتضرها فيها او عين استخرجها  
 منها فهي أرض عشر وان كان يستطيع ان يسوق الماء اليها من الانهار التي كانت فی ایدی  
 الاعاجم فهي أرض خراج ساقه او لم يسقه - (۱)

علامہ طغرا احمد التھانوی رحمہ اللہ اس سن میں مذکورہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:  
 وبہ تبین ان ابا یوسف لا یخالف محمداً فی اعتبار الماء بل یوافقہ اذ الم تکت  
 الارمن التي احياها المحیی فی حیز أرض الخراج او العشر - (۲)

غرض یہ کہ امام محمدؒ و امام یوسفؒ میں اختلاف صرف اس وقت میں ہے جب کہ یہ آباد کردہ زمین عشری یا خراجی  
 زمینوں کے قریب میں ہو، ورنہ دونوں حضرات کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے۔

## خلاصہ کلام

ادپر کی پیش کردہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ:

- (۱) عشری زمین وہ ہے جو اول دہ میں مسلمان لوگوں کو ملی یا دی گئی خواہ جنگ و قتال کے بعد وہ زمین مسلمانوں کے  
 قبضہ میں آئی ہو یا صلح کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو، لہذا ہر وہ زمین جو صلح یا جنگ کے بعد کسی مسلمان کو حاصل  
 ہوئی وہ عشری کہلائے گی۔
- (۲) خراجی زمین یا تو وہ ہے جو جنگ یا صلح کے بعد امام المسلمین نے کسی کافر کو دی خواہ وہ شرائط صلح کی بنا پر ہو یا از  
 راہ تبرع و احسان ہو۔

یا خراجی زمین وہ بھی ہے جو غیر آباد تھی اور اس کا کوئی مالک نہ تھا اور کسی مسلمان نے اس کو آباد کر لیا تو اگر یہ خراجی  
 پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو خراجی ہوگی اسی طرح ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ زمین خراجی زمین کے قریب میں ہے تو  
 خراجی ہوگی۔



## استثنائے

یہ تو اصل قاعدہ و ضابطہ ہے جس سے خراجی و عشری زمینوں کا تعین کیا جاسکتا ہے، مگر اس قاعدہ سے ہٹ کر بھی بعض فیصلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ سے منقول ہیں اور یہ بعض خصوصیات کی بنا پر ایک استثنائی صورت ہے اور اس کو اسی طرح قائم و باقی رکھنا ضروری و لازمی ہے ان استثنائی صورتوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اوپر معلوم ہوا کہ جس ملک کو جنگ و قتال کے بعد فتح کیا جائے اور اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ بدستور کفار ہی کی ملکیت میں رہنے دیا جائے تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی مگر مکہ مکرمہ کی زمینوں کو (جس کو بعد قتال فتح کے کفار ہی کو دے دیا گیا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراجی قرار نہیں دیا بلکہ اصل ضابطہ سے ہٹ کر ان پر عشر عائد کیا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَمَّنَ الْعَرَبُ مَخَالَفَةَ الْأَرْضِ الْعَجْمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ الْعَرَبُ أَنْمَا يَقَاتِلُونَ عَلَى الْإِسْلَامِ لَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ الْجِزْيَةُ وَلَا يَقْبَلُ عَنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ نَأْنِ عَفَى لَهُمْ عَنْ مِلَادِهِمْ فَهِيَ أَرْضٌ عَشْرُ وَأَنْ قَسَمَهَا الْأَعْمَامُ وَلَمْ يَبْدِ عَمَّا لَهُمْ فَهِيَ أَرْضٌ عَشْرٌ وَلَيْسَ بِشِبْهِ الْحَكْمِ فِي الْعَرَبِ الْحَكْمُ فِي الْعَجْمِ لِأَنَّ الْعَجْمَ يَقَاتِلُونَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَعَلَى اعْطَاءِ الْجِزْيَةِ وَالْعَرَبُ لَا يَقَاتِلُونَ إِلَّا عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَمَّا أَنْ يَسْلَمُوا وَأَمَّا أَنْ يَقْتُلُوا وَلَا نَعْلَمُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ وَلَا أَحَدًا مِنَ الْخُلَفَاءِ مِنْ بَعْدِهِ أَخَذُوا مِنْ عِبْدَةِ الْأَوْتَانِ مِنَ الْعَرَبِ جِزْيَةً أَنْمَا هُوَ الْإِسْلَامُ أَوِ الْقَتْلُ - (۱)

(۲) اسی طرح عرب کی کل زمین عشری قرار دی گئی خواہ وہ عنوةً مفتوح ہوئی ہو یا صلحا یہ عرب کی زمین کی خصوصیت ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ بَلَّغْنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَتَحَ فُتُوحًا مِنَ الْأَرْضِ الْعَرَبِيَّةِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا الْعَشْرَ وَلَمْ يَجْعَلْ عَلَى شَيْءٍ مِنْهَا خَرَجًا وَكَذَلِكَ قَالَ أَصْحَابُنَا فِي تِلْكَ الْأَرْضَيْنِ - (۲)

(۳) اسی طرح بصرہ قہر او عنوۃ فتح ہوا، اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ وہاں کی ان زمینوں کو جو کفار کو دی گئیں، خراجی قرار دیا جاتا مگر باجماع صحابہ بصرہ کی کل زمین کو عشری قرار دیا گیا۔  
علامہ ابن نجیم مصریؒ بنایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

فان القياس وضع الخراج عليها (اي على البصرة) لكونها فتحت عنوة ومع ذلك لم  
يوظف رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها الخراج تعظيماً لها ولا هلباً  
فكعلاً لارق على العرب لاخراج على اراضيهم - (۱)

الغرض بعض علاقوں کی خصوصیت کی وجہ سے اصل ضابطہ سے ان کو مستثنیٰ رکھا گیا اور ان کو ہمیشہ اسی  
طرح باقی رکھنا لازم ہے۔

# عشر و خراج متعلق سوالات کے جوابات

۱۔ مولانا عبد الرحمن قاسمی، دارالافتاء دارالعلوم چچا پسی

## مخبر اول

### عشری و سر اجی زمینیں

کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات کے مطالعہ سے عشری و خراجی زمینوں کے متعلق بطور خلاصہ کے یہ روشنی ملتی ہے کہ

جزیرۃ العرب (جس میں تنہامہ، حجاز، مکہ، یمن، طائف، عمان، بحرین شامل ہیں) کی تمام زمینیں عشری ہیں:

فأرض العرب كلها عشرية وهي أرض تنهامه وحجاز ومكة واليمن وطائف وعمان

والبحرين - (۱)

ہر وہ شہر یا ملک جو صلح کے ساتھ فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستوران کی ملکیت میں ہی رہیں گی اور شرعیاً یہ زمینیں عشری ہوں گی، جیسے مدینہ طیبہ کی زمینیں۔

كل أرض أسلم عليها أهلها تكون عشرية - (۲)

ہر وہ شہر یا ملک جو جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے ان کی زمینیں مال غنیمت کے قانون سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے تو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملکیت میں آئیں گی وہ سب عشری ہوں گی۔



کل بلدة فتحت عنوة وقسمها الامام بين الغانمين تكون عشرية - (۱۱)

ہر وہ بنجر زمین جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی ملک تھی نہ قابل زراعت بعد میں اس کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزرعہ زمین بنایا گیا تو ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی حسراجی ہوں گی اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا، اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔ اور امام محمد رحمہ کے نزدیک نوآباد زمینوں کے عشری و خراجی ہونے کا مدار اس پانی پر ہے جس سے نوآباد زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ زمینیں عشری ہوں گی اور اگر وہ پانی حسراجی ہے تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول مفتی ابے اور علامہ شامی نے اس کو معتمد قرار دیا ہے۔

موات احياء ذمی باذن الامام او رضع له كعاصر خراجی ولو احياء مسلم اعتبر قربة ما قارب الشئ يعطى حكمه - (۱۲)

(قولہ اعتبر قربة) أى قرب ما احياء ان كان الى ارض الخراج اقترب كانت خراجية وان

كان الى العشر اقرب فعشرية - (۱۳) — وان كانت بينهما فعشرية مراعاة

لجانب المسلم وعند أبي يوسف واعتبر محمد العاء فان احياءا بعاء الخراج

فخراجية والافعشرية بحر وبالأول يفتى در منتهی - (۱۴)

نیز علامہ شامی قولہ وکل منهما کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ان العاء يعتبر فيما لو احياء مسلم ارضا او جعل داره مستانا بخلاف المنصوص على

انه عشرى او خراجى وقد مناه على الدر المنتهى ان العطف به قول ابي يوسف انه

يعتبر القرب وهو ما مشى عليه المصنف اولا كالكسرو وغيره وقد مه فى متن

الملتقى فأنا قد ترجيحه على قول محمد وقال ح، وهو المختار كعافى الحموى على

الكسرو من شرح قراحصارى وعليه المعتون واعتبار العاء قول محمد - (۱۵)

(۱۱) ہندویہ ۲۳۶ (۱۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۴ (۱۳) فہر

(۱۴) شامی مصری ج ۱ ص ۱۸۴ (۱۵) شامی مصری ج ۱ ص ۱۸۵

نیز فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

من احيا ارضا مواتا فان كانت من حيز ارض الخراج فهي خراجية وان كانت من حيز ارض العشر فهي عشرية وهذا اذا كان المحي لها مسلما اما اذا كان ذميا فعليه الخراج وان كانت من حيز ارض العشر - (۱)

ہر وہ شہر یا ملک جو صلح سے فتح ہوا اور صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لیے خراج کا حکم متعین ہے۔

کل بلدة فتحت صلحا وقبلوا الجزية فهي ارض خراج - (۲)

ہر وہ شہر یا ملک جو جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے ان کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی ہوں گی، جیسے شام اور عراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا۔ مجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

وما فتح عنوة واقترأه عليه او فتح صلحا خراجية - (۳)

اگر کسی غیر مسلم کی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو یہ زمین خراجی ہی رہے گی۔

اذا شترى مسلم من ذمى ارض خراج يجب الخراج - (۴)

## مختصر چہارم

### ارضی ہند متعلق شرعی حیثیت کے سوالات

(۱) ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمینیں بعض عشری بعض خراجی اور

(۱) فتاویٰ ہندیہ ۲۴۷ (۲) الفتاویٰ الہندیہ ۲۴۷

(۳) تنویر ۱۷۷ (۴) الدر المختار علی هامش ۲ المختار ۱۶۱

بعض نہ عشری نہ خراجی ہیں۔

خاتمہ زمیندارہ میں جن اراضی کو حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لیا اور مالکوں کی ملک ختم کر دی وہ تمام زمینیں خراجی ہوں گی۔ پھر ان زمینوں میں سے جن اراضی کو حکومت نے اپنے قاعدہ و ضابطہ سے کچھ عرصے لے کر یا بغیر عرصے کے قابضین کی ملک میں دے دیا تو قابضین اس کے مالک ہو گئے پھر بھی یہ زمینیں خراجی رہیں گی۔

اور ان میں سے جن اراضی پر حکومت نے قابضین یا دوسروں کی ملکیت کا حق نہیں دیا ہے وہ اب تک حکومت کی ملک میں باقی ہیں اور یہ اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی ہیں بلکہ اراضی محوزہ سلطانیہ کے درجہ میں ہیں۔

اور جو اراضی قانون تنسیخ زمینداری سے مستثنیٰ رہی ہیں اور حکومت نے ان کو اپنی ملکیت میں نہیں لیا بلکہ وہ اب تک مالکوں کی ملک میں ہیں تو ان اراضی کا حکم یہ ہے (بشرطیکہ وہ اراضی مملوکہ مسلمین ہوں)۔

ان اراضی میں سے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسلامی دور سے اب تک کسی غیر مسلم کی ملک میں نہیں گئی ہے وہ زمین عشری ہے..... اسی طرح جن زمینوں کے متعلق علم ہی نہ ہو کہ کبھی کسی غیر مسلم کی ملک میں گئی ہیں یا نہیں؟ تو یہ زمینیں بدلیل استصحاب عشری ہی سمجھی جائیں گی۔ (۱)

اور ان میں سے جن اراضی کے متعلق یقینی علم ہے کہ اسلامی دور کے بعد کسی بھی وقت غیر مسلم کی ملکیت میں گئی ہیں وہ زمینیں خراجی ہیں..... اسی طرح ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جانے والے مسلمانوں کی اراضی جن پر حکومت ہند نے قبضہ کر کے دوسروں کو دے دی ہیں وہ بھی بوجہ استیلاء کافر خراجی ہو گئیں۔ (۲)

(۲) جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور وہ مملوکہ مسلمین ہیں اور ان کو حکومت نے اپنی ملک میں نہیں لیا تو ان زمینوں کو بدلیل استصحاب عشری قرار دی جائے گی۔ (۳)

(۳) سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہائے عصر

قریب کی رائے مختلف ہیں لہذا احتیاطاً سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہ سمجھی جائے۔

(۴) محمد بن قاسم ثقفیؒ کی فتوحات میں ہندوستان کے جو علاقے اور صوبے داخل تھے ان میں عموماً خراج مقاسمہ

خمس پیداوار واجب ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں خراج مؤظف کا حکم جاری ہے

(۱) المستفاد من نظام الفنادی ۳۵۶-۳۵۷ (۲) جواہر الفقہ ۲۶۲

(۳) المستفاد من نظام ارضی ہندو خراج کے احکام اور فتوح الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ



اور خراج مؤلف کی تفصیل یہ ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (ساتھ مربع گز) پر ایک دنہم (۲ ۱/۲ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور گنجان باغات پر ۱۰ درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے گٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ (۱)

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔ (۲)

(۵) جدید طریق زراعت میں غیر معمولی ہونے والے اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا جائز نہیں ہے نیز اصل پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے بلکہ اصل پیداوار سے عشر ادا کرنا واجب ہے۔  
يجب العشر..... ونصفه..... بلا دفع مؤن - (۳)

(قولہ بلا دفع مؤن) ای يجب العشر فی الاول ونصفه فی الثاني بلا دفع اجرة العمال ونفقة البقر وکسری الانهار و اجرة الحافظ ونحو ذلك دود قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی تد رالخارج الذی بمقابلة المونة بل یجب العشر فی الكل لانه علیه الحלוۃ والسلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المونة ولو دفعت المونة کان الواجب واحداً وهو العشر دائماً فی الباقي لانه لم یبذل فی نصفه الا للمونة والباقي بعد دفع المونة لامونة نية فکان الواجب دائماً العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعاً فلعلمنا انه لم یعتبر شئ ما عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوی للمونة اصلاً ۱۰ تمامہ فیہ - (۴)

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر مالک زمین اور بٹائی دار دونوں پر واجب ہے؛  
ولو دفعها مزارعة فاما علی مذہبہما فالزراعة جائرة والعشر یجب فی الخارج  
والخارج بینہما فیجب العشر علیہما - (۵)

(۱) المستفاد من اسلام كما نظام ارامنی / ۸۵ (۲) ایضاً / ۱۹۳ (۳) الدر المختار ۳۳۸/۴

(۴) شامی مصری ۳۲۸/۴ (۵) البدائع ۵۶/۲

اور یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مالک زمین اور بٹائی دار دونوں مسلم ہوں۔

اور اگر ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں :

(۱) مالک زمین مسلم ہو اور بٹائی دار غیر مسلم ہو تو اس صورت میں عشر نکال کر تقسیم کیا جائے۔

(۲) مالک زمین غیر مسلم ہے اور بٹائی دار مسلم ہے تو عشر کا سوال ہی نہیں اس خراج واجب ہوگا، اور خراج کی دو قسمیں

ہیں، ۱۔ مقاسمہ ۲۔ موظف۔ اگر مقاسمہ ہے تو دونوں پر بقدر حصص خراج واجب ہے اور اگر موظف ہے تو

مالک زمین پر خراج واجب ہے۔

### مختصر پنجم

۱۔ عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے اس کے لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نصاب کا اعتبار نہیں ہے البتہ ایک صاع سے کم پر عشر نہ ہوگا۔

يجب العشر..... بلا شرط نصاب (۱) (قوله بلا شرط نصاب) وبقاء يجب

فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعاً۔ (۲)

۲۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں جس کو مقصود بنا کر اگایا گیا ہو اس میں عشر واجب ہے مگر بھوسہ اور سوکھی چری وغیرہ جس سے اناج حاصل کر لیا گیا ہو اور وہ مقصود نہ ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے، لہذا جو گھاس، بانس، درخت وغیرہ مقصود بنا کر اگائے گئے ہوں یا جانوروں کے لیے اگایا ہوا چارہ جو دانہ پڑنے سے پہلے کاٹ لیا جاتا ہے ان سب میں عشر واجب ہے۔

يجب العشر..... الا فيما لا يقصد به استغلال الارض نحو حطب و قصب فارسي

وحشيش وتين وسف..... حتى لو استغل ارضه بما يجب العشر۔ (۳)

(قوله الا فيما لا يقصد به) اشار الى ان ما اقتصر عليه المصنف كالكتز وغيره

ليس المراد به ذاته بل لكونه من جنس ما لا يقصد به استغلال الارض

غالباً وان المدار على القصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر۔ (۴)

پانی میں کاشت ہونے والی چیزیں اگر ان کی جڑیں زمین سے لگتی ہیں تو عشر کا سبب الارض النامیہ پائے جانے کی وجہ سے اس میں عشر واجب ہوگا۔

- (۳) مچھلی کی اس طرح کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ تالاب میں مچھلیاں یا ان کے بچے خرید کر ڈالے ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔
- (۴) ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے۔

(بخلاف دود القرن) ای الذی یتولد منه الابریسم ..... (لأنه یتناول الادق

ولاعشر فیہا) ای فی الارراق وکذا فی ما یتولد منها وهو الابریسم۔ (۱)

- (۵) باغات کے وہ درخت جن میں پھل اور درخت دونوں مقصود ہوں تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

ان المدار علی القصد حتی لو قصد به ذلک وجب العشر۔ (۲)

- (۶) اگر عشری و حسراجی زمین میں خضر اوت (سبزیاں) کی کاشت کی گئی تو اس میں عشر یا خراج واجب ہے چاہے وہ خضر اوت زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں اور چاہے ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہو۔

(قوله بلا شرط نصاب) وبقاء فیجب ..... و فی الخضر اوت التي لا تبقي وهذا

قول الامام وهو الصحيح کما فی التحفة۔ (۳)

- اور جو پھل یا سبزیاں اپنے گھر کے آگن یا اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ ارا منی یا اپنی چھتوں پر لگائے گئے ہوں ان میں عشر و خراج واجب نہیں ہے۔

(قوله جعلت بستانا) قید بجعلها بستانا لانه لو لم يجعلها بستانا و فیہا غنایا تغل اکرارا

لا شیئ فیہا (بحر) وكذلك ثمر بستان الدار لانه تابع لها کما فی قاضی خان قہستانی۔ (۴)

- (۷) اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی ارا منی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(قوله وقف) افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر و اما شرط ملک الخارج لانه یجب

فی الخارج لانی الارض مکان ملک لها و عدمه سواء۔ (۵)

نقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب و علیہ السلام واکمل۔



# اسلام کا نظام عشر و خراج

## اراضی ہند کی شرعی حیثیت

ایمان: مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ دارالعلوم، اعظم گڑھ، (یو پی)

### محرر چہارم

عشر و خراج کا نظام اسلام کے نظام معیشت کی اہم کڑی ہے، داخلی، خارجی، دفاعی، اقدامی بہت سے نظام ان سے قائم و دائم تھے، لیکن سلطنت اسلامیہ کے زوال کے بعد یہ دونوں نظام اس قدر متاثر ہوئے کہ آج ان کی صحیح تصویر دھندلی ہو گئی، الشریاک جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاضی زید مجدہ کو کہ انھوں نے اس موضوع کو اٹھا کر وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے، الشریاک ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور نظام عشر و خراج پر امت مسلمہ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام نے یقیناً ایسی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں اراضی کے عشری و خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے اس بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔  
(الف) جن ممالک کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اس طرح وہ ممالک فتح ہو گئے تو وہاں کی زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔

(ب) : اور وہ ممالک جو عنوةً فتح ہوئے اور امیر المؤمنین نے اراضی تقسیم کر کے کچھ حصہ مسلمانوں کو دے دیا وہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

(ج) اور اگر از قبیل موت بھیس اور مسلمانوں نے باذن امیر قابل کاشت بنالیا تو اس کا مدار قریب کی اراضی پر ہوگا،

اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ بھی عشری ہوں گی اور اگر حسراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی۔ (۱)  
 (د) : اور اگر کوئی ملک صلحا فتح ہوا اور یہ طے پایا کہ یہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر رہتے ہوئے  
 اپنی ارامنی پر قابض و دخیل رہیں گے تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی۔  
 (۵) : اور اگر جنگ کے ذریعہ ملک فتح ہوا لیکن امیر المومنین نے سابق قبضہ بحال رکھا تب بھی یہ زمینیں حسراجی  
 ہوں گی۔ (۲)

الحاصل اساسی طور پر اسلام و کفر کا فرق عشر و خراج کے سلسلہ میں ملتا ہے، اسی کے ساتھ یہ ضابطہ بھی ملتا ہے  
 کہ وظیفہ عشر و خراج ملک کے تبدیل سے تبدیل نہیں ہوتا یعنی اگر خراجی زمین مسلمان نے خریدی تو اس پر خراج ہی واجب  
 ہوگا، لیکن اگر عشری زمین کسی کافر نے خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا عشر نہیں چونکہ عشر فی الجملہ عبادت بھی ہے اور  
 کافر عبادت کا اہل نہیں۔ (۳)

لیکن ہندوستان کی ارامنی کا اب حکم کیا ہے؟ مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں ناکارم کے نزدیک ارفق بالناس  
 والیر حضرت تھانویؒ کی فتویٰ معلوم ہوتا ہے۔

(الف) وہ یہ کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں اور ان کو مسلمانوں ہی سے ملی ہیں خواہ وراثتہ ملی ہوں یا ہبہ  
 و مینہ ملی ہوں یا شراء وہ زمینیں عشری ہیں۔

(ب) اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ رہا ہو اور پھر کسی طرح مسلمان نے وہ زمین حاصل کر لی تو وہ زمین خراجی ہوگی چونکہ  
 کفر یا استیلاء کفر مانع وجوب عشر ہے اور یہ بات اوپر آچکی ہے کہ تبدیل ملک سے وظیفہ عشر و خراج تبدیل  
 نہ ہوگا، لہذا خراج ہی واجب ہوگا۔

(ج) اور جن اراضی کا حال معلوم نہ ہو کہ درمیان میں کسی کافر کا قبضہ رہا ہے یا نہیں لیکن فی الحال مسلمان کے قبضہ و ملک  
 میں ہو تو وہ زمین عشری کہلائے گی اور استصحاب حال کے تحت یہ سمجھا جائے گا کہ یہی مسلمان ہی سے حاصل  
 ہوتی ہے، لہذا عشر واجب ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دو صورتیں ہند کی زمینیں عشری ہیں اور صرف ایک صورت میں حسراجی ہیں جس کی  
 تفصیل اوپر آچکی ہے۔

۲۔ ا کے تحت ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہ فیصلہ مشکل نہیں رہا کہ کون سی زمین عشری ہے اور کون سی خراجی اس لیے کہ اگر مسلمان کا قبضہ ہے تو استصحاب حال کی دلیل سے عشری ہے اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ ہے تو استیلا، کفر کی وجہ سے خراجی ہے۔

۳۔ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں چوں کہ کافر کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں اور نہ ہی کافر حکومت کی فوج وغیرہ مصرف خراج ہے، اس لیے اگر مسلمانوں کے پاس خراجی زمین ہو تو اس کا حصار لکال کر اپنے تئیں مصارف خراج پر خرچ کرنا ضروری ہے، مصارف خراج میں علماء، طلباء مفتیان کرام، قضاة، مدارس اسلامیہ بھی داخل ہیں۔

لأن الكافر ليس لهم ولاية اخذ الخراج من المسلمين والمؤمنين وايضا ليسوا بمصارف الخراج حتى اذا اذى المسلمون اليهم مالا بنية الخراج لا يخرجون عن عهده الخ - (۱)

۴۔ خراجی زمینوں کا خراج عشر ذکوۃ کی طرح عبادت تو نہیں ہے لیکن ایک شرعی و اسلامی حق ضرور ہے جس کا ادا کرنا عشر کی طرح واجب ہے، البتہ یہاں ایک اہم سوال ضرور ہے کہ ہندی مسلمان خراج کی ادائے کی کس شرح سے کرے۔ یہاں پہونچ کر امیر المؤمنین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے چوں کہ خراج مؤلف امیر المؤمنین ہی مقرر کرتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق نے اراضی عراق کی پیمائش کے بعد خراج مؤلف کے بارے میں احکامات جاری فرمائے تھے۔ یا پھر فقہار امت اپنا کوئی اجماعی فیصلہ امت کے لیے صادر کریں اور اپنے فیصلہ کی نظیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بنائیں۔

۵۔ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار سے نکالنا ضروری ہے زراعت میں غیر معمولی اخراجات ہوں یا معمولی یہ اخراجات عشر نکالنے سے منہا نہیں کیے جاسکتے بلکہ پہلے پوری پیداوار سے عشر نکالا جائے گا اس کے بعد اخراجات منہا کیے جاسکتے ہیں۔

ولا يحتسب لصاحب الارض ما افق على الغلة من سقى او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر - (۲)



۶۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر دونوں پر واجب ہے، یعنی مالک اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق عشر ادا کریں لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دونوں مسلمان ہوں اور اگر اگر ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم ہے تو مسلمان اپنے حصہ پیداوار کا عشر ادا کرے لیکن غیر مسلم پر عشر واجب نہیں چونکہ وجوب عشر کے شرائط میں سے پہلی شرط اسلام ہے اور دوسرے یہ کہ عشر فی الجملہ عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں۔ (بدائع)

## موزنختم

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، زکوٰۃ کی طرح اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں اس کی وجہ قرآن کریم اور احادیث پاک کے الفاظ کا عموم ہے مثلاً متخارجا لکم الارض - وما سقته السماء ففيه العشر۔

۲۔ وجوب عشر کے شرائط میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو لہذا بانس، درخت، جانوروں کے لیے گھاس اگر لگائی گئی ہو تب تو اس پر عشر واجب ہے اور اگر خود رو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں، سنگھاڑا وغیرہ اگر خود رو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں اور اگر اس کی کاشت کی گئی ہو تو اس پر عشر واجب ہے۔ (۱)

۳۔ مچھلی کی کاشت پر ناکارہ کے نزدیک زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہیے چوں کہ زمین کی پیداوار میں مچھلی کو داخل کرنا ناکارہ کے نزدیک واضح نہیں۔

۴۔ شہر کے حقے پر قیاس کرتے ہوئے ریشم کے کیڑوں پر بھی وجوب عشر رائج معلوم ہوتا ہے۔

ويجب في العنصر والكتان ومبذرة لان كل واحد منها مقصود فيه حتى لو اشغل

ارمنه بهما يجب العشر الخ - (۲)

۵۔ درخت شمر و بار آور ہوں یا غیر شمر اگر اس کو مالک ارض نے لگایا ہے خود رو نہیں اور عادتاً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہے چاہے بشکل جلا دن یا بشکل فرنیچر اس پر عشر واجب ہے۔ (۳)

۳۔ سبزیاں چاہے تجارت کی نیت سے لگائی گئی ہوں یا ذاتی استعمال کے لیے ہر صورت خفراوات پر مشر

واجب ہے۔ (۱)

۴۔ وجوب عشر کے شرائط میں ملکیت زمین نہیں لہذا اراضی وقف جس کا کوئی مالک نہیں ہو تا ان پر بھی عشر لازم ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی پر بھی عشر واجب ہے۔

و يجب انی ان قال ووقف و فی الشای اقاوان ملک الارض لیس بشرط لو جوب العشر وانما

الشرط ملک الخارج لانه يجب فی الخارج لافى الارض فکان ملکہ لها و عدمه سواء (۲)

# فقہی سوالات کے جوابات

مفتی عبدالواحد \_\_\_\_\_ شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم، مغربی بنگال

## مَحْوَرِ اَوَّل

جواب وهو علیہم بالصواب، در مختار کی عبارت "ما اسلم اهلہ طوعاً و فتوحاً و قسم بین فہو عشریہ" یعنی جو زمین مسلم افواج نے فتح کیا اور بین الجاہدین تقسیم کر دی گئی۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کے ملکیت میں رہی۔ یا وہ زمین تقسیم تو نہیں کی گئی بلکہ وہاں کے رہنے والے بر غبت مسلمان ہو گئے اور انہی کے پاس وہ زمین رہی ہمیشہ اور درمیان میں غیر مسلم کی ملکیت نہ آئی ایسی زمین عشری ہے، ورنہ خراجی۔

## مَحْوَرِ چہارم

اصل اسی میں اختلاف ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں اکثر اکابر مشائخ صبیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نافوتوی، حضرت مدنی نور اللہ مرادہم دارالحرب ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے برخلاف بہت سے اکابر دارالامن ہونے کے قائل ہیں۔ اگر دارالحرب مانا جائے تو پھر اس کی زمین بقول علامہ شامی نہ عشری ہے نہ خراجی۔

"و یحتمل ان یکون احترازاً عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج

اد عشریہ"



اگرچہ اکثر حضرات علی سبیل الاصیاط نیز فقراء و مدارس کا خیال کرتے ہوئے اور ہر اختلاف سے بچنے کے لئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عشر نکاح لانا دینی ہے، اور اگر اس کو دارالامن تسلیم کریں تب بھی مسئلہ عشر ایک ہی رہے گا کیونکہ دارالامن دارالاسلام نہیں کہ عشر واجب ہو بلکہ دارالکفر کا شعبہ ہے اس لئے اس کی زمین کو عشری یا وجوب عشر کو نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا ہندوستان دارالحرب ہو کہ دارالامن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عشر کے واجب نہ ہونے میں اگرچہ احقر کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دارالامن ہے۔ اسی کو کچھلے سمینار نے ثابت کیا ہے بلکہ دیگر کیونکہ انشورنش وغیرہ کو ضرورتاً جائز کیا ہے۔ اگر دارالحرب ہو تو پھر تو بلادریغ جائز ہونا چاہئے بقول امام ابی حنیفہ و امام محمد ضرورتاً مباح قرار دے دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

۵۔۲۔ اگر اصیاطاً عشر نکاح لاجائے تو کل پیداوار سے عشر نکاح لانا ہوگا۔ سرکاری مال گزاری و مؤنہ فررع اور حبید غیر معمولی اخراجات وغیرہ کا منہا نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے "کل ما اخرجت الارض فقیہ اللہ" اس میں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا جس کا کیا گیا وہ صرف ایک چیز "ما سقی بدیوققیہ نصف العشر" صرف اسی کا استثناء لہذا اس تصریح کی وجہ سے کسی اور کا اعتبار نہیں اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں:

"يجب العشر اى بلارفع ملون الزرع وبلادخراج البذر لتصرفهم بالثمن"

فى كل الخارج . . . وبلارفع اجرة العمال ونفقة البقرة كسرى الامصار واحبوة

الحافظ نحو ذلك "۔

۶۔ اور چوں کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے غلہ جات و شمار سے ہے لہذا مالک و مزارع کا شکار میں سے جس کے پاس جتنا غلہ پہنچے گا وہ اسی کے بقدر عشر نکاح ل کر دے گا۔ یعنی بقول صاحبین رحمہما اللہ دونوں پر عشر ہے:

"وعليه الفتوى والعشر يجب فى الخارج و الخراج بينهما يجب العشر عليهما"

اور اسی لئے اجارہ پر دینے کی صورت میں صاحبین کے نزدیک مستاجر اور کاشتکار پر ہے کیونکہ عشر کا تعلق غلہ جات و پیداوار سے ہے نہ کہ ملکیت سے، اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

۴۔ اور چوں کہ عشر مثل صوم و صلوٰۃ کے ایک عبادت ہے اس لیے مسلمان جہاں کہیں رہے دارالحرب دارالاسلام دارالامن۔ عشر کو ادا کر سکتا ہے دارالحرب ہونا مانع عشر نہ ہوگا۔ مسلمانوں کا اصل وظیفہ عشر ہے نہ کہ خراج۔ عبادت کے پہلو ہونے کی وجہ سے اسی لئے نیز مدارس و فقراء کا خیال کرتے ہوئے اکابر عشر نکاح لنے کو ادا لئی کہتے ہیں نہ کہ واجب، یہی احقر کی بھی رائے ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

## ۴۶۷ الْجَوَابُ

عبدالصواب ————— مدرسہ باقیات الصالحات، دہلیور

هو الموفق للصواب۔ عشری زمین عرب کی ساری زمین عشری ہے جس ملک کے لوگ مسلمان بخوشی ہو گئے وہ بھی عشری زمین ہے جن مسلمان فوجوں نے جس ملک کو فتح کیا اور امیر الملبیش نے وہاں کی زمین کو فوجوں پر تقسیم کر دی وہ سب عشری ہے اور جن مسلم بادشاہوں نے بجائے عشر لینے کے روپے رقم لینے لگے وہ خراجی ہے ذی سے جو دو گنا لیتے ہیں وہ جزیہ ہے۔

لیکن انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمان اور ہندوؤں سے روپے ٹیکس لینے لگے۔ موضوع بحث عشری نہ رہا۔ سب کے سب خراجی ہو گئے۔ تمام ٹیکس بند و مسلمان تمام سے خراجی ہو گئے۔ عشری ختم ہو گئی۔ عشری بحث کو اٹھانا فضول ہے ہند میں۔

مسئلہ فقہیہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے "لا یؤخذ العشر من ارض الخراج لانہما لا یجتمعان" (در مختار) اناج بیج کر روپے بنا لیا ٹیکس خراج دے کر بچت روپے نصاب کو پہنچے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گا نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں یوں ہی در مختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## احکام عشر وخراج

از: ————— مولانا محمد محی الدین القاسمی شعبہ افتاء دارالعلوم فلاح دارین  
ترکیب: سورت گہوار

الحمد لله الذي أخرج من قلوب بني آدم ينابيع العلوم وأخرج لهم  
من الأرض أنهاراً ومن كل الشمرات لهم يشكرون وأرسل إليهم رسوله  
النبي الأمي محمد صاحب الجود وقاسم الخيرات لهم بهتدون وصلى الله  
عليه وعلى آله وصحبه الذين بذلوا جهدهم في سبيل الله وانفقوا من  
طيبات كسبهم متمسكين بأمر الله لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تعبون  
أما بعد إنا عوذ بالله من الشيطان الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم  
يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من  
الأرض . وقال الله تعالى كلوا من ثمره إذا أنشروا وأتوا حقه يوم حصاده  
ولا تسرفوا إنه لا يحب المسرفين (القرآن) ١

معزز قارئین عظام! ————— اللہ عزوجل کے بنی آدم پر بے شمار انعام و احسان کا تقاضا



ہے کہ بندہ کریم آقا کا شکر بجالائے اور بے نیاز مولیٰ کی حاجت مند مخلوق کی حاجت ردائی اور نظام عالم کی استواری کے لیے اپنا جان و مال صرف کر دے اور رب العالمین کی خلافت کا حق ادا کر دے۔ اپنی جسمانی اور مالی قوتوں کو اللہ عز و جل کے لیے وقف کر دے اور پھر اس کا صلہ بھی وصول کرے۔

حج و قربانی۔ زکوٰۃ و صدقات اور عشر و خراج کی صورت میں بارگاہ رب اعلیٰ سے عظیم و نافع سودا کرے۔ اسی لیے آج ہم عشر و خراج کے متعلق مباحث پر غور و فکر کے لیے مجتمع ہیں۔

بزرگان ملت! جس طرح اللہ عز و جل نے اموال تجارت اور اموال نامیہ میں زکوٰۃ کے نام سے ہم پر ایک فریضہ عائد کیا ہے اسی طرح زمین اور زمین کی پیداوار میں بھی ایک فریضہ عائد کیا ہے جس کو زکوٰۃ الارض اور خراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غنائم میں اسی کو خمس کہا گیا ہے۔

## عشر و خراج کی حقیقت

عشر: عشر کا لغوی معنی ہے کسی بھی چیز کا دسواں حصہ۔

عشر کا اصطلاحی اور شرعی معنی جو مشہور ہے وہ یہ ہے "العشر مؤنة الأرض النامية" ارض نامی پر عائد شدہ باریا جرت ۱۱ اور زکاة الزروع والثمار "زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ" ہے عشر میں دو پہلو ہیں۔ عشر عبادت بھی ہے اور اجرت بھی۔ عشر کا وجوب زمین کے نماز حقیقی سے متعلق ہے، اگر زمین میں کاشت ہوئی ہے تو پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اگر کاشت نہیں ہوئی تو عشر واجب نہیں ہے اگرچہ قصداً استطاعت کے باوجود زمین میں کاشت نہ کی ہو تب بھی عشر واجب نہیں ہوتا۔ عشر کا سبب وجوب ارض نامی ہے پیداوار سبب وجوب نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پیداوار عشر کا سبب وجوب ہے عشر کی حیثیت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف عبادت ہے اور زکوٰۃ اموال ہی پر اس کو قیاس کرتے ہیں۔

خراج: عشر کے مقابلہ میں ارض نامی پر آنے والا دوسرا بوجہ (مؤنة) خراج ہے۔ خراج کا وجوب زمین کے مطلق نماز سے متعلق ہے۔ زمین میں کاشت ہوئی ہو تب بھی اور کاشت نہ ہوئی ہو تب بھی

خراج واجب ہوتا ہے جبکہ فی نفسہا زمین قابل کاشت ہو۔ خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے۔<sup>۱</sup>

لہذا اصطلاح شرع میں خراج (مؤنة الارض النامية) کو کہتے ہیں فقط اس میں عبادت کا پہلو بالکل نہیں ہے فان الغراج مؤنة الارض النامية في تفاوت بتفاوت الربيع<sup>۲</sup> جزئیہ کو بھی خراج کہتے ہیں کیونکہ وہ خراج الردس ہے۔

خراج کی ایک اور قسم ہے جس کو اصطلاح میں عشر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ خراج میں داخل ہے جو مال ذمی اور حربی سے بطور مجازاة (بدلہ) کے اموال تجارت میں سے وصول کیا گیا جاتا ہے حربی جب دارالاسلام میں تجارت کے لیے آتا ہے تو اس سے عشر (دسواں) حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مسلمین جب ان کے ملک میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو وہ مسلمین سے وصول کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمین سے کچھ نہ لیتے ہوں تب بھی حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ دسواں حصہ تولیا جائے گا۔ اور ہمارے ملک کے ذمی تاجروں سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اس کو بھی عشر کہتے ہیں جو دراصل خراج میں داخل ہے۔ ہاں جن تاجروں نے زکوٰۃ تجارت ادا نہ کی ہو ان سے گذر گاہ پر چالیسواں حصہ لیا جائے گا جو زکوٰۃ میں داخل ہے۔<sup>۳</sup>

## انتقال بلد کی زکوٰۃ

آج کل ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں مال لیجانے کا جو ٹیکس ہے جس کو زکوٰۃ اور چنگی کہا جاتا ہے اس کو خراج اور عشر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ ہماری شریعت میں یہ مال حرام ہے۔ علامہ ماموردی فرماتے ہیں:

واما اعشار الاموال المنتقلة في الاسلام من بلد الى بلد فمعصية  
لا يبيحها شرع ولا يوجبها اجتهاد ولا هي من سياسيات العدل ولا قضايا

<sup>۱</sup> البدائع الصنائع ۵۴/۲ طبع مبروط للبرخسي ۹/۱۰

<sup>۲</sup> شرح السير الكبير ۲۱۳۵/۵ طبع الاحکام السلطانية ۱۹۸۰ المراجع: دکتور ضیا، قاہرہ۔

## خراج کا لغوی معنی

اجرت۔ ٹیکس۔ آمدنی۔ جو مال پیداوار سے نکال لیا گیا۔ مال کا ایک معین حصہ جو سال میں ایک بار لوگ نکالتے ہیں۔

## عشر و خراج میں بنیادی فرق

عشر و خراج کی تعریفات سے معلوم ہوا کہ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر زمین کی پیداوار سے متعلق ایک فریضہ ہے جس میں عبادت کا پہلو غالب ہے جس کا اصل مکلف مسلم ہے۔ کافر پر عشر عائد نہیں ہو سکتا۔ اور عشر کے مستحق فقراء ہیں، اور خراج زمین نامی سے متعلق ایک الٹی ٹیکس ہے جس کا اصل ذمہ دار کافر ہے۔ مسلم پر اہت دائر یہ ٹیکس عائد نہیں ہو سکتا اور اس کے مصارف مجاہدین فی سبیل اللہ اور مصالح مسلمین ہیں۔

## عشر و خراج جمع نہیں ہوتے

جب عشر و خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے تو عشر و خراج ایک شخص پر ایک ہی زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک زمین پر بطور فریضہ بیک وقت دونوں عائد نہیں ہو سکتے یہ امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک شخص پر بیک وقت عشر و خراج واجب ہو سکتے ہیں ارض خراجی میں خراج کے ساتھ عشر واجب ہوگا۔ وہ کہتے ہیں دونوں اپنی ذات میں بھی جدا ہیں ایک خالص عبادت۔ دوسرا خالص موت۔ سبب بھی دونوں کا جدا ہے۔ عشر کا سبب پیداوار ہے اور خراج کا سبب ارض نامی ہے۔ محل بھی دونوں کا جدا ہے۔ خراج، خراجی زمین کے مالک کے ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور عشر پیداوار پر آتا ہے۔ جب حیثیات مختلف ہیں تو ایک کا وجوب دوسرے کے وجوب سے مانع نہیں ہے۔



ولنا ما روى عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يجتمع  
عشر وخارج في أرض مسلم ولا أن واحد آمن الأئمة العدل وولاة الجور لم يأخذ  
من أرض السواد عشر الجبل وما هذا القول بوجوب العشر فيها يخالف الاجماع  
فيكون باطلاً ولأن سبب وجوبها واحد وهو الأرض النامية فلا يجتمعان  
كما لا يجتمع زكاتان في مال واحد وهي زكاة السائمة والتجارة والدليل على  
أن سبب وجوبها الأرض النامية إنما يضافان إلى الأرض يقال خراج الأرض  
وعشر الأرض والامنافة تدل على السببية فثبت أن سبب الوجوب فيهما هو  
الأرض النامية إلا أنه لم يزرعها وعطّلها يجب الخراج لأن انعدام  
النماء كان لتقصير من قبله فيجعل موجوداً التقدير حتى لو كان المنوات  
لا بتقصيره بأن هلك لا يجب. وإنما لا يجب العشرية ون الخارج حقيقة  
لأنه متعين ببعض الخارج فلا يمكن إيجابه به ون الخارج له

(علامہ کاسانی فرماتے ہیں، ہماری محنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو حضرت ابن مسعود  
سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عشر وخراج کسی مسلم کی زمین میں مجتمع نہیں ہو سکتے اور  
اس وجہ سے بھی کہ ائمہ عدول اور والیان جو زمین سے کسی نے بھی ارض سواد (عراق و اطراف)  
سے عشر نہیں لیا۔ پس ارض سواد میں عشر کے وجوب کا قول اجماع کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ قول  
باطل ہے۔ اور اس لیے بھی کہ عشر وخراج کے وجوب کا سبب ایک ہی ہے اور وہ ارض نامی  
ہے۔ اس لیے ایک ہی زمین پر عشر وخراج جمع نہیں ہو سکتے جس طرح ایک مال میں دو  
زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی یعنی جانوروں میں زکوٰۃ سائمہ اور زکوٰۃ تجارت مجتمع نہیں ہو سکتی  
اور اس بات کی دلیل کہ دونوں کا سبب وجوب ارض نامی ہے۔ یہ ہے کہ دونوں کی اضافت ارض  
کی طرف ہو رہی ہے اور اضافت بسببیت پر دال ہے۔ لیکن جب زمین میں کاشت نہ کی جائے  
بیکار چھوڑ دیا جائے تب بھی خراج واجب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نماز کا فقدان کاشت کار کی اپنی

کو تباہی ہے اس لیے نماز کو تقدیراً موجود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کاشت کے ترک میں کاشتکار کی کو تباہی نہ ہو بائیں طور کہ کاشت ہلاک ہو جائے تو خرارج واجب نہیں ہوتا ہے۔ البتہ عشر بلا پیداوار کے واجب نہیں ہوتا اس لیے کہ عشر کا تعین پیداوار ہی کے ایک حصہ میں ہوتا ہے اس لیے عشر کا وجوب حقیقی پیداوار کے بغیر نہیں ہوتا ہے (واللہ اعلم)

## عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ زمینیں جس کے ساتھ مجاہدین کا کسی درجہ میں حق متعلق ہو گیا اور پھر ان کو نہ ملی تو ایسی زمینوں پر خرارج عائد ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ زمینیں جو صلیحاً حاصل ہوئیں لیکن اس کے غیر مسلم باشندوں کو کچھ عوض لے کر زمینوں پر برقرار رکھا گیا تو یہ عوض خرارج ہے اور زمین خراجی ہے۔ کیونکہ کافر خرارج کے لائق ہے۔

اور عشری زمینیں وہ کہلاتی ہیں جس سے مجاہدین کا کوئی حق متعلق نہ رہا اور مسلمین کی ملک یا قبضہ میں ہیں تو ان پر عشر عائد ہوتا ہے۔ یہ تو بنیادی فرق ہے۔ اس کے علاوہ بعض زمینوں میں عشری پانی یا خراجی پانی کی بنا پر عشر و خرارج عائد ہوتا ہے۔ یا بعض پر عشری یا خراجی زمینوں سے ملحق ہونے کی بنا پر عشر و خرارج غارض ہوتا ہے تو وہ بھی عشری یا خراجی کہلاتی ہیں۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب السیر الکبیر میں تحریر فرمایا ہے:

إِذَا بَعَثَ الْخَلِيفَةُ أَمِيرًا عَلَى جَنْدٍ مِنَ الْجُنُودِ فَنَدَّ عَاهِدًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ  
إِلَّا سَلَامًا فَاسْلُمُوا فَهُمْ أَوْ أَحْرَارًا لَا سَبِيلَ عَلَيْهِمْ وَمَالِهِمْ وَأَرْضُهُمْ وَرَقَبَتُهُمْ  
لَهُمْ وَتَكُونُ أَرْضُهُمْ أَرْضَ عَشْرٍ كَأَرْضِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

جب خلیفہ کسی لشکر پر کسی شخص کو امیر بنا کر بھیجے اور امیر مشرکین کو دعوت اسلام پیش کرے  
مشرکین اسلام قبول کر لیں تو یہ لوگ آزاد ہوں گے۔ ان کے جان و اموال، زمین اور غلام  
سب ان کے ہی رہیں گے۔ امیر کو ان اشیاء پر تعارف کا حق نہیں رہے گا اور ایسے لوگوں کی  
زمین عشری رہے گی جس طرح مہاجرین و انصار کی زمینیں عشری رہیں۔

## آگے شرح السیر الکبیر میں تحریر ہے:

لأن التامير يقتضى أن يكون فعل الأمير كفعل المأمور (المؤمر) والمؤمر هو الخليفة إذا دعاهم فاسلموهم أحرار وأرضهم أرض عشر فكذا أهلها والمعنى في ذلك وهو أن الأرض إنما تقسم خراجية إذا فتحت عنوة وثبت فيها حق المقاومة ثم لم تقسم بينهم وتركت على أربابها وقطع حق المقاومة عنها فتجعل خراجية ليكون الخراج للمقاتلة ولمصلحة المسلمين وهذا المعنى معدوم فيما إذا أسلم أهلها طوعاً فإنه لم يثبت فيها حق المقاومة فلا يثبت لهم حق في أرضها (بدلها) فجعلت عشريه غير خراجية -

(علامہ غفری فرماتے ہیں) اس لیے کہ کسی کو امیر بنانے کا تقاضا یہ ہے کہ امیر کا فعل مامور (مؤمر) اور کتابت کی غلطی ہے، کا شمار ہو (مؤمر کے فعل کے حکم میں ہو) اور مؤمر (خليفة) جب کسی قوم مشرکین کو دعوت پیش کرے اور وہ اسلام قبول کر لیں تو آزاد رہتے ہیں اور ان کی زمینیں عشری ہوتی ہیں۔ اسی طرح امیر کی دعوت پر اسلام لانے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زمین تب خراجی بنتی ہے جب بزرگ طاقت فتح ہوا اور مجاہدین کا حق اس سے متعلق ہو جانے کے بعد ان کے درمیان میں تقسیم نہ ہو۔ مالکین کے قبضہ میں رہنے دی جائیں اور مجاہدین کا حق ان زمینوں سے قطع ہوا ہو تو ایسی زمینوں کو خراجی قرار دیا جاتا ہے تاکہ خراج مجاہدین اور مصلح مسلمین پر صرف ہو۔ اور یہ وجہ بخوشی اسلام قبول کرنے کی صورت میں مفقود ہے۔ کیوں کہ مجاہدین کا حق ان زمینوں سے متعلق ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لیے ان زمینوں کے بدل میں مجاہدین کا حق نہیں لگتا۔ اس لیے ایسی زمینوں کو عشری غیر خراجی قرار دیا جاتا ہے۔

## عشر و خراج کا مصرف

خراج مجاہدین کے حق کا ایک بدلہ ہے جزاء ہے جس کا مصرف مجاہدین اور مصلح مسلمین ہے



اور عشر فقراء کا حق ہے جو ایسی زمینوں پر عائد ہوتا ہے جس سے کسی درجہ میں بھی مجاہدین کا حق متعلق نہ رہا ہو۔ چنانچہ جن اموال میں سے خمس نکال کر مجاہدین میں تقسیم کئے گئے ایسے اموال سے مجاہدین کو ان کا حق پہنچ گیا ہے تو ایسی زمینوں سے حق فقرائے متعلق ہو کر ان پر عشر عائد ہو گا اور یوم قیامت تک وہ زمین عشری رہے گی۔ کیوں کہ عشر فقرائے کا حق ہے۔ اور خراج مقاتلین اور مصالح مسلمین کے لیے قیامت تک رہے گا۔ جب عشر و خراج جماعت مسلمین کا حق ہے تو خلیفہ اور امام کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ عنوةً فتح شدہ زمینوں کو خواہ مجاہدین میں تقسیم کر دے۔ خواہ مالکین کے قبضہ میں رہنے دے۔ مجاہدین میں تقسیم کی صورت میں عشری ہو جائیں گی۔ مالکین کے قبضہ میں رہنے دینے کی صورت میں خراجی ہو جائیں گی۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:-

لأن الامير له ولاية على جنده وليس له ولاية على جماعة المسلمين وفي الفسمة  
أو المن حق لجماعة المسلمين لأنه إن قسمها بينهم صارت الأرض عشرية  
والعشر حق الفقراء إلى قيام الساعة وإن من عليهم صارت الأرض خراجية  
والخراج للمقاتلة ولمصلحة المسلمين إلى يوم القيامة فثبت أن القسمة  
أو المن تصرف على جماعة المسلمين فكان الذي يلي ذلك هو الخليفة دور الامير

### عنوةً مفتوحہ زمین کی ملکیت استحقاق میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف

جو زمین مجاہدین نے بذور طاعت فتح کی اس زمین پر مجاہدین کا استحقاق ہے یا نہیں ہے اگر ہے تو کس درجہ میں۔ اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے۔ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے کہ ایسی زمین پر مجاہدین کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ امام پر لازم ہے کہ ایسی عنوةً مفتوحہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دے اور خمس وصول کر لے۔ حضرت امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ ایسی مفتوحہ زمینیں فتح ہوتے ہی وقف ہو جاتی ہیں۔ اور عامۃ المسلمین کے مصالح اس سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوں گی اور مجاہدین کا

اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں امام مناسب سمجھے تو مجاہدین کو زمین دے سکتا ہے۔  
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جیسے کہ معلوم ہوا یہ ہے کہ وہ کلیۃً مجاہدین کے حق کی نفی  
بھی نہیں کرتے مگر مستقلاً و ابتداءً مجاہدین کے حق کے لیے زمین کو مخصوص نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ مجاہدین  
کا کسی درجہ میں حق متعلق سمجھتے ہوئے غیر مجاہدین اور آئندہ نسلوں کے مصالح کو بھی ان زمینوں سے  
متعلق سمجھتے ہیں۔ ۱

اس لیے امام کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ حالات و مصالح کے پیش نظر اگر تقسیم مناسب سمجھے  
تو تقسیم کر دے۔ ورنہ عامۃ المسلمین کے لیے چھوڑ دے اور ملاک پر خراج عائد کر دے۔ واللہ اعلم  
حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اختیار والی روایت کو راجح قرار  
دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ امام کو یہ اختیار اختیار تشہی (من مانی) کے طور پر نہیں بلکہ یہ اختیار مصلحت  
سے ہے۔ اور مصلحت کے بموجب عمل کرنا امام پر لازم ہے۔ ۲

## سواد عراق کا حکم

اس سلسلہ میں سب ائمہ اس پر متفق ہیں کہ سواد عراق عنوةً مفتوحہ علاقہ ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے  
مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمایا اور یہ علاقہ خراجی ہے۔ البتہ طریق استخراج میں مختلف ہیں۔  
حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”سواد عراق مجاہدین کا حق تھا۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے مجاہدین کو آئندہ نسلوں کے  
حق میں اپنے حق سے دستبرداری پر راضی کر لیا اور مجاہدین بطیب خاطر اس کو منظور فرمایا  
جس طرح مینین کے بعد قبیلہ حوازن کے قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
تقسیم کے بعد صحابہ مجاہدین کو قیدیوں کی رہائی پر راضی کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت  
جریر بن عبد اللہ کو عوض دیا۔ سواد عراق کے موقع پر اسی طرح ایک عورت کو بھی بیت المال سے  
کچھ دے کر فوٹس کیا۔ ۳

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ :  
 ”زمین عامۃ المسلمین کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وقف سمجھتے تھے۔ اس لیے تقسیم  
 نہیں کیا کیونکہ مجاہدین کا کوئی حق حضرت عمرؓ نے نہیں سمجھا۔“  
 حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ :  
 ”حضرت عمرؓ نے اس لیے سواد عراق کو تقسیم نہیں کیا کہ وہ اپنا اختیار ثابت مانتے تھے  
 اور ایسی زمینوں پر مجاہدین کا حق مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔“  
 حضرت امام احمد رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

### دلائل ائمہ کا تفصیلی جائزہ

اختلاف کی بنیاد دراصل قرآن کریم کی آیات کریمہ ہیں۔ سورۃ انفال کی آیت۔  
 واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسہ وللرسول ولذی القربی  
 والیتامی والمساکین وابن السبیل ۱۰۷  
 اور جان لو کہ جو شئی بھی غنیمت کے طور پر تم کو ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور  
 رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اور ذوی القربی قیموں، مسکینوں اور مسافرین کے لئے  
 رہے گا۔ ————— دوسری آیت کریمہ سورۃ حشر کی ہے :

ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فله وللرسول ولذی القربی والیتامی  
 والمساکین وابن السبیل کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم وما اتاکم  
 الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شدید العقاب  
 للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم ولأموالہم یبتغون فضلاً  
 من الله ورضوانا ۱۰۸ ینصرون الله ورسوله أولئک هم الصادقون۔ والذین  
 تبوء الدار والإیمان من قبلہم لیحبون من ہاجر الیہم ولا یجدون



بارے میں ہے اور سورہٴ شکر کی آیت فنی کے بارے میں ہے۔ اور غنیمت و فنی کے مفہوم میں فرق ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسے اموال جن کا نظم و لاۃ مسلمان کرتے ہیں۔ تین قسم کے ہیں۔ ایک تو صدقات و اچھے اور زکوٰۃ وغیرہ کے اموال جو مسلمان سے وصول کیے جاتے ہیں۔ دوسری و تیسری قسم وہ اموال ہیں جو مشرکین سے وصول کیے جاتے ہیں۔ اور وہ دو قسم پر ہیں۔ غنیمت اور فنی۔ غنیمت یہ تو سورہٴ انفال والی آیت دلالت کرتی ہے اور فنی پر سورہٴ شکر کی آیات رؤف رحیم تک دلالت کرتی ہیں۔

(قال الشافعی رحمہ) فالغنیمة والفی یجتمعان فی أن فیہما مع الخس من جمیعہما لمن سماہ اللہ تعالیٰ له ومن سماہ اللہ عز وجل له فی الاثنین معاسواء مجتمعین غیر مفترقین قال ثم یتعرف الحکم فی الاربعۃ الخماس بما بین اللہ عز وجل علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی فعلہ فانه قسم أربعۃ أخماس الغنیمة

والغنیمة ہی الموحف علیہا بالخیل والרכاب لمن حضر من غنی اذ فقیر والفی وهو مال یوحف علیہ بخیل ولا رکاب فكانت سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قری عرینۃ السی افاہا اللہ علیہ ان اربعۃ اخماسہا للرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصة دون المسلمین یضعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث اراد اللہ عز وجل ۱۰

(کتاب الام کے اندر) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ پس غنیمت اور فنی دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں کے مجموعہ سے خمس نکالا جائے گا جو ان کا حق ہے۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا اور دونوں آیتوں میں اللہ عز وجل نے جن کا نام لیا ہے وہ جدا نہیں ہیں سب یکساں مجتمع ہیں (یعنی دونوں آیات میں مصرف متحد ہے) فرمایا۔ پھر چار خمس (بقیہ) کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی نبیؐ کی زبان اور آپ کے فعل سے ظاہر فرمایا کہ نبیؐ نے چار خمس غنیمت کے حاضرین جہاد کو دیدیئے تقسیم کر دیئے (اور غنیمت وہ مال ہے کہ لشکر کشی کر کے قتال کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو)

فی صدورهم حاجة مما اوتوا ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة ومن یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون والذین جاؤا من بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤوف رحیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر ان بستی دلوں سے جو کچھ لوٹا یا ہے (غنائت کیا) وہ مال اللہ کا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اور رسول کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ یہ مال تمہارے والدہ داروں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ رسول تمہیں جو دیدیں وہ لے لو (حکم مانو) اور جس سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کی گرفت (مواخذہ) بڑی سخت ہوتی ہے (اولین معرف اس مال کا) وہ جاہل متہم مہاجرین ہیں جن کو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیا گیا جو اللہ کی رضا اور فضل کے طالب ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حامی و مددگار ہیں یہی تو وہ ہیں سچے مخلص۔ اور ان انصار کے لیے ہے جو دارالہجرۃ (مدینہ) میں پہلے سے مقیم ہیں۔ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملا اس پر تنگ دل نہیں ہوتے (مہاجرین پر اللہ کے فضل سے جلتے نہیں ہیں) (دل کھول کر مہاجرین پر خرچ کرتے ہیں) اور مہاجرین کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت درپیش ہو۔ اور جو آدمی اپنے نفس کے بخل سے بچ رہا (محفوظ) تو یہی وہ ہیں جو فلاح پائیں گے۔ اور یہ مال فی ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو انصار و مہاجرین کے بعد پیدا ہونے والے ہیں (قیامت تک) جو اپنے سابقین اولین کے لیے یوں دعائیں کریں گے کہ اے مولا! ہماری بھی بخشش فرما اور ہمارے ایمانی بھائیوں کی بھی جو ایمان میں ہم سے سابق ہیں اور ہمارے دلوں میں مومنین کی طرف سے کینہ نہ رکھے۔ اس پر دردگار! بلاشبہ آپ نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

## آیت انفال و حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں ان دونوں آیات کا مصداق جدا ہے۔ سورۃ انفال کی آیت غنیمت کے

(اور فی وہ مال ہے جو بہ زور جنگ حاصل نہ کیا گیا ہو) تو اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عرینہ کی بستیوں میں جو بطور فی ملی تھیں۔ یہ رہا کہ اس کے چار خمس رسول اللہ صلی کے لیے مخصوص رہے (مسلمین کے لیے نہیں) کہ آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں اللہ عزوجل کی عطا کردہ سوجھ کے مطابق الخ

آگے حضرت امام شافعیؒ نے حضرت علی و عباسؓ کی مخالفت والی اس روایت سے استدلال کیا ہے جن میں اموال بنی نضیر جو بطور فی حاصل ہوئے تھے اور اس کی زمینیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات اور آپ کے نفقہ کے لیے مخصوص رکھی گئی تھیں، کی نبی کریمؐ کے وصال کے بعد تولیت کا ذکر ہے۔ جس کی تولیت حضرت امیر المؤمنین ابو بکر الصدیقؓ نے فرمائی اور پھر حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے فرمائی اور ازدواج مطہرات کے نفقات اس میں سے ادا فرماتے رہے۔ پھر حضرت علی اور حضرت عباسؓ کو سپرد فرمائی۔ لیکن حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تقسیم فی التولیت کے مطالبہ کو حضرت عمرؓ نے رد فرما دیا۔

اس حدیث سے استدلال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ مال فی جو آپ کے لیے مخصوص تھا۔ لیکن اس میں سے جو بیع رہتا تو نبی کریمؐ اس کو جہاد کی تیاری کے اسباب میں صرف فرماتے تھے۔ تو ازدواج مطہرات وغیرہ جن لوگوں کے نفقات ان ارا مہی میں سے ادا ہوتے تھے ان لوگوں کے نہ رہنے کی صورت میں یہ چار خمس فی کے پورے اہل اسلام اور صلاح اسلام کے کاموں میں صرف ہوں گے۔ البتہ فی میں سے خمس ضرور نکالا جائے گا اور خمس فی کا مصرف وہی پانچ اصناف ہیں جن کا ذکر آیت کریمہ میں آیا ہے۔ ۳

علامہ کلام یہ کہ غنیمت ادنیٰ کا مفہوم اور مصرف جدا ہیں۔ دونوں کے خمس کا مصرف ایک ہے۔ غنیمت کے چار خمس کا غنیمت کے درمیان تقسیم کر دینا واجب ہے اور اس کے بارے میں امام کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور فی کے چار خمس اہل اسلام پر ان کے نزدیک مخصوص طریقہ پر تقسیم کیے جائیں گے۔ ۴



(قال الشافعی ۸) وهكذا اكل ما ظهر عليه من قليل اموال المشركين او كثيره ارض  
 اودارا وغيره لا يختلف لانه غنيمه وعكم الله عز وجل في الغنيمه ان تغمس  
 وقديسين رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الاربعة الخماس لمن اوجب  
 عليها بالغيل والركاب وان ظهر المسلمون على طرف من اطراف المشركين حتى يكون  
 بهذه قوة على منعه من المشركين وان لم ينالوا المشركين فهو جلد عنوة يعجب  
 عليه قسمه وقسم اربعة اخماسه بين من اوجب عليه بغيل وركاب ان كان  
 فيه عماره او كانت لارضه قيمه (قال الشافعی ۹) وكل ما وصفت انه يعجب  
 قسمه فان تركه الامام ولم يقسمه فوقفه المسلمون او تركه لاهله رد حكم  
 الامام فيه لانه مخالف للكتاب ثم السنة مع الف عليه

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: اور اسی طرح مشرکین کا ہر وہ مال خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ جس پر  
 غنائم کا غلبہ ہو جائے۔ زمین ہوں یا گھر ہوں یا اس کے سوا کوئی بھی مال ہو اس کے حکم میں  
 کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ غنیمت ہے۔ اور اللہ عز وجل کا حکم غنیمت کے بارے میں یہ  
 ہے کہ خمس نکالا جائے گا۔ اور نبی کریمؐ نے واضح فرما دیا ہے کہ غنیمت کے چار خمس ان غنائم کیلئے  
 ہیں جنہوں نے اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل کیا ہے۔ اور اگر مسلمین کا غلبہ مشرکین کے  
 اطراف میں سے کسی حصہ زمین پر ہو جائے اور مسلمین اس حصہ زمین کی حفاظت کی قوت رکھتے  
 ہوں، مشرکین سے بچا سکتے ہوں اگرچہ مشرکین پر کئی فتح حاصل نہ کر سکتے ہوں تو یہ حصہ زمین عنوة  
 مفتوحہ شمار ہوگی۔ امام پر اس کو تقسیم کرنا لازم ہوگا (خمس لیا جائے گا) اور چار خمس  
 غنائم میں تقسیم کرنے ہوں گے۔ اگر اس حصہ زمین میں کوئی عمارت ہو یا زمین کچھ قیمت رکھتی  
 ہو۔ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ مال جس کا وصف میں نے بیان کیا ہے اس کی تقسیم لازم ہے  
 تو اگر امام اس کو تقسیم نہ کرے ایسے ہی چھوڑ دے اور مسلمین اس کو وقف کر دیں یا اہل زمین کیلئے  
 اس کو چھوڑ دیا جائے (مالکین زمین کو برقرار رکھا جائے) تو امام کا حکم مردود ہوگا اس لیے کہ وہ کتاب اللہ  
 کے مخالف ہے اور سنت کے بھی مخالف ہے۔

سواد کے بارے میں رقمطراز ہیں:

أخبرنا الشَّعْبَةُ عَنْ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي هَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَتْ بَجِيلَةَ رُبْعَ النَّاسِ فَقَسَمَ لَهُمْ رُبْعَ السَّوَادِ فَاسْتَغْلَوْهُ ثَلَاثَ أَوْ أَرْبَعِ سَنِينَ أَنَا شَكَلْتُ نَشْمَ قَدِمَتِ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَمَعِيَ فَلَانَةُ ابْنِ فَلَانَةَ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ لَا يَحْفَرُ فِي ذِكْرِ اسْمِهَا فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَوْلَا ابْنِي لَقَاسِمُ مَنْسُولٍ لَتَرَلْتُكُمْ عَلَى مَا أَنْتُمْ لَكُمْ وَلَكِنِّي أُرَى أَنَّ مَرَدَّهَا عَلَى النَّاسِ لِي

حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بَجیلہ جو تھائی (غنائین کا) تھا۔ ان کے حصہ میں سواد کا چوتھائی حصہ آیا اور تین یا چار سال وہ اس کی آمدنی لیتے رہے (راوی کہتے ہیں مجھے تک ہے) پھر میں حضرت عمر کے پاس آیا اور میرے ساتھ فلاں بنت فلاں تھی بَجیلہ میں سے ایک عورت مجھے یاد نہیں کہ جریر نے اس کا نام لیا تھا یا نہیں تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ اگر میں قاسم اور ذمہ دار نہ ہوتا تو میں تمہیں اپنے حصہ پر باقی رکھتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم لوگ یہ حصہ لوگوں کو واپس دیدو۔

اس حدیث کی بنیاد پر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت جریرؓ کی بجلی کو ان کے حصہ کا عوض اور اس بجلی عورت کو جس کا باپ قادیسیہ میں شریک تھا اس کے باپ کے حصہ کا عوض دیا۔ اس لیے یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجاہدین کو اپنے حق سے دستبرداری پر راضی کر لیا تھا اور انہوں نے بخوشی اپنے حقوق چھوڑ دیے۔ اور عامۃ المسلمین کے لیے وقف کر دیئے تھے جس طرح کہ ہوازن کے قیدیوں کے چار خیمے غنائین میں تقسیم کر دیئے جانے کے بعد وفد ہوازن پہونچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائین سے درخواست کی کہ قیدیوں یا اموال میں سے کسی ایک نوع سے دستبردار ہو جائیں تو انہوں نے اپنے احباب کی رعایت کو مقدم رکھ کر قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ تو اگر یہ تقسیم ضروری نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ سواد کو تقسیم نہ فرماتے یا تقسیم ہو چکا تھا تو تین سال تک تقسیم کو باقی نہ کہا جاتا اور ظاہر بات ہے کہ یہ تقسیم حضرت عمرؓ کے امر سے ہی ہو سکتی ہے۔ در نہ تین سال حضرت عمرؓ

سے تقسیم کا معاملہ مخفی رہے یہ بعید ہے۔ اور اگر زمین کی یہ ایسی ان لوگوں سے ہوئی جو حقدار نہیں تھے تو پھر ان کو عوض کیوں دیا جاتا۔ بلکہ تین سال کی آمدنی ان سے وصول کی جاتی (واللہ سبحانہ تعالیٰ واعلم) اور

اور احادیث میں تعارض ہے لہذا حضرت عمرؓ کی شان کے لائق یہی صورت ہے جو میں نے بیان کی۔ چنانچہ ہر غنوة مفتوحہ ملک کا یہی حکم ہوگا۔ اس کی زمینوں، مکانوں اور درابم و دنانیر کا یہی حکم ہے جس طرح رسول اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور بنی قریظہ کے اموال کو تقسیم کیا جو غنوة فتح ہوئے تھے۔

وَاِذَا اَرْضٌ قَمَعَتْ صُلْحًا عَلٰى اَنْ اَرْضَهَا لِاَهْلِهَا وَيُدُونَ عَنْهَا خَرَاجًا فَلَيْسَ لِحَدِّ  
اُخْذِهَا مِنْ اَيْدِي اَهْلِهَا وَعَلَيْهِمْ فِيْهَا الْخَرَاجُ (کتاب الام)

جو زمین صلحاً فتح ہو اور یہ طے پائے کہ زمین مالکین کی رہے گی اور مالکین خراج ادا کرتے رہیں گے تو ایسی زمینوں کو مالکین کے قبضہ سے لے لینا کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور مالکین پر ان زمینوں کا خراج لازم ہوگا۔ ام

## ابن رشد کی رائے

ہدایۃ المجتہد میں علامہ محمد بن رشدؒ اس اختلاف پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔  
وَاخْتَلَفُوا فِيمَا افْتَتَحَ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْاَرْضِ عَمْرَةً فَقَالَ مَالِكٌ لَا تَقْسِمُ الْاَرْضَ  
وَتَكُونُ وَقَعًا يَصْرَفُ خَرَاجُهَا فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْاَزَاقِ الْمَقَاتِلَةِ وَبِنَاءِ  
الْعُنَا طَرِدِ الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ سَبِيلِ الْخَيْرِ اِلَّا اَنْ يَرَى الْاِمَامُ فِي وَقْتٍ مِنَ  
الْاَوْقَاتِ اَنْ الْمَصْلَحَةَ تَقْتَضِي الْقِسْمَةَ۔<sup>۱</sup>

جو زمینیں غنوة فتح ہوئی ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غنوة مفتوحہ زمین کی تقسیم نہیں ہوگی وہ زمین وقف ہو جائے گی جس کا خراج مصالح مسلمانین پر ہوگا، غنائم کے روزیے، پلوں کی تعمیر مساجد کی تعمیر وغیرہ غیر کے راستوں میں (رفادہ عام) میں صرف ہوگا لیکن امام کسی وقت یہ سمجھتا ہے کہ مصلحت کا تقاضا تقسیم ہے تو تقسیم کر دی جائے گی۔



اس کے بعد اختلاف کی بنیاد کو تہلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت انفال کا تقاضا ہے کہ ہر غنیمت میں سے خمس لیا جائے گا اور سورہ حشر کی آیات میں والذین جاؤ امن بعدہم کا عطف (الفقراء المهاجرین) اور ان لوگوں پر ہوجن کے لیے مال فی کو ثبات کیا گیا ہے۔ تو سورہ حشر کی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سب ہی مسلمان قتال میں شریک، عدم شریک اور آئندہ نسلیں سب ہی فی کا مصرف ہیں جیسے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والذین جاؤ" کے بارے میں فرمایا کہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ آیت جملہ مخلوق پر عام اور شامل ہے یہاں تک کہ کدار کا چرواہا بھی (یا اسی جیسی بات کہی جس کا مفہوم وہی ہے جو بیان ہو) فرماتے ہیں اسی لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو ممالک غزوہ مفتوح ہوئے۔ ان کی تقسیم نہیں ہوئی۔ یعنی مصر اور عراق کی۔

فرماتے ہیں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں آیات کا مصداق و معنی ایک ہے۔ (احناف) اور سورہ حشر کی آیات انفال کی آیت کے لیے مخصوص ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ سورہ انفال کے خمس کے عمومی حکم سے زمین جائداد (اموال غیر منقولہ) مستثنیٰ ہیں۔ اس کی تخمیں و تقسیم ضروری نہیں ہے۔

اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آیت انفال غنیمت کے حق میں ہے اور آیت حشر فی کے بارے میں ہے دونوں کا مصداق و مفہوم ایک نہیں بلکہ غنیمت دنی کے معنی میں فرق ہے۔ جیسے کہ ظاہر یہی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کسی بھی مفتوحہ زمین کا خمس ضروری ہے اور تقسیم ضروری ہے خصوصاً جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا۔ اس لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ تقسیم ارض واجب ہے۔ عموم کتاب کی وجہ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل غزوہ خیبر میں محمل کے بیان کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ جو عام کے عموم سے ایک زائد چیز ہے۔

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

”البتہ امام ابو حنیفہؒ نے تخیر کو پسند فرمایا کہ امام مفتوحہ زمین کو غنائم میں تقسیم کر دے یا کفار کو خراج کے عوض اپنی زمینوں پر برقرار رکھے۔ کیونکہ ابو حنیفہؒ کا دعویٰ ہے کہ یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر نصف حصہ پر دیا۔ پھر ابن رواحہ کو بھیجا کہ بقیہ کو تقسیم کر دیں۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو پورا تقسیم نہیں فرمایا۔ ابک حصہ کو تقسیم کیا دوسرے حصہ کو بلا تقسیم چھوڑ دیا۔ اس لیے احناف کہتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے تقسیم کا بھی اور کفار کے قبضہ میں برقرار رکھنے کا بھی اور حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔“

اور اگر غلبہ کے بعد اہل ملک اسلام لے آئیں تو امام کو اختیار رہے گا کہ ان پر ممان کر کے معاف کر دیا جائے، یا زمین کو تقسیم کر دیا جائے، مکہ کے بارے میں رسول اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل ہوا۔ مکہ کے بارے میں اختیار کا ثبوت ان کے نزدیک ہو گا جو مکہ کو عنوة مفتوح مانتے ہیں کیونکہ مکہ کے بارے میں اختلاف ہے، اگرچہ اصح یہ ہے کہ عنوة ہی فتح ہوا ہے۔ اس لیے کہ مسلم نے عنوة مفتوح ہونے کی روایت کی تخریج کی ہے۔

## ابن رشد کا اعتراض

پھر ابن رشد بطور اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ جو لوگ تخییر کے قائل ہیں اور آیت فی کو آیت غنیمت کے ناسخ مانتے ہیں یا مخصوص مانتے ہیں تو یہ قول نہایت ضعیف ہے، لیکن غنیمت اور غنائے کو ایک ہی معنی میں لیا جائے تو بات بنے گی۔ مگر اس صورت میں دونوں آیتیں متعارض ہو جائیں گی۔ کیونکہ آیت غنیمت تو ہر مال میں خمس کا تقاضا کرتی ہے، اور آیت حشر بلا خمس تقسیم کو ثابت کرتی ہے، تو رفع تعارض کے لیے ضروری ہو گا کہ ایک آیت کو دوسری آیت کے لیے ناسخ تسلیم کیا جائے یا امام کو خمس اور عدم خمس میں مختار مانا جائے لیکن اس صورت میں امام کو یہ اختیار جملہ انواع اموال میں (منقولہ اور غیر منقولہ) میں ملنا چاہیے، بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے۔

علامہ فرماتے ہیں:

مگر جو لوگ (اخاف) دونوں آیات کو اس طرح جمع فرماتے ہیں کہ اموال منقولہ سے خمس لیا جائے گا یعنی آیت انفال اموال منقولہ پر محمول ہے اور اموال غیر منقولہ مفتوحہ عنوة میں امام کو تقسیم و عدم تقسیم کا اختیار ہے، تو ان کے لیے ضروری ہو گا کہ دونوں آیتوں میں سے ہر ایک آیت کو دوسری آیت کے بعض حصہ کے لیے ناسخ یا مخصوص مانیں۔ چنانچہ یہ ماننا ہو گا کہ آیت حشر نے آیت انفال کے عموم سے غیر منقول کو خمس کے حکم سے مستثنیٰ کر لیا، اور آیت انفال نے آیت حشر کے عموم (تقسیم بلا خمس) کے حکم سے اموال منقولہ کو خاص کر اس میں خمس کو واجب کر دیا۔

فرماتے ہیں:

یہ نسخ و تخصیص کا دعویٰ بے دلیل درست نہیں ہو سکتا بلکہ آیت حشر سے تو صاف علت



ظاہر ہو رہی ہے کہ ”فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب“ مال فی لشکر کا حق منحصر اس لیے نہیں ہے کہ لشکر نے اپنی قوت کے بل پر اس کو فتح نہیں کیا ہے۔ اس لیے سب اس میں مشترک ہیں اور آیت انفال ایجاب خیل و رکاب سے حاصل شدہ مال کی تقسیم بین الغنائین اور تخمیس کو بتلا رہی ہے جب دونوں آیات جدا جدا نوع مال کا حکم بتلا رہی ہیں تو ایک کو دوسرے کے لیے کیسے منحصر مانا جا سکتا ہے؟

## اعترض کا جواب

علامہ ابن رشدؒ کے اشکال کا جواب واضح ہے کہ یہ اختیار و تمسک و تخصیص بے دلیل نہیں ہے حضرت عمرؓ کے پیش نظریہ دونوں آیات اور غزوہ و بنی قریظہ کے اموال کی تقسیم اور خیبر کے بعض اموال کو بٹائی پر دینا سب کچھ ہے پھر بھی سواد عراق میں اموال منقولہ کی تقسیم فرماتے ہیں اور زمینوں میں آئندہ نسلوں اور غنائین و غیر غنائین کا خیال فرما کر عدم تخصیص پر عمل کرتے ہیں اور یہ جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ اور تائید سے ہوتا ہے تو ان حضرات کا یہ عمل اور بعد کے خلفاء راشدین کا بھی مغنوعہ علاقوں میں اس معمول کو باقی رکھنا ہی دلیل ہے کہ دونوں آیات ایک دوسرے کی منحصر ہیں۔ یا آیت انفال خیبر کے ایک حصہ کی عدم تقسیم و تخمیس والی روایت کی بنا پر اموال منقولہ کے حکم پر معمول ہے اور آیت مشر اموال غیر منقولہ کے حکم پر معمول ہے تو تعارض رہتا ہی نہیں ہے۔

یہی بات یہ کہ فی غنیمت کا مصداق متحد اور معنی کا ایک ہونا بعید ہے۔ تو احناف یہی کہتے ہیں کہ غنیمت دنی و دونوں باہم مقابل نہیں ہیں بلکہ فی کا لفظ عام ہے جس کا اطلاق کبھی مال نیست ایجاب خیل سے حاصل شدہ مال پر بھی ہوتا ہے اور کبھی بے ایجاب خیل حاصل شدہ اموال پر بھی ہوتا ہے۔ ایسے اموال بنی تفسیر ہاں غنیمت کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو ایسا مال مراد ہوتا ہے جس میں خمس لازم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن رشدؒ کے اشکال کا جواب علامہ ابن قدامہ ضبلیؒ اور علامہ ابو بکر حباص رازیؒ کے بیان سے مل جاتا ہے۔ ان دونوں حضرات کا بیان نقل کرنے سے قبل

## غنیمت اور فی متضاد نہیں ہیں

قاہرہ یونیورسٹی کے سد شعبہ تاریخ ڈاکٹر ضیاء الدین کی کتاب ”المزاج“ سے کچھ اقتباسات پیش کئے



جاتے ہیں جس سے غنیمت و فنی کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

”قَالَ الشَّافِعِيُّ وَالْغَنِيمَةُ هِيَ الْمَوْجِفُ عَلَيْهَا بِالْغِيلِ وَالرَّكَابِ — وَالْفَنَى هِيَ مَا

لَمْ يَوْجِفْ عَلَيْهِ بِغِيلٍ وَلَا رِكَابٍ“

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غنیمت وہ اموال ہیں جو لشکر کشی سے حاصل شدہ ہوں۔ اور فنی وہ مال ہے جو بلا لشکر کشی کے حاصل ہوا ہو۔ (المزانی)

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ آدَمَ وَالْغَنِيمَةُ مَا غَلَبَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِالْقِتَالِ حَتَّى يَأْخُذَهُ عَنُودٌ  
وَالْفَنَى مَا صَوْلَحُوا عَلَيْهِ مِنَ الْخُرَاجِ وَالْجَزْيَةِ -

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ غنیمت وہ مال ہے جس پر مسلمین کا غلبہ بذریعہ قتال ہوا ہو۔ اور فنی وہ مال ہے جو دشمن سے بلا قتال معاملت سے حاصل کیا گیا ہو جیسے جزیہ اور خراج۔

وَقَالَ السَّامِرِيُّ وَالْغَنِيمَةُ وَالْفَنَى يَفْتَرِقَانِ فِي أَنَّ مَالِ الْفَنَى مَا خُذَ عَقْوًا —

وَمَالِ الْغَنِيمَةِ مَا خُذَ قَهْرًا ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَالِ الْفَنَى هُوَ كُلُّ مَالٍ وَصَلَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ  
عَقْوًا مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَلَا ابْجَافٍ بِغِيلٍ وَلَا رِكَابٍ فَهُوَ كَالْهَدِيَةِ وَالْجَزْيَةِ

وَالْإِمْشَارِ مَا جَرَهُمْ أَوْ كَانَ وَاصِلًا بِسَبَبِ مَنْ جَهَتْهُمْ كَالْخُرَاجِ أَهْلَ الْوَرِاقِ،  
علامہ سمریؒ فرماتے ہیں: غنیمت و فنی میں ماہ الاقتراق یہ ہے کہ مال فنی بطور عفو حاصل شدہ مال کو

کہتے ہیں اور مال غنیمت بذریعہ غلبہ حاصل کردہ مال کو کہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: مال فنی ہر اس مال کو کہا

جاتا ہے جو مشرکین سے بلا قتال اور فوج کشی کے بغیر مل جاتا ہے۔ پس اس کی مثال مال ہدیہ جزیہ  
اور ان کی تجارت کے اعشار (ٹیکس) ہیں۔ یا مشرکین کی جانب سے کسی اور وجہ سے ملتا ہے جیسے

کہ مال خراج۔

## ڈاکٹر ضیاء الدین کی رائے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ غنیمت و فنی کی یہ تعریفات بنی نصیر کی شان میں نازل شدہ آیات فنی سے مشتق ہیں۔

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لفظ افاء کا اطلاق اس مال پر بھی ہوتا ہے جو قتال اور طاعت سے

اسی طرح اُشتر نے سعید بن العاص کے سامنے کہا:

أَتَزْعِمُ أَنَّ السَّوَادَ الَّذِي أَفَادَهُ اللَّهُ عَلَيْنَا بِأَسْيَافِنَا بَيِّنَاتٌ لَكَ وَلِقَوْلِكَ <sup>سُ</sup>

کیا تم یوں سمجھتے ہو کہ وہ سواد جو ہماری تلواروں سے حاصل ہوا ہے تمہارا اور تمہاری قوم کا باغ ہے؟

اور حدیث شریف میں آیا ہے:

ليس الى من فيكم ولا هذه الوبرة إلا الخمس<sup>٢</sup> وهو مردود عليكم<sup>٣</sup>

یہ ارشاد غزوہ حنین کے بعد حاصل شدہ غنائم کی تقسیم کے موقع پر صادر ہوا ہے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فی کا اطلاق غنیمت پر ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غنیمت کی

جو بھی تعریف ہو اس قدر مسلم ہے کہ غنیمت میں خمس واجب ہوتا ہے اور غنیمت کو تقسیم کیا جاتا ہے اور اراض

سواد بزدور و طاقت اور فوج کشی سے فتح کے باوجود نہ اس کی تقسیم ہوئی نہ خمس نکالا گیا۔ اور اس پر فتنی کا

اطلاق بھی ہوا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی تشریح

اس لیے غنیمت و فی کی تعریف میں ایجاب خیل درکاب اور عدم ایجاب سے فرق کرنا بجا نہیں ہے

چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے غنیمت ادرنی کی تعریف میں مذکورہ تعریف سے گریز کیا ہے۔ انھوں نے

وَعَلِّمُوا أَنَا غَنَمْتُمُ الْآيَةِ كَيْفَ بَعْدَ فَرَمَايَا، اس کا مصداق واللہ اعلم وہ منقول مال و اسباب۔ اسلمہ اور جانور۔

ہیں جو مشرکین کے لشکروں سے مسلمانوں نے حاصل کئے۔ ایسے اموال میں خمس ہے اور چار خمس مجاہدین میں

تقسیم ہوں گے۔۔۔۔۔ اور نئی کے بارے میں فرمایا کہ اے امیر المومنین زمین کی پیداوار کے موقعہ پر جو خرچ

۱۷ کتاب الغرارج لابی یوسف ۲۷ ابن الاثیر الکامل ۵۳/۲

٥ ابن الاثير الكامل ١٠٣/٢ ٥ الخراج للنضياء ١١٢٢

حاصل ہوتا ہے وہ فی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام ابو یوسفؒ نے اسی آیت کو پیش فرمایا جو سورہ حشر میں ہے کہ  
 بارے میں آئی ہے۔ مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ الْآیۃ

دوسری جگہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں

أَلْعُرَاجُ مَا اقْتَتَحَ عُنُوَّةٌ مِثْلَ السَّوَادِ وَخَبِيرَةٍ

تو اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فی کا اطلاق خراج پر بھی ہوتا ہے۔ اور خراج وہ ہے جو عنوۃ حاصل کیا گیا ہو جو غنیمت کا مفہوم ہے تو فی اور غنیمت کا مفہوم ایک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قدامہ بن جعفر نے فی کی تعریف اس طرح فرمائی۔

الْفِي إِسْمٌ لِمَا غَلَبَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ مِنْ بِلَادِ الْعَدُوِّ قِسْرًا بِالْقَتْلِ وَجَعَلُ  
 مَوْثِقًا عَلَيْهِمْ.

حضرت امام ابو یوسفؒ نے فی و غنیمت کی جو تعریف فرمائی وہ حضرت عمر فاروقؓ کی اس تعبیر کے  
 بالکل مطابق ہے جو انھوں نے حضرت سعد رضی کو اپنے خط میں ارسال فرمائی۔ فرماتے ہیں:-

إِذَا اتَّكَتَابَنِي فَاَنْظُرْ مَا أَجْلَسُوا بِهِ عَلَيْكَ فِي الْعُسْكَرِ مِنْ كِرَاعٍ أَوْ مَالٍ

فَاقْسِمْهُ مَنَ حَضَرَ وَاتْرَكَ الْأَرْضَيْنِ وَالْأَنْبَارَ لِعَمَّالِهَا. (۱)

اس سے یہی علامہ نکلتا ہے کہ غنیمت کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ جو اموال منقولہ مشرکین سے بذریعہ قتال  
 حاصل ہوں وہ غنیمت ہیں۔ اور فی کا اطلاق جائداد اور زمینوں پر ہوتا ہے (اموال غیر منقولہ) خواہ عنوۃ نہ گئے ہوں  
 یا بغیر قتال مصالحت سے حاصل ہوئے ہوں۔ ہر فی کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ یا کم از کم فی سے مقصود غالب  
 اموال غیر منقولہ ہوتے ہیں یعنی فی عام ہے۔ عنوۃ و سلمیٰ حاصل شدہ غیر منقول اموال کو فی کہا جاتا ہے۔

## علامہ رازیؒ کا ارشاد

حضرت علامہ ابو بکر الجصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین آیات ہیں  
 سورہ انفال کی آیت "وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ" انہیہ اموال غنیمت کے بارے میں ہے جس سے غنم لیا جائیگا۔



اور سورہ مشرکی آیت ”ما افاء اللہ علی رسولہ فہا اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب الیہ“ یہ اموال بنی نضیر کے بارے میں ہے جو صلحاً حاصل ہوئے اور ہر وہ مال کا حکم اس آیت سے ملے گا جو مشرکین سے بلا جنگ حاصل ہوا ہو۔ تیسری آیت سورہ مشرکی ”ما افاء اللہ“ سے یکون دولة بین الاغنیاء منکم تک ہے۔ یہ آیت غنوة مفتوحہ اموال کے بارے میں ہے جو غیر منقول ہو۔ امام رازی رحمہ فرماتے ہیں کہ اموال بنی نضیر کے بارے مالک بن اوس بن الخدمان کی روایت حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے:

قال كانت اموال بنی النضیر مما افاء اللہ علی رسولہ مما لم یوجب المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فكانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصة وكان ینفق منها علی اہلہ نفقة سنة وما بقی جعلہ فی الکراع والسلاح عدة فی سبیل اللہ — قال ابوبکر (جصاص) فہذا امن الفی الذی جعل الأمر فیہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن لاحد فیہ حق الامر الا من جعل لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فكان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینفق منها علی اہلہ ویجعل الباقی فی الکراع والسلاح وذالک لایبینه اللہ فی کتابہ وهو ان المسلمین لم یوجبوا علیہ بخیل ولا رکاب ولم یأخذوا غنوة وانما أخذوا صلحاً وكذلك کان حکم فذلک وقری عمریة فیما ذکرہ الزہری وقد کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الغنیمۃ الصفی وهو ما کان یعطیہ من جملۃ الغنیمۃ قبل ان یقسم المال وكان لہ ایضاً سهم من الغنم فكان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفی ہذہ العقوق یعرفہا فی نفقة عیالہ والباقی فی ذواب المسلمین ولم یکن احد فیہا حق الا من یختارہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعطیہ فی ہذہ الیۃ دلالة علی ان کل مال من اموال اہل الشریک لم یقلب علیہ المسلمون غنوة وانما أخذوا صلحاً انہ لا یوضع فی بیت مال المسلمین ویصرف علی الوجوہ الذی یصرف فیہا الخراج والحزبۃ لانہ بمنزلۃ ما صار للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من اموال بنی النضیر حین لم یوجب المسلمون علیہ<sup>(۱)</sup>

فرماتے ہیں۔ مالک بن اوس بن الخدمان کی روایت حضرت عمر بن الخطابؓ سے آئی ہے کہ اموال بنی نضیر جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فی غایت کئے جس پر مسلمانوں نے فوج کشی نہیں کی اور جنگ سے قبضہ میں نہیں آئے ایسے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غنم کر دیئے گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کا ایک سال کا نفقہ داکرتے تھے اور جو کچھ بیچ دیتا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے سامان جنگ میں صرف کرتے تھے۔

### وہ اموال جو نبیؐ کے لئے مخصوص تھے

ابو بکر (جصاص) کہتا ہے۔ یہ وہ فی ہے جس پر پورا اختیار رسول اللہ کا تھا اور کسی کا اس میں کوئی حق نہیں تھا۔ مگر نبی کریمؐ جس کے لئے اس مال کو تجویز فرماتے پس نبی کریمؐ ان اموال میں سے اپنے عیال پر خرچ فرماتے اور بقیہ کو جہاد کی تیاری میں صرف فرماتے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادی کہ مسلمانوں نے اس کو اپنے زور بازو سے حاصل نہیں کیا تھا اور جنگ کر کے نہیں لیا تھا بلکہ مصالحت سے حاصل ہوا تھا۔

یہی حکم زہری کے بیان کے مطابق نذک اور قری عرینہ کا تھا۔ اور نبی کریمؐ کے لئے مخصوص اموال میں سے غنیمت کا منتخب مال بھی تھا۔ جس کو الصغی کہا جاتا تھا۔ یہ دو مال بھی اس کو نبیؐ غنیمت کی تقسیم سے قبل اپنے لئے منتخب فرمائیں یہ آپ کا اختیار مخصوص تھا۔ اسی طرح نبی کریمؐ کا نفس میں بھی حق تھا پس نبی کریمؐ کے فی میں سے یہ حقوق تھے جس کو اپنی ازواج مطہرات اور عیال پر خرچ فرماتے تھے اور بقیہ کو مسلمانوں کی ہنگامی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔ اور ان اموال میں نبی کریمؐ کے سوا دوسرے کسی کا حق نہیں تھا ہاں حضورؐ جس کے دینا چاہتے تھے دیتے تھے۔

### سورہ حشر کی دو آیات میں فرق ہے

تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مشرکین سے جو بھی اموال اس طرح حاصل ہوں کہ جس پر مسلمانوں نے قبضہ نہ کیا ہو مصالحت سے حاصل ہوئے ہوں تو ایسے اموال بیت المال میں نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ان مفاد میں صرف ہوں گے جہاں خراج و جزیر صرف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے اموال۔ اموال بنی نضیر کی طرح نبی کریمؐ

کے ساتھ مخصوص ہونے کے درجہ میں آجاتے ہیں۔ تو یہ وہ اموال صلح ہیں جن پر خراج آتا ہے۔

اور تیسری آیت ”ما افاہ اللہ علی رسولہ من اهل البیت“ کے بارے میں حضرت امام رازی رحمہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس مال کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو غانمین کے زور بازو سے حاصل ہوا ہو کیونکہ اس کا مصارف بعینہ وہ پانچ اصناف ہیں جس کا ذکر سورہ انفال والی آیت میں ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انفال کی آیت میں خمس کا تذکرہ ہے۔ اور مذکورہ آیت میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن مال بہر حال قہراً حاصل کردہ اور تقسیم کے لائق ہے۔ اور تقسیم کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ مالداروں میں دولت سمٹ کر نہ رہ جائے۔

اور آیت ”والذین جاؤا من بعدکم“ یہ بھی بتلا رہی ہے کہ یہ مال اگرچہ قہراً حاصل کردہ ہے مگر اس کا مصارف آئندہ نسلیں بھی ہیں جو قیامت تک آنے والی ہیں۔ اس کے مصارف مذکورہ پانچ اصناف بھی ہیں۔ اس لئے اس آیت میں مال کی اس نوع کا ذکر ہے جو ایجاب خیل سے حاصل ہوا۔ اور آیت ”ما افاہ اللہ علی رسولہ منہم ما اؤفتم“ میں اس نوع کا ذکر ہے جو بلا ایجاب کے حاصل ہوا اور نبی کریم کی حیات طیبہ میں آپ کے ساتھ مخصوص تھا اور آپ کے بعد نواب مسلمان میں صرف ہوگا۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب سواد عراق فتح ہوا تو تقسیم سے انکار فرمایا اور یہی وجہ بیان کی کہ آئندہ نسلوں اور غیر مجاہدین کا کیا ہوگا؟ حضرت بلال اور حضرت زبیرؓ کا امر ارتقا کہ سواد کو غانمین میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہؓ سے مشورہ لیا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی۔ اور جملہ صحابہؓ نے اس فیصلہ کو تسلیم کیا۔ بعد میں آنے والے خلفاء نے بھی اس معمول کو جاری رکھا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جہاں تک سمجھا ہوں کہ مال فتنے کے مصارف میں مجاہدین و انصار اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی شامل ہیں جو ”والذین جاؤا من بعدکم“ کا مصداق ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے چند باتیں معلوم ہوتیں۔

(۱) فیء کا اطلاق غنیمت پر ہوتا ہے۔

(۲) آیت حشر منسوخ نہیں ہے اگر آیت منسوخ ہوتی تو وہ صحابہ جو تقسیم کے طالب تھے ضرور نسخ کو پیش فرماتے۔

(۳) آیت کریمہ اس قسم کی ذین پر خراج مقرر کرنے کے جواز کو بتلا رہی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کے



استدلال کر کے سواد کے باشندوں کو برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کیا۔

(۴) جلد صحابہ کا حضرت عمرؓ کی رائے کو مان لینا اس پر دلالت پر کرتا ہے کہ غانمین فی کی زمینوں کے اگرچہ عسوة

لی گئی ہوں مستحق نہیں ہو جاتے۔ بلکہ فی کی زمینیں امام کے اختیار کے ماتحت رہتی ہیں۔ جیسے امام کو اختیار ہے کہ جو قیدی مشرک گرفتار ہوں خواہ ان کو قتل کر دے خواہ غانمین میں تقسیم کر دے۔

(۵) نفس احراز غنیمت سے غازی غلاموں کے بھی مالک نہیں بن جاتے۔

## آیت انفال و حشر میں تعارض نہیں ہے

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ سورۃ انفال دالی آیت ہر مال غنیمت میں خمس کے وجوب اور باقی چار خمس کو مجاہدین میں تقسیم کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور سورۃ حشر کی آیت میں خمس کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے یہ آیت سورۃ انفال کی آیت سے متعارض ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعارض نہیں۔ بلکہ دونوں آیات کا عمل پہلے ہی سے الگ ہے۔ سورۃ انفال دالی آیت اموال منقولہ میں خمس و تقسیم پر محمول ہے۔ اور آیت حشر اموال غیر منقولہ میں خمس و عدم خمس، تقسیم و عدم تقسیم کے بارے میں اختیار پر محمول ہے۔ اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر کی تقسیم و عدم تقسیم، ایسے ہی حضرت عمرؓ کے سواد کی عدم تقسیم سے سمجھ میں آ رہی ہے۔

علامہ رازی فرماتے ہیں:

فیکون تعدیر الایتین بمجموعہما واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ  
حصہ فی الاموال سوی الارضین و فی الارضین اذا اختار الامام ذالک۔ وما افاء اللہ  
علی رسولہ من الارضین فللہ وللرسول اذا اختار ترکہا علی ملک اہلہا ویكون ذکر  
الرسول ہنا التفویض الامر علیہ فی صرفہ الی من رآی الامر۔ (۱)

## آیت حشر سے امام کی تخیر پر استدلال

کہتے ہیں۔ جب یہ زمینیں وقف ہوئیں تو للہ تو برابر ہے۔ پھر للہ رسول کیوں کہا گیا؟ تو فرماتے ہیں

یہاں رسول کا تذکرہ رسول کے مختار ہونے اور رسول کی صوابدید پر مال کو صرف کرنے کا اختیار رسول کے لئے ثابت کرنے کی خاطر یہ لفظ بڑھایا گیا ہے اور۔

اور ظاہر ہے کہ رسول کے بعد نائبین رسول (ائمہ) کو یہ اختیار حاصل ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

### ابن قدامہ کا ارشاد

حضرت علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ ضنبلیؒ اپنی مشہور تالیف المغنی میں رقم طراز ہیں:

جن زمینوں کو مسلمین نے از سر نو عنوة فتح کیا ہے تو ان کے بارے میں تین روایات ہیں۔

۱۔ امام کو اختیار ہے کہ ایسی زمینوں کو وہ غنائین میں تقسیم کر دے یا بلکہ مسلمین کے لئے وقف کر دے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریق ثابت ہیں۔ اور آپ کا عمل دونوں باتوں کیلئے مجتہد ہے۔ نبی کریمؐ نے نصف خیر کو تقسیم فرمایا اور نصف کو ہنگامی ضرورتوں کے لئے وقف کر دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام، عراق، مصر اور بقیہ مفتوح علاقوں کو وقف کر دیا اور علماء صحابہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی اور یہی مشورہ دیا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد دیگر خلفاء نے بھی مفتوحہ علاقوں میں یہی معمول جاری رکھا۔ اور ہمارے علم میں دیگر خلفاء سے مفتوحہ زمینوں کو تقسیم کرنے کا عمل منقول نہیں ہے۔

۲۔ مسلمین کا استیلاء ہوتے ہی ایسی زمینیں وقف ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کے فیصلہ پر متفق ہو گئے۔ نبی کریمؐ کا خیر کو تقسیم کرنا ابتداء اسلام کی بات ہے اور یہ تقسیم شدت حاجت کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ مصلحت وقت (شدت حاجت) کا یہی تقاضا تھا۔ لیکن بعد میں مصلحت اسی پر منحصر ہو گئی۔ کہ وقف کر دیا جائے اس لئے وقف متعین و واجب ہے۔

۳۔ ایسی زمینوں کو غنائین میں تقسیم کرنا واجب ہے یہی قول امام مالکؒ اور ابو ثورؒ کا ہے (مگر بیساکر لکھا جا چکا ہے کہ وجوب تقسیم کا قول حضرت شافعیؒ کا ہے حضرت مالکؒ وجوب وقف کے قائل ہیں) اس لئے کہ نبی کریم ص کا عمل تقسیم کا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل لکھنے کے مقابلہ میں نبی ص کا عمل زیادہ لائق اتباع ہے۔ نیز آیت کریمہ "واعلموا انما غنمنا من شیئ فان للہ قسمة الاہیہ" کے عموم سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

کہ چار خمس غنائین کے ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

والروایۃ الاولیٰ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ سَلَّمَ فَعَلِ الْاُمَرِیْنَ جَمِیْعًا فِی خَیْبَرَ  
وَلَا اَنْ عَمِرَ قَتَالَ لَوْلَا اٰخِرَ النَّاسِ لَقَسَمْتَ الْاَرْضَ کَمَا قَسَمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ  
خَیْبَرَ فَقَدْ وَقَفَ الْاَرْضَ مَعَ عَلِمِهِ بِفَعْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَلَّ عَلٰی  
اَنْ فَعَلَهُ ذَٰلَکَ لَمْ یَکُنْ مُتَعِیْنًا کَیْفَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ لِنَفْسِ خَیْبَرَ  
وَلَوْ کَانَ لِلْعَرَبِ لَمْ یَکُنْ لَهُ وَقْفُهَا۔ الف۔ (۱)

پہلی روایت راجح ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے خیر میں دونوں کام کئے (تقسیم و عدم تقسیم) اور  
اس لئے بھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دوسرے بعد کے لوگ نہ ہوتے تو میں اس زمین  
سوا کو اس طرح تقسیم کر دیتا۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے خیر کو تقسیم فرمایا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے  
نبی کریم ﷺ کے عمل کا خیر کے بارے میں علم ہوتے ہوئے سوا کو وقف کر دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا  
یہ عمل دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا عمل تقسیم تقسیم کی تعیین کے نہیں تھا۔ اور تعیین کے لئے ہو بھی  
کیسے، جب کہ خود نبی کریم ﷺ نے نصف خیر کو وقف کیا۔ اگر غائب کا حق بن گیا ہوتا تو نبی کریم ﷺ کیسے  
وقف کا اختیار نہ ہوتا۔

اس کے بعد ابن قدامہ نے فرمایا کہ امام کو یہ اختیار مصلحت کی بنیاد پر حاصل ہوا ہے۔  
مصلحت کے مطابق تقسیم و وقف امام پر لازم ہے۔ امام اپنی من مانی نہیں چلا سکتا۔

## لفظ وقف کا استعمال

پھر اس بات پر بھی متنبہ فرمایا کہ اس طرح مالکین ارض کے لئے زمین چھوڑ دینے اور آئندہ نسلوں کو  
بذریعہ خراج فائدہ پہونچانے کے طریق کے لئے لفظ وقف کا استعمال حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت  
نہیں ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہو گا کہ یہ زمینیں اس طرح چھوڑ دی جائیں گی۔ کہ اس کا کوئی مالک مخصوص  
نہ ہو گا بلکہ مسکین کے مصالح کے لئے ان کو باقی رکھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ وقف اصطلاحی ہونا  
مزدوری نہیں ہے۔



## خلاصہ بحث

اس جملہ بحث سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو زمینیں مسلمانوں پر فتح کشتی و قتال کے حاصل ہوئیں، نبی کا لفظ اس کے لئے بھی استعمال ہوا۔ اور ایسی زمینیں خالص نبی کریم کیلئے مخصوص تھیں۔ آپ اپنی اور اپنے عیال کے نفقہ میں صرف فرماتے۔ اپنے اختیار سے جس کو چاہے عطا فرماتے اپنی ضرورت سے زائد آمدنی کو آپ نواب مسلمانوں میں صرف فرماتے تھے۔ اہل خیبر کا بھی کچھ حصہ مسلمانوں کو عطا ہوا۔ جو آپ کے لئے مخصوص رہا اور فدک بھی مخصوص رہا۔

چنانچہ حضرت یحییٰ بن آدم القرشی (متوفی ۲۰۳) نے اپنے رسالہ الخراج میں ایک اثر نقل کیا ہے۔ زہری عبد اللہ بن ابی بکر اور محمد بن مسلمہ کے بعض بیٹوں سے نقل فرماتے ہیں:

”قالوا بقيت بقية من اهل خيبر تحصنوا قالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحقن دماءهم ففعل فسمع بذلك اهل فدك فنزلوا على مثل ذلك فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خالصة لا آتته لم يوجف عليها بغيل ولا ركاب“ (۱)

کچھ اہل خیبر جو بچے کھجے تھے کہیں قلعہ بند ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست جاں بخشی کی اور اپنی بستی سے نکل جانے کی۔ آپ نے منظور فرمایا۔ جب اہل فدک نے سنا کہ اس طرح جاں بخشی ہو جاتی ہے تو انھوں نے بھی اسی طرح صلح کر لی۔ پس فدک خالص رسول اللہ کے لئے رہا۔ کیونکہ اس پر فوج کشتی نہیں ہوئی تھی (اور قتال کی نوبت نہیں آئی)۔

اور جو زمینیں تہراً فتح ہوئیں ان کو کبھی غنائین میں تقسیم کیا گیا اور کبھی تقسیم نہیں کیا گیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں عمل ثابت ہیں۔ نبی کا اطلاق تہراً حاصل کردہ زمین پر بھی ہوا ہے۔ چپے اپنی جگہ پر گذرا۔ خیبر کی تقسیم کے بارے میں حضرت یحییٰ بن آدم القرشی نے متعدد روایات لکھی ہیں۔

عن رجال من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم لما ظهر علی خیبر قسمها علی ستہ وثلاثین سہما  
 جمع کل سہم مائة سہم فكان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 النصف من ذلک وعزل النصف الباقی لمن یُنزل بہ من الوفود والامور  
 ونائب الناس۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب خیبر پر غالب  
 ہوئے (فتح کیا) تو خیبر کی زمینوں کو پچیس حصوں پر تقسیم فرمایا۔ ہر حصہ کا مجموعہ سو حصے پر مشتمل تھا۔ پس  
 اس میں سے آدھا رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے حصہ میں رہا اور باقی نصف ان وفود کے انتظام کے لئے  
 جو آپ کے یہاں وارد ہوتے تھے، اور دیگر ضروری امور اور لوگوں کی ہنگامی حاجات کے لئے الگ کر لیا گیا۔

## عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل

عشری اور خراجی زمینوں میں بنیادی فرق اور اس سلسلہ میں غائبین کے استحقاق و عدم استحقاق  
 کی بحث آجانے کے بعد اب عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت  
 حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں فرمایا۔

ان کل ارض اسلم علیہا سوا ما كانت من ارض العرب والعجم فہی لہم  
 وہی ارض عشر مثل المدینۃ حین اسلم علیہا اہلہا والیہا الیمن  
 وكذلك ارض العرب من عبدة الاوثان الذین لا تقبل منهم الجزیۃ  
 وان ظہر علیہا الامام واذ اقسم الامام ارض العجم التي فتحت عنوة  
 بین الفاتحین فہی ارض عشر۔

اما ارض الخراج فہی ارض العجم التي فتحت عنوة وتركها الامام بین  
 ایدی اہلہا فلم یقسمہا وكذلك ارضہم التي صالحوا المسلمین علی أن  
 یؤدوا الخراج عنہا ویصیروا ذمۃ۔ (۲)

فرمایا:

- ۱۔ ہر وہ زمین و ملک جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے خواہ زمین عرب ہو یا عجم۔ تو زمین مالکین کی ملک میں رہے گی۔ اور یہ زمین عشری ہوگی۔ جیسے مدینہ منورہ۔ یمن وغیرہ۔
  - ۲۔ اسی طرح عرب کے بت پرستوں کی زمین جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ امام نے ان کو عنوة لے لیا ہو تب بھی وہ عشری رہے گی۔
  - ۳۔ اور عجم کی وہ زمینیں جو بزرگوار مفتوح ہوئیں اور امام نے غنائن کے درمیان تقسیم کر دیں۔ یہ زمینیں بھی عشری ہیں۔
  - ۴۔ أرض خراج عجم کی وہ زمینیں ہیں جو بزرگوار فتح کی گئیں اور امام نے ان کو غنائن میں تقسیم نہیں کیا اور اصل باشندوں کے قبضہ میں ہی رہنے دیا تو یہ خراجی زمین ہے۔
  - ۵۔ ایسے ہی وہ زمینیں جن کے بارے میں کفار نے مسلمین سے مصالحت کر لی (متابعت اختیار کر لی) کہ ذمی بن کر رہیں گے۔ اور زمین کا خراج ادا کریں گے تو یہ بھی خراجی زمین ہے۔
- حضرت امام ابو یوسفؒ نے نہایت دقیق انداز میں عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل اور فرق کو واضح فرمادیا۔ کہ جس قدر بھی اقسام عشری یا خراجی کی ضمنی طور پر نکلتی ہیں تو وہ سب اس ہیئتہ اقسام کے ماتحت آجاتی ہیں

## علامہ کاسانی کی تشریح

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی رحمہ اللہ نے ان اقسام کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-  
زمین کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عشری ۲۔ خراجی۔

۱۔ عرب کی پوری زمین عشری ہے۔ حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا عرب کی زمین غزیب سے مکہ اور عدن میں اور اقصاء بحرین مہرہ تک ہے۔ حضرت کرنیؒ فرماتے ہیں کہ زمین عرب کا اطلاق زمین حجاز۔ تہامہ۔ یمن۔ مکہ۔ طائف اور بصرہ پر ہوتا ہے۔

ان زمینوں کو اس نے عشری قرار دیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ نے زمین عرب سے خراج نہیں لیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ زمین عرب عشری ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی زمین دونوں صورتوں (عشر و خراج) سے خالی نہیں ہوتی (تو جب خراجی نہیں تو عشری ضرور ہے)



زمین عرب پر خراج اس لئے نہیں ہے کہ خراج فی (جزیرہ) کے مشابہ ہے تو جس طرح جزیرہ اہل عرب کے  
رؤس پر نہیں آتا تو ان کی زمین پر بھی جزیرہ (خراج) نہ آنا چاہئے۔ (واللہ اعلم)

۲۔ عشری زمینوں میں وہ زمین بھی ہے جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے۔

۳۔ وہ زمین بھی عشری ہے جو قہراً فتح ہوئی اور مجاہدین میں تقسیم ہو گئی۔ کیونکہ ایک مؤمنہ تو زمین پر لاگو ہوتی ہے

عشر یا خراج! اور مسلم ابتداً خراج عائد کرنے کے لائق نہیں ہے۔ خراج کے اندر حقارت و ذلت کا پہلو  
ہے۔ اور عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اس لئے مسلم عبادت و عشر کے لائق ہے۔

۴۔ عشری زمین میں مسلم کا وہ گھر بھی شامل ہے جس کو مسلم نے باغ بنالیا ہو۔

۵۔ وہ بخر غیر مزدور زمین جس کو امام کی اجازت سے کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو تو حضرت امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک اگر یہ آباد کردہ زمین عشری زمینوں سے ملحق اور اس کے توابع میں سے ہو تو عشری قرار پائیگی۔

اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عشری پانی سے سیراب ہوتی ہو تو عشری ہے۔

## خراجی زمینیں

۱۔ وہ زمین جو عنوةً و قہراً فتح کی گئی اور امام نے اس کے مالکین پر کرم فرما کر زمینوں کو مالکین کے قبضہ میں ہی

رہنے دیا۔ تو اگر مالکین اسلام نہ لائے تو ان کی ذات پر جزیرہ اور ان کی زمینوں پر خراج عائد ہوگا۔

۲۔ اگر مفتوحہ علاقے کے باشندے اسلام لے آئے تو ان کی مقبوضہ زمینوں پر صرف خراج ہوگا۔

۳۔ ارض سواد پوری خراجی ہے۔ اور سواد کی حد غدیب سے عقبہ ملوان اور غلث سے عبادان تک ہے

اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان ممالک کو فتح کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان پر خراج عائد کیا

اور حضرت حذیفہ ابن الیمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو زمین کی پیمائش کے لئے بھیجا اور خراج مقرر کیا

گیا۔ کیونکہ کافر پر اہت دار مؤنت واجب کی جا رہی تھی۔ اور کافر خراج کے زیادہ لائق ہے۔ اس لئے کہ

خراج میں حقارت کا پہلو ہے۔ عشر میں عبادت کا پہلو ہے۔ کافر اس کا اہل نہیں ہے۔

## زمین مکہ کا حکم

اس لحاظ سے کہ زمین خراجی ہونا چاہئے کیونکہ مکہ قہراً مفتوح ہوا ہے اور اس کے باشندے

اسلام لائے کیونکہ زمینوں کو ان کے قبضہ میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ لیکن ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا۔ کیونکہ اہل مکہ پر آپ نے خراج عائد نہیں کیا۔ تو حرم کی عظمت کی وجہ سے یہ مکہ مسکرمہ کی خصوصیت ہے۔

۴۔۔۔ وہ زمین بھی خراجی ہے جس کے مالکین پر بتقاضائے نظر کرم نقد مال (در اہم و دنیا پر وغیرہ) کی ایک مجموعی میعاد مقرر کے عوض صلح کر لی ہو۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ان کے اشخاص کے جزیہ اور ان کی زمینوں کے خراج کے عوض صلح کر لی تھی۔ ایک نقد مال کی مجموعی میعاد مقرر ہو گئی تھی۔ دو ہزار جوڑے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق دو ہزار دو سو جوڑے مقرر ہوئے تھے جو سال میں دو قسطوں میں واجب الادا رہتے تھے نصف رجب میں اور نصف ماہ محرم میں لئے جاتے تھے۔

۵۔۔۔ وہ زمینیں جن کے اصل باشندوں کو ہٹا کر دوسرے ذمیوں کو اس جگہ بسایا گیا ہو۔

۶۔۔۔ نصاریٰ بنی تغلب جہنوں نے دو نا عشر ادا کرنے پر مصالحت کی تھی۔ ان کی زمینیں بھی خراجی ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں خراج ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا تم اس کا جو چاہو نام رکھ لو۔ چنانچہ مالکین کے تغیر سے اس مقررہ خراج میں تغیر نہیں ہوتا تھا۔ جو خراجی زمین کا وصف ہے۔

۷۔۔۔ وہ غیر مسزور و غیر زمینیں جس کو امام کی اجازت سے کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو تو حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اگر یہ نو آباد زمین خراجی زمینوں سے ملحق اور ان کے توابع سے ہو تو اس کو خراجی قرار دیا جائے گا اور حضرت امام محمد کے نزدیک یہ زمین اگر خراجی پانی سے سیراب ہوئی ہو خراجی شمار ہوگی۔

حضرت امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسلم خراج کے لائق نہیں ہے۔ لیکن خود مسلم ہی سبب خراج کو اختیار کر لے تو اس پر خراج عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ جب مسلم نے ملوک بڑی نہروں سے پانی لیا تو کیونکہ ان نہروں پر فی حکم لگا ہوا ہے اس لئے مسلم سے بھی وہ متعلق ہو جائے گا۔ جیسے مسلم نے خراجی زمین کو خرید لیا تو مسلم خراج عائد ہو گا۔

حضرت امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ کسی شئی کے ملحقات و توابع اصل شئی کے حکم میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسے گھر کا صحن گھر کے تابع ہے۔ چنانچہ اس سے انتفاع (اجارہ وغیرہ میں) جائز ہے۔ اسی لئے کسی گاؤں کے متصل زمینوں کے احیاء کا حق دوسرے لوگوں کو نہیں مل سکتا کیونکہ گاؤں سے اتصال کی بنا پر اہل قریہ کا حق احیاء اس زمین سے متعلق ہو چکا ہے۔۔۔ غلام شامی نے امام ابو یوسف کے قول کو رائج قرار دیا ہے۔ ”مترتباً“

## بصرہ کی زمین کا استثنائی حکم

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قیاس کے مطابق بصرہ کی زمین خراجی ہونا چاہئے اس لئے کہ وہ ارض خراجی کی خیر میں واقع ہے اگرچہ مسلمان نے اس کو قابل کاشت بنایا ہے۔ لیکن اجماع صحابہؓ کی وجہ سے قیاس متروک ہو گیا۔  
۸۔ جس زمین کو کسی ذمی نے قابل کاشت بنایا وہ بھی خراجی ہے۔

۹۔ غنیمت کی وہ زمین جو امام نے کسی ذمی کو مسلمان کے ساتھ قتال میں شرکت کی وجہ سے بطور ربح (بلاہم) غنیمت کچھ دے دینا کے طور پر دی ہو خراجی ہے۔

۱۰۔ ذمی کا گھر جس کو ذمی نے بستان بنالیا ہو تو خراج عائد ہوگا۔

## عشری اور خراجی پانی

مار خراج ان مہوئی نہروں کے پانی کو کہتے ہیں جو غبیوں نے کھود کر تیار کی ہوں۔ قدرتی نہ ہوں۔ یہ صے نہر نیزہ و غیرہ جو مملوک ہوں اور کسی کے قبضہ ذاتی یا سرکاری میں نہ ہوں یعنی ان پر قبضہ رکھا جاسکتا ہو تو مفتوح ہونے کے بعد غنیمت ہونے اور تقسیم نہ کئے جانے کی بنا پر خراج عائد ہوگا۔ اس کا پانی خراجی قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح بیت المال کے صرفہ سے جو نہریں چشتے اور نالیاں نکالی گئی ہوں ان کا پانی خراجی ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بڑی ندیوں (دریاؤں) کا پانی بھی خراجی ہے۔ اس لئے کہ ان پر قبضہ رکھنا ممکن ہے۔ کشتیوں کی قطار کے ذریعہ قبضہ کیا جاسکتا ہے۔

## عشری پانی

بارش کا پانی۔ کنودوں کا پانی۔ قدرتی چشموں اور بڑے دریاؤں (ندی) کا پانی جو کسی کے قبضہ میں نہیں ہیں جیسے سیحون، جیحون، دجلہ اور فرات اور ان کے جیسی ندیاں۔ اس لئے کہ ان کے پانیوں کو قبضہ اور حفاظت میں لینے کوئی سبیل نہیں۔ (۱)



خلاصہ کلام یہ کہ عنوةً مغتومہ علاقہ پر کفار کو برقرار رکھا گیا تو کفار پر خراج عائد ہوگا۔ اگرچہ عشری پانی سے زمین سیراب ہو۔ اور اگر غائبین میں مغتومہ زمینیں تقسیم کر دی گئی ہیں تو عشر آئے گا۔ اگرچہ خراجی پانی سے سیراب ہو رہی ہوں۔ جو زمین خراجی قرار دی گئی وہ خراجی رہے گی۔ اگرچہ مسلم نے خرید لی ہو اور جو زمین عشری ہے اگر کافر نے خریدی تو خسرابی بن جائے گی۔

صرف اس زمین کا تعلق عشری اور خراجی پانی سے ہوگا جس کو کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو۔ امام محمدؒ کے قول کے مطابق عشری پانی سے سیراب ہوں تو عشری۔ خراجی پانی سے سیراب ہو تو خراجی ہو جائے گی۔ صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن جیسے کہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ مفتی بہ قول عشری اور خراجی ہونے میں حضرت امام ابو یوسفؒ کا کہہ کر نو کاشت زمین کا حکم اس کے ماحول کی زمینوں کا رہے گا۔

فَتَحْصِلُ أَنَّ الْمَاءَ يَعْتَبَرُ فِيهِمَا لِوَحْيَا مُسْلِمٍ أَرْضًا أَوْ جَعَلَ بَيْتَانَا بِخِلَافِ  
الْمَنْصُوصِ عَلَى أَنَّهُ عَشْرِي أَوْ خِرَاجِي وَحَدَّثَنَا عَنْ الدَّرِّ الْمُنْتَقَى أَنَّ الْمُفْتَى بِهِ  
قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ الْقُرْبَ الْهَـ (۱)

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں عنوةً مغتومہ زمینیں سب عشری رہیں گی۔ تقسیم واجب ہے ان کے  
نزدیک عشر و خراج ایک مالک پر مجتمع ہو سکتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

### وہ زمینیں جو نہ عشری ہیں نہ خراجی

وہ زمینیں جو نہ عشری ہیں نہ خراجی یہ زمین کی تیسری قسم ہے جن کو اراضی بیت المال۔ ارض المملکہ اور اراضی الخوز کہا جاتا ہے۔

حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی کتاب ”اسلام کا نظام اراضی“ میں فرماتے ہیں۔

”ارضی بیت المال میں چند قسم کی اراضی داخل ہیں۔

الف وہ زمینیں جو ملک فتح ہوتے وقت کسی کی ملک میں داخل نہیں تھیں۔ فتح کے بعد وہ بیت المال میں داخل ہوں گی۔ گماہو ناہر

(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ ابتداءً کسی شخص خاص کی ملک تھیں۔ مگر وہ لاوارث مر گیا اور یہ زمین بیت المال میں داخل ہو گئی۔ اس قسم کی زمینوں کو اصطلاح فقہاء میں اراضی مملکت یا اراضی حوزیہ اراضی سلطانیہ کہا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(ج) جس صورت میں مفتوح ملک کی ملوکہ زمینیں غائبین میں تقسیم کی جائیں جس کی تفصیل اراضی ملوکہ کے بیان میں آئندہ آئے گی۔ تو ان میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا نکالا جائے گا۔ یہ زمینیں بھی اراضی بیت المال میں شامل ہوں گی۔

(د) جب کوئی ملک جنگ کر کے قہراً غلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو اس کی ملوکہ زمینوں میں امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ پوری اراضی ملوکہ کو بیت المال کے قبضہ و تصرف میں لے لے۔ نہ غائبین میں تقسیم کرے نہ اصل مالکوں کی ملک میں رکھے۔ اس صورت میں یہ سب اراضی بھی اراضی بیت المال ہو جائیں گی۔

(۵) قہراً فتح ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اراضی ملوکہ میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کیلئے مخصوص کر لے۔ جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمینوں سے یا کسری اور اس کے متعلقین کی زمینیں اور جو شخص زمین چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کی زمین جو شخص معرکہ میں قتل ہو گیا اس کی اراضی۔<sup>(۲)</sup>

”اسی طرح خاص خاص دوسری زمینیں بیت المال کے لئے مخصوص فرمائی تھیں اور انہیں میں سے لوگوں کو جاگیریں دیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبیدہؒ کی کتاب الاموال میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔“

حدیث میں ہے:

عادی الارض لله وللرسول ثم هي لكم قال ابو عبیدہ والعادی کل ارض  
کان بہا ساکن فی اباد الدھر فانقرضوا فلم یبق منهم انیس ذصار حکمہا  
الامام۔ (۲)

## اراضی بیت المال کا حکم عشر و خراج کے بارے میں

### خراج مقاسمہ و خراج موظف

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی زمینوں کا حکم یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے۔ اس کے لئے ہاتھ ہے

(۱) شامی ۳/۲۵۲ باب العشر والخراج (۲) اموال ابی عبیدہ ۲۸۸۔ اسلام کا نظام اراضی ۱/۱۸-۱۷۔

کہ اس قسم کی زمینیں کسانوں کو دیوے یا تو کسانوں کو قائم مقام مالکین کے بنادے زراعت میں اور خراج ادا کرنے میں یا کسانوں کو یہ زمین محض اجرت کے طور پر دیدے۔ اجرت خراج کے بقدر ہو۔ امام کے حق میں یہ خراج ہوگا اور کسانوں کے حق میں محض اجرت ہوگی۔ نہ اس کو عشر کہیں گے نہ خراج۔

پھر یہ اجرت اگر در اہم و نقد کی صورت میں مقرر ہوئی ہے تو یہ خراج مؤطف کہلائے گا۔ اور بعض پیداوار کے عوض زمین دی ہے پیداوار اجرت ہے تو یہ خراج مقاسمہ کہلائے گا۔ جو بھی لیا جائے گا وہ محض اجرت ہوگی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں۔ اس بنیاد پر ان کسانوں پر نہ عشر ہے نہ خراج۔ ہاں صاحبین کے قول کے مطابق مستاجر پر عشر آتا ہے۔ اس لئے عشر کا احتمال ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ یہ کلی طور پر اجرت بھی نہیں ہے۔ بلکہ امام کے حق میں خراج ہے۔ اور عشر و خراج مجتمع نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں میں نے فتاویٰ خیرہ میں یہ مسئلہ دیکھا ہے کہ وقف کی زمین میں کسان عامل بالمحصہ ہوتا ہے اور مستاجر کے مانند ہوتا ہے۔ اس پر خراج نہیں ہوتا۔ اسعاف میں ہے کہ وقف کا متولی وقف کی زمین مزارعت پر دیدے تو عشر و خراج اہل وقف کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے کہ یہ معنوی اجارہ ہے۔ تو اسی طرح بیت المال کی زمین کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ جب مزارعت پر دی جائے تو کسانوں سے لیا ہوا مال بدل اجارہ ہے (اجارہ کا بدل) خراج نہیں ہے۔ چنانچہ کمال وغیرہ نے مزارعت کی ہے کہ یہ خراج مقاسمہ ہے۔ اس کے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔ کہ اس صورت میں یہ استیجار الارض ببعض الخراج منہا میں داخل ہوگا۔ اس لئے اجارہ فاسد ہوگا تو جواب یہی ہے کہ اس کو مزارعت قرار دیا جائے گا جو معنوی اجارہ ہے حقیقی اجارہ نہیں ہے۔ اسی لئے فتح القدیر میں فرمایا کہ ماخوذ بدل اجارہ ہے۔ (۱)

### بیت المال کی کسانوں کو دی ہوئی زمینوں کا حکم

جب یہ اراکمی بیت المال کسانوں کے قبضہ میں ہوں تو جب تک خود پر واجب الاداء فرضیہ کو ادا کرتے رہیں گے زمینیں ان سے واپس نہیں لی جائیں گی۔ البتہ کسان ان زمینوں کو فروخت بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں کسانوں کی اولاد ہو تو یہ زمینیں زراعت کے لئے ان کی طرف منتقل ہو جائیں گی۔ اس انتقال کا کوئی عوض نہیں لیا جائے گا۔ اگر کسان لاوارث مر جائے یا تین سال تک زراعت نہ کرے۔ زمین کو بریکار چھوڑے رکھے یا کم و بیش



مدت جس سے زمین کے قابل کاشت رہنے میں نقصان آتا ہو تو دوسرے کسان کو دیدی جائے گی۔ سلطان یا نائب سلطان کی اجازت کے بغیر کسی بھی کسان سے لیکر دوسرے کو نہیں دی جاسکتی

ثم اعلم ان اراضي بيت المال المسمى باراضي المحلقة وارضى الحوز  
اذا كانت في ايدى زراعتها لا تنزع من ايدى يهيم الخ. (۱)

## محور ثانی

محور ثانی کے بارے میں آپ کی موعود معلومات موصول نہیں ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ”اسلام کا نظام اراضی“ میں جو تحقیق پیش فرمائی ہے۔ اسی کے حوالہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ عمدہ تحقیق ہے اور بندہ اس سے متفق ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

# اسلام کا نظام عشر و خراج سے متعلق جوابات

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

## مخبر اول: عشر و خراج کی حقیقت

اسلامی نظام محاصل و مالیات کے قدیم ترین ماخذ کتاب الخراج لابی یوسف و یسعی بن آدم القرطبی اور کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے درج ذیل چار طرح کی زمینوں کو عشری قرار دیا ہے۔

- (۱) وہ زمینیں جن کے مالکین کسی جنگ و جدال کے بغیر مسلمان ہو گئے ہوں۔
  - (۲) وہ زمینیں جو بزر و قوت فتح ہوئی ہوں اور انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔
  - (۳) عام سرکاری زمینیں جو کسی مسلمان کو بطور جاگیر دی گئی ہوں۔
  - (۴) افتادہ زمینیں جنہیں کوئی مسلمان قابل کاشت بنائے۔
- وہ ممالک جو کسی صلح یا معاہدہ کے ذریعہ اسلامی حکومت کے زیر نگین ہوئے ہوں وہاں کی زمینوں کے ساتھ معاملہ حسب معاہدہ ہوگا۔

وہ علاقے جو بزر و قوت فتح ہوئے ہوں اور ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے قدیم مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں وہ سب خراجی زمینیں سمجھی جائیں گی۔ خراجی زمینوں کے مالکین مسلمان ہو جائیں یا حسب اختلاف مسلمانوں کو فروخت بھی کر دیں تو بھی خراج ساقط نہیں ہوگا۔

کتاب و سنت، تعامل عبد صحابہ و تابعین اور فقہاء امت کے اجتہادات کو پڑھنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر و خراج دو الگ الگ مستقل واجبات ہیں جو ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ عشر از قسم زکوٰۃ ہے جس کی قرآن و حدیث میں بار بار تاکید آئی ہے اور جو یکے ازارکان اسلام ہے۔ یہ زرعی پیداوار پر ہے

اس کا ایک نصاب ہے اس کے مصارف زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ اور کسی بھی مال میں ناقابل اسقاط ہے جبکہ خراج کی تفصیلات قرآن و حدیث میں نہ کے برابر ہیں۔ اس کا کوئی نصاب نہیں، یہ زمین کے رقبہ پر بھی رہا ہے جیسا کہ شروع سے ہارون رشید کے ابتدائی عہد تک تھا، اور پیداوار کی بنیادی پر مبنی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام ابو یوسف کے مشورہ پر خلیفہ ہارون رشید نے اختیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ خراج کے مصارف عشر کے مصارف سے الگ ہیں۔ خراج کا شمار اموال مصالح میں سے ہے جس کے مستفیدین بشمول خراج دہندہ سارے شہری ہیں۔ بہتر ہے کہ عشر و زکوٰۃ کا نظم بھی حکومت کی جانب سے ہو مگر حکومت کی غیر موجودگی بلکہ خود موجودگی میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی افراد کے ذمہ کی جاسکتی ہے جب کہ خراج کا تصور بغیر حکومت کے عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ خراج بنیادی طور سے سرکاری اخراجات کے لئے حکومت کا ایک اہم ذریعہ آمدنی ہے۔ اس کی ادائیگی کی شکل شرح اور دیگر تفصیلات حکومت طے کر سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں جو بھی حکومت ہے وہ جس شکل میں بھی زمین کا خراج وصول کرتی ہے اس سے مسلمان بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بالکل معاف کر دیتی ہے تو مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنے کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ خراج چوں کہ زمین پر ہے اس لئے اس کو پیداوار کی لاگت میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

## محور دوم

محور دوم سے متعلق ضروری معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔  
محور سوم

محور سوم سے متعلق بھی ضروری معلومات کا انتظار ہے۔  
محور چہارم

۱۔ قانون تسخیر زمینداری کے بعد معاوضہ دے کر حکومت نے جو زمینیں لے کر تقسیم کر دیں اب ان کے مالک وہی ہیں جن کو وہ مل گئی۔ میرا خیال ہے کہ اب اسلامی حکومت بھی ان کو حالت سابقہ پر لانے کی پابند یا مجاز ہوگی یا نہیں؟ قابل غور مسئلہ ہے جو نئی صورت حال پیدا ہونے پر اس وقت کے علماء حل کریں گے۔ اس وقت تو ملکیت کا جوتی قائم ہو چکا ہے اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ مذکورہ بالا محور اول کی بحث سے یہ واضح ہے کہ یہاں ہر مسلمان کو عشر دینا ہے، رہا خراج کا معاملہ تو یہ



حکومت کے طے کرنے کا ہے۔ اس کے خراج عائد کرنے یا نہ کرنے سے عشر کے فریضہ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑنا چاہئے۔ اس لئے راقم کے خیال میں اب اس بحث میں پڑنا فضول ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ یہاں کی ہزار سالہ تاریخ میں حکومتوں کے بے شمار تغیرات کے بعد اس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے اور اس کا کوئی خاص حاصل بھی نہیں اگر ہم جمہورائے کی رائے کو مان لیں۔

۲۔ جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان کے مالکان پر فرض ہے کہ پیداوار پر عشر نکالیں اور حکومت کو خراج دیں۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس کے حق میں قوی دلائل بھی ہیں۔

۳۔ بے شک سرکار کو دی جانے والی مال گزاری خراج کے حکم میں ہے۔

۴۔ اگر ہندوستان میں کچھ زمینیں عشری اور کچھ خراجی کا پتہ بھی چل جائے تو صورت مسئلہ میں کوئی فرق نہیں واقع ہوگا۔ مسلمان کو پیداوار عشر یا نصف عشر نکالنا ہے۔ رہا خراج کی ادائیگی کا مسئلہ تو میرے علم کی حد تک تاریخ اسلام میں انفرادی یا رضا کارانہ خراج نکالنے کی کوئی مثال نہیں ملتی اس لئے مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنے اور اس کی خود شرح متعین کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ خراج کی ادائیگی بھی عبادت ہے۔ اگر عبادت کے محدود معنی میں نہیں تو عمومی معنی میں اس کی ادائیگی بھی عبادت ہوگی۔

۵۔ علامہ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکاة جلد ۱ صفحات ۲۹۱-۲۹۹ میں اس مسئلہ پر کافی دشانی بحث کی ہے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ان دلائل کو دہرانے کے بجائے ان پر ایک اور نکتہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ غیر معمولی اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے قبل وضع کر لینا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر کھاد واد وغیرہ پر خرچ قرض لے کر کیا گیا ہے تو وضع دین پر بھی اتفاق ہے لیکن اگر ان چیزوں پر اپنی رقم لگائی ہے تو یا تو وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا اس شکل میں گویا ہم اس کی اس رقم پر یہی زکاة عاید کریں گے جو پیداوار میں لگی ہے لیکن اگر وہ صاحب نصاب ہے جو اس کی اور رقموں کے ساتھ اس پیسہ پر زکاة دی گئی ہوگی جو اس نے کھاد واد وغیرہ پر صرف کی ہے اس شکل میں ہم اس رقم پر دوبارہ زکاة عاید کریں گے کیوں کہ وہی رقم اس پیداوار میں لگی ہوئی ہے۔ غرضیکہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر معمولی اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے قبل

منہا کر لیا جائے۔ بہت سے صحابہ کے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پھر نصف عشر کی علت بھی اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک بٹائی دار دونوں پر ان کے حصوں کے مطابق عشر واجب ہو بشرطیکہ ان کا حصہ نصاب بھر پہنچے یا اس کے علاوہ ان کے پاس اور زمینیں ہو جن کی پیداوار سے ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہو۔ اگر ان میں سے صرف ایک کا نصاب پورا ہوتا ہو تو صرف اسی کو اپنے حصہ کا عشر دینا چاہئے۔ یہ اس شکل میں جبکہ دونوں حصہ دار مسلمان ہوں، اگر ان میں سے ایک مسلمان ہے تو وہ اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالے۔ غیر مسلم پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

### مَحَوْرِ یَنْجَم

۱۔ جہور ائمہ کے نزدیک زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب نہیں ہوگا بلکہ اسی وقت عشر واجب ہوگا جب کہ پیداوار پانچ وسق (تقریباً ساڑھے چھ سو کلو گرام) ہو۔ اس سے کم پر عشر واجب نہیں۔ میری ناچیز رائے میں جہور کا مسلک قوی ہے۔

۲۔ زمین پر جس چیز کی بھی کھیتی کی جائے اس پر عشر واجب ہونا چاہئے بشرطیکہ وہ نصاب بھر ہو۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہونی چاہئے۔

۳۔ مچھلی اور مرغی جیسی جاندار چیزوں کی فارمنگ کی زکوٰۃ کے سلسلہ زکوٰۃ الاموال کا حکم جاری کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ ریشم کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ الاموال کا معاملہ ہونا چاہئے۔

۵۔ وہ درخت جن سے پہلے مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کی پرورش و پر داخت لکڑی کے حصول کے لئے ہوتی ہے ان درختوں کی فروخت کے وقت ان پر زکوٰۃ الاموال واجب ہونی چاہئے۔

۶۔ خضراوات جو تجارت کے لئے اگائی جاتی ہیں ان پر زکوٰۃ تمان واجب ہونی چاہئے۔ اس رائے کی موافقت میں قدامت کے بعض اقوال مروی ہیں۔ سبزیوں یا کھجور یا گارڈن میں لگائی

جاتی ہیں اور جن کی پیداوار نہ تو خمسہ و سق اناج کو اور نہ ہی دوسو درہم چاندی کو پہنچتی ہیں ان پر زکوٰۃ  
 نہیں ہونی چاہئے، البتہ ان کے تزکیہ کے لئے ضروری ہے کہ اس پڑوسی کے محروم لوگوں کی بھی  
 تواضع کی جائے۔

۷۔ وقف فی سبیل اللہ ہو تو اس پر عشر نہیں واجب ہوگا۔ اس طرح کی شکل کے بارے میں علماء پہلے  
 ہی رائے دے چکے ہیں۔ راقم کے نزدیک وقف علی الاولاد کی اراضی پر عشر ہونا چاہئے۔  
 واللہ اعلم بالصواب





# عشر و خراج سے متعلق سوالوں کے جوابات

مولانا نعیم الدین \_\_\_\_\_ استاذ جامعہ اسلامیہ، بدر پور، آسام

محمود اول۔ عشر و خراج کی حقیقت :- اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی ؟ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے ؟ اس سلسلہ میں کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے ؟

جواب :- جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین کفار کے قبضہ میں رہنے دیں یا جن ممالک کفار سے صلح ہو گئی اور وہ اسلامی حکومت میں داخل ہو کر ذمی بن گئے ان کی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔ اسی طرح جن ممالک پر قبہ یا صلیبی اسلام کا غلبہ ہو گیا ہو اور وہاں کے تمام باشندے خود بخود مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی تمام زمینیں بدستوران کی ملکیت میں برقرار رکھی گئی تو ان کی یہ تمام زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ ورنہ کسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملک تھی نہ قابل زراعت، بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنالی گئی۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزرعہ زمین بنالیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہے جو ان کی زمینوں پر ہو گا۔ وہ عشری ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ تو آباد اراضی عشری ہوں گی۔ اور امام محمد کے نزدیک مدار اس پانی پر ہو گا کہ جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمین عشری کہلائے گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی اور غلام

شامی نے قول ابو یوسف کو معتمد قرار دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کر لی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دیا وہ عشری ہے۔ اسی طرح زمین کا عشری اور خراجی ہونے میں پانی کا بھی دخل ہے لہذا فقہاء کرام نے اس کی بھی تصریح کر دی کہ بارش کا پانی اور کوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل دخل ہے اور نہ وہ عادیہ کسی کی ملک ہوتی ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا جمن اور پنجاب کے بڑے دریا یہ سب عشری پانی ہے۔ مگر بڑے دریاؤں کے پانی کے بارے میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہے۔ اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں وہ عادیہ نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں۔ جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں نہر گنگا جمن وغیرہ۔ وہ چوں کہ فتح اسلام سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ عام طور پر اراضی کا عشری یا خراجی ہونے کا مذکورہ بالا ضابطے ہیں جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث و تعامل صحابہ اور آیات قرآنیہ سے فقہاء کرام نے استنباط کئے ہیں۔

ان کے علاوہ خصوصی طور پر بعض بعض موقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہ کی وجہ سے ان ضوابط کا خلاف پایا گیا لہذا ان صورتوں کو بھی استثنائی طور پر ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ میں خود بخود علیحدہ ایک اصول کی حیثیت سے قائم رکھا گیا جیسے مکہ مکرمہ قہر ختم ہوا اس کی زمینیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا۔ ضابطہ کے طور پر وہ ہمیشہ کے لئے خراجی مانا جاتا لیکن صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احتراماً حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا اس لئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔ اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بسایا گیا یہ غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کو آباد کیا اور قابل زراعت بنایا مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے اس لئے امام ابو یوسف کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء



راشدین اور بعد کے لوگ اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔ علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں، تہامہ، نجد، حجاز، عروص، یمن۔ اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا ان پر خراج عائد فرمایا گیا اسی طرح بدائع میں ذکر کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی بجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ ہے کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔ نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروقؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دو گنا عشر وصول کیا جائے مگر شرعی حیثیت سے یہ دو گنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔

”و اصل الخراج کل بلدة فتحت عنه ولم یسلم اهلها ان قسمها الامام بین الغانمین فہی عشریۃ وان من علیہم فہی خراجیہ ان کان یصل الیہا ماء الخراج و هو ماء الانہار السقی حضرتها الاما جم و اما السیحون والحبیحون والدجلة والفرات فانہا خراجیہ عند ابی یوسف۔ و کل بلدة فتحت صلحا و قبلوا الجزیۃ فہی ارض خراج و کل بلدة فتحت عنه و اسلم اهلها قبل ان یحکم الامام فیہم بشئ کان الامام فیہم بالخیار ان شاء قسمها بین الغانمین و تكون مشریۃ وان شاء من علیہم و بعد المن الامام بالخیار ان شاء وضع العشر وان شاء وضع الخراج ان کانت تسقی بماء الخراج“

فتح القدر میں ہے :

”و حاصلہ تقسیم ارض الخراج الی ما یفتح عنه و الی ما لم یفتح عنه لکنہا تسقی بماء الانہار نعم یجب تقیید الاول بان یقرا اهلها علیہا



بالضرورة وصح أن هذا معلوم إذ لا يبتدأ المسلم في أول الفتح قط بتوظيف  
الخراج في الاراضي المعسومة كما يجب تقييد الانهار فانها لا تكون خراجية  
ما لم تكن حولها الانهار العظام كالنيل والفرات - والحاصل ان السقي  
تحت عنوة ان اقر الكفار عليها لا يوظف عليهم الا الخراج ولو سقيت  
بماء المطر وان قسمت بين المسلمين لا يوظف الا العشر وان سقيت  
بماء الانهار واذا كان كذلك فبالضرورة يراد الارض التي احيها يحيى  
فان التي فتحت عنوة مما يبتدأ فيها التوظيف غير المعسومة والمقرر  
اهلها عليها ليس الا الموات التي احييت - وبصير المعنى كل ارض فتحت  
عنوة صارت ارض خراج اذا اقام اهلها عليها وكل ارض لم يفتح عنوة بل احيها  
مسلم ان كان صفتها انها يصل اليها ماء الانهار فهي خراجية او ماء عين  
ونحوه فعشرية وهذا قول محمد وهو قول ابي حنيفة ولو شرعه هكذا استغنى  
به عن ذكر المسئلة التي ناهما هي - وحاصلها ان محمد اقال فيمن  
احيا ارضا ميتته ببئر حفرها او عين استخرجها او ماء دجلة والفرات  
او باقى الانهار العظام التي لا يملكها احد او بالمطر فهي عشرية وان احيها  
بماء الانهار التي شقتها الاعاجم مثل نهر الملك ونهر يز دجرد وهو  
ملك من العجم فهي خراجية لان الاختيار في مثله للماء لانه السبب  
لنماء الارض ولانه لا يمكن توظيف الخراج على المسلم ابتداء كرها  
فيعتبر السقي لان السقي بماء الخراج دلالة على التزامه فتصير خراجية  
عليه - (وعند ابي يوسف تعتبر لحيزها) اى بما يقرب منها (فان كانت  
من حيز ارض الخراج اى يقربه فخراجية وارض العشر فعشرية) لان القرب  
من اسباب الترجيح فتزجح كونها خراجية

الخراج

والعشرية كذلك

بدائع میں ہے :

”وجملة الكلام فيه ان الاراضى نوعان عشرية وخراجية اما العشرية فمنها ارض العرب كلها قال محمد وارض العرب من العذيب الى مكة ومدن ابين الى اقصى حجب باليمن بمهرة وذكر الكرخى هي ارض الحجاز وتهامة واليمن والمكة والطائف والبريه وانما كانت هذه ارض عشرا لرسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين بعدة لم يأخذوا من ارض العرب خراجا فدل انها عشرية اذا الارض لا تخلو عن احدى المؤنيتين وان الخراج يشبه الضي فلا يثبت في ارض العرب كما لم يثبت في قباheim والله اعلم ۱۲۰۱ھ

مخبر چہارم : اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات اور جواب۔  
 ۱۔ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمین داری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے؟ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو ان کی تفصیل کیا ہے؟ کس بنیاد پر کس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟۔

جواب :- موجودہ ہندوستان کے کچھ اراضی خراجی اور کچھ عشری ہیں اور اس بارے میں فیصلہ کرنے کی بنیادی اصول و ضوابط محور اول میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دئے گئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کر لی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دی وہ عشری ہے۔

اسی طرح جن اراضی پر حکومت ہند کا مالکانہ قبضہ حاصل ہو گیا اور اس کے بعد وہ اراضی مسلمان یا غیر مسلمان میں تقسیم کر کے دے دیا تو ان پر غیر مسلم کی استیلا کی وجہ سے خراجی قرار دیا جائے گا اور وہ اراضی جو زمانہ قدیم سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آئی ہیں اور کسی زمانہ میں بھی ان اراضی پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے وہ عشری ہوگی۔

اراضی ہند کے بارے میں مولانا مفتی شفیع صاحب نے جواہر الفقہ کے صفحات میں جو تحقیقات سے ذکر فرمائے ہیں میرے خیال میں یہی بہت موافق و صواب اور معتد ہے۔

اس پر زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار باب الرکاز میں خمس معادن کے وجوب کی شرط فی ارض خراجیہ او عشریہ کے تحت بالفاظ ذیل لکھا ہے:

”ویحتمل ان یکون احتراضاً عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست

ارض خراج وعشر“ ۱

اسی طرح شمس الائمہ شری نے امام محمد کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

”لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وهذه اراضی اهل

الحرب لیست بعشریة ولا خراجیہ“ ۲

حضرات فقہاء مذکورہ ارشادات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہو گیا کہ جب انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان دارالحرب قرار دے دیا گیا تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کے ملک میں ہوں خواہ مسلمانوں کی ملکیت میں نہ عشری رہیں نہ خراجی۔ پھر اس کے نتیجہ میں بعض علمائے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکل عشر و خراج سے سبکدوش قرار دے دیا اور بعض اہل علم نے قرآن و سنت کی نصوص کے عموم و اطلاق سے یہ ثابت کیا کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو اور کسی کافر کی ملکیت سے منتقل ہو کر مسلمان کے پاس آئی ہو یا اول ہی سے مسلمان کی ملک ہو کیونکہ آیت قرآنی و اتو حقہ یوم حصادہ عام ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا انفقوا من صیبات ما کسبتم و مما اخرجناکم من الارض الخ بھی تمام اراضی کے لئے عام ہے۔ اس عموم کا اقتضایہ تھا کہ جن زمینوں پر خراج عائد ہو چکا ہے جب وہ مسلمان کی ملکیت میں آجائیں تو ان پر خراج کے ساتھ عشر بھی لازم ہو مگر رسول اکرم



صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یجتمع علو مسلم خراج وعشر (رواہ ابن عدی فی الکامل ازفتح القدیر) اس حدیث کی وجہ سے خراجی زمین جب مسلمان کی ملک میں آجائے تو اس پر عشر لازم نہیں کیا جاتا۔ یہ سب مضمون مع حدیث مذکور کے محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے۔ اس کا حاصل ہے کہ خراجی زمین جو مسلمانوں کی ملکیت میں آجائے تو اس پر بھی قاعدہ سے عشر لازم ہونا چاہیے تھا۔ مگر چوں کہ اس پر ایک وظیفہ خراج کا پہلے سے عائد ہو چکا ہے اس لئے دوسرا وظیفہ عشر کا عائد نہیں کیا جاسکتا جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس زمین پر خراج نہ ہوتا تو عشر ضرور لازم ہوتا۔

اب مذکور الصدر حکم دار الحرب کو دیکھا جائے کہ اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی اس قانون کی رو سے خراج کا حکم اراضی ہندوستان سے ساقط ہو گیا اس لئے اصل وظیفہ جو عشر تھا وہ عود کرایا اور جتنی زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں خواہ وہ پہلے عشری تھیں یا خراجی لیکن دار الحرب ہونے کے بعد ان میں سے جو بھی مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں وہ سب عشری سمجھی جائیں گی اور سب پر عشر لازم ہو گا۔

یہ وہ تحقیق ہے جو بعض علماء اہل عصر نے لکھی ہے لیکن اول تو اس تحقیق میں یہ غامی ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بنا پر اراضی دار الحرب سے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انھیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہائے کس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اراضی دار الحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی۔ بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وجوب عشر کے لئے ملکیت زمین شرط نہیں اسی لئے اراضی وقف پر بھی عشر عائد ہوتا ہے اور مستاجر و مستعیر پر بھی۔ وجہ یہ ہے کہ ان سب اراضی پر تصرف مسلمانوں کا ہے بخلاف اراضی دار الحرب کے کہ وہاں مسلمانوں کا تصرف ہی نہیں (جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل پر مکرر نظر کی جائے : لان العشر والخراج انما یجب فی الاراضی المسلمین وھذا اراضی

احد الحرب (یعنی کیونکہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں)۔

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہیں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیوں کہ یہ بات اپنی جگہ متیقن ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے اس جگہ اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خط ملک کے لئے ہو سکتا ہے جہاں ابتداءً سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دارالسلام رہا ہے یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہیں۔ غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہو گا جو دارالسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں۔

اس لئے شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر و خراج کے عائد ہوں گے شرح سیر کی عبارت خود اس کے لئے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں حضرت سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ کی تحقیق بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ (جس کا ایک جز یہ ہے) :

”پس ثابت ہو گیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہو سکتا پھر جس اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آئے اس پر خراج ہے اور جس پر عشرہ کی تعریف صادق آئے اس پر عشرہ ہے۔ البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو مگر یہ موقوف ہے دارالحرب ہونے پر اور اس میں گنجائش کلام ہے۔“

اس فتویٰ میں دارالحرب کے متعلق گنجائش کلام جو ذکر کی گئی ہے اس کی بناء ہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک اصل سے دارالحرب نہیں کچھ زمانے سے بن گیا ہے تو اس کے احکام اصل دارالحرب کے احکام سے کچھ مختلف ہوں گے۔



خلاصہ یہ کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضرور عائد ہوں گے اگرچہ بداعمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کے زمینوں کی وہی ہے جو امداد الفناوی وغیرہ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں ان پر کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جواب - ۲۔ اور وہ اراضی جو فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے لیکن اس کے پہلے کا حال معلوم نہیں جس کی وجہ سے عشری اور خراجی ہونا معین نہ ہو سکے تو ان کے بارے میں ابتداء سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ بدلیل الاستصحاب۔

جواب - ۳۔ سرکار کو دی جانے والی مال گزاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی، کیوں کہ خراج کا مصرف شریعت میں متعین ہے۔ حکومت ہند اس کو علیحدہ کر کے اس میں خرچ نہیں کرتی ہے۔ امیر المسلمین اس مد کے آمدنی کو اس کے شرعی مصرف میں خرچ کرنے کا حقدار ہے۔ لیکن ہندوستان میں نہ اسلامی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول و ضوابط پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ حکومت ایک خالص ٹیکس ادا کرتے ہیں جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ سراج الہندی خراج السندھ میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمان کی خراجی زمینوں کا خراج کہہ کر وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر ان کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں۔ مثلاً علماء، طلباء، عام مسالحوں، ملک داخل سلام، سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت، مفتیوں، قاضیوں وغیرہ کا گزارہ بقدر کفایت، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت وغیرہ۔



”وما جباہ الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداه اهل الحرب  
 الى الامام والجزية يصرف في مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر  
 الاالجسور ويعطى قضاء المسلمين ومالهم وعلماء لهم منه ما يكفيهم  
 ويدفع منه ارزاق المعاتلة وذرائعهم) يعطى ايضا للمعلمين والمتعلمين  
 وبهذا اتدخل طلبه العلم“

بدائع میں ہے :

”واما مصرف النوع الثالث من الخراج وانواته فعمارة الدين واصلاح  
 مصالح المسلمين وهو رزق الولاة والقضاة واهل التقوى من العلماء  
 والمقاتلة ورصد الطرق وعمارة المساجد والرباطات والقناطر والجسور  
 وسد الثغور واصلاح الانهار التي لا ملك لاحد فيها“

علامہ ہمایونی سندھی نے ”سراج الہندی“ میں تحریر فرمایا ہے :  
 ”پس بجاں کہ بہر کسے کہ خراج لازم آید اور لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب مفت  
 مبین بہتہ صرف نماید تا عند الشرح عہدہ آں بیروں آید و در قیامت ما خود نہ گردد و اما آنچه  
 حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد“

”لان الکافرين ليس لهم ولاية اخذ الخراج من المسلمين وايضا ليسوا  
 بمصارف الخراج حتى اذا اذى المسلمون اليهم ما لا يبنى الخراج  
 لا يخرجون عن عهده لانهم ليسوا بمقاتلين لاهل الحرب ولا رافعين  
 اعداء الاسلام عنهم وعن ذراهم- انتهى“

جواب ۳۔ شرعی حیثیت سے زمین کے واجبات دو قسم پر ہیں عشر اور خراج۔ عشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے  
 اور خراج غیر مسلموں پر اور قاعدہ یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداء عائد ہو گیا

پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے مبتدل نہ ہوگا۔ لیکن عسری زمین کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو فریضہ عشر کے وہ اہل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ خراج ہی واجب ہوگا۔ اور اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔ حکومت اسلام کی طرف سے عائد ہونے کی حیثیت سے ٹیکس ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں اس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے۔ مثل زکوٰۃ کے۔ اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے لہذا اس کی ادائیگی عبادت ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔

لیکن جب اصول و ضوابط بالائی بنا پر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک بن جائے گا تو وہ شریعت کے مکلف ہونے کی حیثیت سے حقوق اراضی کی بنا پر عشر کی ادائیگی کی طرح ادا کرنا واجب ہو جائے گا اور اسی بنا پر وہ عبادت بن جائے گا۔ اگرچہ اصل وضع کے اعتبار سے وہ خالص ٹیکس ہے کیوں اس وقت ذمیوں کا وظیفہ تھا اب وہ مسلمانوں کا وظیفہ بن گیا جو کہ عبادت کا اہل اور پابند ہے۔ اب وہ اتو حقدہ اور مما اخرجنا لکم من الارض میں داخل ہو کر اپنا فریضہ ادا کر کے رضائے مولیٰ حاصل کرے گا۔

خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قائم ہوا چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح کے بعد انھوں نے تمام قدامد مہاجرین کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے مخالف گروہ کی تائید کی بالآخر حضرت عمرؓ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں شرفاء انصار سے دس۔ اس سے پانچ اور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک نہایت پر زور تقریر کی اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ اس طریقہ سے صیغہ خراج کی مشروعیت وجود میں آئی اس کے بعد انھوں نے اراضی کی پیمائشی کام انجام دیا اور آخر کچھ اراضی کو خالصہ قرار دے کر باقی تمام زمینیں مالکان قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مال گزاری مقرر کی گئی۔

یہ جو حساب لکھا جا رہا ہے وہ سلسلہ دار المصنفین ۱۷۱ اسوۃ صحابہ نامی کتاب حصہ دوم ص ۶۶ کے

مطابق ہے:

گیہوں فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ \_\_\_\_\_ دودھ ہم سالانہ

|                               |       |                  |
|-------------------------------|-------|------------------|
| جو فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ | _____ | ایک درہم سالانہ  |
| لیشکر                         | _____ | چھ درہم سالانہ   |
| روٹی                          | _____ | پانچ درہم سالانہ |
| انگور                         | _____ | دس درہم سالانہ   |
| نخلستان                       | _____ | ”                |
| تل                            | _____ | آٹھ درہم سالانہ  |
| ترکاری                        | _____ | تین درہم سالانہ  |

ہدایہ مع شرح فتح القدر میں ہدایہ کی عبارت میں جو مقدار بیان فرمایا گیا اس کا مضمون یہ ہے :  
 ”عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو  
 چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل  
 درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم“ ۱۰

شرح میں فرمایا :

”واعلم ان الروایة عن عمر اختلفت كثيرا في تقدير الوظيفة الخ“  
 مذکورہ بالا عبارات سے خراج کی مشروعیت کا طرز و طریقہ معلوم ہو گیا نیز خاص متعین کوئی شرح  
 موجود نہیں لیکن اصول و ضوابط ضرور ملتے ہیں فی الحال ہم اسی کی طرف مراعات کر کے اس کی شرح  
 متعین کریں گے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکورۃ الصدر چیزوں کا  
 خراج متعین فرمایا۔ اس کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسرے مختلف قابل کاشت چیزیں  
 جن کا خراج حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار  
 کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے نہ اتنا  
 نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔



(یہ تحقیق ہدایہ کتاب الیر کی ہے۔)

بدائع میں ہے :

”ان مبنی الخراج علی الطاقة الاثری ان حذیفہ بن الیمان وعثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہما العامسحاسوا بالعراق بامر عمرؓ وروضا علی کل جریب یصلح للزراۃ قفینا ودرہما وعلی کل جریب یصلح للربطہ خمسہ درہم وعلی کل جریب یصلح للکرم عشرۃ درہم فقال لہما عمرؓ لعلکمما حملتما ما لا تطیق فقالا بل حملنا ما تطیق ولوزدنا لاطاقت۔ فدل الحدیث علی ان مبنی الخراج علی الطاقة فیقدر بہا فیما وراء الاشیاء الثلاثۃ المذكورۃ فی الخبر۔

واختلف فیما اذا كانت تطیق اکثر من الموضوع انہ هل تزداد ام لا قال ابو یوسف لا تزداد وقال محمدؒ تزداد ووجه قول محمدؒ ان مبنی الخراج علی الطاقة علی ما بینا فتجوز الزیادۃ علی القدر الموظف اذا كانت تطیقہ ولا فی یوسف ان معنی الطاقة انما یعتبر فیہا وراء المنصوص والمجمع علیہ والقدر الموضوع من الخراج الموظف منصوص ومجمع علیہ علی ما بینا فلا تجوز الزیادۃ علیہ بالقیاس۔

واما الخراج المقاسمہ فہو ان یتبع الامام بلدۃ فیمن علی اہلہا ویجعل علی اراضیہم خراج مقاسمہ وہو ان یؤخذ منہم نصف الخراج اوثلثہ اوربعہ وانہ جائز لعارض ان یرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہکذا ففعل لما فتح خیبر ویكون حکم هذا الخراج حکم العشر ویكون ذلك في الخراج كالعشر لانه بضع موضع الخراج لانه خراج في الحقيقة واللہ اعلم ۱۲؎

جواب نمبر ۷ کے ضمن میں جو ذکر کیا گیا اس سے بجا بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب

ہے کہ جہاں نظام شرعی قائم ہے وہاں اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود یا امیر کی معین کردہ عمال کے ذریعہ نکال کر بیت المال میں جمع کر دے اور بیت المال سے امیر شریعت مدارس اسلامیہ اور علماء طلباء وغیرہ جو مصرف شریعت نے معین کر دیا ہے اس میں صرف کریں یا تو خود بخود مصارف خراج میں صرف کرتے جواب ۵۔ قانون زکوٰۃ میں شریعت اسلام نے ہر قسم کی زکوٰۃ میں اس بات کو بنیادی اصول کے طور پر استعمال کیا ہے کہ پیداوار میں محنت اور خرچ کم ہے اس میں زکوٰۃ کی مقدار زیادہ اور جتنی محنت اور خرچ کسی پیداوار پر بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی زکوٰۃ کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ لہذا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر نصف عشر ہو جائے گا۔ اور اصل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالنے کے بعد ان اخراجات کو باقی سے لیا جائے گا۔ بدائع میں ہے :

”ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی النعۃ من سقی أو سحارة أو أجرة الحافظ

أو أجرة العمال أو نفقة المقر لقوله علیه السلام ما سقته السماء ففیہ العشر

وما سقی بعرب أو دابة ففیہ نصف العشر۔ (وجوب العشر ونصف العشر مطلقاً عن

احتساب هذه المئون۔ ولأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أوجب الحق علی التفاوت

لتفاوت المئون ونورفت المئون لا ارتفاع التفاوت۔)

جواب ۶۔ زمین بٹائی پر دے کر اگر کھیتی کرائی جائے تو دیکھا جائے گا بذریعہ عامل کی جانب سے ہے یا رب الارض کی جانب سے اگر بذریعہ عامل کے جانب سے ہو تو صحابینؓ کے نزدیک عشر حصیہما دونوں پر واجب ہو گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف رب الارض قبضہ التقسیم اپنے عین حصہ سے جمع عشر واجب ہو گا۔ بعد التقسیم وہ اپنا حصہ سے ادا کردہ نصف عشر بطور دین بٹائی دار کو دے گا۔ اور اگر بذریعہ رب الارض کی جانب سے ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشر صرف رب الارض پر واجب ہو گا۔

وجوب عشر کے لئے اہلیت شرط ہے اور غیر مسلم عشر ادا کرنے کا اہل نہیں ہے لہذا اس پر عشر

واجب نہ ہوگا۔

بدائع میں ہے :

"ولو دفعها من اربعة فاما على مذهبهما فالمنزعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما واما على مذهب الحنفية فالمنزعة فاسدة ولو كان يجزها كان يجب على مذهب جميع العشر على رب الارض الا ان في حصه جميع العشر يجب في عينه وفي حصه المنزعة يكون في دنيا في ذمته" لفتح القدير میں ہے :

"ولو زارع بالعشرية ان كان البذر من قبل العامل فعلى قياس قول الجرحنيقة العشر على صاحب الارض كما في الاجارة وعندهما يكون في الزرع كما اجارة وان كان البذر من رب الارض فهو على رب الارض في قولهم" لفتح القدير میں ہے :

"اما شرط الاهلية فنوعان احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ لهذا الحق الا على مسلم لا خلاف لان ضيقه معنى العبادة والكافر ليس من اهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه السلام

مخبر بنعم۔ ۱۔ عشر کا ضابطہ شرعی امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک بلا شرط نصاب و بلا شرط بقا پیداوار پر ہے، پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر پیداوار کے حساب سے ادا کرنا واجب ہے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے گا۔ وجہ اس کی قرآن و حدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔ مما اخرجنا لكم من الارض اور دوسری آیت و اتواحقه يوم حصادہ۔ مقدار واجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ :

"ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب اود اليه ففيه نصف العشر"



اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے صاحبین کے نزدیک بشرط بقا پیداوار پر عشر واجب ہے، اور اس کا نصاب پانچ وسق ہے، اس مقدار کی کم میں عشر واجب نہیں ہے۔ انھوں نے نصاب کو ثابت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پیش کیا (لین فیما دون خمسہ اوسق صدقہ) امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ اولاً یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب الشریعہ پر زیادت جائز نہیں۔ ثانیاً یہ حدیث اموال تجارت کی نصاب زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ انھوں نے شرط بقا کو ثابت کرنے کے لئے دوسری حدیث پیش کی۔ (لین فی الخضراوات صدقہ) اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ اولاً اس مضمون کی حدیث حضرت معاذؓ سے ترمذی نے نقل کر کے فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے اور اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح کچھ ثابت نہیں ہے۔ ثانیاً اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ محمول ہے اس صدقہ پر جو عاشر اخذ کرتا ہے یعنی خضرادات لے کر جب کوئی زارع عاشر کے پاس سے گذرتا ہے تو اس وقت عاشر چاہتا ہے کہ عین اس خضرادات سے فقرائے لئے عشر اخذ کرے جب کہ مالک اس پر عائد کردہ عشر کی قیمت دینے سے انکار کرے تو اس صورت میں عاشر کو عشر لینے کا حکم ہے، کیوں کہ عاشر غالباً شہر سے دور ہوتا ہے لہذا شہر میں فقرائے کے پاس اس خضرادات کو پہنچانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بسا اوقات یہ سبزیات فقرائے کے پاس پہنچنے سے پہلے خراب ہو جاتا ہے اس قسم کی عین خضرادات کو اخذ کی وجہ سے فقرائے کے میں نفع کے بدلہ نقصان ہو جاتا ہے بنا بریں اس کا عشر مالک خود بخود فقرار کو دے دے عاشر عشر میں عین خضرادات کو وصول نہ کرے۔

فتح القدیر میں ہے :

”باب زکوٰۃ الزروع والثمار قال ابو حنیفۃ فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ سواء سقی سیحا اوسفتہ السماء الا الحطب والقصب والحشیش وقال لا یجب العشر الا فیما لہ ثمرۃ باقیۃ اذا بلغ خمسۃ اوسق والوسق ستون صاعاً بصاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولین فی الخضراوات عند ہما عشر فالخلاف فی موضعین فی اشراط النصاب و فی اشراط النصاب و فی اشراط الشاء لہما فی الاول قوله علیہ الصلاۃ والسلام لین فیما دون خمسۃ اوسق

صدقة ولأنه صدقة فيشترط فيه النصاب ليحقق الغنى ولا في حنيقة قوله عليه السلام ما أخرجت الأرض فضيه العشر من غير فصل وتاويل ما روياء زكاة التجارة لأنهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة السوق أربعون درهما ولا يعتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغنى ولهذا لا يشترط الحول لأنه لا مستنعم وهو كله نعم ولهما في الشافعي قوله عليه الصلاة والسلام ليس في الخضراوات صدقة والزكاة غير منفيه فتعين العشر (قوله ولهما في الثاني قوله عليه الصلاة والسلام) روى نفي العشر في الخضراوات بالفاظ متعددة سويتها يطول في الترمذي من حديث معاذ وقال أسناده ليس بصحيح وليس يصح في هذا الباب عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء وروى الحاكم هذا المعنى أيضا وصححه وغلط بان إسحاق بن يحيى تركه أحمد والنسائي وغيرهما (وفي العناية) (ومرويهما) وهو ليس في الخضراوات صدقة (محمول على صدقة يأخذها العاشر) يعني إذا أمر بالخضراوات على العاشر رواد العاشر أن يأخذ من عينها لأجل الفقراء عند أباء المالك عن دفع القيمة لا يأخذ (وبه) أي بهذه المروى (أخذ أبو حنيفة) في حق هذا المحل الذي حملناه عليه وإنما قلنا لأجل الفقراء لأنه لو أخذ من عينها ليصرفه إلى معالة جاز وإنما قلنا عند أباء المالك عن دفع القيمة لأنه إذا أعطاه القيمة لا كلام في جواز أخذ وهذا لأن الأخذ ثبت نظر للفقراء ولا نظره هنا لأن العاشر في الأغلب يكون نائيا عن البلد ولا يجد فقيرا شمة يصرفه إليه فيحتاج إلى أن يبعث بها إلى البلد وربما تضد قبل الوصول إلى الفقراء فيؤدي إلى الضرر فلا يأخذ بل يؤديه المالك بنفسه إلى

بدائع میں ہے :

”واحق ما تناولته هذه الآية الخضراوات لأنها هي المخرجة من الأرض

حقیقۃً واما المحبوب فانها غير مخرجة من الارض لتحقيقۃ بل فمن المخرج من الارض  
..... فكان الحمل على البنات عملاً بحقیقۃ الاضافة اولى من الحمل على  
المحبوب ..... واما الحديث فغريب فلا يجوز تخصيص الكتاب والخبر المشهور  
بمثله او يحمل على الزكاة او يحمل قوله ليس في الخضراوات صدقة على انه  
ليس فيها صدقة تؤخذ بل اربابها هم الذين يؤدونها بانفسهم فكان هذا

نمی ولایۃ الاخذ للامام و به نقول واللہ اعلم ۛ

۲۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین سے جو کھی پیداوار ہو جیسے گیہوں، جو، چنا، باجرہ، دھان وغیرہ ہر قسم  
کے اناج، گنا، روئی، ہر قسم کی ترکاریاں پھول، پھل، میوے سب میں عشر واجب ہے تھوڑا پیداوار  
ہو یا زیادہ۔ البتہ ان چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے جن کا زمین سے پیدا کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسے  
لکڑی اور نئے، سوکھی اور تر گھاس، گھجور کے پٹھے، گوند، فطران جو ایک درخت کا عصارہ ہوتا ہے۔  
خٹلی، اشنان، کپاس اڈرینگن کا درخت، تربوز اور لکڑی کی بیج اور دوائیاں۔ گنا میں عشر نہیں ہے  
لیکن اس کے رس میں عشر ہے اور امام محمدؒ سے ایک روایت آتی ہے کہ سوکھی گھاس میں عشر ہے  
البتہ بینگن اور کپاس کے درخت میں عشر نہیں ہے مگر خود بینگن اور کپاس میں عشر ہے دواؤں میں  
عشر نہیں ہے۔

اسی طرح پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں کی بھی یہی حکم ہے کہ زمین سے جن کا پیدا کرنا  
مقصود نہ ہو ان پر عشر واجب نہ ہو گا۔ چوں کہ مکھانہ، سنگھارہ کا تعلق مٹی سے ہے جڑ مٹی ہی میں ہوتا ہے اور  
پھل پانی پر لہذا ان کا بھی ایک ہی حکم ہو گا۔  
فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب والطرفاء والصف لان الارض  
لا تنمي بهذه الاشياء بل تنسدها حتى لو استنمت بقوائم الخدائن  
والحشيش والقصب فمفرون النخل او فيهاد لب او صنوبر ونحوها  
وكان يقطع ويبعد يجب فيه المترك في محيط الرخسي، ويجب



العشر من الحنيفة في كل ما يخرج من الارض من الحنطة والشعير والدخن والارز واصل الحبوب والبقول والرباحين والاوراد والرباط ونصب السكر والزريرة والبطيخ والقشاع والخيار والباذنجان والعصفور واشباه ذلك مما له ثمرة باقية او غير باقية قتل او كثر هكذا في فتاوى قاضي خان - سواء ليقي بقاء السماء او مسيحايقع في الوسط او لا يقع هكذا في شرح الطحاوي - ويجب في اكلان وبذرة لان كل واحد منهما مقصود كذا في شرح المجمع - ويجب في الجوز واللوز والكمون والكزبرة هكذا في المضمرة - ويجب العشر في العسل اذا كان في ارض العشر وكذا العن اذا سقط على الشوك الاخضر في ارضه كذا في خزائنة المفتين - وما يجمع من ثمار الاشجار التي ليست بمملوكة كاشجار الجبال يجب فيها العشر كذا في الظهيرية ولاعشر فيما هو تابع للارض كالنخل والاشجار وكل ما يخرج من الشجر كالضلع والقطر ان لانه لا يقصد به الاستغلال كذا في البحر الرائق - ولا يجب في البذور التي لا تصلح للزراعة او للتداوي كيدرايطيخ والنانخواه والشونيز كذا في المضمرة - ولا يجب في القنب والصنوبر وشجر القطن والباذنجان والكندر والموز والتين هكذا في خزائنة المفتين ۛ

ۛ — پھلی کی کاشت زمین کی پیداوار نہیں کیوں کہ یہ مما اخرجنا لکم من الارض میں داخل نہیں علاوہ ازیں شرائط وجوب عشر چار ہیں (پہلی شرط مسلمان ہونا۔ دوسری زمین کا عشری ہونا۔ تیسری زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا۔ چوتھی پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو۔) ان چاروں میں سے تیسری شرط مفقود ہے۔ لہذا اس کو زکوٰۃ اموال میں شمار کر کے اسی کا حکم جاری کرنا ہوگا۔ نیز پھلی پانی

کا پیداوار ہے اس میں عشر نہیں ہے مگر اس کو آمدنی کے ذریعہ بنانے کی صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوگا۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ٹھہلی کو مستخرج من البحر میں شامل کیا:

"ولا شیء فیما یشترک من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمک" ۱

۴۔۔۔ ریشم کے کیڑوں کے بارے میں جہاں تک نقول منقول ہیں عشر واجب نہیں۔

"بخلاف دود القز لانه یتناول الاوراق ولا عشر فیہا" ۲

لیکن آمدنی کے عوض سے باقاعدہ کاشت کی جاتے تو اس پر عشر واجب ہو جائے گا جس طرح شجر مثمرہ میں شجر مقصود نہیں اس لئے شجر بر عشر نہیں مگر مقصود ہے لہذا ثمر پر عشر واجب ہو جائے گا۔

۵۔۔۔ عشری زمین میں جلانے کے کام میں لانے کے لئے یا تو عمارت، فزنجی وغیرہ میں استعمال

کے لئے اگر درخت لگایا جاتے تو اس صورت میں مقصود ہونے کی وجہ سے اس پر عشر واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بید کے درخت، گھاس، سرکنڈے اور کھجور کے پٹھے کی پیداوار

بالارادہ اور کسی مقصود کی خاطر کسی قطعہ زمین میں کی گئی ہو یا چنایا صنوبر کے درخت لگائے گئے ہوں انھیں کاٹ کر فروخت کرنا اور ان سے نفع اٹھانا مقصود ہو تو ایسی چیزوں میں

بھی عشر واجب ہوگا۔

فتح القدیر میں ہے:

"حتى لو اتخذها معتصبه او مشجرة او منبتا للعشیش یجب

فیہا العشر" ۳

اسی طرح شامی:

"وفي المعراج قصب العسل یجب العشر فہو من خشیه

مشرابا لہ" ۴

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ جو اس ورق میں فلاحی العطب والعشیش سے لے کر او فیہا دلب او صنوبر

۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ ۲۴۶/۱ ۲۔ ہدایۃ ۸۲/۱

۳۔ فتح القدیر ۲/۲-۳، فتاویٰ ہندیہ ۲۶/۱ ۴۔ شامی ۵۴/۱





۷۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ کیوں کہ ملکیت زمین وجوب عشر کے لئے شرط نہیں۔

الخانیہ میں ہے :

”يجب العشر في الاراضى الموقوفة“ ۱۴

بحر الرائق میں ہے :

”وكذا ملك الارض ليس بشرط للموجب لوجوبه في الارض الموقوفة“ ۱۵

فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

”وكذا ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك

الخارج فيجب في الاراضى التى لامالك لها وهى الاراضى الموقوفة

لعموم قوله تعالى الخ“ ۱۶

ردالمحتار میں ہے :

”والحاصل ان الارض تبقى وظيفتها بعد الوقف كما كانت قبله

(وايضاً قال) فيجب في الاراضى الموقوفة لعموم قوله تعالى الخ“ ۱۷

کتب فقہ کی ان تمام عبارات اراضی موقوفہ میں وجوب عشر پر دال ہیں لیکن خلاصۃ الفتاویٰ

میں لکھا ہے کہ اراضی موقوفہ میں عشر واجب نہیں ہے ۱۸ ولا يجب العشر في الارض الموقوفة

وارض الصبيان والمجانين ان كانت عشريه - خلاصہ کی یہ عبارت منقولہ دیگر کتب مذکورہ کی نقول

کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## مقالة سريعة في تعيين العشر والخراج في الأراضي الهندية

أنا : مفتي عبد الرحمن - مركز الفكر الاسلامي - دهاكه - بنغلاديش

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى وعلى آله وصحبه أجمعين :  
بعد السلام والتحية : نقدم مقالتي الموجزة حول " العشر والخراج في الأراضي الهندية "  
ولكن قبل أن ندخل في البحث المشير نفضل أن نشير إشارة سريعة إلى أقسام الأراضي العامة  
في البلاد المفتوحة بالايجاز -

علمًا ، أن الأراضي العامة في البلاد المفتوحة منقسمة إلى قسمين أساسيين :  
الأراضي المملوكة والأراضي غير المملوكة -

أما الأراضي غير مملوكة : فهي على ثلاثة أنواع وبيانها كالتالي -  
أولاً : أرض غير مملوكة تتعلق بها مصالح سكان البلد أو القرية وتنفصل في مرافق البلدة.  
حكمها : أنها مشتركة بين أهلها ومحفوظة كالموقوفة مثل السوارع والمقبرة وغيرها  
وليس للإمام حق التملك ولا لقطاع ، وفي حكمها أراضي الملح والنقد وغيرها -  
في البدائع : وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطاً بها أهلها أو مرعى لهم لا يكون  
مواتاً حتى لا يملك الإمام أقطاعها فهو حق أهل البلدة وفي الأقطاع المطال حقهم -

ثانيًا : أرض غير مملوكة لا تتعلق بمصالح البلدة ولا قابلية لها للزراعة والمنفعة حاليًا  
أو (أرض العموات) -

حكمها : تثبت الملكية لمن استحياها سواء كان مسلحاً أم كافراً ولكن يشترط  
إذن السلطان عند الامام الأعظم وبدونه أيضاً عند صاحبيه .  
قال صلى الله عليه وسلم : من أحيا أرضاً ميتة فهي له . ( انظر كتاب الأموال لأبي عبيد )  
وفى البدائع : فالملك في المرات يثبت بالاحياء بإذن الامام عند أبي حنيفة و  
عند أبي يوسف ومحمد يثبت بنفس الاحياء وإذن الامام ليس بشرط . (١١)

ثالثًا : أرض غير مملوكة ليست منشئة في مرافق البلدة ولكنها قابلة للزراعة والمنفعة  
حاليًا فهي أرض بيت المال وتدخل في هذا القسم أربعة من أنواع الأراضي المباحة وهي :  
( الف ) : أرض غير مملوكة من الأصل إلى أن فتحت البلدة .  
( ب ) : أرض كانت مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث فهي أرض سلطانية .  
( ج ) : خمس أرباعها دفعه الإمام إلى بيت المال من أموال الغنيمة .  
( د ) : أرض أخذها السلطان لبيت المال بعد فتح البلدة عنوة .

### أما الأراضي المملوكة :

فهذه على ثلاثة أنواع ، نوعان في حالة الفتح البلد صلحاً ونوع واحد

في حالة فتح البلدة عنوة ، وبيان أنواعها الثلاثة كالآتي :

أولاً : أرض مملوكة فتحت صلحاً بأن أسلم عليها أهلها فهم مالكون لرقابها ولا خيار للسلطان  
أن يأخذ من أهلها أبداً وهي كقول الله صلى الله عليه وسلم : عصموا مني دماءهم وأموالهم  
هذه الأرض عشرية بلأريب .

في كتاب الأموال : وجدنا الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعد  
قد جاءت في افتتاح الأرضين بثلاثة أحكام : أرض أسلم عليها أهلها فهي لهم ملك أيمانهم  
وهي أرض عشر لا شيء عليهم غيره .



**ثانيًا:** أرض مملوكة فتحت البلدة صلحاً مشروطاً بأن أقبل الإمام تبركها في أيديهم بالخراج المعين المعلوم والأرض هذه خراجية بلاريب .

في الشامية : إذا فتح الإمام بلدة صلحاً جرى على مرجبة وكذا من بعده من الأمراء وأرضها تبقى مملوكة لهم - (١)

**ثالثًا:** أرض مملوكة في يد الكفار وفتحت البلدة عنوة ففي مثل هذه الأراضي خيارات ثلاثة للسلطان الد : جعلها كالغنيمة يقسمها السلطان ويجعل خمسها لبيت المال وأربعة أخماسها بين المجاهدين فأراضي المجاهدين في هذه الحالة عشرية بلاريب -

في الأموال : أرض أخذت عنوة فهي التي اختلف فيها المسلمون وقال بعضهم بسبيلها سبيل الغنيمة فتحمس وأربعة أخماسها محططاً بين الذين افتتحوها -

ب : وللإمام أن يتركها في أيدي المفتوحين خراجية أيضاً -

في أحكام القرآن للجصاص : اختلف أهل العلم في أحكام الأرضين المفتوحة عنوة - فقال أصحابنا والشرقي إذا افتتحتها الإمام عنوة فهو بالخيار أن شاء قسمها ..... وإن شاء أقر أهلها عليها وجعل عليها وعليهم الخراج ويكون ملكاً لهم - (٢)

ج : وللإمام أن يأخذ كلها لبيت المال بدون القسمة فهي أرض بيت المال - فمن هذه الأقسام الست للأراضي العامة في البلدة المفتوحة نعد خمسة أنواع للعشرية وخمسة أنواع للخراجية كما يلي .

### أنواع الأراضي العشرية :

**أولاً:** أرض أسلم عليها أهلها عند فتح البلدة صلحاً -

**ثانيًا:** أرض قسمها السلطان بين المجاهدين جعلهم مالكا لها بعد فتح البلدة عنوة -

**ثالثًا:** أرض المرات أحيائها المسلمون بإذن الإمام عند أبي حنيفة وبدون إذنه أيضاً عند صاحبيه ولكنها وقعت متصلة بجوار أراضي العشرية فحسب -

رابعاً: أرض الموات أحيائها المسلمون بإذن الامام أو بدونه ولكنها وقعت متحلة بالأراضي العشرية والخراجية معاً.

خامساً: أرض الموات أحيائها الحكومة الإسلامية أو الحكومة البريكانية ثم دفعها ابتداء إلى المسلمين فهي عشرية مطلقاً (لأنها في ملكية المسلمين بدائياً).

### أنواع الأراضي الخراجية

أولاً: أرض تركها السلطان في أيدي أهلها بخراج معلوم بعد أن فتحت الدولة ملحاً مشروطاً.

ثانياً: أرض تركها السلطان في أيدي أهلها بخراج معلوم وجزية معلوم بعد فتح البلدة عنوة.

ثالثاً: أرض الموات استحياها غير مسلم بإذن الامام أو بدونه.

رابعاً: أرض الموات استحيتها الحكومة الإسلامية أو الكافرة ثم دفعها إلى غير المسلمين ملكية بدائية.

خامساً: أرض الموات استحياها المسلم بإذن الامام ولكنها متحلة مع الأراضي الخراجية المحضة، فهي عشرة أنواع للأراضي العشرية والخراجية بالإجمال.

### كيفية فتوح الهند مع الأحكام المتعلقة بالأراضي

قبل أن نتدارس أنواع الأراضي الهندية لابد لنا أن نشير إلى كيفية فتوح الهند ههنا.

علماء :- أن كل بلدة تفتح بأحد طرق ثلاثة.

أولاً: فتحت البلدة ملحاً بأن أسلم أهلها عند الفتح.

ثانياً: فتحت البلدة ملحاً بأن تكون بين المجاهدين والفتوحين شروط للصلح.

ثالثاً: فتحت البلدة عنوة وللإمام في أراضي هذه البلدة المفتحة ثلاث خيارات :-

(أ) أن يوزع الأراضي بين القائمين والخمس لبيت المال.

(ب) أن يأخذ كلها أو بعضها لبيت المال.

(ج) أن يترك الأراضي في أيدي أهلها ويعين عليهم الخراج المعلوم والجزية المعلوم.

وقد بحثت في الكتب التاريخية لسلطنة الغزنوية والغورية والخلجية فعرفنا

أن الطريقة الثالثة المذكورة حققت في فتح بلاد الهند، إلا أن الطريقة الأولى يعني أسلم أهلها عند الفتح فهذه نادرة قليلة وقد ذكر المورخ ابن الأثير نماذج لها في ديار الهند .

أما الطريقة الثانية والثالثة توجد كثيرة في فتح البلدة ولكن الخيارات الثلاثة كلها في الطريقة الثالثة لم توجد في فتح البلدة لأن التاريخ يشهد أن الأراضي الهندية لم يوزعها الامام بين الغانمين كذلك لم توجد في التاريخ أن الأراضي كلها أخذتها الحكومة الإسلامية أو السلطان لبیت المال ما عدا تلك الأموال التي كانت مملوكة للسلاطين المفتوحين فأخذتها السلطان وأدخلتها في بیت المال بل الصورة التي توجد في القارة الهندية كثيرة جداً هي ترك الأراضي على أيدي أهلها ملكاً وأخذ الخراج والجزية منهم فحسب .

### أما النظام الإقطاعي في الأراضي الهندية

والأراضي التي أقطعها السلطان للجيش والمجاهدين لا يتعلق هذا النظام بالملكية ولم تشر في ثبوت الملكية لأهلها لأن الإقطاعيين لهم حق لأخذ جزء الخراج الذي هو حق للحكومة وأهل الأراضي يدفعونه لهم، الإقطاعيين كما يدفعونه في بیت المال ولا علاقة للإقطاعيين بالملكية في هذه الأراضي .

إلا أن في الظروف الشاذة أعطت الحكومة للإقطاعيين ملكية للأراضي وربما هذه الأراضي هي أراضي بیت المال التي أخذتها الحكومة من الأموال السلطانية المفتوحين والله أعلم .

### إذا تفقح العلماء على :

أن الأراضي الهندية في أحكامها مثل أحكام الشام والعراق والمصر حيث

لم توزع أرضها بين الغانمين كالغنيمة بل صارت الأراضي كالتالي :

- ١ — أخذت الحكومة بعض أرضها لبیت المال .
- ٢ — أخذت بعضها لبیت المال ثم دفعتها لبعض المستحقين ملكية .
- ٣ — ومعظم أراضيها تركتها في أيدي أهلها مخرج معلوم .



## أقسام الأراضي الهندية وأحكامها

- إن الأراضي الهندية باعتبار المملوكة أغيرها منقمة إلى الأقسام التالية:
- الأول: - أرض أسلم عليها أهلها عند بداية الفتح صلحاً أو تركها السلطان في أيدي أهلها حسب شروط الصلح وفتحت البلدة صلحاً. فهذه الأراضي مملوكة لأهلها بلاريب .
- الثاني: - أراض تركت على أيدي أهلها بعد فتح البلدة عنوة وقد تثبت بالتصريحات التاريخية بأن السلطان أقر على ملكيتها. وهذه ملكية لأهلها أيضاً .
- الثالث: - أراض غير مملوكة من الأصل أو كانت مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة وأعطتها المستحقين ملكاً أو كانت الأرض مملوكة للكفار ثم أخذتها الحكومة الإسلامية بوجه ما ثم دفعتها إلى المستحقين فهي ملكية للمستحقين أيضاً .
- الرابع: - أرض الموات أحياء مسلم أو غير مسلم بإذن الامام والسلطان أو بدونه حسب الأقوال، فهذه مملوكة لمن أحياءها .
- الخامس: - أراض يملكها من الكفار بعد فتح البلدة ولكن لم توجد عندهم أية بيعة وثيقة من السلطان بأنه أقر على ملكيتهم . فهذه هي مملوكة عند جماهير العلماء وإن اختلف فيه بعض العلماء كالشيخ جلال قنجا نيسري رحمه الله فقال أنه غير مملوك .
- فهذه هي الأنواع الخمسة كلها مملوكة لصاحبها .
- السادس: - أراض منشقة في مصالح الناس وفي مرافق البلدة كالمقبرة والشوارع، فهي غير مملوكة لأحد محفوظة كالوقوف .
- السابع: - أراض تتعلق بالمنفعة العامة وتثبت منها الأشياء الضرورية للمجتمع كالبيوت والمطعم فهذه غير مملوكة لأحد وتكون محفوظة كالوقوف .
- الثامن: - أراض لم تكن مملوكة لأحد أخذتها الحكومة لميت المال فهي حق لبيت المال غير مملوكة لأحد .
- التاسع: - أراض مملوكة للسلطين المفتوحين فتحت الدولة الإسلامية عنوة وأخذتها

لبيت المال فهي كذلك وليس لأحد حق التملك .

العاشر: أراضى أخذتها الحكومة بعد سيطرتها على الكفار بفتح البلدة عنوة وادخلها كلها  
فى بيت المال فهي أيضاً غير مملوكة لأحد .

فهذه الأنواع الخمسة للأراضى كلها غير مملوكة لأحد إلا أن الثلاثة الأخيرة للإمام  
والسلطان الخيار أن يدنوها إلى مستحقها ملكية فتثبت الملكية لهم

الحادى عشر: أراضى مملوكة كانت فى يد الأقطاعيين ثم بعد فترة طويلة غلبوا عليها أو ادعت  
أنها مملوكة للأقطاعيين والحكومة الانجليزية أقرت بملكيتها للأقطاعيين  
فضلا عن أهلها . فتكون هذه ملكية للأقطاعيين ومن اشترها منهم أو حصلوا  
عليها إرثاً فهم مالكون لها . لأنها تعتبر استيلاء من الكفار ثم تسليمها إلى  
الأقطاعيين ملكية .

الثانى عشر: أراضى سيطر عليها الحكومة البريطانية وضبط لنفسها ثم دفعتها للمسلم  
أو غير المسلم أو باعت فى يد المسلم أو غيره فهذه مملوكة لمن يشتريها  
أو يأخذها .

## بيان الأراضى الهندية العشرية والمخرامية

فمن هذه الأنواع الاثنى عشر من الأراضى الهندية فحسب الأنواع العشرية كما يلي:

### أما العشرية :

أولاً: — كل أرض أسلم أهلها عند بداية الفتح - فهذه عشرية بلا ريب .

ثانياً: — كل أرض قسمها السلطان للفاتحين فهي عشرية بلا ريب إلا أن هذا القسم  
من الأراضى غير موجودة فى ديار الهند كما قلنا من قبل وإن وجدت فرضاً  
فهي عشرية .

ثالثاً: — كل أرض كانت غير مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة  
الإسلامية ودفعتها للمسلمين ابتداءً فهي أراضى عشرية .

- رابعاً: كل أرض أخذتها الحكومة الإسلامية من المفتوحين ثم دفعتها للمسلمين ملكاً ابتداءً فهي أيضاً عشرية. إلا أنها نادرة لم توجد في القارة الهندية كما ذكرنا قبل.
- خامساً: كل أرض كانت موثاقاً وأحييها الحكومة البريطانية أو الحكومة الإسلامية ثم دفعتها للمسلمين ملكية ابتداءً فهي أيضاً عشرية.
- سادساً: كل أرض كانت موثاقاً ثم أحييها المسلمون بإذن الإمام فإن اتصلت هذه الأرض بالأراضي العشرية المحصنة أو واقعة بين الأراضي العشرية والأراضي الخراجية معاً فهي إذاً عشرية عند الإمام أبي يوسف رحم وعليه الفتوى.
- سابعاً: كل أرض تركها الهندوس في أرض باكستان وبنغلاديش ثم دفعتها الحكومة الباكستانية أو البنغلاديشية للمسلمين ملكاً فهي أيضاً عشرية.

### أما الأراضي الخراجية في القارة الهندية

- أولاً: كل أرض تركها السلطان في أيدي المفتوحين حسب شروط الصلح عند فتح البلدة صلحاً فهذه الأراضي في أيدي أهلها خراجية.
- ثانياً: كل أرض تركها السلطان في يد أهلها بعد فتح البلدة عنوة فهي أرض خراجية أيضاً.
- ثالثاً: كل أرض كانت غير مملوكة أو كانت مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة الإسلامية ودفعتها للكفار ملكية ابتداءً فهي أرض خراجية.
- رابعاً: كل أرض غير مملوكة أو مملوكة مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة البريطانية ودفعتها للكفار ثم اشتراها منهم المسلمون فهي أرض خراجية.
- خامساً: كل أرض مبيعة أحييها الكافر بإذن الإمام فهي أرض خراجية.
- سادساً: كل أرض مبيعة أحييها مسلم بإذن الإمام ولكنها متصلة بالأراضي الخراجية المحصنة فهي خراجية أيضاً.
- سابعاً: كل أرض يملكها الكافر بعد فتح البلدة وليس لديهم أية وثيقة حكومية



تدل على أنها أقرت على ملكيتها فهذه الأراضي خراجية أيضا .

ثامناً : كل أرض تركها المسلمون في ديار الهند ثم أخذتها الحكومة الهندية ودفعها المسلمين ملكية فهي خراجية أيضاً ولاستيلاء الكفار عليها  
تاسعاً ، كل أرض كانت لبيت المال ثم دفعتها الحكومة الإسلامية المستحقين غير المسلمين إبتداءً فهي أيضاً خراجية .

وهنا نذكر بعض أنواع الأراضي التي ليست عشرية ولا خراجية كالآتي :  
الأول : كل أرض مشغلة بمصالح العباد ومرافق البلدة كالشوارع والمقبرة فهي غير مملوكة فليست عشرية ولا خراجية .  
الثاني : كل أرض تنبت فيها المعادن كالبتروول والملح وغيرها فليست عشرية ولا خراجية .  
الثالث : كل أموال أدخلتها الحكومة في بيت المال مثل أراضي غير مملوكة أو أراضي السلاطين المفتوحين بعد فتح البلدة عنوة أو أراضي الكفار أخذتها الحكومة الإسلامية بوجه ما وأدخلتها في بيت المال فهي كلها حق لبيت المال لا عشرية ولا خراجية .

وفي الأخير : نضيف في البحث شيئاً هاماً وهو إتنا لا نعرف حتمياً أن الأراضي الموجودة في أيدي المسلمين اليوم في الهند من أي نوع من الأنواع السابقة وهل هي كانت المسلمين بدائياً أو متروكة للكفار ؟ لهذا نحتاج إلى ضابطة هامة إلى تعيين الحكم ، والفتوى بأنها في هذه الحالة عشرية وفيها خراجية .  
فنقول : الضوابط ههنا كالتالي :

### الضابطة الأولى :

كل أرض في أيدي مسلمي الهند اليوم إذا علم ذلك علماً جازماً بأنها كانت مملوكة للمسلمين إرثاً أو شراءً ، ولم يجر فيها أرض عشرية بلارية لأنها من الغالب أن الحكومة الإسلامية تركتها في أيدي المسلمين عند الفتح ، أو كان أوصلحاً أو أن أهلها أسلموا عند بداية الفتح .

## الضابطة الثانية

كل أرض مملوكة في أيدي مسلمي الهند اليوم إن لم يعلم  
علمًا جازمًا من التاريخ بأنها جاءت في ملكية المسلمين منتقلة من ملكية الكفار بل  
تواريخها مجهولة فهذه الأراضى عشرية كذلك باستصحاب الحال .

## الضابطة الثالثة

كل أرض مملوكة في أيدي مسلمي الهند اليوم إن علم علماء جازمًا  
أنها جاءت ملكية المسلمين منتقلة من ملكية الكفار أو بعد استيلاء الكفار فهي أراضى  
خراجية بلا ريب .

## الضابطة الرابعة

كل أرض مينة استحياها الحكومة الكافرة أو الإسلامية ثم أعطيتها  
المسلمين ابتداءً فهي أرض عشرية وإن قبضت الحكومة البريطانية أو الهندية على  
أراضى المسلمين بسبب ما تم إعطائها المسلمين ملكية ابتداءً فهي أرض خراجية لاستيلاء  
الكفار وهذا لا يجاز

وفقكم الله وإيانا للوصول إلى الحق - اللهم أرنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه . آمين .

# تجاویز

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چھٹے فقہی سمینار میں پیش کردہ مقالات و مباحث  
کے بعد جو تجاویز طے ہوئیں وہ درج ذیل ہیں



## تجاویز بابت اراضی ہند

شریعت اسلامی نے جس طرح دوسرے اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے، زرعی پیداوار سے بھی غریبا کا حق متعلق کیا ہے، جس کو عشر و خراج کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی ہدایات اور قرون خیر کے تعامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

۱۔ وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا ہو۔

۲۔ کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا، بذات خود وہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی ہوں۔

۳۔ جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو بذلورجا گیر غطا کی گئی ہوں۔

۴۔ جزیرۃ العرب کی تمام فتنیں جن کی نقبہا نے مدینہ کی کر دی ہے۔

۵۔ مسلمانوں کی رہائشی زمینیں جو قبائل کا شت بنالی گئی ہیں اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عشری ہیں۔



۶۔ مسلمان ملک کی افتادہ زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عسری ہوگی۔

اور درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

- ۱۔ مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔
- ۲۔ وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور زمین انھیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

۳۔ مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

۴۔ جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کو دی گئی ہوں۔

البتہ اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہے اور چوں کہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لیے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے۔ عشر کے سلسلہ میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سمیٹا اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

۲۔ ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عسری ہیں:

- (الف) ۱۔ مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آ رہی ہیں
- (ب) ۲۔ جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بخوشی مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آ رہی ہیں۔

(ج) ۳۔ جو زمینیں عرصہ دماڑے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

۴۔ جو مزرعہ یا افتادہ زمینیں حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کو حاصل ہوں، اس صورت کو

بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

۳۔ جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سمندر کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں کی تمام ہی زمینیں عشری ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے۔ تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔

(۲)

### تجاویز بسلسلہ مکھانہ، مچھلی و ریشم

۱۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ زمینی پیداوار میں سے ہیں اور ان سے استغلال ارض ہوتا ہے اس لیے ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲۔ تالابوں میں بغرض تجارت مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے، یہ نہ مٹی پیداوار میں سے نہیں، بلکہ اموال تجارت میں سے ہے اس لیے ان پر عشر کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ مال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۳۔ اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشم پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ہے اور شہتوت کے پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ جن اراضی کو شہتوت کے پتوں کے ذریعہ، ذریعہ آمدنی بنایا جاتا ہے، ایسی اراضی پر شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں پتوں پر عشر واجب نہیں، اس سے حاصل شدہ ریشم پر زکوٰۃ اموال کی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی۔

(۳)

### تجویر بابت عشر زمینی پیداوار، درخت و خضراوات

۱۔ زکوٰۃ کی طرح عشر بھی ایک فریضہ ہے جس کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کو پاکیزہ کمائی سے زکوٰۃ اور زمینی پیداوار سے عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے،





ارامنی کی سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۲۔ چوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ غیر ملوکہ ارامنی میں بھی عشر واجب ہے، نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں، اس لیے ارامنی اوقاف میں بھی عشر واجب ہوگا، خواہ اوقاف عامہ کی ارامنی ہوں یا وقف علی الادلاد کی۔ فقط

⑤

## مزارعت میں عشر کی تفصیل

جن عشری زمینوں کی کاشت بہ طور بٹائی کے کرائی جاتی ہے ان کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے سلسلہ میں طے کیا گیا کہ

۱۔ اگر زمین کا مالک اور بٹائی دار دونوں مسلمان ہوں تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

۲۔ اگر مالک زمین مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہوں تو مسلمان مالک پر اس کے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

⑥

## تجویز بابت نصاب

۱۔ فقہی سمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائے گئی سے پہلے اصل پیداوار سے منہا کیا جائے تاکہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔ سمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے مخصوص مقادیر ہیں، اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی و زیادتی کو اس تسلیم کرتے

ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے۔ اور دیگر کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کر دی ہے اس میں عقل و قیاس کا دخل نہیں اور نہ کسی کو مقدار واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں پیداوار کی مقدار میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہذا سمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصل پیداوار سے منہا نہیں کیے جائیں گے۔

(۲) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض احادیث کے عموم کو پیش نظر رکھ کر وجوب عشر کے لیے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں، ہر وہ شئی جو زمین سے پیدا ہو، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد و دیگر جہورائے ائمہ کے نزدیک حدیث لبس فیما دون خمسة اوسق صدقہ کی روشنی میں پانچ اوسق سے کم اگر پیداوار ہو تو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ سمینار کی رائے میں چھوٹے کاشت کار یا قدرتی آفات کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوب عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے ایسے حالات میں جب کہ کسی کاشت کار کی کل پیداوار پانچ اوسق یعنی پچھتھ کو مثل ۵۳ کلو سے کم ہو تو صاحبین و دیگر جہورائے ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ بعض شرکاء کا رجحان ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

(۷)

### ادائے گی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی

۱۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں مسلمانوں پر خراج واجب نہیں ہوتا۔ لیکن جو شرکاء سمینار ہندوستان کی خراتی زمینوں میں خراج لازم قرار دیتے ہیں اور خراج کو حق شرعی قرار دے کر واجب الادا کہتے ہیں ان کا عام رجحان یہ ہے کہ زمین کا سرکاری لگان ادا کرنے سے خراج شرعی ادا



نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان مالک زمین پر لازم ہے خراج خود نکال کر مصارف خراج میں صرف کرے۔  
اور بعض شرکاء سمینار کی راتے ہے کہ خراج شرعی سے سرکاری لگان مہنہ کرنے کے بعد خراج کی  
باقی مقدار مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔

(۲) ہندوستان کی خراجی زمینوں پر خراج مقاسمہ لازم ہے یا خراج موقوف۔ اس سلسلہ  
میں بعض شرکاء سمینار نے ادلے کی اور حساب کی سہولت کے پیش نظر تمام خراجی زمینوں  
میں خراج مقاسمہ لازم قرار دیا ہے۔

لیکن وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک جن زمینوں کے بارے میں  
تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح اسلامی کے بعد ان پر خراج مقاسمہ لازم قرار دیا گیا تھا مثلاً  
گجرات و راجپوتانہ ان میں خراج مقاسمہ لازم ہوگا اور اس کی مقدار وہی ہوگی جو اسلامی  
فتوحات کے وقت متعین کی گئی تھیں، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراج موقوف کی ادلے کی  
لازم ہوگی۔

(۳) وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر شرکاء سمینار نے تو ظیف عمری کی بنیاد بنا کر غلہ اور کپاس  
جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب ایک درہم نقد یعنی ساڑھے تین ۳ ۱/۲ ماشہ  
چاندی یا اس کی قیمت) اور پیداوار میں سے ایک صاع (یعنی تین کلو تین سو پچیس گرام)  
لازم قرار دیا ہے اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب پانچ درہم یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور  
کے متعل درختوں والے باغ فی جریب دس درہم چاندی یا اس کی قیمت لازم قرار دی ہے۔

(۸)

المجمع الفقہی الاسلامی کے چھٹے سمینار میں بینکنگ اور شیرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث  
آئے اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے۔

(۱) اسلامی مالیاتی ادارہ کو زر روبینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فی صد حصہ سرکاری  
تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے۔ تو سمینار کے نزدیک  
یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بہ تدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا  
جائے اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔



(۲) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان اس کے شیرز خرید سکتا ہے۔

(۳) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، اس کے شیرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۴) بینکنگ و شیرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سمینار میں پیش کیے گئے، ان کے متعلق یہ سمینار الجمع الفقہی کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پورے طور پر تحقیق و تنقیح کے لیے ماہرین علماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے تاکہ وہ غور کے بعد کسی آخری رائے تک پہنچ سکیں۔



## ادارة القرآن كراچى كى چند جديد و مفيد عربى مطبوعات

|                                      |  |
|--------------------------------------|--|
| فقہ المشكلات (عربى)                  | جامع احاديث الاحكام (متن علماء السنن ۲ جلد)  |
| الفقه الحنفى وادلتہ ۳ جلد            | اعلاء السنن ۱۸ جلد مع فہارس  |
| شرح الزيادات للامام محمد ۶ ج         | الاشباه والنظائر ابن ملقن ۲ جلد  |
| جمع الفوائد من جامع الاسول ۴ ج       | الاشباه والنظائر ابن نجيم ۳ جلد  |
| مجموعه رسائل لكهنوى، ۶ جلد           | شرح طیبى ۱۲ جلد  |
| انوار المحمود شرح سنن ابى داود ۲ ج   | مصنف عبد الرزاق ۴۲ جلد   |
| اعلام الاعلام بمفهوم الدين والاسلام  | الفتاوى تاتارخانيہ ۵ جلد   |
| كتاب الرد على سيرة الازاعي           | ہدایہ حاشیہ عبدالحی لكهنوى ۴ جلد   |
| شرح مقامات الحریری للشریثی           | مجموعه رسائل کشمیری ۴ جلد  |
| شرح شرح المنار فی اصول الفقہ         | الکوکب الدرۃ ۴ جلد   |
| فتح الغفار بمعجم رد المحتار          | احکام القرآن تھانوی ۵ جلد  |
| مجموعۃ الخطب الלקنویۃ                | جدید فقہی مباحث اٹالے (اردو)   |
| معجم لغة الفقہاء                     | JESUS ..... (تعمیر اسلام حضرت مسیحی)<br>(تجلیت حدیث) The Authority of Sunnah<br>(تعارف اسلام) ISLAM AN INTRODUCTION    |
| مرکاتہ الامام ابو حنیفہ بین المحدثین | (خطبات مدراس) The Life and Message<br>(شمائل ترمذی) SHAMAA-IL TIRMIDHI<br>(بائبل قرآن اور سائنس) BIBLE QURAN & SCIENCE |
| المدخل الی دراسة علم الکلام          | (اسوۂ رسول اکرم ﷺ) "Life Example of P.U.H."<br>(احکام میت) "The Islamic way in the Death"                              |

ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ

## ادارة القرآن كہ اچی كی چند اہم اور مفید طبعوعات

|  |  |
|--|--|
| كیا آپ موت كیلئے تیار ہیں                      | اللہ كا خطاب (اہل ایمان سے)  |
| بنیادی فقہی احكام                              | اشرف المکتوبات   |
| اجتماعی ختم قرآن كی شرعی حیثیت                 | احكام و آداب طہارت، وضوء، نماز   |
| جدید تجارتی شكلیں                              | حج عمرہ اور انكے جدید مسائل  |
| سوال و جواب (آپكے مسائل اور انكے حل كیلئے ۲ ج) | شیئرز اور كمپنی طریقہ كار و احكام  |
| ضرورت و حاجت كا احكام سیریس، اعتبار            | لڑكے اور لڑكیوں كے نكاح كا اختیار  |
| وقف املاك كے شرعی احكام                        | ذكر سید الكونین ﷺ  |
| اہم فقہی فیصلے                                 | طبی اخلاقیات   |
| تعلیم سیرت                                     | مسند ابوداؤد طیالسی ۲ جلد  |
| بائبل قرآن سائنس                               | فضائل اعمال اعلیٰ  |
| طشت جواہر                                      | نكاح مشروط   |
| جواہر حكیم الامت                               | نبیوں كی سچی كہانیاں   |
| جدید فقہی مباحث ۷۱ جلد                         | JESUS ..... (پیغمبر اسلام حضرت مسیحی)<br>(حجیت حدیث) The Authority of Sunnah<br>(تعارف اسلام) ISLAM AN INTRODUCTION                          |
| جو تم مسكراؤ تو سب مسكرائیں                    | (خطبات مدراس) The Life and Message.<br>(شماكل ترمذی) SHAMAA-IL TIRMIDHI<br>(بائبل قرآن اور سائنس) BIBLE QURAN & SCIENCE                      |
| دل كی دنیا                                     | (اسوہ رسول اکرم ﷺ) "Life Example of P.U.H"<br>(احكام میت) "The Islamic way in the Death"<br>(مجموعہ قوانین اسلامی) COMPENDIUM OF ISLAMIC LAW |

ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ